صرف بچوں کے لیے
ماہنامہ
پاکیزہ
عید نمبر

مسلسل سلسلہ

271 پاکیزہ ستارے — شازیہ چوہدری

303 جلترنگ — انجم انصار

316 پاکیزہ ڈائری — عظمیٰ آفاق سعید

279 بہنوں کی محفل — مدیرہ

310 میں اکثر گنگناتی ہوں — سلطانہ خان

326 روحانی مشورے — ادارہ

287 مسیحا — سید انور فراز

313 بزم پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

329 ہومیو کلینک — ڈاکٹر آصفہ شاکر

Office : 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, Main Korangi Road, Karachi- 75500
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. Karachi-74200
Phone : (021) 5802552 Fax: 5802551 E-mail address: jasoosi@attgl obal.net

ناولٹ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ

62 سائبان — شازیہ چوہدری

239 میں ایک خواب بن رہا ہوں — نزہت شبانہ حیدر

24 فیشن 03 — سبین

168 زندگی کی نوید ہو تم — عالیہ حرا

245 دوہری عید — ڈاکٹر صفیہ سلطانہ

سلسلہ وار ناول

32 میری آواز سنو — انجم انصار

72 اعتبار — فوزیہ فرخ احمد

263 روشنی — نگہت اعظمی

سلسلہ وار ناول

32 منتہا — ناہید سلطانہ اختر

113 عید کے رنگ چاہتوں کے سنگ — قیصر حیات

249 مبارک ساعتیں — طلعت حبیب

122 کہر میں کرن — سیما مناف

185 بلا عنوان — ڈاکٹر زکیہ بلگرامی

174 ایف ایم 100 کے محفوظ الحسن — عروج شیخ

212 دل من مسافر من — آسیہ مرزا

243 عید پھول اور خوشیاں — حمیرا راحت

247 مزاحیہ سیریل نواور دو پانچ — شہناز رفیق

پبلشر: عذرا رسول: مقام اشاعت: 63 سی فیز II (ایکس ٹینشن) ڈیفنس کمرشل ایریا مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن۔ مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس۔ ہاکی اسٹیڈیم کراچی۔

مجھے کچھ کہنا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینِ اسلام کی کاملیت کی بیّن دلیل یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر کام کے متعلق ہدایات دیتا ہے۔ جس طرح اسلام نے خوشی و مسرت کے اصول مقرر کیے ہیں اسی طرح رنج و غم کے بھی۔

اسلام خوشی کے موقع پر تفریحی مشاغل سے روکتا نہیں بلکہ فضول خرچی، غیر ضروری اخراجات و اسراف سے احتراز کرنے کی ہدایت دیتا ہے اور غربا، فقرا اور مساکین کو فراموش نہ کرنے کا بھی درس دیتا ہے تا کہ وہ بھی عید کی خوشیوں سے بھرپور لطف اندوز ہو سکیں۔

اسلام نے عید کے تہوار کو ایک انعام کی صورت میں امیر و غریب، آقا و غلام سب کے لیے یکساں خوشی کا دن بنایا ہے اور پوری اُمتِ مسلمہ پر یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عید کی خوشیاں کیسے منانی چاہئیں۔

آیئے، آج عید کے مبارک دن ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور خلوصِ دل سے یہ عزم کریں کہ آج سے ہمارا جو قدم بھی اٹھے گا وہ اُمتِ مسلمہ کے اتحاد و اتفاق اور خصوصاً اپنے ملک و ملت اور قوم کی بہتری اور استحکام کے لیے اٹھے گا اور آج سے ہم اپنے درمیان پھیلی ہوئی ہر قسم کی نفرتوں، اختلافات اور تعصبات کو ختم کریں گے اور اتحاد و اتفاق، مساوات اور بھائی چارے کو فروغ دیں گے اور ہر قدم پر محبتوں کے چراغ جلائیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی تمام عبادتوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور ہم سب کو نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے..... اور ہمارے تمام چھوٹے بڑے گناہوں کو معاف کر دے۔ آمین، ثم آمین!

مدیرہ..... انجم انصار!

میری آواز سنو — معاشرے میں عورت کی عزت و توقیر — انجم انصار

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ.....
زندگی کی جدوجہد جاری رکھنے کے لیے عورت نے مرد کو مایوسیوں سے باہر نکالا۔ عورت کی محبت ماں کے روپ میں ہو، بیوی کی شکل میں، بہن کے تصور میں یا بیٹی کی فکر میں، اس نے ہمیشہ مرد کو حوصلہ دیا ہے اور پریشانیوں سے نجات دلانے میں ہمت بڑھائی ہے۔

موجودہ دَور کی عورت نے زندگی کے ہر شعبے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور بعض معاملات میں مرد کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔

کھیلوں میں، ذہنی اور فنی صلاحیتوں میں، دفاتر اور صنعت میں ان کا ریکارڈ ایمان داری اور تیز رفتاری میں منفرد نظر آتا ہے۔

ان تمام حقائق کے باوجود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آج کی عورت کو ہماری سوسائٹی میں وہ قدر و منزلت نہیں ملتی جس کی وہ مستحق ہے۔

آپ، میں اور ہم سب آئے دن اس قسم کی خبریں پڑھتے ہیں۔

کوڑے کے ڈھیر سے نوزائیدہ بچے کی لاش برآمد۔

کنواری ماں نے بدنامی سے بچنے کے لیے بچے کا گلا گھونٹ دیا۔

بدکاری کے اڈے سے بدقماش عورتیں گرفتار۔

ماں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آشنا کے ساتھ بیٹی فرار۔

خبریں پڑھ کر ہم سب اخبار ایک طرف ڈال دیتے ہیں اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اس کیس میں لڑکی معصوم بھی ہوسکتی ہے۔ اس پر جبر بھی ہوسکتا ہے، یہ ریپ کا کیس بھی ہوسکتا ہے یا یہ کسی شیطانی ٹولے کی کارستانی بھی ہوسکتی ہے۔

ایک عورت ہونے کے ناتے، اور ایک مسلمان ہونے کے لحاظ سے ہمارے کچھ فرائض بھی ہیں اور یہ فرائض اس وقت اور بڑھ جاتے ہیں کہ جب قلم نہ صرف ہماری شناخت ہو بلکہ ہماری آبرو بھی ٹھہرے۔

عورت ہونے کے ناتے ہمیں اپنی عزت نفس کا ہمیشہ خیال رکھنا ہے اور اس کو کسی طرح بھی ٹھیس نہیں پہنچانی ہے، تاکہ معاشرے میں خواتین کا وقار بلند رہے۔

یہ تھا اس پروجیکٹ کا موضوع، جس پر ایک نشست ماہنامہ پاکیزہ کے آفس میں رکھی گئی۔

اسلام آباد میں بی بی سی کے نمائندے جناب ظفر عباس کی اہلیہ تسنیم احمر ایک معروف صحافی ہیں اور ان کا اسلام آباد میں ادارہ ''عکس ریڈیو پروجیکٹ'' کے نام

سے خاصا معروف ہے۔

مسز تسنیم احمر اس کی ایگزیکٹو پروڈیوسر ہیں۔ یہ پروجیکٹ انہیں بی بی سی ریڈیو سے ملا ہے۔ جس کے لیے انہوں نے ماہنامہ پاکیزہ کا انتخاب کیا اور اس کے لیے وہ اسلام آباد سے کراچی آئیں۔

اس دن پہلا روزہ تھا اور کراچی کا موسم بھی خاصا گرم جوش۔ درجہ حرارت 37 درجے فارن ہائیٹ سے زیادہ تھا..... مگر ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے تسنیم احمر اپنی بہن کے ساتھ پاکیزہ کے آفس میں موجود تھیں۔ ہم نے ان کا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر بعد رخ چوہدری اور ناہید چوہدری آگئیں اور ان کے ساتھ ہی سعدیہ عزیز آفریدی بھی آگئیں۔ ابھی ہم اپنی مایہ ناز مصنفات کا تعارف کرا کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ پاکیزہ کی روحِ رواں محترمہ عذرا رسول بھی تشریف لے آئیں۔

تسنیم احمر نے ماہنامہ پاکیزہ سے اپنی وابستگی بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس رسالے کو ہم برسوں سے بڑی باقاعدگی سے پڑھ رہے ہیں اور ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ماہنامہ پاکیزہ میں تحریروں کے حوالے سے خاصا تنوع پایا جاتا ہے۔ آپ کی ایڈیٹر انجم انصار کی تحریروں کے ہم پرستار ہیں۔ ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ہماری بات پاکیزہ کے اس پلیٹ فارم سے ہر لکھاری بہن تک پہنچے۔

تسنیم احمر نے مزید کہا کہ میں اپنے پروجیکٹ کے سلسلے میں مختلف شہروں میں جاتی ہوں مگر پاکیزہ کا انتخاب کرتے ہوئے میں نے یہ ہرگز نہیں سوچا کہ میں عذرا رسول کی بھابی بھی ہوں۔ میں نے پاکیزہ ایسے ایسے مقامات پر بھی دیکھا ہے، جہاں اخبارات تک نہیں جاتے ہیں۔ اس لیے میں اپنی آواز اسی کے توسط سے پہنچا رہی ہوں۔

پیاری بہنو! میری آواز سنو..... عورت کی عزت و تکریم کا ہمیشہ خیال رکھو۔

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عذرا رسول نے کہا کہ افسانے اور ناول بڑی پُراثر ادبی صنف ہے۔ اس کو پڑھ کر لڑکیاں اپنے آپ کو خیالوں کے جھولوں اور تصورات کی اڑانوں میں دیکھنا شروع کر دیتی ہیں۔ اس لیے آج کے افسانوں کے اثرات ہماری نئی نسل پر بہت گہرے پڑتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو افسانے شائع ہوتے ہیں، اس میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ تحریروں کے ذریعے بچیوں کی اخلاقی تربیت بھی ہو۔

رخ چوہدری نے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا افسانوی ادب ورکنگ ویمن کے مسائل بہت اچھی طرح سے بیان کر رہا ہے اور ہم ڈائجسٹوں میں عورت کی برتری کے لیے تحریری طور پر کوشاں ہیں۔

عذرا رسول نے کہا، پاکیزہ بالخصوص خواتین کا ایک مقبول ماہنامہ ہے، اس میں اداریے میں انجم ایک چھوٹی سی بات لے کر خواتین کا کوئی نہ کوئی مسئلہ حل کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ جلترنگ میں شگفتہ انداز میں کسی نہ کسی مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ جسے سب انجوائے بھی کرتے ہیں۔

رخ چوہدری نے عذرا رسول کی بات بڑھاتے ہوئے کہا کہ پاکیزہ کی تحریریں یقیناً ندرت کی حامل ہیں اور اس کے پیش لفظ میں ہمیشہ ایک سبق ہوتا ہے اور میں نے بھی اس سے بہت سی باتیں سیکھی ہیں۔

ہم نے کہا کہ پاکیزہ نہ صرف بڑے بڑے شہروں میں جاتا ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور گاؤں تک میں جاتا ہے اور ہم ان کی ذہنی سطح کے حساب سے ان کو بھی ایجوکیٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم چھپر کھٹ فیم افسانے شائع کرنے کے بجائے معاشی اور معاشرتی مسائل حل کرنے والے افسانے شائع کرتے ہیں۔

ناہید چوہدری کی رائے یہ تھی کہ اخبارات کی چٹپٹی خبروں نے خواتین کی شخصیت کو خاصا مسخ کیا ہے مگر اس ضمن میں افسانوی ادب کی صورتِ حال خاصی بہتر ہے۔ ہمارے افسانے دیہی زندگی کی جفاکش خواتین کی کہانیوں سے بھرپور ہوتے ہیں کہ وہ کس طرح مردوں کی طرح محنت کرتی ہیں اور گھریلو زندگی کے فرائض بھی سرانجام دے رہی ہیں۔

تسنیم احمر نے ایک نکتہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں لڑکیوں کی خوراک کا خاص خیال نہیں رکھا جاتا۔ وہ بچیاں جنہیں آگے چل کر ایک نسل کی ذمے داری اٹھانی ہے، ان کا تو خاص خیال رکھنا چاہیے، اور یہ بات ہمیں اپنی تحریروں میں ہی بتانی چاہیے۔

عذرا رسول نے کہا کہ جو مائیں اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں ان کا حق تو کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا اور صحت مند مائیں ہی صحت مند اولاد پیدا کرتی ہیں، آج کی ماؤں کو اپنی بچیوں کی صحت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

سعدیہ عزیز آفریدی نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا، آج کی لڑکی کی تربیت ہم اپنے افسانوں کے ذریعے کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ لڑکیاں جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتیں اور جو الیکٹرانک میڈیا کے اثرات سے احساسِ کمتری کے دلدل میں دھنسی جا رہی ہیں ان تک یہ پیغام کیسے پہنچے گا۔

تسنیم احمر نے کہا، ان کے لیے یہ پیغام مجھ سمیت دیگر اداروں کی خواتین بھی کیسٹوں کے ذریعے پہنچا رہی ہیں۔

عذرا رسول نے کہا، ہمارے معاشرے میں مرد کی عزت ہے، یہ اچھی بات ہے مگر خواتین کی بھی عزت ہونی چاہیے۔ اسے کسی طرح بھی کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔

تسنیم احمر نے کہا، مگر اسے لڑکوں کے مقابلے میں کمتر ہی سمجھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے تیسرا بیٹا پیدا ہو تو کہا جاتا ہے ماشاء اللہ اس دفعہ بھی بیٹا ہوا ہے اور اگر کسی کے بیٹی ہو جائے، تو پڑھی لکھی خواتین بھی یہ کہتی نظر آتی ہیں، ہائے اس بے چاری کے تو بیٹیاں ہی ہوتی ہیں جبکہ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ اگر کسی کے بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کی وجہ شوہر ہے، اس کی بیوی نہیں۔

سعدیہ عزیز آفریدی نے کہا، جب اسلامی تعلیم کا پیغام سب تک پہنچے گا، تو یہ نکتہ بھی حل ہوگا۔

عورت کیسے کیسے کٹھن حالات میں زندگی کی دشواریاں حل کرتی ہے مگر اس کا اسے کبھی اجر نہیں ملتا۔

ہم نے کہا، ہم ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ بامقصد تحریریں شائع ہوں۔ گورنمنٹ اداروں کی جو صورتِ حال ہوتی ہے اس کی سچی سچی عکاسی ناہید سلطانہ اختر اپنے ناول منتہا میں کر رہی ہیں۔ اسی طرح ذکیہ بلگرامی، شمیم فضل خالق، شازیہ چوہدری، عنیزہ سید اور نگہت سیما وغیرہ کرتی ہیں۔ ہماری مصنفات کی ایک بہت بڑی تعداد ہے، جن کے نام فرداً فرداً نہیں لیے جا سکتے۔

رخ چوہدری، ناہید چوہدری اور سعدیہ عزیز آفریدی کی یہ مشترکہ رائے تھی کہ آج کی گفتگو سے ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے اور ہم آئندہ مزید اس پہلو کا خاص خیال رکھیں گے۔

عذرا رسول نے کہا، اس طرح مل بیٹھ کر بات چیت کرنے سے بہت سے نئے نکات سامنے آتے ہیں، اور یہ ایک اچھی بات ہے اور ہم آئندہ بھی ایسی نشستوں کا اہتمام کرتے رہیں گے۔

آخر میں تسنیم احمر نے سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ سب سے بات کر کے بے حد خوشی ہوئی اور انشاء اللہ آئندہ بھی آپ کی ایڈیٹر انجم انصار کے توسط سے آپ سے رابطہ رہے گا۔

عزیز بہنو! یہ ایک چھوٹی سی نشست تھی مگر گفتگو کے حوالے سے بہت سی باتیں سامنے آئیں۔ اس دن میرا یہ احساسِ یقین مزید قوی ہوا کہ تحریر کبھی نہیں مرتی۔ ''لفظ'' ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور یہی لفظ اگر بامقصد ہوں تو لکھنے والے کی عزت و تکریم میں بعد مرنے کے بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس دن مرحومہ خالدہ اسد کے افسانوں پر کافی گفتگو ہوئی۔ مرحومہ نسیم سحر قریشی کے افسانے بھی بطور حوالہ کے سامنے آئے۔

رخ چوہدری، سعدیہ عزیز آفریدی، ناہید چوہدری، شازیہ چوہدری، ذکیہ بلگرامی، حمیرا راحت اور ناہید سلطانہ اختر کے طرزِ تحریر کی بے حد تعریف ہوئی۔ پاکیزہ کے پیش لفظ، جلترنگ اور بہنوں کی محفل کے احوال کو بے حد سراہا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ قارئین بہنوں کے خطوط کی بے حد تعریف کی گئی، جو پاکیزہ کی محفل میں سجا کرتے ہیں، اور اپنے اندر بے حد جامعیت بھی رکھتے ہیں۔

☆☆☆

دکھ کا کوئی رنگ، کوئی مذہب، کوئی نام نہیں ہوتا — دکھ تو دکھ ہے — جو دل سے نکل کر آنکھوں سے امنڈ پڑتا ہے — آنسو ہی دکھوں کا ذریعہ اظہار ہیں۔ ان آنسوؤں سے دل کی بنجر و سنگلاخ زمین پر محبت کے پھول کھلتے ہیں۔ یہ شبنمی قطرے زندگی کو تھمنے نہیں دیتے بلکہ آگے بڑھاتے ہیں۔

پاکیزہ پڑھنے والے قارئین کے لئے ناہید سلطانہ اختر کا نام نیا نہیں۔ اس سے پہلے ان کے کئی شاہکار ناول منظر عام پر آچکے ہیں۔ منتہا ناہید کی نئی کاوش ہے۔ جو یقیناً اپنے قارئین کو باندھ کر رکھے گی۔

گھڑی تک و دو کے بعد بنتے ہیں مگر ٹوٹنے کے لئے ذرا سی لغزش ہی کافی ہوتی ہے۔ ایک ایسے ہی خاندان کا ماجرا جو اچانک ہی مصائب کے بھنور میں پھنس گیا تھا۔

محبتوں سے گندھے اور یقین سے بندھے رشتوں کے اچانک مسمار ہونے کی دل گداز داستان

منتہا

ناہید سلطانہ اختر

قسط نمبر 18

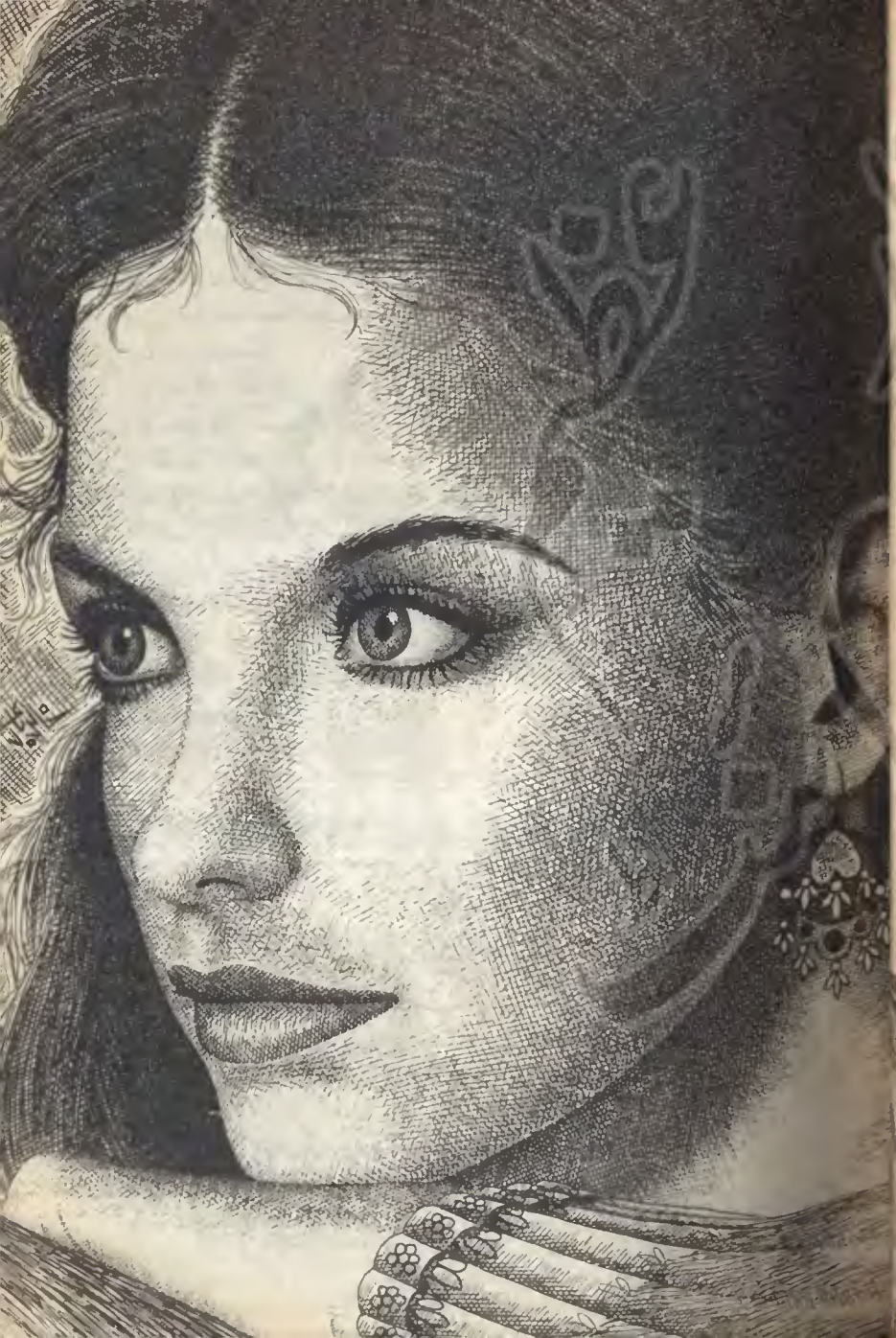

یہ بات منتہا بھی اچھی طرح جانتی تھی اور خود مہتاب بھی کہ اس کے تبادلے کی درخواست محض ایک ناٹک تھا۔ تبادلے کی درخواست داغ کر وہ منتہا کو گویا بلیک میل کرنا چاہتا تھا کہ اسے باغیچہ ہٹانے کے لیے نہ کہا جائے مگر منتہا نے دباؤ میں آنے کے بجائے خود مہتاب کو دباؤ میں لینے اور آئندہ کے لیے نہ صرف اسے بلکہ اوروں کو بھی اس قسم کی بلیک میلنگ سے باز رکھنے کے لیے مہتاب کی درخواست ڈائریکٹریٹ بھجوادی۔ وہ جانتی تھی، اس قسم کی درخواستوں پر درخواست دہندہ کی خواہش کے مطابق کارروائی ہونے میں کچھ نہیں بلکہ کافی وقت لگتا ہے۔ اسے یقین تھا، مہتاب اپنی درخواست ڈائریکٹریٹ بھجوائے جانے کی خبر ملتے ہی ہوش کے ناخن پکڑے گا اور درخواست واپس لینے کے لیے معافی تلافی کرے گا اور وہ اسے زجر و توبیخ کے بعد ڈائریکٹریٹ کو ایک سفارشی خط ارسال کر کے مہتاب کی درخواستِ تبادلہ منسوخ کروادے گی۔

مگر یہ سب کچھ ہونے سے پہلے ہی ڈائریکٹریٹ نے مہتاب کے تبادلے کے احکامات صادر کر دیے۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ درجہ چہارم کے کسی ملازم کی دوسرے ادارے میں تبادلے کی درخواست پر اتنی جلدی کارروائی عمل میں آ گئی تھی۔ مہتاب تو حواس باختہ ہو کر رہ گیا بلکہ وہ کیا اس کے بیوی بچے بھی! سو طرح کی آسانیاں تھیں یہاں۔ اس کے پانچوں بچے پرائمری اور ہائی اسکول کی مختلف جماعتوں میں زیرِ تعلیم تھے۔ ان کی نہ صرف فیسیں معاف تھیں بلکہ کتابوں، کاپیوں، یونیفارم اور دیگر چھوٹے موٹے تعلیمی مصارف بھی ان دونوں اسکولوں کی استانیاں کارِ خیر سمجھ کر خوشی خوشی برداشت کرتی تھیں۔ مہتاب کے تبادلے کا مطلب تھا پانچوں بچوں کی بھی خواری۔ کون جانے نئے اسکول میں کس قسم کے حالات کا سامنا ہوتا۔

''اور دے تبادلے کی درخواست!'' سب سے پہلے تو مہتاب کی بیوی نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

''نیک بخت، میں نے کوئی اس لیے دی تھی درخواست'' وہ منمنایا۔

''تو پھر کس لیے دی تھی؟''

''میں تو میڈم کو ذرا رعب میں لینا چاہتا تھا۔''

''لے لیا رعب میں!'' مہتاب کی بیوی استہزائیہ لہجے میں بولی۔

''مجھے کیا پتا تھا کہ سچ مچ تبادلہ ہو جائے گا۔''

''میں کب سے کہہ رہی تھی میڈم نے درخواست آگے بڑھادی ہے، اسے رکوا مگر تیرے کان پر جوں ہی نہیں رینگی۔''

''بھاگوان! اتنی جلدی تبادلہ کس کا ہوتا ہے۔''

''تیرا اور کس کا..... جا اب بھگت۔ جتنا آرام ہمیں اس جگہ ہے اور کہیں ہوگا بھلا۔ بچوں کا گھر بھی یہیں اسکول بھی یہیں۔ کوارٹر سے نکلے اور اسکول پہنچ گئے۔ خود تیرے ہی منہ سے سنا ہے میں نے کہ جس اسکول میں تیری بدلی ہوئی ہے وہاں تو چوکیدار کا کوارٹر بھی نہیں۔ کہاں رہے گا تو اور کہاں پڑیں گے ہم سب۔ اچھے بھلے بیٹھے ہوئے تھے، ایک بغیچے کے لیے تو نے بھرے گھر کو اجاڑ دیا'' مہتاب کی بیوی منہ پر دوپٹا رکھ کر سسکنے لگی۔

''نہ رو۔''

''تو پھر کیا کروں؟'' مہتاب کی بیوی نے آنکھوں پر سے دوپٹا ہٹا کر اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

''کرتا ہوں میڈم سے بات۔''

''کیا بات کرے گا اب۔ اور وہ سنے گی کب..... وہ سنتی ہی کب ہے کسی کی..... ظالم عورت..... سارے نیک آئے ہوئے ہیں اس سے۔''

''تجھے کیسے پتا!''

''اسی چار دیواری میں رہتی ہوں۔ اسکول والوں سے زیادہ خیر خبر رہتی ہے مجھے اسکول کی۔ تیری میڈم اور ٹیچریں تو چھٹی کے بعد گھروں کو چلی جاتی ہیں۔ میرا اسکول ان کے جانے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ آس پاس محلے کی عورتیں آتی جاتی رہتی ہیں میرے پاس چھٹی کے بعد۔ سب تنگ آئے ہوئے ہیں اس میڈم سے۔ پانچ منٹ صبح بچہ دیر سے اسکول پہنچا نہیں کہ اسکول گیٹ بند۔ تو بھی پاگل کا بچہ ہے جو گیٹ بند کر دیتا ہے۔''

''نیک بخت، میڈم کا آڈر جو ہے۔''

''آڈر! گیٹ اس کے باپ کا ہے؟''

''فی الحال تو ہے۔''

''ارے جا رہنے دے۔ ایسی نہ پہلے کبھی اس اسکول میں دیکھی نہ سنی۔ ٹیچریں پہلے مزے سے نوکری کیا کرتی تھیں۔ سردیوں میں کھٹا کھٹ سلائیوں پر سویٹر پہ سویٹر اتارتی تھیں۔ اب تو جسے دیکھو کلاسوں کی طرف دوڑتی بھاگتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ تیرے ارشد مسیح کے ہاتھ سے تو جھاڑو اور پوچا راہی نہیں چھوٹتا۔ گرونڈے کاغذ چن چن کر بے چارے کی کمر ٹوٹ گئی ہوگی اور وہ آپا صغراں، بے چاری کبھی کوئی رجسٹر لیے کلاس کلاس گھومتی دکھائی دیتی ہے، کبھی دروازوں کی جھاڑ پونچھ کرتی دکھائی دیتی ہے، تو کبھی کھڑکیوں کے شیشے اخبار سے رگڑ رگڑ کر چمکا رہی ہوتی ہے۔ سنا ہے میڈم دروازوں کھڑکیوں پر انگلی پھیر کر چیک کرتی ہے کہ دھول مٹی جمی ہے یا نہیں۔''

''بڑی معلومات ہیں بھئی!'' مہتاب تبادلے کے صدمے کو بھول کر بیوی کو میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ارے مجھے تو یہ بھی پتا ہے کہ ہر روز صبح اسمبلی کے بعد وہ باتھ روموں میں جا کر انہیں بھی سونگھتی ہے'' مہتاب کی بیوی رونا بھول گئی۔

مہتاب قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''باتھ روموں کو سونگھتی ہے؟''

''تو ہنسا کیوں؟ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟''

''ارے نہیں نیک بخت، میں تو تیری معلومات پر حیران ہو رہا ہوں۔ کوارٹر میں بیٹھی رہتی ہے مگر باہر کی پوری خبریں ہیں تجھے۔''

''ہاں مجھے ایک ایک بات کی خبر ہو جاتی ہے۔ ابھی پرسوں ترسوں ہی تو میں نے دیکھا اسکول کی گاڑی میں ڈھیروں سامان آیا ہے بازار سے۔ جھاڑو میں، پچارے، فی نیل کے ڈبے، جالے صاف کرنے والے ڈنڈے، دے پر، اور بڑا کچھ۔''

''تو نے کہاں سے دیکھا؟''

''اپنے کوارٹر کی کھڑکی سے۔''

''بڑی ہشیار ہے۔''

''وہ تو میں ہوں۔''

''مگر میڈم سے زیادہ ہشیار نہیں ہو سکتی تو۔ اس نے تو اپنے بھائی اقبال کو بھی کنارے لگا دیا۔''

''آپا صغراں بتا رہی تھی اب تو اقبال بھی ڈھنگ کرتا ہے۔''

''ٹھیک سنا ہے تو نے۔ ارے ایسی بدنصیب عورت پلے پڑی ہے اس دفعہ کہ کسی کو دو گھڑی چین سے بیٹھے ہی نہ دیکھ سکتی ہے۔ دو ہفتے پہلے کسی کو بیلچہ، کسی کو پھاوڑا، کسی کو کینتی اور کسی کو درانتی دے کر اس کام پر لگا رکھا تھا کہ اسکول سے جنگلی جڑی بوٹیوں کا صفایا کرنا ہے۔ اب سارے اس کام پہ لگے ہوئے ہیں کہ اسکول میں جہاں جہاں اینٹیں روڑے

پڑے ہیں انہیں ڈھو کر گراؤنڈ میں پہنچاؤ۔"

"کیوں؟" مہتاب کی بیوی چونک کر بولی۔

"پچھلی بار جو بارش ہوئی تو گیٹ سے اندر بلڈنگ تک آنے والوں کو کیچڑ سے گزر کر آنا پڑتا تھا۔"

"کون سی نئی بات! یہ تو برسوں سے ہو رہا ہے۔ گرونڈ بلڈنگ سے نیچی ہے، پانی کھڑا ہو جاتا ہے اور گرونڈ میں کیچڑ بن جاتی ہے۔"

"سنا ہے میڈم نے ٹھیکے دار کو بلا کر پوچھا کہ گیٹ سے بلڈنگ تک راستہ پکا کروانے کا کیا خرچا ہوگا، اس نے لمبا خرچا بتایا۔ بات ختم ہوگئی پر پچھلے دنوں جب گراؤنڈ کی صفائی اور جڑی بوٹیاں ہٹانے کا کام چل رہا تھا، میڈم کی نظر بلڈنگ کے پچھواڑے لمبی پڑی دیوار کی پرانی اینٹوں پر پڑ گئی۔"

"وہ جو تین چار سال پہلے بونڈری کی دیوار گرنے کے بعد سے وہیں پڑی تھیں۔"

"ہاں وہی، میڈم نے آڈر کر دیا کہ دو کلاس فور انہیں ڈھو کر گراؤنڈ میں پہنچائیں اور دو ان اینٹوں کو زمین پر جما جما کر بلڈنگ سے گیٹ تک راستہ بنائیں۔"

"ہا!" مہتاب کی بیوی اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے معترض ہوئی۔ "یہ کیا بات ہوئی کلاس فور ہیں کوئی مزدور اور راج مستری تو نہیں۔"

"نیک بخت، مجھے تو لگتا ہے پرانی چیزوں سے نئی بنوانا اس کا خاندانی پیشہ ہے۔ فرنیچر کا قصہ تو یاد ہے نا، اب گری ہوئی دیوار کے ملبے سے نیا راستہ بنے گا جی! کہتی ہے اپنی مدد آپ کے تحت کام کرنا سیکھیں، پیسہ خرچ کر کے دوسروں سے تو سبھی کام کروا لیتے ہیں، اصل مزہ اس میں ہے کہ آدمی کم خرچے میں اپنے زورِ بازو سے کام کر کے دکھائے۔"

"بات ہے تو ٹھیک..... دل کو لگتی ہے۔"

"لے بھئی، تو بھی اس کی حمایت میں ہولی۔ بھاگوان، جب سے یہ عورت اس اسکول میں آئی ہے، اس نے لوگوں کو تنگ کر رکھا ہے۔ چین سے بیٹھا آدمی تو جیسے اسے چبھنے لگتا ہے۔ نہ خود آرام سے بیٹھتی ہے، نہ دوسرے کو آرام سے بیٹھنے دیتی ہے۔ چھلاوا بنی پھرتی ہے پورے اسکول میں۔"

"پھرے..... ہماری بلا سے..... چھٹی کے بعد تو پورے کا پورا اسکول ہمارا ہی ہوتا ہے۔ تُو اوروں کی فکر چھوڑ، کسی طرح اپنا تبادلہ رکوانے کی کر ورنہ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ کسی نئی جگہ جا کر بیٹھو تو برسوں لگ جاتے ہیں قدم جمنے میں۔"

"ہاں، یہ بات تو سو فیصد ٹھیک ہے۔"

"میڈم سے جا کر معافی تلافی کر لے۔ اپنے مطلب کے لیے تو انسان گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے۔"

"ایک بات میری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔"

"کیا؟"

"اپنے مطلب کے لیے انسان گدھے ہی کو باپ کیوں بناتا ہے، گدھی کو بھی تو ماں بنا سکتا ہے" مہتاب نے معنی خیز لہجے میں کہا اور قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

☆☆☆

"ایکسکیوزمی میڈم!"

ملتجا نے اسٹاف رول سے نظر ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

غزالہ ناصر کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔ ان کے عقب میں مہتاب تھا۔ جھجکا جھجکا، شرمندہ شرمندہ سا۔

"ہاں، غزالہ آئیے!"

غزالہ ناصر حسب عادت انکسارانہ مسکراہٹ اپنے لبوں پر لیے اس کی میز کے نزدیک آ پہنچیں۔ مہتاب دروازے کے نزدیک ہی تھم گیا تھا۔

''میڈم جی!'' غزالہ نے نظر اٹھا کر مہتاب کی جانب دیکھا اور بولیں۔ ''مہتاب آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔''

''ہاں..... کہو..... کیا بات ہے مہتاب؟''

مہتاب دست بستہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

''وہ میڈم جی!..... میں..... میں معافی چاہتا ہوں۔''

''کس بات کی؟''

''میں نے آپ کی حکم عدولی کی۔ بغیچے کو نہیں ہٹایا..... اب ہٹا دوں گا جی! بالکل ہٹا دوں گا۔ صاف کر دوں گا اسے..... نام نشان نہیں رہنے دوں گا اس کا..... پر.....''

''پر؟''

''میں اِدھر ہی رہنا چاہتا ہوں۔ کہیں اور نہیں جانا چاہتا..... میرا تبادلہ رکوا دیں جی..... ساری زندگی دعائیں دوں گا آپ کو'' مہتاب نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو مہتاب! تبادلے کی درخواست تو تم نے خود دی تھی۔''

''غلطی ہوئی جی..... اب پچھتا رہا ہوں۔'' وہ اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔

''یہ تو ہم میں سے اکثر انسانوں کی بدقسمتی ہے کہ ہم غلطی کر کے پچھتاتے ہیں۔ غلطی کرنے سے پہلے نہیں سوچتے۔''

''میڈم جی، شرمندہ ہوں'' مہتاب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''بہرحال اب کیا ہو سکتا ہے تمہیں جانا تو پڑے گا۔''

وہ یوں چونکا جیسے بھڑ نے کاٹ لیا ہو۔

''میڈم جی! آپ چاہیں تو میرا تبادلہ رک سکتا ہے۔ آڈر کینسل ہو سکتے ہیں۔''

اب منتہا چونکی۔

''یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں چاہوں تو آرڈر کینسل ہو سکتا ہے۔ یہ ڈائریکٹریٹ کا آرڈر ہے۔''

مہتاب نے دزدیدہ نگاہوں سے غزالہ کی جانب دیکھا پھر منتہا سے کہا ''ڈریکٹریٹ آپ کی سنتا ہے جی۔''

''او مائی گاڈ! کس قدر وثوق سے کہہ رہے ہو، تم یہ بات۔ بھئی میں بھی تمہاری طرح ڈائریکٹریٹ کی ایک ادنیٰ سی ملازم ہوں۔ اس کے احکامات کی پابند ہوں، کیوں غزالہ؟'' منتہا نے غزالہ سے اپنی بات کی تائید چاہی۔

غزالہ نے اس کی طرف دیکھا، اپنے مخصوص انداز میں مسکرائیں پھر بولیں ''میڈم جی! کہہ تو رہا ہے ٹھیک۔''

''کیا!'' منتہا پھر بے ساختہ چونکی ''آپ بھی!''

''میڈم! بے چارہ غریب آدمی ہے۔ اس کے پانچوں بچے یہیں پڑھ رہے ہیں۔ ان کے امتحان بھی نزدیک ہیں۔ بے چارے ڈسٹرب ہو جائیں گے۔ یہاں تو دونوں اسکولوں کا اسٹاف مل ملا کر ان کے تعلیمی اخراجات کا بھی خیال رکھتا ہے۔ دوسرے اسکول میں نہ جانے کس قسم کے حالات ہوں۔'' غزالہ نے مہتاب کی جانب دیکھا اور سرزنش کرنے والے لہجے میں بولیں ''تم انتہائی ناعاقبت اندیش آدمی ہو مہتاب! بے سوچے سمجھے ٹرانسفر کی درخواست دے ڈالی، بچوں کا بھی خیال نہ کیا۔''

مہتاب کی آنکھیں پھر ڈبڈبا گئیں۔

''بس جی، بے وقوف کا بچہ ہوں میں۔''
''نہیں اپنی گانٹھ کے تو تم پورے ہو۔ لعن طعن بھی کر رہے ہو تو خود کو نہیں اپنے باپ کو۔''
''جی!'' مہتاب نے چونک کر منتہا کی جانب دیکھا۔
''خود کو بے وقوف کا بچہ کہہ کر اپنے باپ کی توہین کیوں کرتے ہو۔''
''سوری میڈم جی، آئندہ یہ غلطی نہیں ہوگی۔ میڈم جی، بغیچے کی باڑھ تو میں آج ہی نکال کر پھینکتا ہوں۔ بالکل لیبل کر دوں گا اسے۔''
''لیبل کر دوں گا!'' منتہا نے اس کے الفاظ دہرائے۔
''میڈم جی! اس کا مطلب ہے لیول کر دوں گا'' غزالہ ناصر بولیں۔
''میں سمجھ رہی ہوں'' منتہا نے لمحے بھر کو توقف کیا پھر بولی ''میں وعدہ تو نہیں کرتی، تمہارا تبادلہ رکوانے کی بات کروں گی ڈائریکٹریٹ سے اگر وہ مان گئے تو تمہاری قسمت۔''
''مہربانی..... بہت بہت مہربانی میڈم!'' مہتاب سراپا تشکر بن گیا پھر قدرے لجاجت سے بولا ''ابھی بات کر لیں میڈم جی!''
''دیکھو، میں نے تم سے جو بات کہہ دی ہے اس کا اعتبار کرو۔ مجھے یہ بتانے کی کوشش مت کرو کہ میں کیا اور کب کروں۔''
''سوری میڈم!'' وہ خفیف ہو کر بولا۔
غزالہ نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ دیا کہ وہ رخصت کی اجازت چاہے اور کمرے سے نکل جائے۔
مہتاب نے اس کے بموجب کیا۔
مہتاب کے جانے کے بعد منتہا نے مسکراتے ہوئے غزالہ کی طرف دیکھا اور بتایا ''ڈپٹی ڈائریکٹر صاحب پندرہ دن کی چھٹی پر ہیں۔ میں انہی سے بات کروں گی۔''

☆☆☆

میہہ کی عدت اور اس سلسلے میں اسے اپنے محکمے کی جانب سے سرکاری قواعد وضوابط کے مطابق ملنے والی رخصت بھی ختم ہو گئی تھی۔ عدت کے بعد وہ میکے آئی تو ممی کو بے ساختہ وہ شام یاد آ گئی جب وہ فرحان کے پاس دبئی جانے سے پہلے ایک دو روز میکے میں گزارنے کے لیے اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اس روز وہ کتنی خوش تھی اور اس کا سراپا کتنا پُر بہار لگ رہا تھا۔ بات بات پر اس کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔
''باجی بھی شادی کے بعد وہیں آ جائیں گی تو ہم دونوں آپ کو بھی وہیں بلا لیں گے'' اس نے ممی سے کہا تھا۔
مگر تھوڑی ہی دیر بعد!
زندگی بدل گئی تھی۔
یکسر!
اُف خدا! کتنا تکلیف دہ تھا وہ سب کچھ۔
عدت کے بعد اس نے اپنی ڈیوٹی ری زیوم کر لی تھی۔ گھر بیٹھ کر کیا کرتی۔ گھر والوں، ہمدردوں اور بہی خواہوں کا مشورہ بھی یہی تھا کہ اسے اپنی ڈیوٹی ری زیوم کر لینی چاہیے۔
''بیٹا، یہ مت سمجھنا کہ ہمیں خدانخواستہ تمہاری ملازمت سے کوئی دلچسپی ہے یا تمہاری ذمے داری نہیں اٹھانا چاہتے ہم۔ ڈیوٹی ری زیوم کرنے کا مشورہ اس لیے دے رہے ہیں کہ گھر سے باہر نکلو گی تو دل کچھ بہلے گا۔ دوسروں کے دکھ اور مسائل دیکھ کر اپنے دکھ سے لڑنے کا حوصلہ پیدا ہوگا'' مسز ظہیر نے اسے سمجھایا تھا۔

وہ خود بھی یہ سب کچھ جانتی تھی۔ اس کے تو کام کی نوعیت ہی ایسی تھی کہ دکھ، آزاری کا مستقل سامنا رہتا۔ مریضوں اور ان کے متعلقین کے مسائل و مصائب چارہ گروں کے دل بھی اکثر چاک کر دیتے۔

''منے کی دیکھ بھال کون کرے گا؟'' وہ بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہم اور کون؟ تمہیں کیا پتا تم اور مُنا فرحان کے بعد ہمارے لیے کس قدر قیمتی اثاثہ بن گئے ہو۔ اس دنیا میں تم دونوں ہمارے لیے ہمارے فرحان کا جیتا جاگتا حوالہ ہو۔'' مسز ظہیر دل گرفتہ ہو رہی تھیں۔

اس کا سر آپ ہی آپ ان کے شانے سے جا لگا۔

''ایک بات اور بیٹا!'' مسز ظہیر نے دھیرے دھیرے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

وہ منتظر رہی کہ وہ آگے کچھ کہیں مگر وقفہ طویل ہونے لگا تو اس نے ان کے شانے سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

مسز ظہیر کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

وہ چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی یہ پوچھنے کی ہمت ہی نہ کر سکی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا ''اس معاملے میں تم پر کوئی جبر کوئی سختی نہیں کہ تم مُنے کے ساتھ کہاں رہنے کا فیصلہ کرتی ہو۔ یہاں یا..... اپنے میکے میں..... تمہیں پورا اختیار ہے۔''

اس کا جی بھر آیا۔

''کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں..... میں وہاں چلی جاؤں؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

مسز ظہیر نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا ''ہرگز نہیں..... ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں بیٹا'' ان کے لہجے میں معذرت خواہی تھی ''تم ایک پڑھی لکھی باشعور بیٹی ہو۔ ہم تمہیں تمہاری زندگی کے ہر معاملے میں فیصلے کا اختیار تمہی کو سونپنا چاہتے ہیں۔''

''میں یہیں رہوں گی امی..... کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''ہمارا دل ٹھنڈا رہے گا..... جیتی رہو۔''

اسے خیال ہوا کہ فرحان بھی اس لیے تو اتنا اچھا تھا کہ وہ اتنی مہربان اور دوسروں کے احساسات و جذبات کا خیال رکھنے والی ماں کا بیٹا تھا!

ڈیوٹی دوبارہ شروع کر دینے کے مثبت اثرات جلد ہی سامنے آنا شروع ہو گئے۔ گھر سے باہر جانا ہوتا تو اپنے حلیے کا بھی خیال رکھنا پڑتا۔ عدت کے دوران..... تو بعض دفعہ دو دو تین تین دن اس نے بالوں میں کنگھی کا خیال نہ کیا تھا۔ اکثر مسز ظہیر یا ممی برش لے کر اس کے بال سنوارنے بیٹھ جایا کرتی تھیں۔ وہ تو دن بھر اپنے غم کے حصار میں چپ چاپ بیٹھی رہا کرتی تھی۔ اب گھر سے باہر جاتی تو فرائض منصبی کی انجام دہی میں اسے اپنا دکھ اکثر یاد ہی نہ رہتا۔ لوگوں کے دکھ اور مصائب کا ہجوم اپنے بارے میں کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ دیتا۔ ابھی سینئر ڈاکٹر کے ساتھ راؤنڈ پر جانا ہے۔ اب فلاں مریض کو دیکھنا ہے۔ فلاں کی کچھ معاشی مدد بھی کرنی ہے۔ آج او پی ڈی ہے تو کل آپریشن ڈے۔ ہر وقت ایک بھاگ دوڑ ہمہ وقت مصروفیت رہتی۔ اسپتال پہنچ کر تو جیسے وہ خود کو، گھر کو، حتیٰ کہ منے کو بھی بھول جایا کرتی تھی۔ مصروفیت کے دوران میں کبھی فرصت مل جاتی تو وہ گھر فون کر لیتی۔

''مُنا کیسا ہے؟''

''ماشاء اللہ ٹھیک ہیں۔ ماما کا انتظار کر رہے ہیں مُنے میاں!'' مسز ظہیر کہتیں۔

کال ظہیر صاحب ریسیو کرتے تو بڑی گرم جوشی سے کہتے ''مُنے سے آپ خود بات کیجیے بہو صاحب!''

ظہیر صاحب ماؤتھ پیس مُنے کے منہ کے سامنے کر دیتے۔ پس منظر سے ان کی اپنی آواز آتی رہتی۔

''ہاں جناب، بات کیجیے ماما سے..... آداب کیجیے..... پوچھیے کیسی ہیں آپ؟ یار، کیا منہ میں گھنگھنیاں ڈالے

بیٹھے ہو! بولو نا بھئی، اماں والدہ ہیں تمہاری..... دیکھو بول دو ورنہ ہم تمہاری یہ ساری سنجیدگی نکال دیں گے..... یار کیا تمہیں گی وہ؟ کیسے دادا پوتا ہیں! دادا نے کہا منے سے بات کیجیے اور منے میاں کا کچھ اتا پتا نہیں، کچھ تو بولو.....''

نیہہ اپنے کان سے ریسیور لگائے ان کی آواز سنے جاتی۔ کبھی کبھی ان کی آواز کے بیچ کہیں دھیمی سی، ننھی سی غوں غاں سنائی دے جاتی اور یہ ننھی سی آواز اس کے رگ و پے میں مسرت کا احساس پھونک دیتی۔

''یار! اب ہم تمہیں گدگدائیں گے تاکہ تم ہنسو'' ظہیر صاحب کی آواز سنائی دیتی۔

پھر ایک معصوم سی قلقار سنائی دیتی۔

نیہہ کو اس کی ہنسی کرب انگیز محسوس ہوتی۔

یہ ایک بن باپ بچے کی ہنسی تھی۔

ایسے بچے کی آواز جو اس دنیا میں آنے کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی اپنے باپ کا لمس نہیں پا سکا تھا۔

نیہہ کا دل دکھنے لگتا۔ آنکھیں بھیگ جاتیں۔

مُنے کا رونا بھی اسے درد آمیز لگتا۔ وہ روتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کی ننھی سی روح شدید کرب سے دوچار تھی۔ اسے یوں لگتا جیسے منا جانتا تھا کہ زندگی اسے ایک ایسا زخم لگا گئی تھی جس کی چارہ گری کبھی ممکن نہ ہو سکتی تھی!

کبھی کبھی نیہہ کا دل اس خیال سے بے حد دکھنے لگتا کہ منا جب بڑا ہو گا اور اس سے پوچھے گا، میرا باپ کہاں ہے تو وہ اسے کیا جواب دے گی! کیسے بتا پائے گی اسے کہ اس کا باپ وہاں ہے جہاں جانے کے بعد کبھی کوئی واپس نہیں آتا۔

ڈیوٹی آف کرنے کے بعد جب وہ گھر واپس پہنچتی تو باوجودیکہ وہ اسے ہر اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ملتا اسے گود میں لے کر سینے سے لگاتے ہوئے اس کی آنکھیں اکثر اس خیال سے چپکے سے بھیگ جاتیں کہ اس بچے کے سر پر باپ کا سایہ نہیں تھا۔ بجا کہ دادا، دادی اسے جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے، پھوپیاں اور چچا اس پر واری نثار ہوئے جاتے تھے۔ نانی کی آنکھ کا تارا اور ماموں، خالہ کا راج دلارا تھا مگر جو کمی، جو خلا تھا وہ ان میں سے کوئی بھی پُر نہ کر سکتا تھا اور اس خیال سے کہیں زیادہ تکلیف دہ یہ احساس تھا کہ منے کو اپنی زندگی کا سارا سفر باپ کے بغیر ہی طے کرنا تھا۔

☆☆☆

اسکول میں سالانہ امتحانات شروع ہو چکے تھے۔ بچوں کو رول نمبرز دیے جانے...، پرچوں کی کتابت، طباعت، ترتیب، بچوں میں امتحانی پرچوں کی تقسیم غرض ہر معاملے میں منہا نے ذاتی دلچسپی لی تھی اور جہاں جہاں ضرورت محسوس کی اسکول کی اساتذات کو سابقہ اسکول میں اپنے تجربے کی بنیاد پر رہنمائی فراہم کی تھی۔ غزالہ ناصر ان تمام معاملات میں اس کی دستِ راست بنی ہوئی تھیں۔ مگر کبھی کبھی وہ دبی زبان سے تنقید بھی کر جاتیں۔

حسب پروگرام اس نے اسکول کا ایک کمرا جو خالی پڑا تھا، شعبۂ امتحان کے طور پر آراستہ کرا لیا تھا۔ ایک سینئر ٹیچر اس شعبے کی نگران قرار دی گئی تھیں اور دو اساتنیاں ان کی معاونت کے لیے نامزد کی گئی تھیں۔ تین اسٹاف ممبرز پر مشتمل اس امتحانی کمیٹی کو اس کے فرائض کے اجمالی خاکے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

نظامتِ تعلیم نے اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں میں سال بھر میں تین امتحانات رائج کر رکھے تھے۔ سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان۔ ان امتحانات کے حوالے سے ہونے والی ایک اسٹاف میٹنگ میں.... منہا نے نامزد امتحانی کمیٹی کو بتا دیا کہ اس کمیٹی کو ان امتحانات کے بروقت انعقاد کے لیے تیاری رکھنا ہو گی۔ ہر امتحان کے انعقاد سے کم از کم ایک ماہ قبل امتحانی پرچوں کی تیاری، پھر ان کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور دیگر مراحل۔ کم از کم ایک ہفتہ قبل بچوں کو امتحانی پروگرام سے آگاہ کر دینا ضروری ہو گا۔ بچوں کو امتحانی پروگرام نوٹ بکس میں نوٹ کروانے کے بجائے

طباعت شدہ دیا جائے گا تا کہ کسی غلطی کا احتمال نہ رہے۔ کمراہائے امتحان میں ایک روز قبل نشستوں کو امتحان کے لیے بطور خاص نئی ترتیب دے کر ان پر بچوں کے رول نمبرز چاک سے لکھ دیے جائیں گے۔ بچوں کو امتحانی کمرے میں ملا جلا کر اس طرح بٹھایا جائے گا کہ ایک ہی جماعت کے دو بچے پہلو بہ پہلو ساتھ نہ بیٹھے ہوں تا کہ نقل کا امکان نہ رہے۔

بیشتر اساتذہ کا خیال تھا کہ پرائمری اسکول کے بچوں کے لیے اس قسم کے ''سیٹنگ ارینجمنٹ'' کی ضرورت ہرگز نہ تھی۔ چونکہ پہلی بار اسکول میں ایسا ہو رہا تھا، لہٰذا بعض جہاندیدہ اور تجربہ کار خواتین اس پر خاصی جھنجلائی ہوئی بھی تھیں۔ ان کے خیال میں چھوٹے بچوں کے لیے وہی طریقہ کار زیادہ بہتر تھا کہ ہر بچہ اپنے ہی جماعت کے کمرے میں بیٹھ کر امتحان دے۔ مگر منتہا سختی سے اس طریقہ کار پر جمی رہی جو اسٹاف میٹنگ میں بتا دیا گیا تھا۔

امتحان کے پہلے دن بچوں کو جو دوسرے کمروں میں امتحان دینے کے عادی نہ تھے، اپنے امتحانی کمرے اور رول نمبرز تلاش کرنے میں خاصی دشواری ہوئی۔ ان کی بھگدڑ دیکھ کر نئے امتحانی نظام پر معترض ہونے والی استانیاں فاتحانہ انداز میں مسکراتی رہیں۔ منتہا کو تھوڑی سی خفت ضرور ہوئی مگر وہ پریشان ہرگز نہ ہوئی۔

''میڈم جی، میرے خیال میں تو پہلا ہی طریقہ ٹھیک تھا'' غزالہ نے بھی دبی زبان سے کہا۔

''پریشان نہ ہوں، آج پہلا دن ہے کل سے بچے عادی ہو جائیں گے۔ بلکہ آپ دیکھیں گی چھوٹی جماعتوں کے وہ بچے جنہیں بڑی جماعتوں کے کمروں میں بیٹھنے کا موقع ملے گا، وہ بہت خوش ہوں گے۔''

''مگر میڈم، ہر صبح یہ بھگدڑ!''

''ہرگز نہیں۔ بچے اسمبلی کے بعد سیدھے اپنے امتحانی کمروں میں جایا کریں گے۔''

''اور حاضری؟''

''وہ بھی ہو جائے گی۔ اسمبلی کے بعد ہر کلاس ٹیچر اپنی اپنی کلاس کے سامنے کھڑے ہو کر حاضری لے لیا کریں گی۔''

''جی ٹھیک ہے'' غزالہ نے بادلِ ناخواستہ کہا۔

بچے ایک دو دن میں اس نئے نظام کے عادی ہو گئے۔ خلط ملط بیٹھے بچوں کو ایک دوسرے کے جوابی پرچوں کی طرف دیکھنے کی حاجت نہ رہی، نقل کے امکانات تقریباً معدوم ہی ہو گئے۔ وہی استانیاں جو نئے نظامِ امتحان کے آغاز پر ناک بھوں چڑھاتی اور معترض ہوتی دیکھی گئی تھیں، جلدی قائل ہو گئیں کہ یہ طریقہ زیادہ بہتر اور کمراہائے امتحان میں نظم و ضبط قائم رکھنے میں خاصا مؤثر ثابت ہو رہا تھا۔ غزالہ ناصر کے توسط سے ٹیچرز کی یہ رائے منتہا تک پہنچی تو اسے یک گونہ اطمینان محسوس ہوا اور وہ مسکرا کر بولی ''بات یہ ہے غزالہ کہ تبدیلی سب کو بھاتی ہے۔''

''میڈم جی، یہ صرف تبدیلی برائے تبدیلی تو نہیں، واقعی بہتری آئی ہے اور ہم سب ٹیچرز حیران ہیں کہ پہلی اور دوسری جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے کیونکر اپنے رول نمبرز نہ صرف یاد رکھے بلکہ جوابی پرچوں پر اپنے ناموں کی جگہ رول نمبرز بھی درست لکھے۔ اِکّا دُکّا غلطیاں بھی کی ہیں بچوں نے مگر ہزار بارہ سو بچوں کی تعداد میں یہ چند غلطیاں قابلِ معافی کہی جا سکتی ہیں۔''

''جس عمر کے بچے ہمارے پاس ہیں، اس عمر میں بچوں کے نئی باتیں سیکھنے کی صلاحیت حیرت انگیز ہوتی ہے۔ اوسط ذہانت کا حامل ایک بچہ پرائمری تعلیم شروع کرنے سے قبل ہی اپنی مادری یا اردگرد استعمال ہونے والی زبان کا بڑا ذخیرۂ الفاظ سیکھ چکا ہوتا ہے۔ جبکہ ایک نئی زبان کو سیکھنا اور اس کے ذخیرۂ الفاظ کو نہ صرف یاد رکھنا بلکہ مناسب طور پر استعمال بھی کرنا کوئی آسان کام نہیں۔''

''درست میڈم جی!''

''ایک بات اور غزالہ..... پرائمری اسکول میں سمجھتی ہوں ہائی اسکول کے لیے نرسری کا درجہ رکھتے ہیں۔ جو باتیں، جو طریقے بچوں نے ہائی اسکولوں میں جا کر سیکھنے ہیں، بچوں کی ذہنی استطاعت کے مطابق اگر ان کا آغاز چھوٹی جماعتوں میں ہی کر دیا جائے تو وہ ہائی اسکول پہنچنے تک ان کے عادی ہو جاتے ہیں۔''

غزالہ نے تائید میں سر ہلایا۔

☆☆☆

طے شدہ پالیسی کے مطابق شعبۂ امتحان ہر پرچے کی جوابی کاپیاں امتحان والے دن ہی متعلقہ ممتحن کے سپرد کر دینے کا پابند تھا۔ آخری پرچے سے ایک دن قبل منتہا کو شعبۂ امتحان کی جانب سے خبر ملی کہ جماعت اول کے فریق ب میں بچوں کی تعداد اڑتالیس تھی اور حاضری رجسٹر کے مطابق اس روز اس جماعت کے تمام بچے حاضر تھے۔ بقول نگران جماعت اس نے حاضری لیتے وقت ایک ایک بچے کے واقعتاً حاضر ہونے کا یقین کرنے کے بعد ہی رجسٹر میں حاضری لگائی تھی۔ اس جماعت کے بچے تین مختلف کمرا ہائے امتحان میں بٹھائے گئے تھے مگر اس روز جب ایک کمرائے امتحان میں نگران نے پرچے کا وقت ختم ہونے کے بعد تمام موصولہ جوابی کاپیوں کو جماعت وار علیحدہ علیحدہ شمار کیا تو معلوم ہوا کہ جماعت اول کا ایک پرچہ کم تھا۔ بقول نگران اس نے فوری طور پر کمرے میں گھوم پھر کر دیکھا۔ ڈیسکوں کے ڈھکنے کھول کھول کر ان کی تلاشی لی مگر پرچہ نہ ملا۔ بچے امتحان دے کر جا چکے تھے۔ جس بچے کا پرچہ کم تھا نگران جماعت کے بقول وہ نہ صرف حاضر تھا بلکہ پرچہ دینے کے بعد اپنے کندھے پر پانی کی بوتل لٹکائے اس کمرائے امتحان کے سامنے سے گزرا تھا جہاں وہ نگران امتحان تھیں۔ پرچہ کم پائے جانے پر مذکورہ بچے کی تلاش میں ہرکارے دوڑائے گئے تو پتا چلا، وہ گھر جا چکا تھا۔ رائے یہ ٹھہری کہ بچے کے گھر فون کر کے پوچھا جائے کہ کہیں وہ غلطی سے جوابی پرچہ اپنے ساتھ تو نہیں لے گیا تھا۔

''میڈم جی، فون کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں'' غزالہ نے دبی زبان سے کہا۔

''کیا! کیا سوچ لیں؟''

''بچے کے گھر والے کہیں یہ نہ سوچیں کہ کیسے غیر ذمے دار ہیں اسکول والے، ہم سے پوچھ رہے ہیں کہ بچہ جوابی پرچہ ساتھ تو نہیں لے آیا؟''

''اگر وہ ایسا سوچیں گے تو حق بجانب ہوں گے۔''

غزالہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ انوجلیٹر کی ذمے داری تھی کہ وہ جوابی پرچوں کو احتیاط سے وصول کرتیں اور یہ یقین ہو جانے پر ہی کہ تمام بچوں نے کاپیاں دے دی ہیں، بچوں کو کمرائے امتحان سے جانے کی اجازت دیتیں۔''

''میڈم، ایسا ہی کر رہی ہیں تمام انوجلیٹرز۔''

''تو پھر..... پھر پرچہ کہاں گیا؟'' منتہا کو غصہ آ رہا تھا۔

اس سوال کا جواب غزالہ ہی کیا، اس وقت تو کسی کے بھی پاس نہ تھا۔

بچے کے گھر فون کیا گیا تو فون کی گھنٹی مسلسل بجتی رہی مگر کال ریسیو نہ کی گئی۔ آدھ پون گھنٹا وقفے وقفے سے یہ کوشش جاری رہی مگر کوئی جواب نہ ملا۔

''اب کیا، کیا جائے میڈم!'' غزالہ نے کہا۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر گھر جانے کو اٹھا جائے'' منتہا کے لہجے سے عیاں تھا کہ وہ اس ناخوشگوار واقعے پر خاصی ڈسٹرب تھی۔

واقعتاً ایسا تھا بھی۔

سالانہ امتحان تھا۔ بچے کا پرچہ گم ہو جانے پر والدین نے تو ادارے کی جان کو آ جانا تھا۔ پلک جھپکتے میں بات نظامتِ تعلیمات تک جا پہنچی تھی۔ ادارے کی جو بدنامی ہوتی سو ہوتی، اس کی اپنی ساکھ! اوہ خدا.....!

منتہا گھر چلی تو گئی مگر رات کو نیند آنے تک اس کے ذہن پر یہی ایک فکر سوار رہی۔ ظہر، مغرب، عشا تینوں نمازوں کے بعد اس نے ہر نماز کے ساتھ دو رکعت نفل ادا کیے اور بدنامی سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگی۔ ممی کو بتایا تو وہ اگرچہ متفکر ہوئیں مگر انہوں نے تسلی بھی دی اور اللہ پر بھروسا رکھنے کی تلقین کی۔

''دیکھو بیٹا، جب تم اپنے فرائض نیک نیتی اور ایمانداری سے ادا کرتی ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اللہ پر بھروسا رکھو'' انہوں نے اسے سمجھایا۔

رات کو جب آنکھ کھلی، گمشدہ پرچے کا خیال آیا۔ صبح جاگی تو طبیعت مکدر تھی۔ حسبِ معمول تیار ہو کر اسکول پہنچی تو چپراسی نے بتایا، ایک خاتون ملاقات کی منتظر تھیں۔

''بھیجو انہیں'' منتہا کی عادت تھی، ملاقاتیوں کو خواہ مخواہ انتظار میں نہ رکھتی۔

خاتون دفتر میں داخل ہوئیں تو خجل خجل سی۔ اپنا تعارف کراتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ''میڈم صاحبہ! میرا بچہ وقاص علی آپ کے اسکول میں ون بی میں پڑھتا ہے۔''

منتہا چوکنا ہو گئی۔

وقاص احمد۔ ون بی!

یہ تو وہی بچہ تھا جس کا کل پرچہ گم ہو گیا تھا۔

تو کیا والدین کو خبر ہو گئی تھی!

مگر کیسے؟

منتہا کے کانوں میں خطرے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

''جی..... ہم کل بہت کوشش کرتے رہے آپ سے فون پر رابطہ کرنے کی مگر شاید کوئی گھر پر نہیں تھا یا پھر فون خراب تھا۔'' منتہا کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

''جی..... وہ..... ہم لوگ ناوقاص کو یہاں سے پک کر کے اپنے ایک رشتے دار کی تدفین میں چلے گئے تھے۔ وہاں سے شام کو واپسی ہوئی۔'' خاتون نے منتہا کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی گود میں رکھے بیگ کی زپ ٹٹولی اور اسے کھولتے ہوئے کہا ''وقاص نے بہت حماقت کی۔ پلیز آپ اسے معاف کر دیجئے گا۔''

منتہا سیدھی ہو بیٹھی۔

خاتون نے بیگ میں سے دوہری تہ والی ایک امتحانی کاپی نکالی اور صوفے پر سے اٹھ کر منتہا کی میز کے نزدیک آ کھڑی ہوئیں اور امتحانی کاپی منتہا کی جانب بڑھاتے ہوئے خفیف لہجے میں بولیں ''یہ آنسر کاپی وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔''

جوابی کاپی تھامتے ہوئے منتہا نے توضیح طلب نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

''میڈم! شام کو گھر واپس آنے کے بعد جب میں نے اس کے شوز اور پھر موزے اتارے تو اس نے یہ کاپی اپنے ایک موزے میں اڑس رکھی تھی۔''

''موزے میں!'' منتہا نے چونک کر کہا۔

''جی میڈم..... آئی ایم سوری میڈم..... معصوم بچہ ہے، اس سے غلطی ہو گئی۔ پلیز آپ اس کا پرچہ کینسل مت کیجئے گا۔ آپ یقین کریں وہ پرچہ گھر ضرور لے گیا ہے مگر خدا گواہ ہے کہ ہم نے اس میں کہیں نقطہ بھی نہیں لگایا جیسا وہ لے گیا تھا میں ویسا ہی واپس لے آئی ہوں۔''

منتہا جو وقاص کا جوابی پرچہ مل جانے کی خبر پر انتہائی پریشانی کی کیفیت سے باہر نکل آئی تھی بچے کی ماں کو بیٹھنے کا اشارہ دیتے ہوئے دھیرے سے مسکرائی ''آپ نے بچے سے یہ نہیں پوچھا کہ اس نے پرچہ موزے میں کیوں اڑس لیا تھا؟''

خاتون جو دوبارہ صوفے پر بیٹھ چکی تھیں اور خفیف دکھائی دے رہی تھیں منتہا کے سوال پر یک بیک دل برداشتہ نظر آنے لگیں اور سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں پر اپنی نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے دل گرفتہ لہجے میں بولیں ''میں نے اسے بہت مارا..... اتنا کہ شاید پہلے کبھی بھی نہیں مارا ہوگا۔ آپ دیکھ لیں اسے بلا کر اس کی کمر پر نیل پڑے ہوئے ہیں۔''

''اوہو! بچوں کو اتنا تو نہیں مارا جاتا۔''

''تو اور کیا کرتی میں۔'' خاتون کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے اور آواز بھرا گئی ''میں تو اس شاک میں تھی کہ اس کا سال ضائع ہوگیا۔ اسکول والے تو اس کا پرچہ کینسل کردیں گے۔ میڈم صاحبہ مہربانی کریں۔'' خاتون نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کردیئے پھر اچانک دوپٹا آنکھوں پر رکھ کر رونے لگیں۔

''دیکھیں محترمہ پرچہ کینسل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تو ہمارا ایگزام سیل کرے گا مگر مجھے افسوس یہ ہے کہ آپ نے بچے کو اتنی بے دردی سے مارا کہ بقول آپ کے نیل ڈال دیئے اس کے جسم پر۔ کیا مارنے سے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا؟''

''ضرور ہوا ہوگا۔ جب اس کا جسم رات کو دکھا ہوگا نا تو ضرور احساس ہوا ہوگا اسے اپنی غلطی کا۔'' انہوں نے بڑے وثوق سے کہا۔

''میں آپ سے ایک بات کہوں؟''

''جی۔''

''بچے کو اس کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے اس کا ہمدرد اور دوست بننا پڑتا ہے۔ آپ اسے مارنے کے بجائے اس سے یہ پوچھتیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا پھر اسے بتاتیں کہ اس غلطی کا اسے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے، اس غلطی کے نتائج وعواقب سے اسے آگاہ کرتیں۔''

''بس میڈم صاحبہ کیا کہیں، ماحول ہی ایسا بگڑا جارہا ہے کہ بچے جو اپنے بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں وہی کرنے لگتے ہیں۔ نتیجے کی پرواہی نہیں کرتے۔ سمجھاتی تو میں اپنے بڑے بیٹے کو بھی بہت ہوں مگر کوئی نصیحت پر کان دھرے تب نا۔ چھوٹے والے نے یہ حرکت اسی سے سیکھی ہے۔'' خاتون کے لہجے میں دل گرفتگی تھی۔

''کیا مطلب!''

''جب میں نے موزے میں سے پرچہ نکلنے پر اس سے پوچھا کہ تو یہ پرچہ مس کو دینے کے بجائے اپنے ساتھ کیوں لے آیا تو کہنے لگا..... بھائی بھی تو اپنے موزے میں کاغذ رکھ کر امتحان دینے جاتا ہے۔''

منتہا مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

''پھر؟''

''پھر کیا میڈم صاحبہ۔ پہلے تو میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی پھر میں نے بڑے والے سے کہا' بے شرم تو امتحان میں نقل کرنے کے لیے پھرے اپنے موزوں میں اڑس کر اسکول جاتا ہے، تیری دیکھا دیکھی یہ معصوم اسکول سے اپنا پرچہ لے آیا ہے پھر میں نے دو چار ہاتھ تو بڑے کو لگائے اور اس چھوٹے کو تو روئی کی طرح دھنک ڈالا۔ میڈم کیا کریں گی آپ اس کے پرچے کا؟''

''میں نے آپ سے کہا نا اس کا فیصلہ ہمارا ایگزام سیل کرے گا۔''

''میڈم صاحبہ بچہ معصومیت میں غلطی کر گیا۔'' خاتون گڑگڑائیں۔

''آپ اطمینان رکھیں۔ میں نے آپ کی بات سن لی ہے۔ جو کچھ آپ نے بتایا وہ خود ساختہ نہیں لگا ہے مجھے بلکہ سچ اور حقیقت محسوس ہوا ہے بلکہ تلخ حقیقت! میں امتحانی کمیٹی سے سفارش کروں گی کہ آپ کے بچے کے ساتھ سختی اور سزا کے بجائے زخم کی چارہ گری کا رویہ رکھیں۔ آپ کے بچے نے اپنے بڑے بھائی کی نقل میں جو غلطی کی وہ دراصل ہمارے تعلیمی نظام کو امتحان میں نقل کے رجحانات کی صورت لگے زخم کی کسک ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ آپ کے بچے کے اس پرچے کا فیصلہ کلاس میں اس کی کارکردگی اور پچھلے امتحانی نتائج کی بنیاد پر کیا جائے۔''

''شکریہ میڈم صاحب بہت بہت شکریہ۔'' خاتون نے کہا اور صوفے سے اٹھتے ہوئے بولیں ''اجازت ہے میڈم۔''

''بچوں کو ان کی غلطیوں پر مارنے پیٹنے کے بجائے پیار محبت سے سمجھانے اور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کیا کریں۔ وقاص کو ہم خود بھی سمجھائیں گے۔''

''مگر انہیں کون سمجھائے گا میڈم جو پکے ہو چکے ہیں اور جن کی دیکھا دیکھی معصوم بچے بھی بگڑ رہے ہیں؟''

ایک سادہ سی گھریلو عورت بڑا گہرا اور چبھتا ہوا سوال کر رہی تھی۔

اس سوال کا جواب کہاں تھا! کس کے پاس تھا!

☆☆☆

لیلیٰ باپ کی اس بات سے خوف زدہ ہو کر کہ وہ اسے میکے بٹھا لینے کی قسم کھا بیٹھے تھے کچھ دن تو میکے نہ آئی لیکن پھر گھر والوں سے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ڈرتے سہمتے میکے آنے جانے لگی تھی۔

ظہیر صاحب کو بھی یا تو شاید اپنا قسم کھا لینا یاد نہ رہا یا پھر وہ جان بوجھ کر بھلا بیٹھے۔

انسان زندگی میں نہ جانے ایسی کتنی غلطیاں، کتنے گناہ صغیرہ کر بیٹھتا ہے اور پھر خود ہی ان سے اسی طرح چشم پوشی بھی اختیار کرتا ہے۔ جیسے شاید ظہیر صاحب نے کر لی تھی۔

فرحان کی موت کے بعد اچھی بھابی دونوں بیٹوں کی طرف سے انتہائی متفکر رہنے لگی تھیں۔ اٹھتے بیٹھتے، لیٹے کھڑے آیاتِ قرآنی، وظائف اور دعائیں ورد میں رکھتیں۔ آیۃ الکرسی پڑھتیں اور دونوں بیٹوں کا تصور کر کے دن رات میں نہ جانے کتنی مرتبہ ان کے گرد حصار باندھتیں۔ کبھی دل ہی دل میں کبھی زیر لب ان کی درازی عمر اور ہر حادثے ہر بلا اور ناگہانی سے ان کے محفوظ و مامون رہنے کی دعائیں مانگے جاتیں۔ ایک عجیب سا خوف، ایک دھڑکا سا لگ گیا تھا ان کے دل کو۔

خدانخواستہ..... خدانخواستہ کبھی فہیم کو کچھ ہو جائے اور لیلیٰ..... وہ ہول سی جاتیں۔

اپنے اس لایعنی خوف اور دھڑکے پر دل ہی دل میں شرمسار ہوتیں، خدا کی پناہ چاہتیں۔

کبھی دل میں ایک انجانا سا خدشہ پاؤں پسارنے لگتا۔

اللہ نہ کرے.....

اللہ نہ کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ نعیم کے سر سہرا بھی نہ بندھنے پائے اور ایک روز فون کی گھنٹی بجے اور خبر ملے کہ فرحان کی طرح خدانخواستہ نعیم بھی.....

وہ دھیرے دھیرے اپنے گال پیٹنے لگتیں۔

خود کو، اپنے دل کو برا بھلا کہتیں جو گویا منفی خیالات کا گڑھ بن گیا تھا۔

دوسروں کو پیش آنے والے حادثات انسان کو اپنے پیاروں کے بارے میں شاید اسی طرح متفکر و محزون کر دیا کرتے ہیں جیسے کہ ان دنوں اچھی بھابی تھیں۔

مہہ کی عدت ختم ہونے تک تو وہ لب سیئے بیٹھی رہیں لیکن اس کی عدت ختم ہونے کے بعد سے ان کے دل کو بس یہی فکر لگی ہوئی تھی کہ جلد از جلد نعیم کی شادی بھی ہو جائے۔ اب تو وہ دونوں بیٹوں کے ساتھ رہنے کے لیے دبئی بھی جا رہنے کو تیار تھیں اور لیلیٰ سے بارہا کہہ چکی تھیں ''نعیم کی شادی ہو جائے بس پھر ہم سب وہیں رہیں گے اکٹھے۔''

فہیم کے ساتھ رہنا لیلیٰ کی اپنی بھی خواہش تھی۔ جیسے اچھی بھابی کو واہمے اور دھڑکے لگے رہتے تھے اسی طرح واہمے اور خدشات چپکے چپکے اسے بھی ستانے لگے تھے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تو اس کا دل بے تحاشا دھڑکنے لگتا۔ گھر آنے والا کوئی شخص گیٹ پر لگی گھنٹی بجا کر اپنی آمد کی اطلاع دیتا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔ دن تو جوں توں گزر جاتا مگر رات کو وہ اپنے آپ کو انتہائی غیر محفوظ تصور کرتی۔ فہیم کا فون آتا تو وہ اکثر روہانسی ہو جاتی۔

''فہیم میں آپ کو بہت مس کرتی ہوں۔''

مہہ کا سوگوار چہرہ، آنکھوں میں بکھری اداسی، سونی کلائیاں اور سادہ لباس دیکھ کر وہ دل ہی دل میں فہیم کی درازی عمر کی دعائیں مانگنے لگتی۔

شاید جگ بیتیوں کو ہم انسان اسی طرح اپنی آپ بیتی کے آئینے میں منعکس ہوتے دیکھ کر اپنے لیے نئی راہیں متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فرحان کی موت نے فہیم سے لیلیٰ کی محبت کو عشق کی راہ سجھا دی تھی!

☆☆☆

''آج تمہاری ساس کا فون آیا تھا۔'' منتہا کی اسکول سے واپسی پر ممی نے اس کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے بتایا۔

ممی جب بھی ''تمہاری ساس'' کہتیں اسے عجیب سا لگتا۔ ابھی تو نعیم کی والدہ سے اس کا رشتہ ادھورا تھا بلکہ کچا اور بے یقین۔ منگنیاں ٹوٹ بھی تو جاتی ہیں بلکہ توڑنے والے تو نکاح توڑنے میں بھی دیر نہیں لگاتے۔

اس نے یہ پوچھنا کہ فون کیوں آیا تھا ضروری نہ سمجھا۔

ممی نے خود ہی بتایا ''ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اب انہیں شادی کی جلدی ہے۔''

منتہا نے چونک کر ممی کو دیکھا۔

''ابھی ایسی کوئی بات نہ کیجئے گا۔''

''کیوں؟''

''مہہ کو اسٹے بل ہو لینے دیں۔''

''اور کیا اسٹے بل ہو گی بے چاری..... دوبارہ ملازمت پر جانا شروع کر دیا۔ اچھا ہوا کہ اس نے استعفا نہیں دیا تھا چھٹی لی تھی۔''

''مجھے اچھا نہیں لگے گا ممی کہ مہہ کے ہاتھ ننگے ہوں اور میں.....''

''خدا کی مرضی..... مہہ کے مقدر میں تھی یہ تکلیف..... اب اس وجہ سے تم بھی تو ساری عمر نہیں بیٹھی رہ سکتیں، پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔ تمہاری عمر کی لڑکیاں تو کئی کئی بچوں کی مائیں ہوتی ہیں۔''

''آپ کو یاد ہو گا پہلے علیب کی شادی ہمارے پروگرام میں تھی۔''

''اب بھی ہو سکتی ہے۔''

منتہا قدرے مطمئن دکھائی دینے لگی۔

''بس تو پہلے علیب کی۔''

''پہلے اور بعد کی کیا بات۔ علیب کا ولیمہ تمہاری رخصتی۔''

''نہیں ممی..... میری ابھی نہیں..... نیہہ اتنے بڑے صدمے سے گزری ہے کہ میں ابھی کچھ عرصے تک اس سلسلے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ ہاں علیب کے لیے البتہ بسم اللہ کریں۔''

''سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان لوگوں کے بھی مسائل ہیں۔ دونوں بیٹے اب یہ چاہتے ہیں کہ ماں کو وہیں اپنے پاس رکھیں۔ تمہاری ساس کی خواہش ہے کہ دوسرے بیٹے کی بھی شادی کر کے دونوں بہوؤں کے ساتھ وہیں چلی جائیں۔''

''ممی مسائل ان کے ہیں تو ہمارے بھی ہیں۔ فرحان کی ڈیتھ کے بعد ان لوگوں اور نیہہ کے سسرال والوں کے درمیان جو رنجش پیدا ہوگئی ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ابھی اس معاملے کو کچھ عرصے کے لیے ملتوی ہی رکھا جائے۔''

''خاندانی رنجشیں بعض دفعہ برسوں چلتی ہیں۔ آخر کب تک انتظار کریں گے ہم۔''

''جلد بہتری کی دعا تو کی جاسکتی ہے۔''

''تم نے شادی کے لیے نہ نہ کی ایسی رٹ لگا رکھی تھی کہ اچھا بھلا کام ہوتے ہوئے رک گیا۔ اللہ کے واسطے اب تو اپنی یہ رٹ چھوڑ دو۔'' ممی زچ ہوگئیں۔

''پلیز آپ ناراض نہ ہوں۔''

''تو کیا شادیانے بجاؤں۔ ایک کی کی تو یہ صدمہ دیکھنا پڑا۔ دوسری کی ہونے کی نوبت ہی نہیں آرہی۔ جوان جہان بچہ تھا فرحان مگر موت آئی اچک کر لے گئی۔ ہم تو پکے پان ہیں۔ کیا بھروسا کب ہماری باری آجائے۔''

''ایسی باتیں نہ کریں۔'' وہ سہم کر بولی۔

''تمہیں کیا پتا کتنی فکر ہوتی ہے ماؤں کو بیٹیوں کی۔''

''صرف بیٹیوں ہی کی کیوں۔''

''بیٹوں کی بھی ہوتی ہے مگر ان کے لیے تو جب کرنے کا ارادہ کرلو مشکل نہیں۔ اصل مشکل بیٹیوں کی ہوتی ہے۔ خدا بھلا کرے نیہہ کی ساس کا جن کی وجہ سے یہ رشتہ مل گیا۔ دیر لڑکے والوں کی طرف سے ہوتی ہے یہاں ہم ٹال رہے ہیں۔''

''ٹال نہیں رہے حالات کے پیشِ نظر تھوڑی سی مہلت چاہتے ہیں۔ آپ خود سوچیے کیا نیہہ کی سسرال والوں کے شریک ہوئے بغیر ہم یہ شادی کر سکتے ہیں۔''

ممی مذبذب نگاہوں سے اس کا منہ تکنے لگیں۔

''انشاء اللہ کچھ دنوں میں حالات بہتر ہو جائیں گے۔ نیہہ کی نند اس گھر میں ہے اور وہ بڑی سمجھ دار لڑکی ہے۔ خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اللہ توبہ!'' ممی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا ''کیسی مشکل میں پھنس گئی ہوں۔''

''آپ پریشان نہ ہوں۔ علیب کی شادی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اس میں نیہہ کے سسرال والے آئیں گے اور وہ لوگ بھی۔ ہوسکتا ہے اسی بہانے ان کے تعلقات بحال اور بہتر ہو جائیں۔''

☆☆☆

ننھی کومل فضہ کے گھر میں گویا نوید مسرت بن کر آئی تھی۔ تینوں بہن بھائی بہت خوش تھے۔ کبھی ایک اسے چومتا کبھی دوسرا گود میں اٹھا لیتا۔ رابیل چلاتی ''بہنا میری ہے۔''

''جی نہیں میری۔'' سانول کہتا۔

''بے وقوف تم تو دو بھائی ہو میں اکیلی ہوں اس لیے بہنا میری۔''

''میں چھوٹا ہوں اس لیے چھوٹی بہن میری۔'' سانول دعویٰ ٹھوکتا۔

''نہیں بھئی راول سے میری لڑائی ہو جاتی ہے۔''

''تو میں کیا کروں۔''

''تم کرو یہ اچھے بھائی کہ راول کے بھائی بن جاؤ۔''

''وہ تو میں ہوں۔''

''میرا مطلب ہے ہمارے گھر میں ایک سیٹ بھائیوں کا ایک ہم دونوں بہنوں کا۔''

''مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔''

''لو بھلا مجھے کوشش کرنے کی کیا ضرورت وہ تو تم ہو۔''

''ماما!'' سانول ایسے موقعوں پر اپنی پوری قوت سے ماں کو پکارتا۔

''کیا ہوا؟'' وہ لپکی ہوئی آئی۔

''رابیل مجھے بہنا نہیں دے رہی۔''

''توبہ ہے ایسے چلاتے ہو تم لوگ کہ دوسرے آدمی کے ہاتھ پاؤں پھول جائیں۔''

''دوسرا آدمی! کیا مل گیا ماما؟'' رابیل کی رگِ ظرافت پھڑکتی۔

''رابیل!'' فضہ اسے گھورتی۔

''سوری ماما جی۔'' رابیل کان دبا کر کہتی۔

اپنی نوعیت کا ایک تھا یہ کنبہ کہ جہاں سربراہِ خانہ کی پردیس مفروری کے بعد ملنے والی اس کی دوسری شادی کی خبر بھی اس کنبے کو قنوطی بنانے میں ناکام رہی تھی۔ اس کی فضاؤں میں اب بھی وہی تازگی، وہی نیرنگی، وہی لطافت اور وہی نزاکت تھی۔ ماں اور بچوں کے درمیان ہلکا پھلکا ہنسی مذاق چلتا رہتا۔ ماں اپنے بچوں کی دوست بن کر رہتی۔ ان کا دکھ سکھ سانجھا تھا۔

گھر کی فضا کو جوں کا توں برقرار رکھنے کا سہرا فضہ کے سر جاتا تھا۔ اس کے اپنے دل میں جو تھا وہی جانتی تھی۔ کون عورت اپنے شوہر کی دوسری شادی کی خبر سن کر مستحکم اور مضبوط رہ سکتی ہے۔ اپنے معمولات اور مزاج کو جوں کا توں برقرار رکھ سکتی ہے اور شوہر بھی وہ جو ہر اعتبار سے اس سے کم تر تھا۔ اس کی دوسری شادی فضہ کو اپنی ذات کی توہین محسوس ہوئی تھی مگر اس نے اپنے دل کی کیفیت بچوں پر ظاہر نہ ہونے دی تھی۔ بلکہ جب رابیل اس خبر پر اداس ہوئی تو اس نے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا ''ماما کی جان! تم نے منہ کیوں لٹکا لیا۔ ہمیں تمہارے باپ کی دوسری شادی سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تو پہلے بھی مہمانوں کی طرح آیا کرتے تھے۔ اب آئے تو ولایت پلٹ ہو کر آئیں گے شاید انگریزی بولتے ہوئے۔''

''مجھے شک ہے۔'' راول نے چونچ کھولی۔

''کس بات پر؟''

''کہ فادر ڈیئر انگلینڈ میں رہ کر بھی کبھی انگریزی بول سکیں گے۔''

''اب اتنے جاہل بھی نہیں ہیں تمہارے باپ۔'' فضہ بولی۔

''آپ کو تو اس آدمی کے خلاف کوئی ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں۔''

''کیوں گوارا ہو، میرے شوہر ہیں وہ۔''

''میں خوش ہوں کہ وہ یہاں نہیں رہے۔'' راول بولا۔

''بے ایمان!'' فضہ نے اسے گھورا ''باپ کے لیے ایسا کہتے ہو۔''

''باپ نے کیا کیا! دوسری شادی کی اور انگلینڈ فرار۔''

''تمہیں کچھ فرق پڑا۔ کوئی ضرورت پوری ہونے سے رہی۔''

''فار گاڈ سیک ماما اتنی میٹریلسٹک ہو کر نہ سوچیں۔ مادی ضرورتوں کے علاوہ بھی کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں انسان کی۔''

''مثلاً؟'' اس نے چونک کر راول کی طرف دیکھا۔

''محبت، تحفظ، یقین..... جو ہمیں اس شخص کی طرف سے کبھی نہیں ملا۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

فضہ ٹکٹکی باندھے چند ثانیے اسے دیکھتی رہی۔ اس کا جی چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے مگر بچوں کی خاطر وہ خود پر ضبط کیے رہی۔

''میں جو ہوں تمہیں یہ سب دینے کو۔'' اس نے راول کا بازو تھامتے ہوئے محبت سے اسے دیکھا۔

''آپ ہی نے تو دیا ہے سب کچھ۔'' وہ بولا۔

فضہ کو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی ہلکی سی رو دکھائی دی۔

''اپنے باپ کے خلاف دل میں شکایتوں کو جگہ مت دیا کرو۔'' اس نے راول کو سمجھایا۔

''ماما آپ کو اب بھی ان سے نفرت نہیں ہوئی۔'' رابیل حیرت سے بولی۔

''کبھی ہو بھی نہیں سکتی میری جان..... وہ جہاں بھی رہیں میرے بچوں کے باپ ہیں اور اب تو تین بھی نہیں چار

ٹھہریئے اپنی ناک کا آپریشن کرانے سے پہلے

جدید ہومیوپیتھک سائنسی تحقیق اور تجربہ سے تیار کردہ انتہائی زود اثر دوا

Naricol Tablet

ایک ہفتہ ضرور استعمال کر کے دیکھیں انشاء اللہ ضرور شفا ہوگی

نزلہ دائمی ہو یا الرجک یا موسمی تبدیلیوں سے ناک کی ہڈی یا گوشت کے بڑھنے سے ہو سر درد مستقل ہو ناک بند ہونا یا سانس لینے میں دشواری کیلئے مجرب دوا ہے۔

اسٹاکسٹ:

باجمن ہومیو اسٹور ناظم آباد بورڈ آفس فون نمبر: 6614030
انصاری ہومیو اسٹور ناظم آباد بورڈ آفس: 6681127
شفا ہومیو ڈرگ بنک سکندر پور پٹا رسٹی 2571776
ظفر ہومیو اسٹور اقبال پلازہ ناگن چورنگی نارتھ کراچی 6946508
صوفی ہومیو اسٹور آرام باغ روڈ کراچی
انشاء میڈیکل اسٹور النصیر اسکوائر ایف بی ایریا
مہر میڈیکس آرام باغ روڈ کراچی: 2628814
احمد ہومیو اسٹور یو پی نارتھ کراچی: 6957528
شیراز ہومیو پیتھک اسٹور اینڈ کلینک 34 تھس روڈ لاہور فون: 042-6369691-93
مسلم ہومیو پیتھک اسٹور لجپت روڈ حیدر آباد فون: 720208
نیو محمدی ہومیو اسٹور گلشن اقبال بالمقابل اردو سائنس کالج کراچی
الجنت ہومیو کلینک اینڈ اسٹور 5 عبداللطیف خان پلازہ منڈیاں ایبٹ آباد
لائف ہومیو اسٹور آرام باغ روڈ کراچی

ایک ماہ کا کورس 180 روپے۔ گھر بیٹھے V.P پارسل منگوانے کیلئے خط لکھیں
مرض کی تشخیص و علاج ریڈونک کمپیوٹر کی مدد سے (خون یا تھوک کے نمونے سے نیٹ)
دیگر امراض کے لئے خط و کتابت بالمشافہ ملاقات کے لئے کلینک پر رابطہ کیا جا سکتا ہے

ہومیو ڈاکٹر شوکت علی (پینل۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان)

مہوش اپارٹمنٹس شاپ نمبر 2 SC-19 بلاک N نارتھ ناظم آباد کراچی ٹیلی فون نمبر: 6647312 موبائل 0300-9229413
کلینک کے اوقات (صبح 11 سے 1 شام 6 سے 10) E-mail: hdr_shoukatali@hotmail.com

بچوں کے باپ!''

''کیا بتائیں گی آپ کومل کو ان کے بارے میں!'' راول کے لہجے میں تلخی تھی۔

''ارے بیٹا تم کیا سمجھتے ہو کیا وہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے ہیں۔''

''کاش ایسا ہوتا!''

عجب تماشا تھا!

ایک طرف تو اس کی اولاد باپ سے محبت، تحفظ اور یقین کی متقاضی تھی اور دوسری طرف اس درجہ نفرت!

بچوں کی جذباتی کیفیت کو مزید شکست وریخت سے بچانے کے لیے فضہ بظاہر خود کو مستحکم رکھے ہوئے تھی مگر اس کے اپنے اندرون رات کتنی شکست وریخت رہتی تھی اس کا اندازہ اسی کو تھا!

☆☆☆

دن رات ظہیر صاحب کے ہاتھوں میں رہنے کی وجہ سے مُنا ان سے اتنا ہل گیا تھا کہ میہہ کی بھی کم ہی پروا کرتا۔ اس کے کپڑے، بچھونے اور ضرورت کا دیگر اسباب ظہیر صاحب نے مستقلاً اپنے ہی کمرے میں رکھ چھوڑا تھا۔

میہہ ماں تھی۔ ملازمت کے اوقات کار میں گھر اور بچے سے اس کی دوری تو ایک مجبوری تھی مگر گھر آنے کے بعد بچے کو اپنے پاس ہی رکھنا اور اسے اپنی آغوش کی گرمی دینا چاہتی تھی جبکہ ظہیر صاحب کا عالم یہ کہ رات کو بھی اسے اپنے ہی پاس سلانا چاہتے۔ میہہ اسے اپنے کمرے میں سلا بھی لیتی تو اسے کسی کے ہاتھ منگوا لیتے یا کمرے کے دروازے پر دستک دے کر خود کمرے میں در آتے اور بچے کو اٹھا لے جاتے۔

میہہ اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہتی مگر وہ بچے کے بارے میں ظہیر صاحب کے اس طرزِ عمل پر دل ہی دل میں بڑی بزبزاتی۔ بجا کہ یہ بچہ ان کے مرحوم بیٹے کی نشانی تھی۔ اس سے ان کی غیر معمولی محبت وانسیت سے بھی انکار نہ تھا مگر ممتا بھی تو آخر ماں تھی اس کی۔

منے کی بابت ظہیر صاحب کے اس طرزِ عمل کو گھر میں سبھی نے نوٹ کیا تھا۔ مسز ظہیر اکثر انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کرتیں کہ میہہ جب گھر میں ہو تو منے کو زیادہ تر اسی کے پاس ہونا چاہیے۔ رات کو بھی اسے اپنی ماں کے پاس ہی چاہیے مگر ظہیر صاحب ان کے سمجھانے کو خاطر میں نہ لاتے۔

''تم میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتیں۔'' وہ کہتے۔

''ہم سمجھتے ہیں..... سب سمجھتے ہیں..... ہم سے زیادہ اور کون سمجھ سکتا ہے آپ کی فیلنگز کو..... ہم جانتے ہیں آپ منے کے وجود سے فرحان کی خوشبو آتی ہے۔''

''جب جانتی ہو تو پھر روک ٹوک کیوں رکھتی ہو۔''

''ماں بھی بچے کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔ میہہ بھی چاہتی ہوں گی کہ منا ان کے پاس رہے۔''

''میہہ کو مجھ سے زیادہ محبت نہیں ہو سکتی منے سے۔'' ظہیر صاحب لایعنی دعوؤں پر اتر آتے۔''

مسز ظہیر ان سے بحث وتمحیص کرنا مناسب نہ سمجھتیں۔ اعصابی مریض رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں چیخنے چلانے لگتے اور بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا۔

میہہ سے انہوں نے اس سلسلے میں بارہا معذرت کی تھی۔

''بیٹا ہم منے کے بارے میں تمہارے جذبات سے بخوبی آشنا ہیں۔ منے کے لیے ظہیر صاحب کا اتنا پوزیسو ہونا شاید تمہیں شاق گزرتا ہو۔ بہت سمجھاتے ہیں ہم انہیں مگر کیا کریں سنتے ہی نہیں۔ اعصابی مریض ہیں اس لیے ہم سننے میں بھی احتیاط ہی رکھتے ہیں۔''

''ایسی کوئی بات نہیں امی، ان کا بھی تو پوتا ہے۔'' وہ بڑے تحمل سے کہتی۔

مگر حقیقت وہی تھی کہ وہ منے کے بارے میں ظہیر صاحب کے اتنا پوزیسو ہونے پر اکثر زچ ہونے لگی تھی۔ اپنی اس بیزاری کا اظہار اس نے دو تین مرتبہ ممی اور منہا پر بھی کیا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا۔'' ممی اس کے دل سے شکوہ رفع کرنے کی کوشش کرتیں۔ ''شکر کیا کرو کہ باپ کے بعد تمہارے بچے سے کوئی اتنی محبت کرنے والا بھی موجود ہے۔ ورنہ ایسے بچوں کی دنیا میں کمی نہیں جنہیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں۔ منا خوش قسمت ہے کہ اس سے دادا، دادی، پھوپھیاں، چچا سب بے حد پیار کرتے ہیں۔''

''اتنی محبت بھی نہ کرے کوئی کہ دوسرے آدمی کا دم گھٹنے لگے۔''

''کوئی بات نہیں منا جہاں بھی رہے جس کے پاس بھی رہے وہ ہے تمہارا ہی۔ ایک پرانی مثل ہے ہاتھی پھرے گاؤں گاؤں، جس کا ہاتھی اس کا ناؤں۔''

''میہہ ملازمت پیشہ ماؤں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کے بچوں کی مناسب دیکھ بھال ہوتا ہے۔ بے بی سٹنگ کی اجرت ادا کرتے ہیں، تم تو خوش قسمت ہو کہ تمہارا بیٹا محبت کرنے والے ہاتھوں میں پل بڑھ رہا ہے۔'' میہہ کے دل سے گلہ رفع کرنے میں منہا بھی اپنا حصہ بٹانے کی کوشش کرتی۔

''آپ نہیں سمجھ سکتیں باجی، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ میں یہاں آتی ہوں تو وہ منے کو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔ مُنا بڑا ہو جائے گا تو اپنا ہاتھ ان سے چھڑا کر تمہارے ساتھ خود یہاں آ جایا کرے گا۔''

اس روز بھی کچھ ایسی ہی گفتگو کے بعد ممی نے بہت احتیاط سے علیب کی شادی کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''میہہ بیٹے لڑکی والے منگنی کے بعد ایک طرح سے بندھے بیٹھے ہیں، کیا خیال ہے اب پہلے تمہارے بھائی پھر بہن کی ذمے داریوں سے بھی سبکدوش نہ ہوا جائے۔'' ممی نے میہہ سے کہا۔

''ضرور۔''

''تو پھر کسی دن وقت نکالو۔''

''کس لیے؟''

''لڑکی والوں کے ہاں جانے کے لیے۔''

''پلیز ممی آپ لوگ چلے جائیں۔''

''تم کیوں نہیں۔ دو ہی تو بہنیں ہو۔ بھائی کی خوشی میں ایک شریک نہ ہو تو باقی کون؟''

میہہ نے سر جھکا لیا۔ ممی کو یوں لگا جیسے وہ اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہی ہو۔

''بیٹا زندگی ایسے تو نہیں گزرے گی۔ حوصلے سے کام لو۔ زندگی دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے۔''

اس نے گھائل نگاہوں سے ممی کی جانب دیکھا۔

''ایسی کڑی دھوپ ممی!'' اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

ضروری گزارش

ای میل اور فیکس کی سہولیات مختصر پیغامات اور تبصروں کے لئے جملہ قارئین کے لئے حاضر ہیں۔ بعض قارئین طویل خطوط، کوپن والے اشعار وسوالات ڈاک سے بھیجنے کے بجائے ان ہی ذرائع سے بھیج دیتے ہیں۔ ٹرانس مشن اور اسکینگ (SCANNING) کی بعض فنی وجوہ کی بنا پر بسا اوقات یہ متن پوری جزئیات کے ساتھ موصول نہیں ہوتا اور ضائع ہو جاتا ہے۔ ازراہِ کرم اپنی تخلیقات اور اشعار وسوالات اصل کوپن کے ساتھ صرف ڈاک سے ارسال کریں تاکہ یہ ضائع نہ ہوں۔ ای میل پر تبصروں وغیرہ کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ ازراہِ کرم اپنے شہر اور ملک کا نام ضرور لکھیں۔

نوٹ:۔ غیر ملکی قارئین کے خطوط ہم تک بروقت نہیں پہنچ پاتے، لہٰذا غیر ممالک میں بسنے والے تمام قارئین کے لئے ای میل اور فیکس کی سہولت بدستور برقرار ہے ..... (ادارہ)

ممی کا جی کٹ کر رہ گیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔ دھیرے دھیرے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی "ہوسکتا ہے کسی اگلے موڑ پر کہیں بہت ٹھنڈی چھاؤں بھی مل جائے۔"
نیہہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

☆☆☆

مہتاب کے تبادلے کے احکامات رکوانے کے لیے منتہا نے ڈائریکٹریٹ جا کر ڈپٹی ڈائریکٹر کو مہتاب کے تبادلے کی درخواست کا پس منظر بتانا ضروری جانا۔
"سفارش کر رہی ہیں مس منتہا۔" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔
"سر بہت گڑگڑا رہا تھا وہ۔"
"سنا ہے آپ تو رونے والوں کی بھی نہیں سنتیں۔"
"جی سر!" وہ چونکی "میں سمجھی نہیں۔"
"ڈائریکٹریٹ کو آپ کے بارے میں بڑے تواتر کے ساتھ زبانی اور تحریری شکایات مل رہی ہیں کہ آپ کسی کی نہیں سنتیں۔"
"ایسا نہیں ہے سر! جائز اور معقول بات تو میں اپنے دشمن کی بھی ضرور سنتی ہوں۔"
"اس کا مطلب ہے دشمن بھی ہیں آپ کے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولے۔
"جس کا کوئی دشمن نہیں اس کے بارے میں یہ بات یقینی ہے سر کہ وہ اعلیٰ درجے کا منافق ہوگا۔"
ڈپٹی صاحب نے اپنی عینک درست کی۔ "بہت خوب!"
"میں پوچھ سکتی ہوں سر کہ لوگوں کو کس قسم کی باتیں نہ سنی جانے کی شکایات ہیں مجھ سے۔"
"صبح اسکول لگنے کے بعد اسکول کا مین گیٹ بند کروا دیا جاتا ہے اور دیر سے آنے والوں کو واپس جانا پڑتا ہے۔"
"تاکہ اگلے روز بروقت پہنچیں۔" منتہا نے لقمہ دیا۔
"اکیلے آنے والے بچوں کے لیے اکیلے واپس جانا مشکل ہوتا ہے۔"
"اکیلے آتے بھی تو ہیں سر! آئی ایم سوری سر، ایک طرف تو ہم پابندیِ وقت کا راگ الاپتے ہیں اور دوسری طرف اس میں رعایت کے طلبگار ہوتے ہیں۔"
"سنا ہے یونیفارم کی چیکنگ اتنی سختی سے کرواتی ہیں آپ کہ جوتوں تک میں ذرا رعایت نہیں۔ سب کے جیسے چاہتی ہیں آپ۔"
"یونیفارم کا اور مطلب کیا سر..... جوتے بھی بچوں کی یونیفارم ہی کا حصہ ہیں۔ آپ ذرا دیکھتے تو سہی شروع میں جب میں یہاں آئی تو بچے کیسے کیسے جوتے پہن کر آیا کرتے تھے۔ مسلسل کوششوں سے اب تقریباً پچانوے فیصد بچے ڈائریکٹریٹ کے منظور کردہ ڈیزائن کے مطابق جوتے پہن کر آرہے ہیں اور سر اور کیا شکایات لوگوں کو؟"
"سنا ہے جن لڑکوں کے بال بڑھے ہوتے ہیں۔" آپ اسمبلی میں ان کے بالوں کو قینچی لگا دیتی ہیں۔"
"دو مرتبہ وارننگ دینے کے بعد سر!"
"لوگوں کو یہ بھی شکایت ہے کہ آپ بچیوں کو چوڑیاں، بالیاں اور چھوٹی موٹی آرائشی چیزیں استعمال کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتیں۔"
"سر، اسکول کی نوعمر بچیاں سادہ ہی اچھی لگتی ہیں۔ جب ہم انہیں سادگی کا درس ہی دیتے ہیں تو عملاً بھی

کاربند کیوں نہ کریں انہیں۔"

"سنا ہے کوئی بچہ ایک دن چھٹی کر لے تو اگلے دن اس سے گراؤنڈ میں پڑا کوڑا کرکٹ چنوایا جاتا ہے۔"

"سر، ایسا صرف ان بچوں سے کروایا جاتا ہے جو بغیر اطلاع دیئے چھٹی کرتے ہیں اور اگلے دن بھی بغیر درخواست لیے اسکول آتے ہیں۔ اس سزا سے انہیں اول تو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے دوسرے کام کی عادت پڑتی ہے تیسرے ہماری گراؤنڈ صاف ہو جاتی ہے۔ جو کام ہمارا ایک خاکروب شاید دو گھنٹے میں بھی نہ کر سکے، یہ بچے ذرا سی دیر میں کر جاتے ہیں۔"

"بہر حال والدین اور سرپرستوں کو اس بات پر سخت اعتراض ہے، ان کا کہنا ہے ہم بچوں کو اسکول تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجتے ہیں زمین پر سے کوڑا کرکٹ اٹھوانے کے لیے نہیں۔ یہ جمعداروں کا کام ہے۔"

"تبھی تو ہماری گلیاں اور محلے اتنے گندے رہتے ہیں۔ اگر ہم کوڑا زمین سے اٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دینے کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیں تو ہماری گلیوں اور محلوں میں جا بجا اتنا کوڑا کرکٹ نہ دکھائی دے۔ ہم نے طے کر لیا ہے کہ یہ صرف خاکروبوں کا کام ہے۔ ہم اپنے تعلیمی اداروں میں بچوں کو محنت کی عظمت، کام میں کوئی عیب نہیں اور ڈگنٹی آف لیبر قسم کے عنوانات پر اچھے اچھے مضامین تو لکھنا سکھا دیتے ہیں عملاً انہیں کچھ نہیں سکھاتے۔"

"ایک شکایت آپ سے ڈائریکٹر صاحب کو بھی ہے۔"

"جی سر..... مجھے معلوم ہے۔ ایک صاحب جن کا کسی ہل اسٹیشن سے یہاں ٹرانسفر ہوا ہے ڈائریکٹریٹ سے سفارشی رقعہ لے کر آئے تھے کہ ان کے بچے کو جو وہاں تیسری جماعت میں پڑھ رہا تھا اور اسے اپنے والد کے تبادلے کے باعث سالانہ امتحان سے کچھ عرصہ قبل ہی یہاں آنا پڑا تھا چوتھی جماعت میں بٹھا دیا جائے میں نے معذرت کر لی۔"

"معذرت یا انکار؟" ڈپٹی صاحب نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

"یہی سمجھئے سر!"

"کیوں انکار کیا ہے آپ نے؟ کیا آپ ڈائریکٹریٹ کی اس پالیسی سے واقف نہیں کہ اگر کسی طالب علم کو کسی ہل اسٹیشن سے اپنے والدین کے ٹرانسفر کے باعث سالانہ امتحان سے قبل میدانی علاقے میں آنا پڑے تو اسے اگلی جماعت میں داخلہ دیا جائے گا۔"

"مگر گزشتہ جماعت میں سہ ماہی اور ششماہی امتحانات کے نتائج کی بنیاد پر سر..... ڈائریکٹریٹ نے جس بچے کو میرے پاس بھجوایا اس کی دونوں امتحانات میں کارکردگی صفر تھی۔"

"سو واٹ! آپ کو پتا ہے جو رقعہ آپ کو ڈائریکٹریٹ سے بھجوایا گیا اس پر کس کے دستخط تھے؟" ڈپٹی صاحب ذرا کڑک کر بولے۔

"جی سر مجھے معلوم ہے..... ڈائریکٹر صاحب کے۔"

"ڈائریکٹر کے کسی حکم سے سرتابی کا مطلب سمجھتی ہیں!"

"جی سر!" اس نے سر جھکا کر آہستگی سے کہا "ہارڈ ایریا میں ٹرانسفر۔"

"جی!" وہ جی پر زور دے کر بولے پھر انہوں نے کہا "مہتاب کا ٹرانسفر رکوانے کی بات تو بعد میں کیجئے گا پہلے آپ اپنا ٹرانسفر رکوانے کے لیے سفارش ڈھونڈیں۔"

اس نے ہڑبڑا کر انہیں دیکھا۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

اعتبار

فوزیہ فرخ

وہ برا وقت بن کے آیا تھا
وقت کب ٹالنے سے ٹلتا ہے

کچھ لوگ ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنالیتے ہیں اور اپنے مفاد کے لیے وہ بڑے سے بڑا دھوکا دینے سے نہیں کتراتے بلکہ ہر انتہائی قدم اٹھانے کو تیار رہتے ہیں۔

''آپ میرے نقطۂ نظر سے سوچنے کی کوشش کریں سر! میرے لیے یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔''

''میں بھی اسے غیر اہم نہیں کہہ رہا لیکن فی الحال تمہاری چھٹی منظور ہونا ناممکن ہے۔''

''سر.....! وہ میری بہت عزیز بہن ہے، میں اس کی خوشی مس نہیں کرسکتا'' وہ پُرزور لہجے میں کہہ رہا تھا۔

شجاع نے اپنی فائل بند کی اور غور سے اس پریشان سے لڑکے کو دیکھنے لگے جو پچھلے پندرہ منٹ سے ان کے سامنے کھڑا مسلسل ایک ہی بات کی گردان کیے جارہا تھا۔

''سنو عارفین!'' وہ ہنوز نرم لہجے میں بولے ''میں اس وقت کی تمہاری کیفیت سمجھ رہا ہوں۔ انسان پردیس میں ہو اور گھر سے کوئی بھی خبر آئے، طبیعت اسی طرح بے چین ہوتی ہے کہ دل چاہتا ہے اُڑ کر اپنے لوگوں میں پہنچ جائے۔ ہر کسی کا دل یہی چاہتا ہے۔ میں بھی اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں سے دور یہاں بیٹھا ہوں۔ مجھے بھی اندازہ ہے کہ اس وقت تمہاری کیا خواہش ہے لیکن یہی تو پردیس میں رہنے والوں کا سب سے بڑا امتحان ہے۔ اسی تڑپ پر تو قابو پانا ہوتا ہے ورنہ نوکریاں چلی جاتی ہیں اور پھر سب کچھ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ تمہارے وہ پیارے جو تمہیں وہاں مس کررہے ہیں یقیناً یہ نہیں چاہیں گے کہ تم اپنی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھو۔'' ان کا لہجہ ٹھنڈا تھا لیکن الفاظ گہرائی لیے ہوئے تھے۔

وہ ایک دم سست پڑ گیا۔ ''شاید آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟''

''نہیں، میں تمہیں سمجھا رہا ہوں کہ اس قسم کے رسک مت لو۔ نوکری کے شروع کے ایک دو سال ہمیشہ بہت کٹھن ہوتے ہیں۔ اس میں دل کو سمجھانا ہی پڑتا ہے۔'' میں نے بھی بہت ذہنی اذیتیں برداشت کی ہیں۔ ایک دو نہیں، پورے چار سال گھر والوں سے نہیں مل سکا تھا۔ راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ لیکن پھر وہ وقت گزر ہی گیا اور اب سب کچھ سیٹ ہے۔ بہرحال دوری ابھی بھی ہے لیکن ملنے جاسکتا ہوں۔ تم بھی جاؤ گے، ضرور جاؤ گے لیکن کچھ مہینے انتظار کرلو۔ اس کے بعد چلے جانا، ابھی ہماری فرم میں کام بہت زیادہ ہے۔''

''کام تو ہمیشہ ہی زیادہ رہے گا۔ چھ مہینے بعد ہوسکتا ہے کسی نئے کام کا لوڈ ہو جبکہ میری بہن کی منگنی تو ابھی ہورہی ہے۔ چھ ماہ بعد کی چھٹی میرے کس کام کی؟'' وہ معصومیت سے بولا، لہجہ ہنوز اکھڑ تھا۔

شجاع کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ کتنا سر پھرا لڑکا تھا۔ اتنی دیر تک سمجھانے کا ذرّہ برابر اثر نہیں ہوا تھا اس پر۔ وہ وہیں پر اٹکا ہوا تھا۔ بہن کی ابھی محض بات طے ہورہی تھی۔ ایک سال بعد شادی متوقع تھی مگر اسے ابھی بھی جانا تھا اور پھر ظاہر ہے شادی میں تو غالباً لمبے عرصے کی چھٹی درکار ہوتی۔ حالت یہ تھی کہ ابھی اسے سعودیہ میں ان کی فرم جوائن کیے صرف سات مہینے ہوئے تھے۔ ایسے میں اس کا اصرار کہ اس کے لیے مالک سے کہہ کر دس دنوں کے لیے پاکستان جانے کی اجازت دلوادی جائے، انتہائی غیر مناسب بات تھی۔ وہ اپنے باس کی عادت سے بخوبی آگاہ تھا۔ وہ ایسے معاملات میں شجاع کو خود فیصلہ کرنے کا اختیار دیتے تھے اور اس سے مناسب جواب کی ہی توقع کرتے تھے اور یہاں پر مناسب ترین جواب یہی تھا کہ اسے منع کردیا جائے۔

''دیکھو، اگر تم اصرار کرہی رہے ہو تو ٹھیک ہے، میں تمہاری درخواست آگے پہنچا دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس وقت فرم میں تمہاری جتنی ضرورت ہے اس کے تحت ایک نیا ملازم رکھوانے کی درخواست بھی بھیجنی پڑے گی۔ بے شک وہ صرف اس وقت تک کام کرے گا جب تک تم واپس نہ آجاؤ لیکن اگر ان دس دنوں میں اس نے خود کو تم سے بہتر ثابت کردیا تو پھر تم اپنی نوکری کی خیر منالینا'' شجاع نے فائل بند کرکے اس سے کہا۔

''سر، آپ زیادتی کررہے ہیں'' وہ رونی آواز میں بولا۔

''عارفین! تم بحث کررہے ہو اور وہ بھی بے کار کی'' شجاع نے ذرا سختی سے کہا۔

''سر، آپ جس پوسٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں، اس کے ناتے ہم پر آپ کا کچھ حق بنتا ہے'' اب کے وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

''یقیناً ایسا ہی ہے مگر حقوق پورا کرنے کے سلسلے میں کچھ مدارج بھی وضع کیے جاتے ہیں۔ تم سے پہلے سے بہت لوگ چھٹی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ اگر ایسی کوئی گنجائش نکلی تو میں پہلے انہیں موقع دوں گا پھر تمہاری باری آئے گی۔''

''اور اندازاً اس میں کتنا عرصہ لگے گا؟'' عارفین نے تلخی سے پوچھا۔

''کہا نہیں جاسکتا۔ سچ پوچھو تو ایک سال یا پھر شاید .....دو سال.....اوکے!'' اس نے صاف گوئی سے بات ختم کردی۔

وہ واپس اپنی کرسی پر آکے بیٹھ گیا لیکن اندر ہی اندر اس میں جیسے ایک الاؤ جل رہا تھا۔

''مائی فٹ! میں کل ہی چلا جاؤں گا، بھاڑ میں گئی ایسی غلامی، جس میں انسان اپنے گھر کی خوشیوں میں بھی شریک نہ ہو پائے۔ لوڈ بہت زیادہ ہے.....لوڈ کب زیادہ نہیں ہوتا۔ ہر وقت تو یہی حال رہتا ہے۔ کام زیادہ ہے اوور ٹائم لگائیں۔ وقت پر مکمل ہونا ہے۔ مزدوروں کی طرح دن رات لگے رہو اور جب کام ختم تو رابطہ بھی ختم۔ آدھی سے زیادہ فیکٹری کی چھٹی۔ پھر کیسے کوئی امید رکھے کہ چھ ماہ یا سال کے بعد مجھے جو چھٹی ملے گی، وہ نوکری سے چھٹی کے مترادف نہیں ہوگی۔ ٹھیک ہے، پھر جو کام ہونا ہے، وہ ابھی کیوں نہ ہو جائے۔ وہ کیا دھمکی دیں گے، میں خود ہی چھوڑ دیتا ہوں جاب!''

وہ غصے میں بھرا سوچتا رہا۔ پھر یکلخت ایک خیال آیا جس نے اسے سست کر ڈالا۔ ''اگر نوکری چھوٹ گئی تو کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ گھر بھر میں ثمرہ کی بات طے ہونے کی خوشیاں منائی جارہی ہوں گی اور میں جا کے خوش خبری سناؤں گا، نوکری پہ لات مار کے آنے کی، تو کیا ہوگا؟ اور پھر وہ تحفے جو میں نے سب کے لیے لے کر جانے ہیں، وہ کہاں سے آئیں گے، جب نوکری ہی نہیں رہے گی؟

اس خیال نے اس کے غصے کو کچھ حد تک کم کردیا لیکن ذہنی تکلیف کیسے ختم ہوتی؟ وہ تو اور بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل تو پہلے روز سے ہی اپنے گھر اور گھر والوں میں الجھا ہوا تھا۔ یہاں وقت کیسے گزر رہا تھا، یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ وہ اپنی فیملی سے بہت اٹیچڈ تھا۔ علیحدہ رہنے کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ پھر گھر میں سب بہن بھائیوں میں دوستی بھی بہت تھی۔ اس کے جانے پر جو رونا دھونا ہوا تھا، ابھی تک اسے بھولا نہیں تھا۔ گھر کی خوشگوار محفلیں، ماں باپ، بہن بھائیوں کا ساتھ جب یاد آتا دل چاہتا کہ سب کے درمیان پہنچ جائے مگر خود کو سمجھاتا رہا تھا۔

اب اس کا ذہن تیزی سے کوئی دوسری راہ تلاش کر رہا تھا۔ ایسی راہ جس کے تحت پاکستان جانے کی اجازت بھی مل جائے اور اسے نوکری چھوڑنے کی بھی ضرورت نہ پیش آئے۔

شجاع نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا، عارفین بہت سنجیدگی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ مطمئن ہو کر دوبارہ فائل پر جھک گیا۔ وہ جانتا تھا عارفین ایک محنتی لڑکا ہے، وقتی طور پر جذبات میں آگیا تھا ورنہ اپنے کام میں اس کی مہارت میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ یہی تو وجہ تھی اسے منتخب کرنے کی۔

اس دفعہ جب وہ پاکستان گیا تھا تو اسے دو ایسے کاریگروں کی ضرورت تھی جو ایمبر ائڈری کی مشینوں کو آپریٹ کرنا جانتے ہوں۔ ایسے میں ایک فیکٹری میں اس کی ملاقات عارفین سے ہوگئی۔ عارفین وہاں ملازمت کی تلاش میں آیا تھا جبکہ شجاع ملازم کی۔ اتفاق کی بات کہ فیکٹری میں تو اس وقت کوئی ویکنسی نہیں تھی دونوں کی اس ملاقات نے ایک دوسرے کا مسئلہ حل کردیا۔ عارفین فیکٹری کا شکر گزار تھا کہ اس نے اسے توقع سے بڑھ کر اچھی ملازمت دلوادی تھی اور شجاع نے بھی سکون کا سانس لیا تھا۔

* * *

''ویل ڈن!''

عارفین نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ عثمان صاحب اس کی سیٹ کے پاس کھڑے اس کے کام کا جائزہ لے رہے تھے۔ اتفاق سے اس وقت وہ بہت تندہی سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ورنہ آج کل اس کا ذہن الجھا ہی رہتا تھا۔ عثمان صاحب سرسری انداز میں اس کی تعریف کرتے آگے بڑھ گئے اور اس نے سکون کا سانس لیا۔ شکر

عزت رہ گئی بلکہ بڑھ گئی۔

''واہ بھئی، آج تو بلے ہی بلے ہوگئی'' اس کے کولیگز نے بھی یہ نظارہ دیکھا تھا اور اب سب اسے چھیڑ رہے تھے۔

''عثمان صاحب کا آنا اور آپ کی تعریف کرنا، سمجھو آج قسمت تم پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہے۔ ایسا کرو چل کر لاٹری کا ایک ٹکٹ خرید لو۔ کیا خبر وہ بھی نکل آئے'' کسی نے مزید مشورے سے نوازا۔

''رہنے دو یار!'' وہ بھی ہنس کر بولا ''نرا جوا ہے، یہ لاٹری وغیرہ بھی.....''

''ہاں تو جب قسمت مہربان ہے تو جوا کھیلنے میں کیا حرج ہے؟'' فضل نے تو اب بھی مذاق کیا تھا مگر یہ بات اس کے دل کو لگ گئی۔

''واقعی، جب قسمت مہربان ہے تو کیا حرج ہے۔ کیوں نہ میں بھی ایک جوا کھیل لوں' ویسا نہیں جیسا فضل کا مشورہ ہے بلکہ ذرا الگ'' لمحوں میں اس نے فیصلہ کرلیا۔

اب وہ بہت بے چینی سے بریک کا انتظار کررہا تھا۔ جونہی بیل بجی، وہ اٹھ کر عثمان صاحب کے کمرے کے پاس پہنچ گیا۔

وہ اس وقت فارغ ہی تھے اس لیے اسے ان تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ علیحدہ بات کہ اب وہ وہی اجنبی سے عثمان صاحب تھے، جنہیں عام ملازمین سے بات کرنے کی بالکل عادت نہیں تھی لیکن عارفین نے تو جوا کھیلنے کا تہیہ کررکھا تھا۔

''سر! میں ایک اہم بات کے سلسلے میں آپ کے پاس.....'' وہ چھٹی کے سلسلے میں بات کرنے سے پہلے تمہید باندھنا چاہ رہا تھا کہ عثمان صاحب نے اس کی بات ہی کاٹ دی۔

''دیکھو بھئی، اہم یا غیر اہم جو بھی بات ہو، شجاع سے کرو۔ میں نے تمام اختیارات اسے سونپ رکھے ہیں۔ وہ جس طرح مناسب سمجھے، کرے۔'' وہ جملہ ختم کرکے بے وجہ ہی درازیں کھنگالنے لگے۔ یہ گویا اسے جانے کا اشارہ کیا گیا تھا۔ بے بسی کی ایک لہر تھی جو اس کے وجود سے اٹھی اور آناً فاناً نفرت میں تبدیل ہوگئی۔

''یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ وہ چاہتا تو مجھے چھٹی دے دیتا۔ عثمان صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا لیکن وہ کچھ زیادہ ہی وفادار بنتا ہے۔ شاہ سے بڑھ کر شاہ کے وفادار! اونہہ!''

''کیا ہوا بھئی.....!'' عثمان صاحب نے پھر کہا گویا کہہ رہے ہوں کہ تم گئے نہیں۔

وہ کیا جاتا، اس کا ذہن تو وہیں پر ایک منصوبہ بنانے میں مصروف تھا۔

''بات یہ ہے سر کہ بعض اہم باتیں شجاع صاحب سے بھی نہیں کی جاسکتیں'' اس نے جان بوجھ کر لہجہ دھیما رکھ لیا۔ ''لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی مناسب ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ میں اپنی زبان بند رکھوں گا'' وہ کہتے ہوئے دروازے کی طرف مڑا اور باہر نکل آیا۔

اب وہ خاموشی سے ردِعمل کا انتظار کررہا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ جتنا ارادہ کیا تھا، اس سے کہیں بڑا جوا وہ کھیل آیا تھا۔ اب ہار ہوتی ہے یا جیت، یہ تو وقت ہی کو بتانا تھا۔ اس کا صرف یہ ارادہ تھا کہ اپنے لیے چھٹی کی براہِ راست درخواست کرے گا۔ مگر وہاں بھی شجاع کا ذکر سن کر اس کے دل میں شجاع کے خلاف ایک دشمنی کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور اب وہ اسی کیفیت کے تحت کام کررہا تھا۔

ردِعمل ہوا اور وہ بھی اس کی امیدوں کے عین مطابق۔ اگلے دن عثمان صاحب کے پرسنل سیکریٹری نے اسے ایک پیغام دیا۔ اسے فیکٹری کے اوقات ختم ہونے کے بعد رکنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

''میں کیا بتاؤں سر، وہ آپ کو کس نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کا انداز ایسا ہوتا ہے گویا مالک نہیں ملازم کے بارے میں بات کررہے ہوں'' وہ آخری جملے کہہ کر ان کا ردِعمل دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے خاموشی سے گھور رہے تھے۔

''تمہیں پتا ہے، تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''جی.....مگر یہی سچ ہے۔''

''اپنی بات کا کوئی ثبوت پیش کرسکو گے؟''

''ثبوت!'' وہ بوکھلایا مگر پھر حوصلہ کرکے بولا ''ابھی تو نہیں سر! مگر آپ موقع دیں تو یہ بھی ہوسکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، جاؤ.....مگر دیکھو، ایک ہفتے کے اندر اندر مجھے ثبوت چاہئے۔''

''جی سر!'' وہ سلام کرکے باہر تو آگیا مگر اب دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ شجاع کے بارے میں الٹی سیدھی، جھوٹی سچی باتیں تو کر آیا تھا مگر ثبوت کہاں سے لاتا، کس طرح اس جھوٹ کو سچ کر دکھاتا کہ وہ فیکٹری چھوڑنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور وہ بھی کچھ اس طرح کہ اپنے ساتھ فیکٹری کا سارا بہترین اسٹاف بھی لے جائیں گے مگر اب کچھ تو کرنا تھا۔ داؤ تو لگ چکا تھا، اب وہ چاہتا بھی تو قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا تھا۔

اس کے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کردیا۔ اسے کسی نہ کسی طرح بس اتنا ثابت کرنا تھا کہ شجاع، عثمان صاحب کا مذاق اُڑاتا رہتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے انہیں یہ بھی باور کروا آیا تھا کہ شجاع کسی اور فرم سے ساز باز کررہا ہے اور بہت جلد فیکٹری کو چھوڑ دینے کے ارادے میں ہے۔ مگر یہ سب ثابت کرنا اتنا ضروری نہیں تھا۔ اگر وہ صرف اس بات کا بھی ثبوت عثمان صاحب کے سامنے پیش کردیتا کہ وہ ان کی عزت نہیں کرتا تو شاید انہیں اس کی بقیہ باتوں پر از خود یقین آجاتا۔ ان کے بارے میں کچھ ایسا ہی مشہور تھا۔

اپنے مقصد میں کامیابی کی غرض سے اس نے ایک چھوٹا سا پلان بنایا اور مناسب موقعے کا انتظار کرنے لگا۔

شجاع کی عادت تھی، عام طور پر وہ لنچ ٹائم میں ورکرز کے ساتھ ہی تھوڑے بہت اسنیکس لے لیتا تھا۔ کبھی کسی ڈپارٹمنٹ اور کبھی کسی میں اس کی بیٹھک چلتی تھی۔ اس طرح وہ ورکرز کے مسائل سے بھی آگاہ رہتا تھا۔

اس دن عارفین کے ڈپارٹمنٹ کی باری تھی۔ شجاع حسبِ معمول ان کے درمیان بیٹھ گیا اور حالِ احوال دریافت کرنے لگا۔ معمول کی باتیں ہورہی تھیں کہ اچانک ہی عارفین نے اپنی چال کا آغاز کیا۔

''کچھ فیکٹری کے حالات کے بارے میں بھی سوچیں شجاع صاحب!'' اس نے بات کا رخ اصل مقصد کی طرف موڑا۔

''کیا ہوا ہے حالات کو، سب کچھ صحیح تو ہے؟''

''آپ کو صحیح لگ رہا ہے ناں۔ ذرا اُن سے پوچھیں جو مسائل کا شکار ہورہے ہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک پاکستانی فرم ہے مگر سکہ سری لنکا کا چلتا ہے۔ حالانکہ زیادہ تر اسٹاف پاکستانی ہے لیکن باورچی سری لنکن رکھ دیا گیا ہے۔ صرف اس لیے کہ خواتین کاریگروں میں سری لنکن کی تعداد زیادہ ہے۔ دیکھئے، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ خوراک ہی اصل چیز ہے وہی صحیح نہ ملے تو انسان کیسے کام چلائے۔ حالت یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں ناریل ڈال دیتا ہے۔ دال میں ناریل، گوشت میں ناریل، چاول میں ناریل۔ میٹھے کی تو خیر پوچھیں ہی نہ، وہ تو ہوتا ہی سراسر ناریل ہے۔ اس پر بھی دل نہیں بھرا... محترماؤں کا تو ہڑتال کرڈالی۔ انجام اس ہڑتال کا اس پر یہ ہوا کہ اب کھانا پکتا بھی ناریل کے تیل میں ہے۔'' وہ تیزی سے کہتا گیا اور شجاع اور وہاں موجود دوسرے لوگ مسکراتے رہے، پھر شجاع نے نرمی سے سمجھایا۔

''اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ کھانا کاریگروں کے لیے ہی پکتا ہے۔ ہم لوگوں کو تو بس مروتاً کھلا دیا جاتا تھا۔ اسی لیے ان کی پسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔''

''مگر پھر ہم بھی کیا کریں۔ اتنا ٹائم کہاں ہوتا ہے کہ انسان کہیں باہر جاکر لنچ کرے۔ ڈھنگ کا کوئی ایک ہوٹل بھی نزدیک نہیں ہے ورنہ وہیں چلے جاتے۔ دور جائیں گے تو واپسی میں دیر سویر ہوگی۔ پھر آپ ناراض ہوں گے۔''

اب یہاں وہ زیادتی کررہا تھا۔ صورتِ حال افسوس ناک تھی مگر اتنی بھی نہیں جتنی بیان کی جارہی تھی۔ فیکٹری کے بالکل ساتھ ہی ایک اچھا بھلا ہوٹل موجود تھا۔ جس میں خالصتاً پاکستانی کھانے ہی ملتے تھے۔ قیمت بھی مناسب تھی۔ غالباً ہوٹل والے نے یہی دیکھتے ہوئے وہاں کاروبار کا فیصلہ کیا تھا کہ قریب ہی فیکٹری موجود ہے، خوب برکت ہوگی اور ایسا ہی ہورہا تھا۔ شجاع نے زیادہ تر سپروائزروں کو وہیں جاکر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تھا وہ خود بھی کبھی گھر سے لنچ منگوا لیتا تھا، کبھی اسی ہوٹل میں جاکر دوپہر کا کھانا کھا لیتا تھا۔ اب اگر عارفین کے لیے ڈھنگ کے ہوٹل سے مراد کوئی فور اسٹار یا فائیو اسٹار ہوٹل

تھا تو اتنی تو اس کی تنخواہ میں بھی گنجائش نہیں تھی کہ روز ایسے ''ڈھنگ'' کے عیش کرتا۔ بہرحال شجاع کا فی الحال موڈ بہت اچھا تھا۔ عارفین کے شکوے شکایت کے جواب میں اسے سمجھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بھی ترنگ میں آ گیا۔

''ارے بھئی، ناراض ہونے کا شوق کسے ہے۔ بس مجبوری ہے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات'' وہ یونہی عارفین کا دل بہلانے کو ہنس ہنس کر فیکٹری کے مالک کا مذاق اُڑانے لگا۔ یہ جانے بغیر کہ عارفین کو تو کسی ایسے ہی لمحے کا انتظار تھا۔

''موصوف کا جب جی چاہتا ہے، اصول و قواعد بدل ڈالتے ہیں، پیچھے رہ جاتے ہیں ہم..... حکم کے غلام۔ لوگ ہم سے آ آ کے پوچھتے ہیں کہ جی ابھی کل تو آپ کی فیکٹری کے قوانین کچھ اور تھے، اب کچھ اور کیسے ہو گئے۔ ہم کچھ نہ کچھ اوندھا سیدھا جواب دے کر سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ آگے لوگوں کی مرضی، مطمئن ہو جائیں یا ہمیں اور پوری فیکٹری کو پرلے درجے کا احمق گردانتے رہیں۔ بعض اوقات تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ہمیں سب معلوم ہوتا ہے، کیا صحیح ہے کیا غلط پھر بھی غلط پر اصرار کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ جو ہمارے صاحب لوگ ہیں، ان کی کھوپڑی غلط کو ہی صحیح بنا کر دکھا رہی ہوتی ہے'' وہ اپنی دھن میں بلا سوچے سمجھے بولتا چلا گیا اور عارفین انتہائی مہارت سے کیسٹ ریکارڈر آن کیے سب کچھ ٹیپ کرتا رہا۔ شجاع کو ذرا سا گمان تک بھی نہ گزرا کہ کیا ہو رہا ہے، وہ تو اپنے طور پر عارفین کے پاکستان نہ جا سکنے کے دکھ کا مداوا کر رہا تھا۔

●❁●

اسے تو اس وقت بھی کوئی کھٹکا محسوس نہیں ہوا جب عثمان صاحب نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ معمول کی طرح آج بھی وہ دن بھر کی مصروفیات کی رپورٹ طلب کریں گے۔ اسی لیے ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے اپنی بنائی ہوئی فائل ان کے سامنے رکھ دی اور صفحات پلٹ پلٹ کر تمام تفصیل سمجھانے لگا۔ جب اسے عثمان صاحب کی غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا تو ٹھٹک کر رک گیا۔

عثمان صاحب نے ٹیپ ریکارڈر اس کے سامنے رکھ کر آن کر دیا۔ لمحے بھر میں ساری صورتِ حال کھل کر سامنے آ گئی۔ اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ سب کچھ جو بولتے وقت بہت بے ضرر سے جملے محسوس ہوئے تھے، اب ایک عفریت کا روپ دھار چکے تھے۔ وہ اس کا مذاق اڑاتا لہجہ، تمسخر بھرا انداز سب کچھ اس وقت اسے شرمندگی کی جس دلدل میں دھکیل رہے تھے، کچھ وہی جانتا تھا۔ جس عہدے پر وہ تھا، وہ کس قدر محتاط رہنے کا مطالبہ کرتا تھا، اس کا احساس اسے آج ہی ہوا تھا۔ وہ تو بے فکر تھا، پُراعتماد تھا کہ اسے اس کے مقام سے کوئی نہیں ہلا سکتا۔ مگر آج یہی اعتماد اسے لے ڈوبا تھا۔

''شاید میرے اعتماد میں کہیں غرور کی آمیزش ہو گئی، جبھی آج میں اس لمحے میں سانس لینے پر مجبور ہوں'' اس نے بے حد مایوسی سے سوچا ''ایسے لمحے میں کہ میرا دل چاہ رہا ہے ہر چیز نظروں سے غائب ہو جائے یا پھر میں ہی اتنا چھوٹا ہو جاؤں کہ کسی کو نظر ہی نہ آ سکوں مگر کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے یہیں کھڑے رہنا ہے اور سب کچھ سننا ہے اور پھر اس کے ردِعمل کا سامنا بھی کرنا ہے۔''

''ہاں تو شجاع صاحب! یہ انداز ہوتا ہے آپ کا میرے لیے۔ وہ بھی ان لوگوں کے سامنے جنہیں اصولاً آپ کو میرا احترام کرنا سکھانا چاہیے؟'' اب عثمان صاحب نے کہنا شروع کیا تھا، وہ بہت کچھ کہہ رہے تھے۔

شجاع کو کچھ باتیں سنائی دے رہی تھیں کچھ نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی صفائی میں کچھ کہے لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بولتا بھی تو کیا۔ بہرحال غلطی اس سے ہوئی تھی لیکن اتنی سنگین نہیں جتنی عارفین کی سازش نے بنا دی تھی۔ سچ تو یہ تھا کہ اصل غلطی اس سے عارفین کو پہچاننے میں ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ عارفین ایک ذرا سی بات کے لیے اس حد تک پہنچ جائے گا۔ مگر اب پچھتانے سے کیا حاصل تھا، پرکھنے کی اس غلطی نے اسے آج مجرم بنا کر عثمان صاحب کے سامنے

لاکھڑا کیا تھا۔

''آپ مجھے تھوڑا وقت دیں سر!'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ غالباً عثمان صاحب نے اس کے آئندہ مستقبل سے متعلق کچھ کہا تھا، جس کے جواب میں اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔

''صرف ایک مہینہ اور بس..... اب تم جاؤ۔'' انہوں نے انتہائی درشت انداز میں کہا۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے پلٹ آیا۔ ایک دم سے وہ خود کو بہت لاغر اور عمر رسیدہ محسوس کر رہا تھا۔ ایک بہترین نوکری یوں بلاوجہ، بنا کسی قصور کے ختم ہو گئی تھی۔

اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح گھر جائے اور یہ خبر مریم تک پہنچائے۔ وہ ایک باشعور اور سمجھ دار بیوی تھی لیکن ابھی تک ان کی شادی شدہ زندگی میں ایسا عجیب موڑ نہیں آیا تھا اس لیے کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ اس کا کیا ردِعمل ہوگا؟

❤

جب وہ گھر گیا تو وہاں ایک الگ ہی صورتِ حال اس کی منتظر تھی۔

''یہ لیں بھئی! فون کر کر کے تنگ کر دیا'' مریم نے اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی ایک پرچہ ہاتھ میں تھما دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ پرچے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''یہ کوئی عاصم صاحب ہیں، گھنٹے بھر سے فون کر رہے ہیں۔ آپ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ میں نے بار ہا کہا، آفس فون کر لیں مگر انہیں پتا نہیں کیا بات کرنی تھی کہ بار بار یہیں رنگ کرتے رہے۔ بالآخر یہ نمبر دے دیا کہ جب آئیں تو فون کروا دیجیے گا۔''

''عاصم..... عاصم کون.....؟''

یکا یک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ پچھلے دنوں جب وہ عثمان صاحب کے ساتھ عمان گیا تھا، وہاں ایک فیکٹری میں عاصم نامی سرمایہ دار سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ شجاع کی فہم و فراست سے خاصا متاثر نظر آیا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے ایک نئی فیکٹری شروع کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا تھا۔ اس کی گفتگو سے شجاع کو محسوس ہوا تھا کہ وہ اسے جاب کی پیشکش کرنا چاہتا ہے لیکن شجاع نے اس پر نہ زیادہ غور کیا تھا نہ ہی اہمیت دی تھی۔ اس کی عثمان صاحب سے اتنی اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی کہ کسی نئے تجربے کے بارے میں سوچنے کی بھی زحمت نہیں کرتا تھا۔ اب یہ کس کو پتا تھا کہ برسوں کی محنت سے حاصل کیا گیا اعتماد یوں پل بھر کی سازش سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور اس نے لپک کے فون اٹھایا۔

اس کی توقع کے عین مطابق عاصم صاحب ہی کا فون تھا۔ وہ اپنی نئی فیکٹری شروع کر چکے تھے اور اب ایک قابلِ اعتماد اور باصلاحیت منیجر کی تلاش میں اس کے تعاون کے خواہش مند تھے۔

یہی فون ایک دن پہلے آیا ہوتا تو شاید وہ انہیں ٹال دیتا لیکن اب تو یہ فون گویا امدادِ غیبی کا اشارہ تھا، وہ پُرجوش لہجے میں انہیں اپنے انتہائی پُرخلوص تعاون کا یقین دلانے لگا۔

✉

عثمان صاحب نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ شجاع کو اتنی جلد دوسری ملازمت مل جائے گی۔ وہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ وہ ان سے گڑگڑا کر معافی مانگے گا۔ اپنے الفاظ پر معذرت کرے گا اور پھر اسے اچھی طرح ذلیل کرنے کے بعد وہ اسے دوبارہ ملازمت پر بحال کر دیں گے۔ انہیں وقتی طور پر اس کی ٹیپ شدہ گفتگو سن کر غصہ ضرور آیا تھا۔ لیکن اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ ایسی باتیں ماتحت کرتے ہی رہتے ہیں اور ان کے پیچھے کوئی بڑا مقصد پوشیدہ نہیں ہوتا تھا لیکن بہرحال اپنے کانوں سے سب کچھ سننا انہیں تاؤ دلا گیا تھا اور انہوں نے اسے سزا دینے کی ٹھانی تھی۔ ورنہ شجاع کی اہمیت کو وہ خوب سمجھتے تھے۔ وہی ان کے کاروبار کی تمام تر ذمے داری سنبھالے ہوئے تھا۔ اور انہیں تمام فکروں سے آزاد کر رکھا تھا۔

اب وہ بری طرح بوکھلائے ہوئے تھے۔ ان کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح شجاع کو جانے سے روک لیں۔ وہ جھکنا بھی نہیں چاہتے تھے اور اس کے سوا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان کی نظریں بار بار میز سے لے کر سامنے موجود شخص تک کا سفر طے کر رہی تھیں۔ میز پر موجود استعفا گویا خود ان کے لیے ایک پیغامِ مصیبت تھا۔

''تو گویا تم نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ میں نے سنا وہ درست تھا؟'' انہیں کچھ اور سمجھ نہ آیا تو یہی کہہ دیا۔ مگر شجاع پر اب ان باتوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔

''سر، میں نے تو ان باتوں کی کبھی تردید کی ہی نہیں پھر کچھ ثابت کرنے کا کیا سوال رہ جاتا ہے؟ ہاں، اتنا ضرور کہوں گا کہ جو کچھ آپ نے سنا وہ تو درست تھا مگر جس رنگ میں سنا، وہ درست نہیں تھا۔ کچھ باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے، یہ سوچ کر کہ مدِمقابل سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک چال اور سازش بھی ہو سکتی ہے۔'' وہ انتہائی سنجیدگی سے ان کو احساس دلا رہا تھا۔

پھر اس نے انہیں تفصیلاً ان تمام باتوں کا پس منظر بیان کیا۔ عثمان صاحب کو اب یہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوئی کہ عارفین نے جان بوجھ کر یہ سب کیا تھا۔ شجاع نے ان کو اس کی چھٹی کی درخواست اور اپنے انکار کے بارے میں بھی بتا دیا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صرف چند دن کی چھٹی کی آس میں وہ میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کرے گا۔ اس کے رویّے نے جو دکھ پہنچایا، سو پہنچایا مگر اس سے بڑھ کر مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ آپ نے میری اتنے عرصے کی خدمات کے عوض مجھ پر ذرا سا اعتبار کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔''

وہ کیا کہتے، غلطی ان سے بھی ہوئی تھی۔

''بہرحال اب ان باتوں کو دہرانے سے کیا فائدہ۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اعتبار کے بغیر نہ کاروبار ہو سکتے ہیں نہ ملازمت'' اتنا کہہ کر اس نے اجازت طلب کی اور آفس سے باہر چلا گیا۔

عثمان صاحب کی غم و غصے سے بری حالت تھی اور یہ غصہ وہ صرف ایک شخص پر نکال سکتے تھے۔ انہوں نے انٹرکام پر کہا۔ ''ذرا عارفین کو تو بھیجیے گا میرے کمرے میں.....''

☆☆☆

انمول گفٹ

عید ہو برتھ ڈے یا نیو ائیر
ہر تہوار پہ وہ مجھ سے
پوچھتا ہے بڑی سادگی کے ساتھ
کہ اس بار کیا گفٹ لو گی جاناں
ہمیشہ کی طرح
اُس کی اس سادگی پہ
میری مسکراہٹ
میری سوچ کی طرح
اور بھی گہری ہو جاتی ہے
سوچتی ہوں کیسے کہہ دوں
کہ جاناں
رنگین ملبوس ہو یا کوئی خوشبو
نازک چوڑیاں ہو یا کوئی پائل
کچھ بھی اہم نہیں
ہاں دینا ہی ہے تو دے دے
تو مجھ کو اپنا آپ

زرین رفیع عثمانی، کورنگی کراچی

لازم و ملزوم

ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے
لازم و ملزوم تھے
لیکن!
جب سے تو نے چھوڑا ہے
میں نے جان لیا ہے کہ
دنیا میں کوئی بھی
کسی کے لیے بھی
نہ لازم ہوتا ہے
اور نہ ملزوم

شاعرہ۔ فریدہ خانم

سائبان

شاذیہ چوہدری

ہر اک لمحہ نیا اک امتحاں ہے
بہت نا مہرباں یہ آسماں ہے
محبت اک ندامت بن گئی ہے
ہماری مختصر سی داستاں ہے

عورت ایک بیل کی طرح ہے اسے پھلنے پھولنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس وقتی سہارے کو ہی اپنا سائبان سمجھنے لگتی ہے۔

آج رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا۔ کل پہلا روزہ تھا۔

راحیل آفس سے گھر آتے ہوئے بہت خوش تھا۔ آج اسے کنفرمیشن لیٹر ملا تھا۔ اس کو اس فرم میں بطور کمپیوٹر آپریٹر کام کرتے ہوئے چھ ماہ گزر چکے تھے۔ یہ چھ ماہ اس نے سولی پر لٹکتے ہوئے گزارے تھے اور آج اس آزمائشی دور سے چھٹکارا مل گیا تھا۔ وہ چار ہزار روپے ماہانہ تنخواہ کے ساتھ فرم کے مستقل ملازمین میں شامل ہو چکا تھا۔ اب کوئی دھڑکا نہیں رہا تھا کہ کب اس کے سنیئرز کو اس کی غلطی پکڑنے کا موقع ملے اور کب وہ باس سے کہہ کر اس کی فرم سے چھٹی کروائیں۔

''شزا بہت خوش ہوگی اس خبر پر۔'' اس نے بس کو ہاتھ دیتے ہوئے مسکرا کر سوچا۔ ایک سواکیس نمبر بس میں بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتے ہوئے وہ بڑا سرشار تھا۔ ابھی تک اسے کسی ایسے ویسے احساس نے نہیں چھوا تھا۔ ابھی تک وہ سر پر ٹوٹ پڑنے والی کسی قیامت سے بے خبر تھا۔

بے خبری بڑی نعمت ہوتی ہے۔ جب چھا جاتی ہے تو کچھ دیر کے لیے زندگی خوب صورت ہو جاتی ہے۔ اسے بھی ابھی تک زندگی خوب صورت لگ رہی تھی۔ ابھی تک وہ بے خبری کے بد اثرات سے محفوظ تھا۔ مگر تا بکہ..... آخر کبھی نہ کبھی تو حقیقت کا سامنا کرنا ہی ہوتا ہے۔ اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر اس نے جیب سے چابی نکالی۔

شزا اپنی کولیگز اور اسکول کے بچوں کے ساتھ دو دن کے لیے مری کے ٹرپ پر گئی ہوئی تھی۔ آج شام تک اسے لوٹنا تھا۔ تالے کی چابیاں دونوں کے پاس اپنی اپنی تھیں جو پہلے آ جاتا گھر کھول لیتا تھا۔

گھر کیا تھا فلیٹ بھی پورا نہیں تھا۔ صرف ایک کمرا تھا اٹیچڈ واش روم والا جو وہ گزشتہ تین سال سے کرایے پر لے کر رہ رہے تھے۔ اس ایک کمرے کا بھی انیس سو روپے کرایہ تھا۔ پانچ سو روپے تک بجلی، پانی اور گیس کے بل مل ملا کے بن جاتے تھے۔ تین سو روپے تک ماہانہ آدھا کلو دودھ روزانہ کے حساب سے دودھ والے کو دیتے تھے۔ کم سے کم ترین بجٹ بنا کر بھی بہر حال بارہ سے پندرہ سو روپے گھر کے اخراجات کی مد میں لگ جاتے تھے۔ شزا اسکول وین سے آنے جانے کی چھ سو روپے ماہانہ فیس دیتی تھی۔ خود راحیل کے روزانہ بس سے آنے جانے کا خرچہ بیس روپے بنتا تھا۔ اس حساب سے چھ سو روپے اس کے ٹرانسپورٹ میں نکل جاتے تھے۔

اس طرح اگر کچھ بھی نہ لیں، ہر قسم کی عیاشی خود پر حرام کر لیں تب بھی پانچ ہزار دو سو روپے ہر ماہ لگ جاتے تھے۔ انہی کرایوں، بلوں اور بجٹ میں۔ کوئی اضافی خرچ نکل آتا پھر تو مانو جان ہی عذاب میں آ جاتی تھی۔

شزا کی تنخواہ اسی سال ساڑھے چار سے پانچ ہزار ہوئی تھی۔ وہ تو شکر ہوا جو خدا خدا کر کے راحیل کا بی، اے مکمل ہوا اور اس کو چھوٹی موٹی ٹیوشنز چھوڑ کے فرم میں چار ہزار کی جاب مل گئی۔

اب یہ ہوتا تھا کہ شزا کی تنخواہ سے گھر چلتا اور راحیل پانچ سو روپے رکھ کر اپنی باقی تنخواہ ملتان بھجوا دیتا تھا۔ وگرنہ اس سے پہلے شزا اسکول سے واپس آ کر دو گھنٹے کے لیے ایک مالدار بیگم صاحبہ کی بنائی ہوئی سماجی تنظیم میں صرف ڈھائی ہزار روپے کی کلرکی ٹائپ ملازمت کرتی تھی۔ یہ جاب بھی اسے بڑے جتنوں سے ملی تھی۔ آئے دن بیگم صاحبہ نت نئے کام نکال کے اسے دو گھنٹے کے بجائے بعض اوقات پانچ پانچ گھنٹے تک انگیج رکھتی تھیں۔

تنظیم کا دفتر چونکہ ان کے گھر کی انیکسی میں بنایا گیا تھا اس لیے اکثر وہ نہایت بے تکلفی سے شزا کو گھر کا کوئی کام سونپ دیتی تھیں۔ کبھی ہینگر پر سوٹ لٹکائے آ جاتیں۔

''شہزینہ، ذرا ان پر استری کر دینا۔'' کبھی اپنے کلاس فور کے بچے کو اس کے کیبن میں بھیج رہی ہیں۔

''آج میری ٹیوٹر نہیں آئیں مما کہہ رہی ہیں آپ مجھے ہوم ورک کروا دیں۔'' کبھی اپنے عظیم الشان ڈرائنگ اینڈ ڈائننگ کمبائنڈ ہال کمرے کی لک چینج کرنے کے لیے اسے بلایا جاتا۔

''شہزینہ آج پارٹی کے ممبرز کی خصوصی میٹنگ بلائی

گئی ہے۔ تم اپنی نگرانی میں یہاں کے انتظامات دیکھو۔ سیٹنگ کچھ اس طرح چینج کرو کہ کھلا کھلا لگے اور ہاں پارٹی کے بعد ڈنر ہوگا۔ تم یہاں کی سیٹنگ مکمل کر کے کچن میں جاؤ اور ڈنر کے لوازمات دیکھو، کراکری وغیرہ نکلواؤ۔ تم آج ڈنر کے بعد ہی جا سکو گی۔'' اور وہ کام ختم کرنے کے چکر میں گھن چکر بنی بے حال ہو جاتی۔

راحیل کو اس کی کمپنی اور بد خصلت متمول بیگم صاحبہ پر جی بھر کر طیش آتا تھا۔ جب وہ دو گھنٹے کے بجائے چھ گھنٹے بعد تھکی ہاری لوٹتی تو اس کا خون کھول کر رہ جاتا۔

''کیا سمجھتے ہیں یہ پیسے والے متکبر لوگ، چند روپلی دے کر ایک انسان کی زندگی خرید لیتے ہیں گویا۔ چاہتے ہیں ہر گھڑی بس وہ یہ یاد رکھے کہ وہ ان کا محکوم ہے۔ ان کا نوکر ہے۔ اسی لیے زیادہ سے زیادہ اپنے سامنے ٹانک کے رکھنا چاہتے ہیں۔''

''تم کیوں اپنا خون جلاتے ہو، ہماری اپنی مجبوریاں ہیں۔ ہمیں تو اپنا گھر دیکھنا ہے پہلے۔'' وہ بڑے حوصلے، برداشت اور تحمل والی لڑکی تھی۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی خاطر جمع رکھتی تھی۔

''مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم اتنی ذلت آمیز جاب کرو۔ اپنے آپ پر شرم آتی ہے۔ اپنے ہونے پر لعنت بھیجنے کو جی چاہتا ہے۔''

''جو جتنی ٹھوکریں کھاتا ہے وہ اتنا ہی سیکھتا ہے۔ تمہیں خواہ مخواہ ٹیمپر لوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی ڈھائی ہزار اور ایک ہزار تنخواہ میں سے نکال کر ملتان بھجوا دیتے ہیں یوں ادھر کا چولھا جل جاتا ہے۔ تم یہ سوچو کہ اس جاب سے کتنا فائدہ ہو رہا ہے۔ نقصان نہ دیکھو، نقصان صرف میرا ہے مگر فائدہ ہمارے پورے گھرانے کا ہے۔'' وہ بردباری سے سمجھاتی۔

ہر بار راحیل خود سے عزم کرتا کہ وہ جلد ہی اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر شزا سے اس کی یہ والی جاب چھڑوا دے گا اور پھر یہی ہوا۔ جونہی وہ فرم میں ملازم ہوا اس نے شزا کو شام کی جاب سے منع کر دیا۔

''ابھی نہیں راحیل۔ پہلے ''پکے'' تو ہو جاؤ پھر میں چھوڑ دوں گی۔''

''نہیں، بالکل بھی نہیں۔ میں تو پہلے بھی جانے کس دل سے یہ برداشت کرتا رہا ہوں۔ یہ والی پکی نہ ہوئی تو کوئی اور مل جائے گی۔ میرے بی، اے مکمل کرنے تک کا ایگریمنٹ ہوا تھا تم سے۔ اب وہ ٹائم آ گیا ہے۔ میں کچھ بھی کر لوں گا۔ بس تم یہ جاب نہیں کرو گی۔'' راحیل کے حتمی تیوروں نے شزا کو خاموش کر دیا تھا۔

''اسے کہوں گا آج یہ دھڑکے ختم ہو گئے ہیں۔'' وہ تالا کھول کر خوش خوش اندر داخل ہوا۔

''اب میں فرم کے مستقل ملازمین میں شامل ہو گیا ہوں۔ شکر ہے اللہ تعالیٰ۔'' اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر بے ساختہ طویل سانس لی۔

وارڈ روب میں ایک طرف اس کے اور دوسری طرف شزا کے زنانہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ کمرا خاصا کشادہ تھا۔ دو پلنگ تھے اور دونوں انتہائی کونوں پر دیوار کے ساتھ رکھے گئے تھے درمیان کی جگہ خالی تھی جہاں پانچ بائی آٹھ کی لنڈے سے خریدی گئی چار سو روپے کی گرے کلر کی دری بچھی ہوئی تھی۔ دونوں پلنگوں کے درمیان ایک سیکنڈ ہینڈ میز تھی جس پر کچھ کتابیں اور چائے کے گندے برتن پڑے تھے۔ شزا کے پلنگ کے نیچے دو سوٹ کیس گھسائے ہوئے تھے چونکہ بیڈ شیٹ خاصی لمبی تھی اس لیے پہلی نظر میں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ جبکہ راحیل کے پلنگ کے نیچے لٹکی ہوئی چادر کے اس پار اس کے اور شزا کے جوتے ایک ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ دھونے والے کپڑے بھی اکثر یہیں گھسائے جاتے تھے تاکہ کمرے میں کم سے کم گند مچے۔

راحیل نے بوٹ اتار کر پلنگ کے نیچے سرکائے اور وہیں سے ٹٹول کر چپل نکالی۔ سامنے لوہے کی کیل کے ساتھ تولیا ٹنگا ہوا تھا۔ وہ تاول اٹھا کر واش روم میں گھس گیا۔ نہا کر باہر آیا تو گھریلو سے شلوار قمیص میں خود کو بہت تازہ دم محسوس کیا۔

''اب چائے بنائی جائے۔'' اس نے ایک ترنگ کے عالم میں چٹکی بجائی۔ کمرے کے ساتھ ہی ڈریسنگ ٹائپ کی تھوڑی سی جگہ بنائی گئی تھی بغیر دروازے کی۔ وہاں چولھا رکھ کے اور لکڑی کا ڈیڑھ فٹ چوڑا اور تین

فٹ لمبا ٹکڑا دیوار میں کیلوں سے ٹھونک کر اس پر نمک مرچ مسالے اور آئل وغیرہ رکھ کے گویا کچن کے لوازمات پورے کر لیے گئے تھے۔ دیوار میں لکڑی کا تختہ لگانے کا آئیڈیا شزا کا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ نہایت سلیقہ مند، ذہین اور پُراعتماد تھی۔

چائے بنا کر وہ گنگناتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ سامنے دیوار پر سات آٹھ فٹ اونچی اسی قسم کا لکڑی کا مضبوط تختہ لگا کر اس پر چودہ انچ کا سیکنڈ ہینڈ ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ جو تین ہزار میں شزا نے پچھلے سال اپنی ایک کولیگ سے خریدا تھا۔ رقم کمیٹی نکلنے پر ادا کی گئی تھی۔

وہ ٹی وی لگا کر تکیے سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا اور چائے کے سپ لیتے ہوئے ٹی وی دیکھنے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ دیوار پر لگے کلاک کی آگے بڑھتی ہوئی سوئیاں بھی دیکھ رہا تھا۔

''چھ بج رہے ہیں۔ شام تو ہو گئی۔ اب تک اسے آ جانا چاہیے تھا۔'' وہ اپنے اندر کی بے چینی کو کم کرنے کے لیے فلمی موسیقی کے پروگرام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب ساڑھے آٹھ ہوئے تو اس کی بے چینی تشویش میں بدل گئی اور جب نو بجے کلاک کی ٹن ٹن ہوئی تو تشویش گھبراہٹ میں بدل گئی۔

اس گھبراہٹ سے چھٹکارا پانے کے لیے اس نے بہتر سمجھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے گھر سے باہر نکل جائے۔ جب انتظار کی کیفیت طاری ہو تو اندر رہ کر ویسے ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔

وہ باہر روڈ پر آ کے ٹہلنے لگا۔ جی سیون میں بنے یہ بوسیدہ سے فلیٹس باقی بلڈنگز کے مقابلے میں خاصے قدیم تھے۔ اس کے ساتھ کے بنے بلاک از سر نو تعمیر ہو چکے تھے مگر ابھی اس بلڈنگ کی قسمت نہیں جاگی تھی۔

''کیوں نہ ملتان فون کر کے امی اور بہنوں کی خیر خیریت دریافت کر لوں۔ ابھی تو کال کے پیسے بھی نکل آئیں گے بعد میں خرچوں میں سے سو پچاس کی رقم نکالنا بڑا دشوار ہو جاتا ہے۔''

اس نے محلے کے چھوٹے سے پی سی او کے پاس سے گزرتے ہوئے اچانک پروگرام بنا لیا۔ دوسرا مقصد موجودہ پریشانی سے وقتی ریلیف حاصل کرنا بھی تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر نمبر دیا۔ کال ملنے پر پی سی او والے نے ریسیور اس کی طرف سرکا دیا۔

''السلام علیکم امی! میں راحیل بات کر رہا ہوں۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے؟ انعم اور رانیہ کیسی ہیں اور شرجیل صاحب کا اسکول کیسا جا رہا ہے؟''

''سب کچھ ٹھیک ہے اللہ کا شکر ہے بیٹے۔ تم سناؤ شزا کیسی ہے؟ تمہاری صحت کیسی ہے؟''

''یہاں سب خیریت ہے۔'' اس نے اپنے اندر اٹھنے والے اضطراب کو دباتے ہوئے تسلی کرائی۔

''انعم ماشاء اللہ اپنے گھر میں خوش ہے۔ اس نے اپنے دیور کے لیے رانیہ کا رشتہ مانگا تھا۔ شزا سے پوچھ کر میں نے اسے ہاں کر دی تھی۔''

''جی میں جانتا ہوں۔ شزا نے بتایا تھا۔''

''اب وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔ شزا سے پچھلے ہفتے بات ہوئی تھی اس نے تو کہا تھا امی آپ تین ماہ بعد کی تاریخ رکھ لیں، انتظام ہو جائے گا مگر بیٹے میں کیسے اس کی بات مان لیتی۔ وہ سب سے بڑی ہے۔ انعم اس سے چھوٹی تھی اس نے ضد کر کے اس کی شادی کروا دی لیکن اب رانیہ کو میں اس طرح نہیں بیاہ سکتی۔ پہلے شزا کی ہو گی پھر رانیہ اپنے گھر جائے گی۔ بہت کر لی اس نے گھر کے لیے محنت۔ اب اسے بھی تو ایک گھر چاہیے۔ تم اسے سمجھاؤ خالہ کبریٰ پچھلے مہینے سے آ رہی ہیں ایک پروپوزل لے کر۔ وہ ہاں کر دے تو رانیہ کی اور اس کی اکٹھے کر دوں گی۔'' راحیل کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔

شزا اس سے دو ڈھائی سال بڑی تھی اور وہ اپنی بہن کی ضدی فطرت اور جفاکش لائف اسٹائل سے بخوبی واقف تھا۔

''امی وہ اپنی ذمے داریاں بہتر سمجھتی ہے۔ آپ جذباتی ہو کر ایسا کہہ تو رہی ہیں یہ بتائیے دو دو شادیوں کے لیے انتظامات کہاں سے کریں گی۔'' اور اگر انعم کی ابھی تک نہ ہوئی ہوتی تو وہ بھی گھر بیٹھی ہوتی۔ اللہ کا شکر ہے وہ اپنے گھر میں آباد ہے اور اسی کے توسط سے رانیہ کا

رشتہ بھی طے ہوگیا ہے۔ رہی شزا تو وہ ایک ورکنگ ویمن ہے اپنا بوجھ خود اٹھا سکتی ہے اور تنہا رہ کر از خود حالات سنبھال سکتی ہے۔ جب مناسب وقت آئے گا تو اس کی بھی ہو جائے گی۔''

راحیل نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا۔

''تم لڑکے ہو تمہیں بیچ کی نزاکتوں کا علم نہیں ہے۔ لڑکی کتنی ہی خود مختار اور خود انحصار کیوں نہ ہو جائے معاشرہ اسے تنہا رہنے کا آزادانہ حق نہیں دیتا۔ قدم قدم پر دفاع کے لیے، حفاظت کے لیے، لڑائی کے لیے مرد کا ساتھ درکار ہوتا ہے اور پھر خواب دیکھنے اور گھر بسانے کی ایک عمر ہوتی ہے۔ ایک فطری خواہش ہوتی ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ شعوری طور پر اس طلب کو دبا لینا اور بات ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں کو ایسی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ زندگی کے مسائل سے لڑتے لڑتے انسان کب پتوار یا ہتھیار پھینک دیتا ہے اس کا پتا ہی نہیں چلتا۔'' امی نے بہت گہری بات کی تھی۔ راحیل نے عجیب سی بے چینی رگ و پے میں پھیلتی محسوس کی۔

''گھر چلوں شاید وہ آ چکی ہو۔'' اس نے سوچا اور پھر دو چار باتوں کے بعد فون بند کر کے گھر کی طرف لوٹ گیا۔

فلیٹس کی بلڈنگ سڑک کے ساتھ ہی تھی۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں باہر کی طرف براہِ راست کھلتے دروازے پر تالا جھولتا بدستور دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بے دلی کے عالم میں فٹ پاتھ پر ہی بیٹھ گیا۔ اندر جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''کہاں رہ گئی ہو شزا کی بچی!'' اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔ کچھ دیر گزری تو غصہ پریشانی اور پریشانی خوف و ہراس میں بدل گئی۔

''یا الٰہی خیر ہو۔ کہیں کوئی ایکسیڈنٹ..... نہیں نہیں۔''

وہ تیز رفتاری سے دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے بے تابی سے تالا کھول کر اندر گیا اور اس کے کاغذات میں سے اس کے اسکول کی پرنسپل کا ذاتی نمبر تلاش کرنے لگا۔ بالآخر نمبر مل گیا۔ پرنسپل ٹور کے ساتھ نہیں گئی تھیں۔ اس نے ٹائم دیکھا۔ ساڑھے دس ہو رہے تھے۔ وہ دوبارہ پی سی او گیا۔

''السلام علیکم، میں شہزینہ حیدر کا بھائی بات کر رہا ہوں۔ آپ کا اسکول ٹرپ دودن کے لیے مری گیا ہوا تھا آج تیسرا دن ہے شام تک آ جانا چاہیے تھا لیکن ابھی تک شہزینہ گھر نہیں پہنچی۔ کیا آج کا بھی قیام ہے مری میں؟'' رابطہ ملنے پر اس نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''جی! کون سا ٹرپ کیسا ٹرپ..... اسکول تو دودن سے کھلا ہوا ہے۔ بچوں کے ایگزام سر پر ہیں ایسے میں مری کا ٹور، کیسے ارینج کیا جا سکتا ہے؟'' راحیل کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا۔

''مائی گاڈ! تو..... تو شہزینہ کہاں ہے؟'' اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

''وہ دودن کی چھٹی پر تھیں بلکہ آج تیسرا دن ہو گیا۔ کیا وہ پہلے بھی اس طرح جاتی رہی ہیں۔'' پرنسپل کا لہجہ اچانک مشکوک ہو گیا۔

''نہیں نہیں، خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' راحیل گڑ کر رہ گیا تھا۔

سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے مردہ ہاتھوں سے فون کریڈل پر رکھا اور پیسے کاؤنٹر پر رکھ کر خود کو بمشکل گھسیٹتا ہوا گھر تک آیا بلکہ باہر فٹ پاتھ پر ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے کی رنگت خطرناک حد تک سرخ ہو رہی تھی۔ بری طرح ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ ہاتھ مسل رہا تھا۔ ناک کے نتھنے بے تحاشا پھڑک رہے تھے۔ سرخ ہوتی آنکھوں میں بے بسی اور اشتعال کا پانی تیرنے لگا تھا۔ ویران سڑک پر لیمپ پوسٹ کی لائٹ میں بیٹھے بیٹھے اس کا جسم اکڑ گیا۔ کہاں کی سحری اور کہاں کا اہتمام۔

تقریباً تین بجے کے قریب ایک ٹیکسی آ کر رکی۔

شزا اپنے دھیان میں اتری تھی۔ پیسے دے کر جونہی روڈ کراس کر کے آئی فٹ پاتھ پر بیٹھے بھائی پر نظر پڑی۔ وہ ٹھٹک کر اور کچھ گھبرا کر اس کے پاس آئی تھی۔

''را..... حیل..... مم..... میں..... وہ ٹرپ بس ابھی ابھی پہنچا تھا۔ سب بچوں اور ٹیچرز کو گھر چھوڑتے

چھوڑتے مزید دیر ہو جاتی اس لیے میں راستے میں اتر گئی تھی۔'' وہ غیر متوازن اور بوکھلائے ہوئے انداز میں تیز تیز بول رہی تھی۔ راحیل نے سپاٹ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ شزا کے جسم و جاں ہل کر رہ گئے۔

''تمہاری پرنسپل سے کچھ دیر پہلے میری بات ہوئی ہے۔'' اتنا کہنا تھا کہ شزا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اپنے قدموں پر کھڑا رہنا دشوار ہو گیا۔

''راحیل.....'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں مخاطب ہوئی۔ راحیل نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور رخ پھیر لیا ''اندر دفع ہو جاؤ، تھوڑی دیر میں سحری ہو جائے گی کسی نے دیکھ لیا تو رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔'' وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آ گئی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے دوبارہ اس کے پاس آن کھڑی ہوئی ''راحیل اندر آ جاؤ۔ سحری کر لو۔ ٹائم کم رہ گیا ہے۔''

''میں ہوٹل سے پانی پی آیا ہوں۔'' وہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ شزا بے بسی سے اسے اپنی جان پر ظلم کرتا دیکھ رہی تھی۔

''بہت ٹھنڈ ہو رہی ہے اندر آ جاؤ پلیز.....''

''شٹ اپ!'' وہ بری طرح غرایا تھا۔

وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور شکستہ قدموں سے واپس چلی گئی۔

وہ فٹ پاتھ سے اٹھ کر سیدھا مسجد چلا گیا۔ سات بجے تک شزا کی اسکول وین آ جاتی تھی۔ ساڑھے سات وہ گھر آیا۔ اپنی چابی سے دروازہ کھولا اور کپڑے بدل کر آفس چلا گیا۔

حالات کچھ بھی ہوں پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے کولھو کا بیل تو بننا ہی پڑتا ہے۔ جن کے ہاں موت ہو جاتی ہے رو دھو کر وہ بھی کھانا تو کھاتے ہی ہیں ضرورت جو ٹھہری۔ وہ بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جا تو وہ آگے رہا ہے لیکن قدم گویا پیچھے جا رہے ہیں۔

☆☆☆

ملتان میں ان کا آبائی گھر تھا۔ جب والد صاحب کی وفات ہوئی تو سب سے بڑی شہزینہ فقط انٹر میں تھی۔ باپ کی پرچون کی دکان تھی۔ فوتگی کے بعد راحیل نے کچھ عرصہ سنبھالی لیکن ناتجربے کاری اور زیادہ سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے جو سامان نکلتا گیا اس کے پیسے گھر میں لگتے گئے اور یوں سامان آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ فقط چھ ماہ میں دکان ختم ہو گئی۔

اب کوئی ذریعۂ معاش نہیں رہا تھا۔ ان کے رشتے کے چچا اسلام آباد میں رہتے تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ شزا ان کے پاس آ جائے تاکہ اپنی تعلیم مکمل کر کے کوئی اچھی سی جاب پر لگ سکے۔

راحیل بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہاں چھ ماہ تک رہے مگر اس دوران میں انہیں چچی کے رویے سے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ انہیں ناخوش گوار بوجھ سمجھ کر تنگ آ چکی ہیں۔

''راحیل مجھے مزید چھ ماہ لگیں گے کمپیوٹر کورس مکمل کرنے میں۔ ایک سال کا ڈپلومہ ہے۔ کورس مکمل کر کے جاب ملتے ہی ہم یہ گھر چھوڑ دیں گے۔'' شزا نے ٹھان لی تھی۔

انہی دنوں چچی کے انگلینڈ پلٹ ہونہار بیٹے تاثیر احمد کی تشریف آوری ہوئی۔ تاثیر کی دو سال سے ایک مشہور و معروف متمول وکیل کی بیٹی سے بات طے تھی۔ ان کی وطن واپسی کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔

زرافشاں کے حسنِ جہاں سوز کے چرچے یوں بھی بہت تھے۔ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کچھ زیادہ نہیں تھے بلکہ کم ہی تھے۔ وہ ان تمام تعریفوں سے بھی زیادہ خوب صورت تھی۔ تاثیر احمد کی بھرپور پُروقار اور متاثر کن پرسنالٹی کے ساتھ دلہن بنی زرافشاں چاند کی طرح چمک رہی تھی۔

شادی نمٹی، تین چار ماہ مزید گزر گئے کسی نہ کسی طرح..... پھر چچا کے توسط سے اسے ایک آفس میں آپریٹر کی جاب مل گئی۔ اس نے پرائیویٹ تعلیم بھی جاری رکھی تھی۔

چھ ماہ کمپیوٹر آپریٹر کی جاب کی پھر ایک اسکول میں کمپیوٹر انسٹرکٹر کے طور پر عارضی چھ ماہ کی تقرری ہو گئی۔

وہاں سے جناح اسکول میں نسبتاً اچھی تنخواہ پر کمپیوٹر ٹیچر کی جاب مل گئی۔ شزا نے شام کے ٹائمنگ میں مزید کمپیوٹر کورسز سیکھے اور بی، اے مکمل کرنے کے بعد یہ جاب حاصل کی تھی اور اب وہ اسے مستقل جاب بنانا چاہتی تھی۔ اس دوران میں راحیل اپنی پڑھائی مکمل کرتا رہا۔ پڑھائی مکمل ہوئی تو راحیل کو جاب مل گئی۔

آج وہ جاب فائنل ہوئی تھی اور..... اور آج ہی راحیل کی زندگی کا سب سے بھیانک دن طلوع ہوا تھا۔

اس کی بہن تین راتیں گھر سے باہر گزار کے آئی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا دھاڑیں مار مار کے روئے۔

کبھی اپنا آپ بے غیرت لگتا کہ چپ چاپ بیٹھ کے بہن کی بے شرمی کے مظاہرے دیکھ رہا ہوں یہ تو پوچھا بھی نہیں کہ کس کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے اور کیوں۔ شرافت کا یہ نقاب کب اتارا اور کب پردے میں رہ کر چوریاں کرنی سیکھیں۔

☆☆☆

''ہمارے ادارے کو آپ کی مزید خدمات مطلوب نہیں ہیں مس شہزینہ!'' پرنسپل کے بلاوے پر وہ پرنسپل روم میں آئی تو پرنسپل نے سپاٹ انداز میں دوٹوک بات کی تھی۔

''جی!'' وہ پہلے ہی من من بھر کے قدم اٹھاتی اندر آئی تھی۔ پرنسپل کا خشک لہجہ سن کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ انصاف طلب نظروں سے انہیں دیکھنے لگی ''جی ہاں۔'' انہوں نے قلم میز پر رکھتے ہوئے ایک طنزیہ نگاہ اس پر ڈالی ''آپ کا کیا خیال ہے مس شہزینہ، آپ اسکول جاب کی آڑ میں اپنے ہر طرح کے کرائم پر پردے ڈالتی رہیں گی؟ بی بی یہ شریفوں کا ادارہ ہے یہاں یہ بازاری گرز زیادہ دیر تک کام نہیں دکھاتے۔'' ان کا لہجہ اکھڑا ہوا اور نہایت روکھا تھا۔

''اسکول کے نام پر تین راتیں باہر گزار کے ٹھاٹ سے اسکول چلی آئی ہیں۔ اگر کسی بچے کے والدین تک یہاں کی ٹیچر کے متعلق اس قسم کی اطلاع پہنچ گئی تو کیا وہ اپنے بچوں کو ایسے ادارے میں پڑھانا پسند کریں گے؟ اسکول کے اسٹاف کی ریپوٹیشن کس قدر خراب ہوگی اس کا آپ کو اندازہ ہے؟ ساری انتظامیہ کا امیج تباہ ہو جائے گا۔'' وہ سچ مچ بہت غصے میں نظر آ رہی تھیں۔

''میڈم.....'' اس کی حالت غیر ہونے لگی۔

''آپ کو اپنے بھائی سے چیٹنگ کرتے ہوئے اپنے فعل پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوئی؟'' وہ خشمگیں نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''کہاں گئی تھیں آپ! کس کے ساتھ گئی تھیں؟'' وہ کڑے تیوروں سے پوچھ رہی تھیں۔

''میں تو آپ کو ایک میچور، سلجھی ہوئی اور سوبر مزاج کی حامل لڑکی سمجھتی تھی۔ اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنا بھی گر سکتی ہیں؟''

''میڈم پلیز!'' وہ بلبلا کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔ ''میں ''ایسی ویسی'' لڑکی نہیں ہوں۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔''

''ایسی ویسی نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟ شریف لڑکیوں کے تو یہ لچھن نہیں ہوتے۔'' انہوں نے مشتعل انداز اپنایا۔

''میں اپنے ہسبینڈ کے ساتھ گئی تھی۔'' بالآخر وہ سر جھکا کر منہ سے پھوٹ پڑی۔

''ہسبینڈ!'' پرنسپل جانچنے والی بدگمان نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''جہاں تک میرا خیال ہے آپ کنواری ہیں۔ آپ نے جو فارم پُر کیا تھا اس میں خود کو غیر شادی شدہ ظاہر کیا تھا۔'' وہ قائل نہیں ہو سکی تھیں۔

''جی!'' وہ مجرموں کی طرح گردن جھکائے ہوئے تھی۔ آواز نہایت آہستہ تھی ''میڈم میں نے ایک ہفتہ پہلے خفیہ شادی کی ہے۔ اصل میں مجھے اندازہ تھا کہ اس شادی پر میرے گھر والے یا ''ان'' کے گھر والے کسی صورت رضامند نہیں ہوں گے۔ بات ہی کچھ ایسی تھی اس لیے ہم نے یہ قدم اٹھایا۔ ہمارا تقریباً ڈیڑھ سال پرانا افیئر تھا۔ ان دنوں جب میں نے یہاں آپ کے ہاں نئی نئی جاب کی تھی۔''

میڈم خاموشی سے اس کی صورت پر لکھے تاثرات ملاحظہ کرتی رہیں۔ جب یقین آ گیا تو لہجے کی سختی قدرے کم ہوگئی۔

''لیکن خفیہ شادی کرنے کی ایسی کون سی ایمرجنسی پڑ گئی۔ آپ دونوں اپنے والدین کو قائل کر سکتے تھے۔ یہ کوئی متوازن اور پسندیدہ اقدام ہرگز نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی شادیوں کو بغاوت اور سماجی اصولوں سے دشمنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

''آپ ایک پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی ہیں۔ آپ کو غالباً علم نہیں کہ اس اقدام کے بعد آپ کی پوزیشن کس قدر کمزور اور چوروں والی ہوگئی ہے؟ جائز کام بھی اگر طریقے سے اور سماجی قواعد وضوابط کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے نہ کیا جائے تو وہ گناہ بن جاتا ہے۔ باعثِ ملامت اور باعثِ شرم ہو جاتا ہے۔ آپ کنوینس کر سکتی تھیں اپنے گھر والوں کو..... سمجھا سکتی تھیں۔ کسی نہ کسی طرح اپنی منوا سکتی تھیں۔ ان کے ہاتھوں یہ فریضہ سرانجام پاتا تو کم از کم آج آپ کی مجرموں کی طرح جھکی گردن فخر اور سکون سے اٹھی ہوتی تو ہوتی۔''

''میڈم گھر والوں کے ماننے کی کوئی وجہ نہیں بنتی تھی۔'' وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر بدستور چور بن کر گویا تھی۔

''وہ ''شادی شدہ'' ہیں اور میرے رشتے میں چچا زاد کزن بھی ہوتے ہیں۔'' اس نے گویا بم پھوڑا تھا۔

''اوہ!'' پرنسپل نے اوپر سے نیچے تک اسے دیکھتے ہوئے گہری سانس لی ''جب وہ شادی شدہ تھے تو آپ کو ان کے ساتھ انوالو ہونے کی کیا ضرورت تھی؟''

اب وہ اس کا جواب کیا دیتی کہ اسی کم بخت دل کے ہاتھوں وہ یہاں تک پہنچی تھی۔ اتنے عرصے تک اپنا آپ سنبھال سنبھال کے، سینت سینت کے رکھنے کے بعد اس وقت اچانک ہی بے بس ہوگئی تھی۔ محبت کے جراثیموں کا حملہ اتنا اچانک اور زوردار ہوا تھا کہ وہ خود کو بچا نہیں پائی تھی۔

''کیا آپ کا افیئر ان کی شادی کے بعد شروع ہوا یا پہلے سے ایسا کچھ تھا؟'' میڈم کو اس کہانی سے خاصی دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔

''بعد میں میڈم..... پہلے تو ایسا کوئی احساس نہیں جاگا تھا۔ ان کی شادی پر میں نے اور میرے بھائی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ باہر سے آئے تھے اور ان کی مسز ایک معروف وکیل کی بیٹی ہیں بہت خوب صورت ہیں۔ شادی کے بعد بھی میرا جب بھی چچا کے ہاں آنا جانا ہوا تاثیر احمد سے بڑے اخلاق اور مروت سے ملاقات ہوتی رہی۔ تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ان کے دوسرے بچے کے عقیقے کے فنکشن پر جب آمنا سامنا ہوا تو پتا نہیں کیا ہوا انہوں نے میری تعریف کی تھی، مجھے سراہا تھا اور اچانک ہی مجھ سے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں اسی لہر میں بہہ گئی اور مجھے بھی اچانک ہی یہ لگنے لگا کہ میں ایسے ہی آئیڈیل اور پرفیکٹ لائف پارٹنر کی تلاش میں تھی پھر اس کے بعد ہمارا ملنا ملانا شروع ہوگیا اور ڈیڑھ سال بعد پچھلے ہفتے ہم نے اس تعلق کو جائز قانونی نام دے دیا۔''

''آپ کم از کم اپنے بھائی کو تو اعتماد میں لے سکتی تھیں۔''

''وہ کسی صورت نہ مانتا۔ یوں بھی چچا جان اور ہماری فیملی کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ جوڑ ہوتا تو چچی باہر سے بہو لانے کے بجائے پہلے ہی امی سے میرے لیے بات کر چکی ہوتیں۔ وہ سونے کے چمچوں سے کھانے والے اور ہم مسائل سے گھرے پریشان حال لوگ.....''

''کیا ان کی پہلی بیوی کے علم میں ہے؟''

''نہیں نہیں..... اور تاثیر ان کو بتا بھی نہیں سکتے.... زرافشاں کا ری ایکشن بہت تباہ کن ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ بچوں لے کر اپنے میکے چلی جائے۔''

''تو پھر بی بی آپ نے کس بیس پر اتنا انتہائی قدم اٹھایا۔'' پرنسپل کو اس بے وقوف لڑکی کی نادانی پر سخت طیش آ رہا تھا۔

''ان کے ساتھ ایک اٹوٹ رشتہ جوڑنے اور اسے نام دینے کی خواہش میری اپنی تھی۔'' وہ سر جھکا کر اعترافاً گویا ہوئی۔

اور پرنسپل نے ایک عدد زوردار تھپڑ رسید کرنے کی خواہش پر بڑی مشکل سے قابو پایا تھا۔

''بہت خوب! وہ موصوف اسی طرح بے نام رشتے کے ساتھ محبت کا کھیل جاری رکھنا چاہتے تھے اور آپ نے زبردستی خفیہ شادی کے لیے راضی کرلیا۔ آپ سے زیادہ تو وہی سمجھ دار نکلے۔''

''اصل میں میڈم وہ چاہتے تھے کہ جب وہ میرے لیے علیحدہ گھر اور معقول خرچہ افورڈ کرسکیں گے تب مجھ سے شادی کریں گے لیکن مجھے پیسہ نہیں ان کا ہمیشہ کا ساتھ چاہیے تھا۔ میری ضد تھی کہ وہ میرے ساتھ ایک پائیدار رشتے میں بندھ جائیں۔ یوں بھی میں اپنا آپ خود سنبھال سکتی ہوں۔ ان کی پے 38 ہزار ہے جس سے کہ صرف ان کے گھر کا خرچہ چلتا ہے وہ چاہ رہے تھے اس میں مزید دس بارہ ہزار کا اضافہ ہوجائے تب وہ شادی کریں گے تاکہ وہ مجھے بھی افورڈ کرسکیں لیکن میں نہیں مانی۔ اب مجھے یہ تو تسکین ہے ناں کہ وہ میرے ہیں۔''

''مگر اس طرح کب تک چلے گا یہ آنکھ مچولی کہیں تو ختم ہوگی جب آپ کے اور ان کے والدین اور خصوصاً بیوی کو پتا چلے گا تو کیا ہوگا۔ اس بارے میں سوچا ہے تم نے؟'' انہوں نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔ وہ ہاتھ مسلنے لگی۔

''ابھی اتنی جلدی تھوڑی پتا چلے گا۔ ہم ہر ممکن چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اگر بات کھل گئی تو پھر کسی نہ کسی طرح منت سماجت کرکے سنبھال لیں گے۔'' اس لمحے وہ خاصی پُراعتماد اور بے فکر دکھائی دی۔ پرنسل نے خون پی جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''آپ نہایت کوتاہ اندیش، جذباتی اور کم حوصلہ واقع ہوئی ہیں۔ انسان آگے کا سوچ کر ہی قدم اٹھاتا ہے آپ نے تو سوچنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ ایسے تعلقات نہ تو دیرپا ہوا کرتے ہیں نہ زیادہ عرصے تک متوازن رہا کرتے ہیں اور نہ ہی سوسائٹی میں قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔ بندہ ہر طرف سے معتوب اور سزاوار ٹھہرتا ہے۔ بہرحال آپ کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں، آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ ہاں اپنے بھائی کو الف تا یے سب کچھ بتا دیجیے کہ کل کلاں کو وہ پھر ادھر اُدھر فون کرکے آپ کو ڈھونڈتے نہ رہیں۔ باقی آپ کی مرضی۔ بہرحال آپ ہمارے اسکول کی ریپوٹیشن اور... گڈول کا پورا خیال رکھیں گی۔ انڈر اسٹینڈ!'' انہوں نے یکایک لاتعلقی کا لبادہ اوڑھ لیا۔

''جی میڈم.....'' وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

''آپ جاسکتی ہیں۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر اپنی فائلوں پر جھک گئی تھیں۔ وہ بوجھل قدموں سے باہر آگئی۔

اب نیا مرحلہ راحیل کو ساری حقیقت بتانے کا تھا۔

☆☆☆

''میرا جی چاہتا ہے پہلے تمہیں شوٹ کروں اور اس کے بعد خود کو گولی مارلوں۔ یوں بار بار مجھے مخاطب نہیں کرو۔ مجھ سے بات مت کرو۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں دکھا سکتا۔'' راحیل غرا کر اس پر الٹ پڑا تھا۔ شزا اسٹپٹا کر پیچھے ہٹ گئی۔

وہ سب کچھ بتا چکی تھی اور سنتے ہی راحیل بے قابو ہوگیا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے تم کس درجہ حماقت کا مظاہرہ کرچکی ہو؟ ایسی کون سی آگ لگی ہوئی تھی اور پھر وہ شخص دو بچوں کا باپ بن چکا ہے۔ چچا چچی تمہیں قبول کرلیں گے؟ زرافشاں بھابی کو پتا چلا تو وہ تمہارا کیا حشر کریں گی۔ اُف خدایا! میں امی کو کیونکر یہ بات بتا پاؤں گا۔ کس قدر ذلت آمیز حقیقت ہے یہ۔'' راحیل اپنے بال نوچنے لگا۔

''پلیز راحیل، ایسے تو نہ ری ایکٹ کرو۔'' وہ اس کا بازو تھام کر لجاجت سے بولی۔

''تو کیا گلے میں پھولوں کے ہار ڈالوں؟'' دانت پیستے ہوئے اس نے اپنا بازو چھڑا لیا۔

''سب ٹھیک ہوجائے گا، فکر نہ کرو۔'' وہ منت سے بولی۔

''ٹھیک ہونے کو باقی بچا ہی کیا ہے اب؟'' وہ بے دردی سے اسے ایک طرف دھکیل کر رخ پھیر کر بولا۔

''اتنی سمجھ داری بھی کس کام کی۔ اتنا احساسِ ذمے داری اور قربانی کا جذبہ بھی کس کھاتے میں جائے گا جب تم نے ایک دم سے ٹریک بدل کر برسوں کی کمائی ہوئی عزت کو داؤ پر لگا دیا۔''

''کیوں..... کیوں راحیل کیا میں صرف اس وقت تک کارآمد پرزہ تھی جب تک گھر والوں کے لیے محنت مشقت کرتی رہی۔ صرف.... ان کے لیے سوچتی رہی؟ جب اپنے لیے سوچا، اپنی مرضی اپنی خواہش کی واحد چیز پوری کی تو اب میں یکایک سب کے لیے باعث ذلت و شرم بن گئی۔'' معاً وہ تلخیوں کی انتہا پر پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ شدتِ جذبات سے تپنے لگا تھا۔

''گزشتہ آٹھ سالوں سے میں نے اپنی ذمے داریوں اور مشقتوں سے آگے کچھ نہیں دیکھا سوچا۔ آٹھ سال سے کولھو کا بیل بنے اپنے وجود کو برف میں دبا کے بیٹھی رہی۔ بگڑے ہوئے معاشی حالات سدھارے۔ ایک بہن کی شادی کی دوسری کی شادی کی تیاری ہے۔ تمہاری پڑھائی لکھائی مکمل کرائی۔ دوسرا بھائی پڑھ رہا ہے۔ اگر میں نے اپنے لیے سوچا تو تم لوگوں کا پورا کرکے سوچا ہے۔ تم لوگوں سے میری ایک خوشی، ایک ننھی سی مسرت کی کلی برداشت نہیں ہورہی؟'' شزا کا لہجہ برف کی طرح سرد پڑتا جارہا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ کاش کہ یہ واقعی تمہارے لیے خوشی کا سبب ہوتا۔ اگر تم کسی معقول بندے کا انتخاب کرتیں تو میں خود آگے بڑھ کر تمہاری شادی کراتا، تمہارے لیے سب سے لڑتا لیکن تم نے تو اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارلی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان ذمے داریاں نبھاتے نبھاتے بالآخر تھک جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب وہ اپنے تحفظ، اپنے مستقبل اور اپنی پُرسکون زندگی کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ان خوابوں کی تعبیر بھی حاصل کرے۔ بہت کچھ کرلیا دوسروں کے لیے، اب کچھ اپنے مقدر کو بھی سنوارا جائے۔ تم پر بھی یہ اسٹیج آچکا تھا اور ٹھیک ہی تھا اگر تم نے ایسا سوچا لیکن اپنی گھٹن کا اظہار تم ہم سے براہِ راست کرتیں۔ اچھے معقول رشتے دنیا سے ختم تو نہیں ہوگئے تھے۔ میں تو خود چاہتا تھا کہ تم اپنے گھر کی ہوجاؤ۔ تمہاری ہی ضد تھی۔ ہمیں انکار کرکے ستاتی رہیں اور خود اندر ہی اندر سب کچھ طے کرکے شادی بھی رچالی۔'' راحیل بری طرح اکھڑا ہوا تھا۔

''اب بتاؤ مجھے کس طرح حل ہوگا یہ مسئلہ؟'' وہ بے بسی اور احساسِ ذلت کو دبانے کے لیے بے چینی سے کمرے میں چکرا رہا تھا۔

''تم کچھ عرصے تک امی کو بلکہ کسی کو بھی یہ بات نہ بتاؤ۔ تاثیر نے یقین دلایا ہے کہ وہ کچھ وقت گزرنے کے بعد حالات کو کسی نہ کسی طرح کنٹرول کرلیں گے۔ کچھ عرصے بعد ان کی پروموشن ہوجائے گی پھر وہ الگ گھر کرایے پر لے کر زرافشاں اور چچا چچی کو اعتماد میں لے لیں گے۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہے چچا چچی اور زرافشاں یہ خبر سننے کے بعد تمہارے لیے برات سجا کے لے آئیں گے؟'' اس نے طنز کے تیر برسائے۔ وہ خفیف سی ہوگئی۔

''وہ کسی نہ کسی طرح انہیں قائل کرلیں گے۔'' وہ نظر جھکا کر بولی۔

''شٹ!'' راحیل نے ہتھیلی پر مکا مارا۔

''تم خود بات کرلو ان سے۔ وہ تمہیں یقین دلائیں گے کہ وہ جھوٹے نہیں ہیں۔'' اور پھر جب راحیل اپنے جذبات پر بمشکل قابو پاکر تاثیر احمد کا سامنا کرنے پر راضی ہوا تو ان کے انداز دیکھ کر وہ مزید مایوس اور پریشان ہوگیا۔

وہ بڑے افسر ہوں گے تو اپنے گھر میں ہوں گے ایسی بھی کیا اکڑ اور غرور۔ وہ ایک کمرے پر مشتمل اس گھر کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے قالین پر چلنے والے کے قدم اچانک کوڑے کرکٹ میں آن پڑے ہوں۔

''آپ لوگ اس گھٹی ہوئی تنگ و تاریک جگہ پر رہتے ہیں؟'' انہوں نے ناگواری سے ناک چڑھائی تھی۔

''جی ہاں، یہی ہے ہمارا ٹھکانا۔'' راحیل نے اپنے اندر کی کڑواہٹ کو بمشکل اخلاق کا غلاف اوڑھایا۔

''بہرحال، عرض کیجیے آپ کو مجھ سے کیا بات کرنی ہے؟ میں آفس سے آدھے گھنٹے کی لیو پر آیا ہوں۔'' وہ بڑے مصروف و بے نیاز انداز میں مخاطب تھے۔ گویا کوئی

حاکم رعایا کی درخواست پر وزٹ کرنے آیا ہو۔

راحیل نے خون کے گھونٹ پی کر اپنے اعصاب نارمل رکھے تھے۔

آہ! یہ ذلت بھی تقدیر نے لکھی تھی۔ عزتوں کے مسئلے انسان کو ذلت اور کمتری کے جانے کس پاتال میں پھینک دیتے ہیں۔ کیا ستم تھا کہ جو مجرم تھا وہی اکڑ کے بیٹھا ہوا تھا اور مدعی مجرم بنا بے بسی سے اپنی ذلت کا تماشا دیکھ رہا تھا۔

شہزینہ گھر پر ہی تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ فوراً کچن میں گھس گئی تھی "میرے لیے شوگر صرف ہاف ٹی اسپون ڈالنا۔ تمہیں میرے ٹیسٹ کا پتا ہونا چاہیے۔ میں اپنی فٹنس کا بہت خیال رکھتا ہوں۔" انہوں نے قدرے تحکم سے شہزینہ کو مخاطب کیا تھا انداز میں ایک مخصوص استحقاق اور بے پروائی تھی۔

"جی اچھا۔" شہزینہ اپنی سرخوشی و سرشاری کی کیفیت چھپا کے خاموشی سے چائے بنا کر انہیں پیش کرنے لگی۔ راحیل کا وجود گویا کانٹے دار جھاڑیوں پر گھسیٹا گیا تھا۔

اس کی بہن کس طرح اس عزت کے دشمن کی ناز برداریاں کر رہی تھی اور وہ کس درجہ شاہانہ انداز میں تنے بیٹھے تھے۔ اس کا لہو شریانوں میں کھولنے لگا تھا۔ تاہم وہ مسلسل خود کو صبر و ضبط کے سبق پڑھا رہا تھا۔

"آپ نے شزا کو اپنا کر جو قدم اٹھایا ہے اس کے نتائج اور ردِعمل پر غور کیا ہے آپ نے؟" راحیل کو موزوں الفاظ تلاش کرنے میں خاصی دشواری کا سامنا تھا۔

"یہ بات مجھے نہیں آپ کی بہن کو سوچنی چاہیے تھی میں اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں تھا۔ میں جو کر نہیں سکتا اس کے دعوے بھی نہیں کرتا نہ جھوٹے خواب دکھا کر دوسرے کو فرسٹریٹ کرتا ہوں۔ آپ کی بہن کو مجھ پر اعتبار نہیں تھا اسے رشتہ مضبوط کرنے کی جلدی تھی سو میں نے اس کی خواہش پوری کر دی۔" انہوں نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ راحیل سناٹے میں آ گیا۔ کس بے قدرے اور اتھلے شخص کو شزا نے اپنی زندگی کی ڈور تھمائی تھی۔

"اب آگے کیا ارادے ہیں؟" وہ اپنے اشتعال کے خلاف مسلسل نبرد آزما تھا۔

"ارادے کیا ہونے ہیں شادی تو ہو گئی ہے اب کوشش کروں گا ایک ڈیڑھ سال میں کسی مناسب گھر کا بندوبست کر لوں۔"

"کیا مطلب! کیا ایک ڈیڑھ سال تک یہ تعلق خفیہ رہے گا؟" راحیل بری طرح چونکا تھا۔

"کیا حرج ہے،" انہوں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

راحیل کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔

"میں اتنی جلدی اس شادی کو اوپن نہیں کر سکتا۔ میں نے یہ بات کورٹ میرج سے پہلے بھی شزا کو بتا دی تھی اور اس نے اس بات پر اگیری کیا تھا۔"

راحیل نے جھلسا دینے والی نظروں سے شزا کو دیکھا۔ وہ نظر چرا گئی۔

"جب تم نے خود ہی اپنے راستے میں کانٹے بو لیے ہیں تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔" راحیل ایک دم سے باہر نکل گیا تھا۔

"آپ ایزی ہو کر بیٹھیے ناں۔" راحیل کے نکلتے ہی شزا نے بڑی نرمی اور چاہت سے انہیں مخاطب کیا تھا۔ انہوں نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔

"اچھا..... پھر تم ادھر آؤ، ہمارے پاس۔" ان کی آنکھوں میں سرمستی چھا گئی تھی۔

"آں..... آں....." شزا نے آنکھیں نچا کر بیرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"دروازہ بند بھی کیا جا سکتا ہے۔" گھنی مونچھوں تلے ان کے سرلب مسکرائے۔ شزا فدا ہو کر رہ گئی۔

"بھائی آ جائے گا۔" اس کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔

"وہ خاصا سمجھ دار ہے، اب کافی دیر تک نہیں آئے گا۔"

وہ ایزی ہو کر پلنگ پر نیم دراز ہو گئے تھے۔ شزا کے دل کی دھڑکنیں زیر و زبر ہو گئیں۔

☆☆☆

عید کی چھٹیوں پر اسکول بند تھے۔ عید کے بعد جب اسکول کھلے تو اسٹاف نے شزا کا چمکتا دمکتا نکھرا ہوا سرخ سرخ سراپا بغور نوٹس کیا۔

"کیا بات ہے، بڑی ہری بھری رنگ رنگیلی البیلی رسیلی دکھائی دے رہی ہو؟" اس کی رازدار اور سب سے قریبی دوست عاتکہ نے چھیڑ خانی کی تھی۔ شزا سرشاری سے ہنس دی۔

"اس دفعہ عید پر بہت انجوائے کیا۔ انہوں نے عید کا دوسرا دن سارے کا سارا میرے لیے وقف کر دیا تھا۔ اب تو راحیل بھی جانتا ہے اس لیے مسئلہ نہیں ہوا وہ گاڑی لے کے صبح دس بجے مجھے پک کرنے آئے اور رات کو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے واپس ڈراپ کیا۔ سارا دن ہم نے اسلام آباد کے مرغزار اور پارک ناپے، راول ڈیم پر بیٹھ کے رومینٹک باتیں کیں پھر رات کو انہوں نے مجھے کراؤن پلازہ میں ڈنر دیا۔ اُف..... کیسی سحر انگیز قربت ہے ان کی۔ کیا جادو ہے ان کی ہمراہی کا۔ میں تو بے تابی سے اس دن کا انتظار کر رہی ہوں جب وہ کھلے عام زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے پورے حق کے ساتھ میرے پاس آیا کریں گے اور میرے ساتھ رہا کریں گے۔"

"آتے تو وہ اب بھی ہیں تمہارے گھر میں۔" عاتکہ کا انداز کچھ چبھتا ہوا سا تھا۔

"ارے، یہ آنا بھی کیا آنا ہے۔ چوروں کی طرح آتے ہیں۔ گھنٹا دو گھنٹا بیٹھتے ہیں پھر چل دیتے ہیں اور یوں بھی اس گھر میں آنے کے خواب کب دیکھتی ہوں، میں تو اس گھر کی بات کر رہی ہوں جو وہ مجھے لے کے دیں گے۔ سب میرے پورے اختیار میں ہوگا۔ ایک حق کے تحت....." عاتکہ اس کا منہ دیکھتی بے ساختہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

"السلام علیکم زرافشاں کیسے مزاج ہیں؟" چچا کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا ٹاکرا زرافشاں سے ہوا تھا۔

"ہوں، بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔ آؤ بیٹھو۔" زرافشاں نے اخلاقاً مسکرا کر اسے خوش آمدید کہا۔

"کہیں جانے کی تیاری ہے کیا؟" شزا نے بہت غور سے اپنی سوتن کا جگمگاتا روپ سروپ دیکھا تھا۔ سیاہ ساڑی میں زرافشاں کی دودھیا رنگت دمک رہی تھی۔

"ہاں، میں بچوں کے ساتھ شاپنگ کے لیے مارکیٹ جا رہی ہوں۔ ڈیڑھ دو گھنٹے لگ جائیں گے۔ تم آرام سے بیٹھ کے میگزین پڑھو، آنٹی ابھی آتی ہی ہوں گی۔ وہ ہاسپٹل بی پی چیک کرانے گئی ہیں۔ میں شرفو کو چائے کا بول دوں گی۔"

"اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ چچا جان کہاں گئے ہیں؟"

"وہ دو دن کے لیے کراچی گئے ہوئے ہیں۔"

زرافشاں ساڑی کا پلو سنبھالتے ہوئے ایکسکیوزمی کہہ کر اپنے دونوں بچوں کے ساتھ باہر نکل گئی۔ گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ خود ڈرائیو کرتی تھی۔

زرافشاں کے جانے کے بعد شزا نے ریلیکس ہو کر عظیم الشان گھر کے قیمتی نوادرات سے سجے در و دیوار اور فرنیچر کو دیکھا۔

"یہ سب میرا ہونا چاہیے۔ میرا بھی تو کوئی حق بنتا ہے اس گھر پر۔" اس کے اندر سے ندا آئی تھی۔

مگر ابھی کہاں۔ یہاں تک پہنچنے میں شاید بہت دیر لگے گی۔"

چار بج رہے تھے۔ سوا چار بجے تک تاثیر آفس سے آ جاتے تھے۔ اس نے سائیڈ کی دیوار پر لگے اسٹائلش آبنوسی فریم والے شیشے میں اپنا حلیہ دیکھا۔ اورنج اور آف وائٹ کمبی نیشن کے شلوار قمیص میں وہ بہت دلکش دکھائی دے رہی تھی۔

"ارے تم..... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" جونہی وہ اندر داخل ہوئے اسے موجود پا کر ٹھٹک کر وہیں رک گئے۔

"توبہ، کس قدر روکھے انداز میں بات کر رہے ہیں۔ ارے بھئی میں چچا چچی کی خیریت پوچھنے آئی تھی۔" وہ لہک کر ان کے قریب آئی اور ان کے ہاتھ سے کوٹ لے کر بڑے پیار سے ان کی ٹائی کی گرہ کھولنے لگی تھی۔

"ہوں..... تو گویا راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔"

انہوں نے بلا تکلف اپنی بانہوں کا حلقہ اس کے گرد پھیلا دیا۔

''آؤ کمرے میں چلیں۔'' ان کی آنکھوں کے شوخ اشارے اس کے دل کی دنیا میں ہلچل مچانے لگے۔

''آؤ ناں، آج میں تمہیں اپنا بیڈ روم دکھاتا ہوں۔'' وہ اسے تھام کر بیڈ روم میں لے آئے۔

''ہونہہ، یہ آپ کا کب ہوا۔ اس کی ایک ایک چیز زرافشاں کی پسند سے خریدی گئی ہے اسی کے ہاتھوں سے سجائی گئی ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''اپنا اور اس کا مقابلہ نہیں کرو اور نہ الٹے سیدھے سوال جواب کر کے میرا موڈ آف کرو۔'' انہوں نے سر جھٹکا۔

''اوکے..... اوکے باس.....'' وہ شوخی سے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے ہنسی تھی۔

وہ کیف و نشاط اور قربتوں کے انتہائی مراحل طے کر رہے تھے اور محبت بھری ساعتوں میں اس درجہ گم تھے کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوئی کب زرافشاں وو پٹا رنگوانے کے لیے ڈریس کا چھوٹا سا پیس لینے گھر آئی، کس وقت چوکیدار نے دروازہ کھولا اور کب وہ اچانک بیڈ روم میں داخل ہوئی۔

اندر کا سین دیکھ کر اس کی آنکھیں بے یقینی سے ابلنے لگیں۔

''شزا.....!'' اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تحیر بھری آواز نکلی تھی۔ وہ جیسے پتھر کا بت بن کے رہ گئی تھی۔

شزا بجلی کی تیزی سے اپنا آپ سنبھالتی بیڈ سے نیچے اتری تھی۔

''چڑیل.....! ڈائن.....! خائن..... کمینی..... خون پی جاؤں گی میں تمہارا.....! تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے بستر پر چڑھنے کی.....'' وہ بپھری ہوئی لہر کی طرح آگے بڑھی تھی پھر اس نے وحشت زدہ اور گھبرائی ہوئی شزا پر حملہ کر دیا۔ ناخنوں سے اس کا منہ نوچ لیا پھر تین تھپڑ کس کے لگا تار اس کے منہ پر مارے۔

تاثیر احمد ہاتھ باندھے خاموشی سے زرافشاں کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ شزا کو افسوس ہوا کہ وہ اب بھی اپنی بیوی کو روکنے یا اسے بچانے کے لیے آگے نہیں بڑھے تھے۔ اس نے خود ہی جنونی حرکتیں کرتی زرافشاں کے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اپنا آپ بچایا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''میں بتاؤں یہ کیا بدتمیزی ہے! فاحشہ بدکردار.....'' زرافشاں دوبارہ اس پر پل پڑی مگر چونکہ پہلے ہی اس کے حملے کے لیے تیار تھی اس لیے وار سے وار بچا گئی۔

''اے خبردار! یہ بدکردار..... اور فاحشہ کسے کہا ہے؟'' اب شزا کے لیے مزید چھپانا ناممکن ہو گیا۔

''میں بھی ان کی وہی لگتی ہوں جو تم لگتی ہو۔ زیادہ اچھلنے اور بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا!'' زرافشاں بری طرح چلا اٹھی۔

''ہاں۔'' اس نے اپنی سانسیں درست کرتے ہوئے بے خوفی سے زرافشاں کی آنکھوں میں دیکھا تھا اس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس کے اس انکشاف پر تاثیر کا چہرہ کس قدر ناگوار اور غصیلے تاثرات سے بھر گیا تھا۔ اسے تو بس زرافشاں کے الفاظ آگ لگا گئے تھے۔

''یہ..... یہ کیا بک رہی ہے کتیا.....! تاثیر آپ بتائیں۔'' زرافشاں کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ ہراساں کیفیت میں تاثیر کے پاس آئی تھی۔ وہ خاموش رہے۔ ان کی خاموشی ہی ان کا اعتراف بن گئی تھی۔

''تاثیر احمد!'' وہ اچانک ان کے پاس سے ہٹ گئی۔

''اگر یہ درست ہے تو..... تو پھر میں حشر برپا کر دوں گی۔ آپ جانتے ہیں نا مجھے.....؟'' زرافشاں کی آنکھوں میں خوفناک چمک اتر آئی تھی۔

''یہ یونہی بکواس کر رہی ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔ زرافشاں پلیز! تم ریلیکس رہو۔ ڈاکٹر نے تمہیں ٹینشن لینے سے منع کیا ہے۔'' وہ نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے گویا اسے بہلا رہے تھے۔ وہ ان دنوں دوبارہ ماں بننے والی تھی۔ شزا کے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

یہ کیا کہہ رہے تھے وہ..... کیوں جھٹلا رہے تھے اس رشتے کو؟

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ!'' زرافشاں چیخ کر ان سے پرے ہٹ گئی۔ اس کو حقیقت کا ادراک ہوگیا تھا۔

''اتنی بڑی بات یہ یونہی نہیں کہہ سکتی۔ آپ نے..... آپ نے تاثیر احمد مجھے دھوکا دیا ہے، میرے اعتبار کا خون کیا ہے۔ میری انسلٹ کی ہے۔'' وہ بپھرے ہوئے انداز میں پھنکار رہی تھی۔

''میری بات تو سنو زری۔'' بڑے میٹھے بڑے ملائم انداز میں اس کو چمکار رہے تھے۔

''پلیز زری، ایسے ری ایکٹ نہ کرو۔'' وہ اس کے گال تھپتھپا رہے تھے اور شزا کے قدموں تلے سے زمین سرکتی جارہی تھی۔ اسی دوران چچی آگئیں۔ جب انہیں صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ بھی زرافشاں کے ساتھ مل کر اس کو لعنت ملامت کرنے لگیں۔

''آستین کی سانپ! تمہیں نقب لگانے کے لیے میرا ہی گھر ملا تھا۔ کیا اسی دن کے لیے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی تھی؟ تمہاری مدد کی تھی؟'' چچی نے بلا تکلف اس کے بال پکڑ کر جھنجوڑ ڈالے۔

اس نے بال چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے تاثیر کی طرف دیکھا کہ شاید وہ اسے بیوی اور ماں کے چنگل سے آزاد کرائیں مگر ادھر شدید بیگانگی اور لاتعلقی تھی۔ وہ صدمے سے ادھ موئی ہوگئی۔ اسے تاثیر احمد کی طرف سے اس درجہ بے مروتی اور رکھائی کی توقع نہیں تھی۔

''اور تاثیر..... بیٹے یہ سب کیا ڈراما ہے۔ تم اس مکار چڑیل کے پھندوں میں کیسے پھنس گئے؟ زرافشاں میں کیا کمی تھی۔ جو تم نے یہ قدم اٹھایا۔''

''میں ایک پل یہاں نہیں رہوں گی ممی، میں اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے جارہی ہوں۔ جب اس ڈائن پر دو حرف بھیج دیں تو مجھے بتا دیجیے گا۔'' زرافشاں نے سوٹ کیس نکال کے کھٹ سے کھولا اور کپڑے رکھنے لگی۔

''پلیز زری، ایسے مت کرو۔ یہ گھر تمہارا ہے۔ میں تمہارا ہوں۔ سب کچھ تمہارا ہے۔ بھلا تم مجھے چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہو۔ میں تمہارے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔''

وہ اس کا غصہ دور کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ شزا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

''تو پھر ابھی اور اسی وقت اسے طلاق دیں۔'' زرافشاں طیش کے عالم میں غرائی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا۔ تم اپنا درست کرو۔'' دوسرے ہی لمحے شزا چکرا کر فرش گر گئی۔ وہ ہوش وحواس سے عاری ہوچکی تھی۔

''ہونہہ! مکر کر رہی ہے بے شرم۔'' چچی نے تنفر عالم میں اس کا بے حس وحرکت وجود دیکھ کر کہا۔

''آپ اس کے بھائی کو بلائیں اور کہیں کہ اپنا اٹھا کے لے جائے۔'' زرافشاں نے ناک چڑھا ناراضی سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ رضامند ہوگئے۔ فون کے پاس اور راحیل کے آفس فون کیا۔

''تمہاری بہن کی طبیعت خراب ہوگئی ہے۔ ہمارے گھر میں ہے وہ، اسے یہاں سے لے جاؤ۔ وہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔''

راحیل گھبرایا گھبرایا بھاگم بھاگ وہاں پہنچا۔ ''کیا شزا کو؟'' اسے ننگے فرش پر ساکت وصامت پڑا دیکھ وہ دہل کر آگے بڑھا تھا۔

''زندہ ہے ابھی۔'' چچی کی طنز وتمسخر میں ڈوبی آواز کی کرختگی راحیل کے اعصاب جھنجنا گئی۔

''بے شرم اور بے غیرت لوگ اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتے۔ میں پوچھتی ہوں کیا یہی گل کھلانے کے لیے یہ ملتان سے یہاں تک آئی تھی۔ تم جانتے ہو اس کی کرتوت یا پھر تم ہی نے آگے بڑھ کر تاثیر کو بہن کے لیے ٹریپ کیا تھا؟'' ان کی زبان آگ اگل رہی تھی۔

''بس کریں چچی جان، بس کریں۔'' راحیل نے ہاتھ باندھ کر ضبط سے کہا۔ ''کیا کریں جب بگاڑ اپنے ہی آنگن سے چلا ہو تو کسی باہر والے کو دوش کیا دیں۔'' وہ جھک کر بے ہوش شزا کو اٹھانے لگا۔

''نظر رکھا کرو اس پر!'' زرافشاں نے ساعتوں میں زہر انڈیلا ''آج تو یہاں سے اٹھا رہے ہو کل کا پتا نہیں کس جگہ سے اٹھا کے لانا پڑے۔ اسے تو چسکہ پڑ گیا ہے ہر جگہ منہ مارنے کا۔''

جانے کہاں سے ہمت مجتمع کر کے اس نے بے ہوش بہن کو اٹھا کر کندھے سے لگایا تھا۔ ایک نگاہ اسٹیچو کی طرح بے ہوش اور بے تاثر کھڑے تاثیر پر ڈالی اور پھر وہاں سے چل دیا۔ تاثیر احمد اپنی جگہ قدرے خجل سے ہو کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆

''تم جانتی ہو کون لایا ہے تمہیں یہاں؟'' جب وہ ہوش میں آئی تو راحیل نے ہونٹ چباتے ہوئے اسے مخاطب کیا تھا۔

''کک..... کون..... کیا تاثیر یہاں چھوڑ گئے ہیں۔'' وہ خوش فہمیوں کے حصار میں بندھی ایک دم سے اٹھ کے بیٹھ گئی۔

راحیل کے ہونٹوں پر طنز واستہزا کی کیفیت ڈولنے لگی۔

''کاش کنوئیں میں چھلانگ لگاتے ہوئے انسان کی لوجک اور ریزننگ کام کرتی رہے تاکہ اسے احساس ہو کہ وہ اپنے ساتھ کیا کرنے لگا ہے۔ جس کے بل بوتے پر تم نے اپنی زندگی برباد کی ہے وہ چپ چاپ تماشائی بنا کھڑا رہا تھا۔ جب تم بے ہوش ہوئیں تو تمہیں کوڑے کی طرح اٹھوانے کے لیے مجھے آفس سے بلوایا تھا۔''

''اصل میں وہ اس وقت بیوی اور ماں کے انتہائی ردعمل کی وجہ سے مجھ سے تعلق اور واسطہ نبھانے سے لاچار تھے۔ ان کو وقتی طور پر پُرسکون کرنے کے لیے وہ مجھ سے بے پروا ہوگئے تھے وگرنہ.....'' وہ اس سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی۔

''ہاں جب ہی تو انہوں نے پورا دن خبر نہیں لی۔ میں نے تمہیں شام کو کلینک میں ایڈمٹ کرایا تھا۔ وہاں رات تین چار گھنٹے تک رکنے کے بعد تمہیں گھر واپس لایا تھا۔ اس بات کو بھی چوبیس گھنٹے گزر چکے ہیں اور ان کا پتا نہیں ہے۔''

''اصل میں راحیل ہمارے ہاں فون بھی نہیں ہے وہ جو تین فلور چھوڑ کر کنزئی لوگوں کا نمبر ہے وہ میں نے انہیں لکھوایا نہیں تھا اس لیے.....'' وہ ان سے بدگمان ہونا جانتی ہی نہیں تھی۔ راحیل کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔ اور یہی جواز تاثیر نے ملاقات ہونے پر شزا کو دیئے تھے۔

وہ پورے ایک ہفتے بعد ویک اینڈ پر اس کے پاس آئے تھے۔

''آپ کی امی اور بیوی مل کر میری درگت بناتے رہے اور آپ خاموش رہے۔ میں بے ہوش ہو کر گری تو آپ کے بازو سنبھالنے کو نہیں آئے۔ اتنے سفاک کیونکر بن گئے تاثیر.....''

''ایسی بات نہیں ہے میری جان!'' انہوں نے اپنے مخصوص سحر انگیز انداز میں سحر پھونکا ''لیکن اس سچویشن میں زرافشاں اور ممی زیادہ مظلوم تھیں اس وقت۔ ان پر اچانک آسمان ٹوٹا تھا۔ مجھے ان کی دلدہی کے لیے ان کی فیور تو بہرحال کرنا ہی تھی۔ تم نے بھی حماقت کا ثبوت دیا۔ اصل میں مجھے تم پر اسی بات کا غصہ تھا اس لیے اتنی لاتعلقی دکھائی اور ایک ہفتے تک خبر نہیں لی۔''

''میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا تاثیر۔'' اس نے صفائی دی ''وہ سچویشن ہی ایسی آن پڑی تھی کہ اگر یہ کلیئر نہ کرتی تو مجھ پر بدچلنی کا ٹھپا لگ جاتا۔ بات میرے کردار اور میری عزت تک آن پہنچی تھی۔ میں کیسے چپ چاپ اتنی بے عزتی سہہ جاتی۔''

''فرق بھی کچھ نہیں پڑتا تھا۔'' وہ تلخ موڈ میں نظر آئے ''ان کے کہنے سے کیا ہوتا۔ میں اور تم تو جانتے تھے کہ ہمارا میاں بیوی کا رشتہ ہے۔'' وہ ہکا بکا رہ گئی۔ صدمے نے اس کا دماغ ماؤف کردیا۔ وہ اسے بیوی اور ماں کی نظروں میں کتنا ہلکا، کتنا گرا ہوا اور بے شرم قرار دینا چاہتے تھے۔

''لیکن ان کی نظروں میں، میں کتنی بری لڑکی بن جاتی۔ یہ بھی سوچا ہے آپ نے؟'' اس نے احتجاجاً شکایت کی تھی۔

''تو تم نے ان سے کیریکٹر سرٹیفکیٹ سائن کروانا تھا؟'' وہ کسی صورت اس کے حامی نہیں ہو رہے

تھے۔ تنگ آ کر اس نے خود ہی یہ بحث چھوڑ دی۔

''چلیے اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب بتائیے کیا کیا جا سکتا ہے۔''

''ہونا کیا ہے میں نے بہتیرا انہیں سمجھایا کہ ایسا کچھ نہیں ہے مگر شاید وہ DEPTH پا چکے ہیں۔ جانتے ہیں۔ خصوصاً زرافشاں تو کسی صورت نہیں مانی۔ بالآخر میں نے اعتراف کر لیا۔ وہ بچوں کو لے کر میکے چلی گئی ہے۔ ہفتے بعد جاؤں گا لینے۔ آ گئی تو ٹھیک ہے وگرنہ بچے لے کر آ جاؤں گا۔ میں عورتوں کو زیادہ دیر تک اپنی کمزوری بنا کر نہیں رکھا کرتا۔ کتنا عرصہ میکے میں بیٹھے گی۔ دو نہیں تو چار ماہ بعد آ جائے گی..... اور جائے گی کہاں۔''

اس نے ان کی باقی باتوں پر تو دھیان دیا یا نہیں البتہ یہ بات دل کو خوش کر گئی کہ وہ زرافشاں کی بلیک میلنگ کا شکار ہو کر اسے چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

''اوہ تاثیر! آپ مجھے نہ ملتے تو میرا جانے کیا بنتا۔ آپ نے تو مجھ سے میرا اپنا آپ چھین لیا ہے۔'' وہ بے طرح ان پر نثار ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

''میں امی کو فون کر کے یہاں بلوانے لگا ہوں۔'' راحیل نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔

''نہیں راحیل ابھی نہیں، پہلے ''ادھر'' کے حالات نارمل ہو جائیں۔ تاثیر نے اپنے گھر والوں کو کہہ دیا ہے کہ وہ شزا کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑیں گے۔ وہ مجھے الگ رکھیں گے۔ چچی جان نے کہا ہے کہ وہ مجھے اس گھر میں نہیں دیکھ سکتیں اور ظاہر ہے ایسا ممکن بھی نہیں۔ چچی اور زرافشاں اس بات پر کسی صورت کمپرومائز نہیں کر سکتیں کہ مجھے اس گھر میں برابر کی جگہ دیں۔''

''بے وقوف لڑکی وہی گھر تمہاری پناہ گاہ، تمہاری پہچان اور تمہاری مضبوطی ہے۔ وہاں تک پہنچ جاؤ گی تو تمہارا کیس مضبوط ہو جائے گا۔ وہی اصل ''قبولیت'' ہے۔'' وہ جھلایا۔

''لیکن وہاں رہنا یا بسنا ممکن نہیں ہے راحیل۔'' شزا نے صاف گوئی سے کام لیا ''میں جانتی ہوں یہ بات میں تاثیر سے کبھی بھی نہیں منوا سکتی وہ اس بارے میں بھی پسند نہیں کریں گے وہ تو اول روز سے یہ کہہ رہے کہ وہ مجھے الگ گھر لے کر دیں گے۔ وہاں رکھیں گے۔''

''مگر کب.....؟ اب جبکہ بات کھل ہی چکی ہے اب انہیں تمہارا کوئی مناسب بندوبست کرنا ہو گا۔ اسی طرح ذمے داری اٹھانی ہو گی جس طرح ایک اپنی بیوی کی اٹھاتا ہے۔ معاشرے میں کچھ تو بادہ ملے تمہیں۔ ایسے تو.....'' وہ ہونٹ کاٹنے لگا۔

''وہ یہاں آتے ہیں تو ارد گرد کے لوگ جانے باتیں بناتے ہیں۔''

''میں سب کو بتا چکی ہوں کہ وہ میرے خاوند ہیں لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے اعتراض کرنے کا۔''

''وہ پوچھتے ہیں خاوند ہے تو پھر چوروں کی طرح کیوں آتا جاتا ہے۔ طریقے سے بیوی کو رخصت کر کیوں نہیں لے جاتا۔'' وہ زہر خند ہوا۔ وہ لاجواب ہو گئی۔

''بہر حال، یہ کوئی اتنا اہم مسئلہ نہیں ہے۔ تم کہہ رہے تھے امی کو بلوانا چاہتے ہو۔''

''ہاں!'' اس کا لہجہ قطعی تھا ''وہ آئیں گی تو ابو سے اور تاثیر احمد سے بات کریں گی۔ چچا اور چچی کے پاس بھی جائیں گی کہ شاید کوئی درمیان کی راہ نکل آئے۔ ایسا نہ ہوا تو وہ تاثیر احمد سے دو ٹوک بات کریں گی۔ گھر مع اس کے اخراجات، جیب خرچ پانچ ہزار انصاف پر مبنی مناسب وقت جو وہ تمہارے سر تھوپ سکے۔''

''امی یہ خبر سن کر بہت شاکڈ ہوں گی۔ شاید برداشت نہ ہو سکے۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''اب کیا کریں، تم نے یہ شاک انہیں دینا تھا اگر ان کا خیال ہوتا تو یہ قدم نہ اٹھاتیں یا اٹھاتیں تو کم از کم ہمیں بتا دیا ہوتا۔ ہم اپنے ہاتھ کر دیتے۔'' راحیل برہمی سے کہتا ہوا اٹھ گیا۔

☆☆☆

امی آئیں۔ ظاہر ہے ان کے صدمے کی انتہا ہی نہیں تھی۔ تین دن تک مسلسل روتی رہیں اور

ت تک نہیں کی پھر خود کو سمجھا بجھا کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا اور راحیل سے کہا کہ وہ تاثیر احمد کو بلوا دیں۔

تاثیر احمد اسی آن بان اور غرور وتفاخر کے ہمراہ ان کے سامنے تھے۔ امی نے دیکھا۔ آنکھوں میں رتی برابر حساس پشیمانی یا ملامت کا نشان نہیں تھا۔ سب کچھ کر کے بھی وہ اس درجے اکڑے بیٹھے تھے کہ امی نے خود کو دبا دبا محسوس کیا۔

''جی آپ نے بلایا تھا، فرمایئے کیا بات کرنا چاہتی ہیں؟''

''میں نے اب کیا بات کرنی ہے تاثیر احمد! جو کچھ کرنا تھا آپ نے خود ہی کر ڈالا۔ میرے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ اتنی اچھی شادی شدہ زندگی گزارتے ہوئے یہ نادانی کر گزریں گے۔''

''اس میں سارا دوش آپ کی بیٹی کا ہے ان کی ریکوئسٹ اور اصرار پر یہ شادی ہوئی۔ وگرنہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال اب آگے بتایئے، اس بات کو یہیں چھوڑ دیجیے۔'' وہ قدرے رکھائی سے گویا ہوئے۔

''وہ تو نادان تھی، بے وقوف تھی مگر آپ اچھے خاصے سمجھ دار اور میچور بندے تھے۔''

''میں نے کہا ناں کہ میں بھی آپ ہی کی بیٹی کی نادانی بھگت رہا ہوں۔ مجھے کوئی شوق نہیں تھا دوسرا بیاہ رچانے کا۔ میں نے یہ سب کچھ آپ کی بیٹی کی خاطر کیا۔ وہ کسی طرح نہیں مان رہی تھی۔ وہ ہر صورت میرے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی وگرنہ میری زندگی میں کوئی کمی نہیں تھی کہ.....'' امی پھنکار کر رہ گئیں۔ بیٹی نے خود کو کس جہنم میں جھونک ڈالا تھا۔

وہ تو سرے سے کسی بھی بات کا ذمہ لیتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ بہرحال ان سے اعترافِ جرم کرانے میں ناکام رہیں۔ بیٹی کا معاملہ تھا۔ شادی ہو چکی تھی اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ آخر کار بیٹی کے مفادات پر سمجھوتا کیا۔ کافی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ بالآخر اس کا ایک حل نکلا۔ ''دیکھیے جی الگ گھر ابھی میں کسی صورت نہیں کر سکتا۔ شزا کو کم از کم سال ڈیڑھ سال تک یہیں رہنا ہوگا۔ ہاں یہ ہے کہ میں اسے ماہانہ پانچ ہزار جیب خرچ دیا کروں گا اور آتا جاتا بھی رہوں گا اور اپنے ماں باپ کے گھر میں ساتھ رکھنے کا تو الف سے یے تک کوئی بھی جواز پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ امی بے بسی سے ہاتھ ملتی رہیں۔

☆ ''ہاں بھئی کہاں تک پہنچا تمہارا معاملہ، تم بتا رہی تھیں پچھلے دنوں تمہاری امی آئی ہوئی تھیں۔'' عاتکہ نے بریک میں اس سے پوچھا تھا۔

''وہ تو کب کی واپس ملتان چلی گئیں۔''

''اور کیا طے ہوا۔ کب جا رہی ہو تم تاثیر احمد کے ساتھ؟''

''کچھ بھی نہیں۔ وہی پرانی روٹین چلے گی فی الحال، اگلے سال ان کا پروموشن ہوگا تب وہ مجھے ساتھ رکھیں گے۔ ابھی یہ ہے کہ ویک اینڈ پر میرے گھر آ جاتے ہیں۔ راحیل چھ سات بجے تک آتا ہے جبکہ میں ڈیڑھ بجے چھٹی کر کے گھر پہنچ جاتی ہوں۔ تاثیر مجھے یہاں سے پک کر لیتے ہیں ڈیڑھ بجے یا ویک اینڈ کے علاوہ کسی اور دن فرصت ملنے پر.....''

''برا نہ ماننا شزا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ جیسے کوئی بیوی کے ساتھ ساتھ اپنی سیکریٹری یا گرل فرینڈ کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے سو وہی حال تمہارا ہے۔ بیوی بنایا ہے تو بیوی کی سی عزت بھی دیں۔ نقصان تو سراسر تمہارا ہے۔ اپنے آس پاس کے حلقے میں تم کس قدر بدنام ہو رہی ہو۔''

''بدنامی کیوں؟'' وہ ناک چڑھا کر تیکھی ہوئی۔ ''سب جانتے ہیں وہ میرے خاوند ہیں۔''

''جانتے تو ہوں گے مگر مانتا کوئی نہیں ہے ایسے کاغذی ڈھکوسلوں کو۔ لوگوں کی نظر میں شادی وہی ہے جو محلے کے چار شریفوں کے سامنے ہو اور جس کے بعد لڑکی کو رخصت کرا کے اپنے ساتھ رکھا جائے۔ اس قسم کے تعلقات کو عموماً عیاشی کا نام دیا جاتا ہے۔'' عاتکہ نے اس کی ناراضی کی پروا کیے بغیر دوٹوک کہہ ڈالا تھا۔

''کچھ بھی ہے میرے لیے تو وہی لمحے زیست کا حاصل ہوتے ہیں جب وہ میرے سامنے ہوتے ہیں۔

اب تو میرا ایک ہی خواب ہے میں جلد از جلد ماں کا رتبہ حاصل کرلوں۔ اس طرح میرا کیس اور مضبوط ہو جائے گا پھر وہ تاحیات مجھ سے جدا نہیں ہو سکیں گے۔ زرافشاں کی طرح میرے اور ان کے بیچ بھی ایک مضبوط ڈور بندھ جائے گی۔'' شزا کسی اور ہی سحر میں گم بول رہی تھی۔

پھر اللہ نے اس کی سن لی۔ تقریباً ایک ماہ بعد اس نے شک ہونے پر چیک کرایا تو پتا چلا کہ وہ پریگنینٹ ہے مگر کمزوری بے حد تھی وہ یوں بھی بڑی دھان پان سی تھی۔ اس نے تاثیر احمد کو بتایا تو وہ یوں اس کے پاس سے ہٹے جیسے بچھو نے ڈنک مار لیا ہو۔

''کیا بات ہے آپ کو خوشی نہیں ہوئی۔ ہمارے اور آپ کے پیار کی نشانی اس دنیا میں آ رہی ہے۔'' وہ ان کا ردِعمل دیکھ کر قدرے مایوسی سے گویا ہوئی۔

''بات خوشی کی نہیں ہے شزا۔'' وہ نرمی سے گویا ہوئے ''میں بے حد خوش ہوتا مگر اس وقت جب تم میرے گھر میں میرے ساتھ رہ رہی ہوتیں۔ ابھی میں نے تمہیں گھر لے کر نہیں دیا کیونکہ فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تو پھر بچہ کیسے افورڈ کر سکوں گا اور میں یہ ہرگز برداشت نہیں کروں گا کہ تم اس کال کوٹھڑی میں میرے بچے کو جنم دو اور پال پوس کرو۔ فی الحال تم یہ سلسلہ ختم کرا دو۔ میرا وعدہ ہے جب تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت سے الگ رکھوں گا تو پھر بہت جلد تمہیں ان خوشیوں سے ... نوازوں گا۔

''لیکن تاثیر..... میں اور آپ کون ہوتے ہیں ان نعمتوں کو نوازنے یا چھیننے والے۔ یہ تو قدرت کا عطیہ ہیں۔ قدرت کے کام ہیں۔ اگر وہ ہم پر مہربان ہے تو.....''

''قدرت بعد میں بھی مہربان ہو جائے گی۔'' ان کا لہجہ تیز ہو گیا۔ ''ابھی یہ سارے مراحل بہت پیچیدگی اور الجھنیں پیدا کر دیں گے۔''

اسے دکھی دل کے ساتھ ان کی یہ بات ماننا ہی پڑی۔

یہی نہیں دو ماہ بعد جب وہ دوبارہ پریگنینٹ ہوئی تو پھر انہوں نے یہی کیا۔

☆☆☆

ان کی شادی ہوئے آٹھ ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا خلافِ توقع چھ ماہ پہلے ہی تاثیر کی پروموشن ہو گئی۔ شزا خبر پر بے پناہ خوش تھی۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ تاثیر از خود اسے سامان باندھنے کا کہیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔

''تاثیر، وہ راحیل کہہ رہا تھا کہ اب آپ پروموشن ہو گئی ہے آپ مجھے الگ گھر میں رکھ سکتے ہیں لہٰذا آپ میرا انتظام کر دیں۔'' وہ انہیں چائے کا کپ تھماتے ہوئے کہنے لگی۔

''افوہ! بھئی یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' وہ بیزاری سے گویا ہوئے ''کم از کم یہ تسلی بھی ہے کہ تم اکیلی نہیں رہتی ہو شام کو تمہارا بھائی آ جاتا ہے۔ بھائی کے ساتھ رہنا زیادہ محفوظ ہے۔ میں نے گھر لے دیا تو بھی تمہارے ساتھ نہیں رہ سکوں گا۔ زرافشاں اسی شرط پر گھر واپس آئی ہے یوں بھی وہ میرے تیسرے بیٹے کی ماں بن گئی ہے۔ میں اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا۔''

''تو کیا ہمیشہ یہی حساب رہے گا؟'' وہ دہل کر گویا ہوئی۔

''نہیں، کچھ عرصہ گزر جانے دو۔ جب وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائے گی تب میں ہفتے میں دو راتیں تمہارے ساتھ گزار سکوں گا۔ اس وقت گھر لے دوں گا۔ فی الحال تم یہیں رہو۔''

زرافشاں بچوں کی ماں بن کر اتنی مضبوط ہے کہ وہ ان کے ہر فیصلے پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ وہ سوچنے لگی ساتھ ہی اس نے ٹھان لیا کہ اب ماں بنی تو کسی صورت ان کی بات نہیں مانے گی۔ پھر اس پر اللہ کا کرم ہوا انہیں پتا چلا تو وہ ضد پر اڑ گئی۔

''نہیں تاثیر، میں نے دو بار آپ کی مانی ہے ایک بار آپ بھی میری مان لیں۔ اگر آپ افورڈ نہیں کر سکتے تو نہ کیجئے۔ میں خود پال لوں گی، خود کما کے اپنی ضروریات پوری کر لوں گی آپ کو اس معاملے میں تنگ نہیں کروں گی۔''

وہ ہونٹ بھینچ کے خاموش ہو رہے مگر ان کی

خاموشی بڑی معنی خیز تھی۔ شزا خوش تھی کہ وہ اپنے اور تاثیر کے بیچ ایک پل تخلیق کرنے جا رہی ہے۔ سال تو ہونے لگا تھا اس تعلق کو۔ اس دوران بہت ساری خوش فہمیاں دور ہو چکی تھیں۔ یہ تعلق ان کے لیے وہ عارضی تسکین تھی جسے وہ ہر ماہ صرف پانچ ہزار خرچ کر کے جب چاہے حاصل کر لیتے تھے۔ اسے شدت سے احساس ہوتا جا رہا تھا کہ اسے ان کے حوالے سے معاشرے میں ایک پہچان چاہیے۔

یوں تو پھر شادی کے بعد بھی اس نے کچھ نہیں پایا تھا۔ وہی مشقتیں، وہی مزدوریاں، وہی اکیلا پن اور وہی سونی سونی راتیں۔

دو ماہ پہلے رانیہ کی بھی رخصتی ہو گئی تھی۔ اب امی راحیل کی دلہن لانے کا سوچ رہی تھیں۔ راحیل کو ایک اور کمپنی میں آٹھ ہزار ماہوار تنخواہ پر نوکری مل گئی تھی اور اب وہ اپنی بیوی کو افورڈ کر سکتا تھا۔ ارادہ یہی تھا کہ شزا اپنے گھر کی ہو جائے تو راحیل دلہن کو بیاہ کے یہاں لے آئے۔ کیونکہ ظاہر ہے دو سے تین لوگ اس کمرے میں بہر حال نہیں رہ سکتے تھے۔

☆☆☆

''کیا بات ہے کس قدر کمزور اور پیلی پھٹک نظر آ رہی ہو اور یہ تین دن کی میڈیکل لیو کیوں بھجوائی۔'' وہ اسکول آئی تو عاتکہ نے فری پیریڈ میں اس سے پوچھ گچھ کی۔

''میرا ابارشن ہو گیا ہے عاتکہ۔'' وہ آنسوؤں سے رو دی۔

''ابارشن ہو گیا ہے حسب معمول خود کروایا ہے اپنے خاوند کی فرمائش پر۔'' عاتکہ نے چبھتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''نہیں نہیں، اب کی بار تو وہ میری ضد اور خواہش پر خاموش ہو گئے تھے۔ اچھا خاصا تیسرا مہینہ شروع ہو چکا تھا کہ اچانک پرسوں اتفاقاً میری اور تاثیر کی ٹکر ہو گئی۔ ٹکرا کر میں غیر متوازن انداز میں لہراتے ہوئے دھپ سے فرش پر گری۔ ساتھ ہی بلیڈنگ شروع ہو گئی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اتفاقاً ٹکر ہوئی یا جان بوجھ کر ایسا کیا گیا؟'' عاتکہ کا لہجہ بدستور کاٹ دار تھا۔

''ارے نہیں بھئی، وہ ایسا کیوں کرنے لگے۔ بچے کی ضد پر مجھ سے ناراض ضرور تھے مگر ایسے سنگدل تو نہیں ہو سکتے کہ اپنے ہی بچے کو نقصان پہنچا دیں۔''

''ہونے کو سب کچھ ہو سکتا ہے مائی ڈیئر، ڈیڑھ سال سے اوپر ہو گیا ہے وہ نہ تمہیں الگ گھر لے کے دیتے ہیں نہ اپنے ذاتی گھر میں رکھتے ہیں اور نہ بچے کی ماں بننے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب نکلتا ہے۔ ظاہر ہے ایک معزز فیملی کی خوب صورت بیوی اور بھرپور تندرست تین بیٹے ان کے پاس ہیں تمہارے ساتھ صرف ٹھرک جھاڑنے کو رشتہ بنایا بلکہ وہ تو اس پسندیدگی کو یونہی چلنے دیتے تمہارے اصرار پر مجبوراً شادی کا ڈھونگ رچایا تھا۔ تم ٹھہریں بے وقوف، نادان، جذباتی۔'' عاتکہ کا لہجہ زہر آلود تھا۔

''ایسا نہ کہو۔'' حقائق کو دل تسلیم کر لے تو اچانک ہی سب کچھ واضح ہو جاتا ہے۔ شزا کا دل ڈوبنے لگا۔

''لیکن میں کیا کروں عاتکہ، میرے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ادھر امی نے راحیل کی منگنی کر دی ہے۔ سال چھ ماہ بعد شادی کا ارادہ ہے۔ راحیل میری وجہ سے اس معاملے کو ٹال رہا ہے وہ چاہتا ہے پہلے میں اپنے گھر کی ہو جاؤں پھر وہ اپنی ازدواجی زندگی شروع کرے گا۔''

''تم ایک بند گلی میں آ کھڑی ہوئی ہو۔ چاروں طرف کوئی سیدھا راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔ میں تمہیں کیا مشورہ دے سکتی ہوں۔ ایک ایک کر کے تم اپنی ساری کشتیاں جلا چکی ہو۔ اب تو لے دے کے یہی حل رہ گیا ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس کے بچے کی ماں بن جاؤ پھر وہ تمہیں آسانی سے جھٹک نہیں سکے گا اور لامحالہ اسے تمہیں کوئی مقام دینا ہی پڑے گا۔ ایسے تو صرف اس کی ذہنی و جذباتی تسکین اور ٹائم پاس کا ذریعہ ہو اس کے لیے۔''

''ان کا رویہ ان ڈیڑھ سالوں میں بہت بدل چکا ہے۔ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہونے لگا ہے جیسے مجھے پیسے سے خریدی گئی کوئی آسائش سمجھتے ہیں جس کی

جب چاہیں برتیں۔ مجھے ہمیشہ ان کو پلیز کرنا پڑتا ہے، وہ ذرا سی بات پر ناراض ہوں گے تو میں گویا ناک رگڑ رگڑ کر بھی انہیں مناؤں گی۔ ہمیشہ میں ہی آگے بڑھ کر انہیں خوش کروں گی خود وہ اکڑے بیٹھے رہتے ہیں۔ گھر آتے ہیں تو توقع رکھتے ہیں کہ میں خادماؤں کی طرح ان کے آگے پیچھے پھروں۔ ان کی تلخ باتوں کے جواب میں تیریں مسکراہٹ پیش کروں۔ جبکہ زرافشاں کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔

''وہ کسی چیز کے بارے میں کہہ دے تو لا کے دینا گویا فرض بن جاتا ہے میں کہوں تو کہتے ہیں خود لے لو۔ سارے جہان میں پھرتی ہو مارکیٹ بھی چلی جایا کرو۔ عید آئے تو زرافشاں کی پسند کے ڈریس، جوتے، جیولری ہر شے نہایت اہتمام سے خریدیں گے اور میں شاپنگ کے لیے ساتھ چلنے کو کہوں تو ہزار بارہ سو روپے پکڑا دیں گے کہ خود ہی لے لینا۔ سچ ہے بیوی وہی ہوتی ہے جو عزت و آبرو کے ساتھ گواہوں اور گھر والوں کی موجودگی میں رخصت ہو کے ساتھ جائے۔ میرے جیسی کہاں تو بس وقتی چسکے کے لیے بیویاں بنائی جاتی ہیں۔'' وہ یاسیت سے گویا ہوئی۔

☆☆☆

''یہ کیا ہے۔ کیا ہے یہ.....'' تاثیر نے بری طرح تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔ پریگنینسی رپورٹ اچانک ہی شزا کے بیگ سے ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ بڑے موڈ میں بیٹھے ہوئے تھے شزا کچن میں کباب تل رہی تھی۔ اس کا بیگ ٹیبل پر پڑا تھا۔ یونہی تاثیر نے کھول کر دیکھا تو اندر پولی کلینک سے کرائی گئی پریگنینسی رپورٹ ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ لکھی گئی تاریخ سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ رپورٹ ایک مہینہ پہلے کرائی گئی تھی۔

''ایک مہینہ پہلے تم نے ٹیسٹ کرایا اور مجھے خبر نہیں کی۔ بتاؤ..... کیا سوچ کر تم نے ایسا کیا۔ مجھ سے چالبازی کرتی ہو؟''

انہوں نے بے دردی سے اسے فرش پر دھکا دے دیا اور کہنے لگے ''پلیز تاثیر، پلیز..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ ایسا رویہ ایسا لہجہ آپ پر سوٹ نہیں کرتا۔'' اس کا آئیڈیل کرچی کرچی ہو کر بکھر رہا تھا۔

''یقیناً کسی اور سے منہ کالا کیا ہو گا جو یہ رپورٹ پازیٹو آئی ہے۔'' انہوں نے دوسری زوردار ٹھوکر لگائی۔

وہ چکرا کر گری اور پھر بری طرح تکلیف سے تڑپنے لگی۔

''ہائے امی.....!'' وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کے کراہتے ہوئے گر پڑی۔ وہ ضبط چھوڑ کر چیخیں مار مار کے رونے لگی۔ ایک چوٹ وجود پر لگی تھی دوسری دل پر۔

جس کے لیے وہ وفا کی ساری منزلیں طے کرتے ہوئے بھائی اور ماں کی عزت پر بٹا لگا آئی تھی وہی اسے شرمناک الزامات سے نواز رہا تھا۔

''کس کے ساتھ منہ کالا کر کے آئی ہے؟'' اس کے اعصاب جواب دیتے جا رہے تھے۔

تاثیر احمد نے ہاتھ روک کر بغور اس کی حالت کا جائزہ لیا پھر ایک اطمینان سا ان کی آنکھوں سے جھلکنے لگا۔

''کیا ہوا میری جان! شزا.....'' وہ اس کے قریب آ گئے مگر اس وقت تک شزا بے ہوش ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''ایک اور ابارشن ایک اور زندگی کا قتل، تمہارا خاوند انسان ہے یا بھیڑیا۔ کب تک بھینٹ چڑھاؤ گی خود کو اور آنے والے بچوں کو۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک دن تمہارے وجود کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دے اس سے پیچھا چھڑا لو۔''

بار بار میڈیکل لیو لے کر چھٹیاں کرنے پر اسے اسکول کی طرف ٹرمینیشن لیٹر مل گیا تھا۔ عاتکہ حق دوستی نبھاتے ہوئے اس کے گھر آئی تھی اس سے ملنے۔

''یوں رو رو کر اپنی جان ہلکان نہ کرو۔ اس کار محبت میں کچھ حاصل وصول نہیں ہوا کرتا۔ ماسوائے رسوائی اور پچھتاوؤں کے..... ابھی پوری زندگی پڑی ہے۔ اس سفر میں کوئی نہ کوئی دوسرا ہم سفر مل ہی جائے گا اور نہ بھی ملا تو یوں اذیتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ جینے سے تو اکیلے جینا بہت بہتر ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو، راحیل کا بھی یہی خیال ہے۔'' وہ سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی ''لیکن میرا دل کہتا ہے کہ یہ سزا جاری رہے تاکہ کچھ تو کفارہ ادا ہوجائے۔ ماں اور ماں جائے کا دل دکھانے کا۔ جذبات کی رو میں بہک کر اپنی عزتِ نفس اور خودداری کا خون کرنے کا۔''

''دو سال سے سزا ہی تو بھگت رہی ہو۔'' عاتکہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔ وہ سوکھ کے کانٹا ہوگئی تھی۔ رنگت کی گلابیاں سنولا گئی تھیں۔ آنکھیں بجھی بجھی اور اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

''تم آج یہیں روزہ افطار کرو ناں۔'' اس نے عاتکہ سے درخواست کی ''راحیل کے آج آفس میں افطاری ہے میں اکیلی ہی ہوں گی۔''

''میں ضرور رک جاتی لیکن آج لاہور سے کچھ مہمان آرہے ہیں۔ افطاری کے لیے امی کو میری مدد چاہیے ہوگی۔ مجھے اجازت دو اور خود سنجیدگی سے سوچو کہ یہ رشتہ ختم کرنا ہی تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔ اس میں سوائے خواری کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ وہ بندہ سیریس ہی نہیں ہے اسے نبھانے میں۔'' شزا کے آنسو گالوں پر لڑھک آئے۔

''کتنی دقتوں سے، کتنے ارمانوں سے یہ رشتہ جوڑا تھا۔ کتنے خواب آنکھوں میں پروئے تھے اور کس موڑ پر آن پہنچا ہے کہ اب چھٹکارے کے لیے پلاننگ کی جارہی ہے۔ مجھے یہ فکر بھی ہے کہ کہیں وہ محض ضد یا انا میں مجھ سے علیحدگی کو چیلنج سمجھ لیں۔ محض اپنے غرور و تکبر کی تسکین کی خاطر اڑ نہ جائیں۔''

''ان کی اڑی توڑنے کے لیے بہتیرے بندے بیٹھے ہیں۔ تم ملتان سے اپنی امی کو بلاؤ۔ وہ تمہارے چچا چچی اور زرافشاں سے بات کریں گی۔ وہ تو سو جان سے راضی ہوجائیں گے تمہیں طلاق دلوانے کے لیے اور ان کے دباؤ کے آگے تاثیر احمد بھلا کب تک ٹھہر سکیں گے۔'' عاتکہ نے پُرجوش ہوکر کہا تھا۔

☆☆☆

بالآخر انہوں نے طلاق کے کاغذات اسے بھجوا دیئے۔

لیکن یہاں تک پہنچتے پہنچتے اٹھائیسواں روزہ تھا۔ امی گزشتہ دس دن سے ملتان سے اسلام آباد ہوئی تھیں ''اب دو ہی تو دن رہ گئے ہیں عید میں یہیں کرکے جائیں۔ اس بار اسلام آباد کی عید کی رونق ملاحظہ کریں۔'' راحیل نے فرمائش کرکے انہیں روک تھا۔ وہ ایک مدت بعد خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر تھا۔

''شکر ہے تم نے ایک عقل مندانہ فیصلہ تو کیا۔ تاثیر احمد کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتی۔ میں خود کراؤں اپنی بہن کی شادی۔'' عید والے دن عید ملتے ہوئے دل سے بہن کو گلے لگایا تھا۔

''ابھی نہیں۔''

''ظاہر ہے ابھی تو ہو بھی نہیں سکتی چند ماہ تک عدت پوری کرنے کے بعد ہی کروگی۔''

''پہلے تمہاری شادی ہوگی، تمہاری منگنی کو سال ہو ہے۔ رابعہ کے گھر والے مسلسل زور دے رہے ہیں رابعہ بیاہ کر یہاں اس گھر میں آجائے گی اور میں عید بعد امی کے ساتھ ملتان جارہی ہوں۔ اب وہیں ماں ممتا کی چھاؤں میں رہوں گی۔ وہیں کسی اسکول جاب کرلوں گی۔ پیسے کم ملیں گے مگر سکون تو ہوگا۔ بہت رہ لیے یہاں..... اب اسلام آباد سے اپنا جی اچاٹ ہوگیا ہے۔''

''بہت اچھا فیصلہ کیا ہے بیٹی، تم تو بن بیاہے سالوں سے پرائی رہی ہو۔ پردیس پرایا ہی تو کردیتا ہے بندے کو۔ کچھ عرصہ ماں کے ساتھ بھی گزارو۔ آٹھ دس سال سے مشقت کی چکی میں پستی رہی ہو۔ اب بہت ہوگیا رہی رشتے کی بات تو خالہ کبریٰ زندہ باد! تمہارے نصیب کا کوئی نہ کوئی جوڑ ڈھونڈ ہی لائیں گی۔'' ماں شفقت سے اپنی آغوش میں سمولیا۔

ہائے ایسے پیار بھرے سکون آسا اور تحفظ سے لبریز رشتے چھوڑ کر ہم نادان لڑکیاں کیسے کیسے بظاہر سحر انگیز بباطن سیاہ دل والوں کے پیچھے لپکتی ہیں۔

☆☆☆

عید کے رنگ
چاندنیوں کے سنگ

قیصرہ حیات

کب جانیے کس شخص سے ہوجائے محبت
کچھ حادثے ایسے ہیں جو کہہ کر نہیں ہوتے

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک واقعہ پوری زندگی کو بدل کر رکھ دیتا ہے ہمارا اپنے اوپر کوئی اختیار ہی نہیں رہتا نہ ہی حالات پر قابو رہتا ہے۔

اماں آج بڑے خوشگوار موڈ میں برآمدے میں کھڑی سلمان سے باتیں کر رہی تھیں اور ہنس ہنس کر آج کی روئیداد سنا رہی تھیں کہ اچانک کاغذ میں لپٹا ہوا چھوٹا سا پتھر آنِ واحد میں ہوا کے دوش پر سوار، بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اماں کے پاؤں کے انگوٹھے پر آ کر لگا۔ گو کہ میزائل پھٹا نہیں جتنا شور مچا۔

اماں بلبلا اٹھیں۔

''ہائے..... میں مر گئی..... بیڑا غرق.....! کس کمبخت نے یہ پھینکا ہے..... اللہ اس کا ستیاناس کرے.....'' اماں وہیں بیٹھ کر چیخنے لگیں۔ ان کی توپوں کا رخ بڑے سے صحن کے اس پار سامنے برآمدے کی طرف تھا۔ انہیں ایک سو ایک فیصد یقین تھا کہ یہ کارروائی اپنوں کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے وہ دل کھول کر صدائے احتجاج بلند کر رہی تھیں۔

''اماں..... آخر ہوا کیا ہے۔ انگوٹھا دکھائیں تو سہی.....'' سلمان نے ان کے پاس بیٹھ کر ان کے زخمی انگوٹھے کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی۔

''انگوٹھے کو چھوڑ..... اور اس کم بخت مارے کاغذ کو پڑھ..... اس میں کیا لکھا ہے..... یہ ضرور تمہاری طرف پھینکا گیا ہے..... تمہیں پھانسنے کے لیے..... جب سے تو سعودیہ سے آیا ہے ان سے ہماری خوشیاں ہی برداشت نہیں ہو رہیں۔'' اماں مصنوعی رونا روتے ہوئے اور بین کرتے ہوئے بولیں۔ سلمان نے لرزتے ہاتھوں سے کاغذ کھولا اور پڑھتے ہی مسکرانے لگا۔

''ہاں..... پٹا لیا کم بخت نے..... اللہ بچائے اس لڑکی سے..... ایسی چلتر ہے کہ جہاں جائے گی ساس کو تو سگنی کا ناچ نچائے گی..... یا اللہ میاں..... اس کو اسی کی طرح کی ساس دینا.....'' اماں بددعاؤں پر آ گئیں۔

''اُفوہ اماں، سنیں تو سہی اس بے چاری نے کیا لکھا ہے؟''

''اے ہے..... بڑی آئی بے چاری..... اور یہ تمہارے دل میں اس کے لیے اتنی ہمدردی کہاں سے آ گئی؟'' اماں اسے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھیں، خود ہی مسلسل بولے جا رہی تھیں۔

''اماں، یہ خط میرے لیے نہیں بلکہ صائمہ کے لیے ہے.....''

''ہائے میں مر گئی..... صائمہ کو کس کم بخت نے خط لکھ دیا۔ یہ ضرور ہمسایوں کا لونڈا ہو گا..... نکھٹو، کمینہ مارا، اس کو بھی پتا چل گیا ہو گا کہ بھائی سعودیہ سے آیا ہے خوب کمائیاں کر کے..... بڑا جہیز ملے گا۔ اس لیے ہاتھ صاف کر لو۔ لڑکی کو پٹانے پر تلا ہے..... لیکن اس کی ماں رشیدہ واللہ بچائے! ایسی مکار عورت میں نے زندگی میں نہیں دیکھی.....''

''اماں..... اماں، خدا کے لیے بس کریں اور اب بالکل خاموش ہو کر میری بات سنیں۔ یہ خط شمی نے صائمہ کو لکھا ہے کہ آج اس کے سسرال والے اس کی عیادت لے کر آ رہے ہیں، تو کسی وقت اماں سے نظر بچا کر اس کی طرف آئے اور کھانا پکانے میں اس کی مدد کر دے.....'' سلمان ہنسنے لگا۔

''ارے ہم کیوں جائیں..... لو، ہم کوئی فارغ بیٹھے ہیں، سسرالی تمہارے اور کام ہم کریں۔ جاؤ جہنم میں اور میری صائمہ کیوں تمہارے کنگلے سسرال کی خدمت کرے۔ بھاڑ میں جائیں تم اور وہ، بڑی آئی سسرال والی۔ سلمان..... بس اب کی بار تم بھی صائمہ کی منگنی کیوں نہیں کر کے جانا، اس لڑکی کی جب سے منگنی کیا ہوئی ہے زمین کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹکتے۔ آجاتی ہے بری صائمہ کا نازک دل جلانے..... ناس ہو اس کا..... دیکھ ان کو نہ جانے کہاں سے رشتہ مل گیا ہے۔ لڑکا بی اے پاس ہے اور اس کی اپنی ٹکیوں ٹافیوں کی دکان ہے۔'' اماں نخوت سے بولیں۔

''ارے..... ارے اماں۔ خدا کا خوف کریں۔ ان کی ایجنسی کو آپ دکان کہہ رہی ہیں.....'' صائمہ اچانک کمرے سے اماں کی آواز سن کر باہر آئی اور بولی۔

''صائمہ یہ تمہارا خط ہے، شمی نے بھیجا ہے۔'' سلمان نے مسکراتے ہوئے خط اس کے حوالے کیا تو وہ بھی متبسم کر پڑھنے لگی۔

''خبردار جو تم گئیں، میرا انگوٹھا اس کمبخت نے زخمی کیا ہے، مجھ سے چلا نہیں جا رہا..... اور تم ہو کہ مسکرا مسکرا کر خط پڑھ رہی ہو۔'' اماں نے خط اس کے ہاتھ سے چھین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

''اماں آپ کیوں خفا ہوتی ہیں، وہ کوئی غیر تو نہیں ہمارے اپنے ہی ہیں نا.....'' سلمان نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''نہ بیٹا..... ایسے اپنوں سے غیر ہی اچھے..... اپنے تو آج کل دونوالے کھاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ اتنا حسد، اتنا دکھ، اللہ کی پناہ۔''

''اماں وہ بے چارے ہمیں کیا کہتے ہیں۔ میں جب سے آیا ہوں ان کی طرف سے تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جبکہ آپ اس پورے ایک ہفتے میں چار دفعہ خود ان سے لڑ چکی ہیں۔'' سلمان نے قدرے خفگی سے کہا۔

''ہاں ہاں بیٹا چار دن رہ لو، اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ ویسے یہ ہے بڑی گھنی۔ ایسا لوگوں کو شیشے میں اتارتی ہے کہ لوگ اندھے بہرے ہو جاتے ہیں۔'' اماں دیورانی کو کوسنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں۔

''اوفو، اماں! چھوڑیں بھی، آپ تو بس ہر وقت چچی کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔ بے چاری اتنی اچھی تو ہیں۔ وہ تو آپ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتیں لیکن.....'' اب کی بار صائمہ بھی جھنجلا کر بولی۔

''ابھی بھی کچھ نہیں کہتی۔ ارے یہ دیکھو، تم لوگ اسی کی زبانیں بول رہے ہو۔ بیٹا میں سب سمجھتی ہوں..... اس کٹنی کو، لوگوں کے گھروں میں تیلیاں لگا دیتی ہے پھر آگ لگتی ہے تو دور بیٹھ کر خوش ہوتی ہے اور سن لے تو بالکل نہیں جائے گی، بڑی آئی شمی لاٹ صاحب۔ ہم تو جیسے اس کے حکم کے غلام بیٹھے ہیں نا.....، اس کی بھابی کے ہاتھوں میں کیڑے پڑ گئے ہیں جو دوسروں کو کام کرنے کے لیے بلواتی پھرتی ہے.....'' اماں اونچی اونچی آواز میں بول رہی تھیں تاکہ شمی بھی سن لے اور اس کی ماں اور نبیلہ بھابی بھی۔

''صائمہ تم چلی جانا، اس کو یقیناً کوئی مسئلہ ہو گا اسی لیے تو بلایا ہے۔'' سلمان نے صائمہ کو کہا۔

''بالکل نہیں، جا کر تو دکھائے۔''

''تم ضرور جانا، اماں کوئی بات نہیں، آپ کو جو بھی کام ہو گا میں کر دوں گا، گھر پر ہی تو رہتا ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ کھانا بھی پکا لیتا ہوں۔ پردیس میں جا کر سارے نخرے اور کس بل نکل جاتے ہیں جب سارے کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنے پڑتے ہیں۔'' سلمان نے اماں کا موڈ بدلنے کو کہا۔

''ٹھیک ہے بھائی جان۔'' صائمہ کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی کیونکہ اب وہ دھڑلے سے شمیم عرف شمی کے پاس جا سکتی تھی۔ وہ دوپہر کو ہی چلی گئی۔ شمی کے سسرال کی انظار بھی تھی اور وہ لوگ شادی کی تاریخ بھی رکھنے آ رہے تھے۔ عید کے بعد شادی کا پروگرام تھا اور کئی ماہ سے شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

شمی اور سلمان کی بات بچپن میں ہی دادی مرنے سے پہلے پکی کر گئی تھیں مگر دونوں گھرانوں میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اختلافات بڑھ کر اس قدر سنگین صورت اختیار کر گئے تھے کہ شادی تو دور کی بات، ایک دوسرے کو برداشت کرنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ فاطمہ کے دو ہی بچے تھے سلمان اور صائمہ۔ سسر کی وفات کے بعد فاطمہ نے ایک جھگڑا کھڑا کر دیا۔

اب گھر کا بٹوارا ہونا چاہیے لیکن سسر نے گھر کا نقشہ ہی ایسا بنایا تھا کہ درمیان میں دیوار بنانے سے گھر کی ویلیو ہی ختم ہو جاتی تھی۔ اس لیے درمیان میں کچا صحن چھوڑ کر دس مرلے کے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ سلمان سعودیہ چلا گیا اور اس نے وہاں جا کر خوب پیسے بھیجے۔ فاطمہ نے اپنی طرف کا صحن بھی پکا کرا لیا۔ برآمدے میں چپس ڈلوائی۔ تینوں کمروں میں بھی چپس ڈلوائیں اور کچن میں الماریاں وغیرہ بنوائیں۔ وہ تو اپنے اس حصے کو ہمیشہ کوٹھی کہتی تھیں۔ ان کے شوہر یعنی اکمل کی پرچون کی دکان تھی جسے سلمان نے جانے کے فوراً بعد ہی بند کروا دیا اور تب سے اکمل بھی کہیں مارے مارے پھرتے تو کبھی کہیں اور اب بستر پر پڑے ہر وقت کھانستے رہتے۔

فاطمہ بہت چرب زبان اور تیز طرار عورت تھیں۔ کوئی بات کر کے جا کہاں سکتا تھا جب تک تائی اسے چار سنا نہ لیتی تھیں اور ہر ایک کو پورا پورا جواب دینا بلکہ ہمیشہ تھوڑی سی زیادتی کے ساتھ، مخاطب کا منہ بند کرنا انہیں خوب آتا تھا۔

ساری دنیا میں ان کی بدترین دشمن زبیدہ تھیں۔ شادی کے بعد ہی دونوں میں خوب ٹھن گئی۔ کبھی وہ ان کے اٹھنے بیٹھنے پر اعتراض کرتیں تو کبھی ہنسنے بات کرنے پر۔ گو کہ ساس کے ساتھ مل کر ان کی زندگی خوب اجیرن کی، زبیدہ کے شوہر شوکت، تین بچوں۔ شمیم، امجد اور احمد کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ امجد سب سے بڑا تھا اور بحرین میں ملازمت کرتا تھا۔ احمد شادی کے بعد علیحدہ گھر میں دوسرے محلے میں رہتا تھا جبکہ شمیم کی ایک سال پہلے منگنی ہوئی تھی۔

شمیم ایف اے کے بعد گھر کا سارا کام خود کرتی تھی۔ اس کی بھابی نبیلہ کے ساتھ ساتھ صائمہ کے ساتھ بھی بہت پکی دوستی تھی۔ صائمہ اماں سے آنکھ بچا کر ان کی طرف چلی جاتی یا وہ ادھر آجاتی لیکن تائی اماں کی موجودگی میں تو دونوں گھرانوں کی فضا بہت مکدر رہتی۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا جب تائی اونچی آواز میں انہیں دو چار سنا کر اپنے دل کی بھڑاس نہ نکال لیتیں۔ اب تو سب ہی ان کی عادت سمجھ کر کوئی خاص نوٹس نہیں لیتے تھے۔

سلمان کے باہر جانے سے فاطمہ کے گھر کے حالات بہتر سے بہتر ہوتے گئے جبکہ شوکت کی وفات کے بعد زبیدہ نے محنت مزدوری کر کے بچوں کو پالا۔ وہ لوگوں کے کپڑے سیتی، گوٹے لگاتی، کڑھائیاں کرتی۔ جب تک سسر زندہ تھے وہ بہت مدد کرتے۔ ان کی اس مدد پر بھی فاطمہ کو اعتراض ہوتا۔ اکمل کی خوب شامت آتی۔ انہیں ہر وقت باتیں سننا پڑتیں۔

''کیا یہ ان کے پوتے پوتیاں نہیں جو لفافے لے لے کر اُدھر جاتے ہیں۔'' اکمل کچھ کہنے کو لب ہی کھولتے کہ فاطمہ پھر ان کے پیچھے پڑ جاتیں۔ نہ جانے انہیں یہ وہم کیوں ہو گیا تھا کہ دنیا کا ہر دوسرا بندہ ان سے حسد کرتا ہے، ان سے جلتا ہے۔

شکل وصورت میں زبیدہ ان سے بہتر تھی اور جب بھی وہ کوئی اچھا کپڑا پہن کر نکلتی فاطمہ کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ بہانے بہانے سے لڑنے کی کوشش کرتیں اور جب تک خوب اگلے پچھلے طعنے نہ مار لیتیں جلتے کلیجے پر پھورا نہ پڑتی۔ شمی بھی ماں کی طرح لمبی اور خوبصورت تھی بہ نسبت صائمہ کے۔ صائمہ کا قد چھوٹا اور نقوش موٹے موٹے تھے۔ اس بات کا بھی فاطمہ کو بہت قلق تھا۔ بس اسی وجہ سے شمی انہیں زہر لگتی تھی۔ جبکہ صائمہ اور شمی میں آپس میں بہت پیار تھا۔ شمی کے لیے رشتہ آیا تو زبیدہ منتظر تھی کہ فاطمہ پیغام بھیجے گی۔ آخر وہ سلمان کی بچپن کی منگ تھی۔ انہیں کچھ نہ کچھ تو کہنا چاہیے تھا مگر انہوں نے تو کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ الٹا کہنے لگیں۔

''شکر ہے اس عذاب سے تو جان چھوٹے گی ہر وقت سینے پر مونگ دلتی رہتی ہے۔''

سلمان نے دبے دبے لفظوں میں صدائے احتجاج بلند کیا تو اماں نے ایسی سنائیں کہ کافی عرصے تک شادی کا ذکر کرنا ہی بھول گیا۔ امجد کی دو بیٹیاں تھیں۔ چھ سالہ ندا اور چار سالہ ارسہ..... فاطمہ ہر وقت ان پر کڑی نگاہ رکھتی۔ گھر کی انٹرینس فاطمہ کے حصے میں آئی تھی اور ظاہر ہے اس پر انہوں نے بہت پیسہ خرچ کر کے ماربل لگوایا تھا۔ بچیاں سارا دن اندر باہر آتی جاتی رہتیں۔ کچے صحن سے گزر کر جب وہ باہر جانے لگتیں تو وہ دور سے چیخنا چلانا شروع کر دیتیں کہ مٹی سے بھرے پاؤں سے سارے ماربل کا بیڑا غرق کر دیا ہے..... اگر ان کی... کیاریوں سے کوئی پتا بھی نیچے گرا نظر آتا تو ان دونوں کی سختی آجاتی۔ وہاں تو چھینک مارنا بھی عذاب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی طرف سے صفائی کر کے سارا کچرا ان کی طرف پھینک دیتیں..... اور جب ہوا سے دوبارہ اڑ اڑ کر ان کی طرف آتا تو پھر ان کی شامت آتی۔ غرضیکہ ہر ہر بات پر اعتراض اور احتجاج اس قدر سنگین ہوتا کہ اکثر شمی اور نبیلہ زبیدہ سے گھر بدلنے کو کہتیں لیکن امجد کو بحرین گئے پانچ سال ہونے کو آرہے تھے اور ابھی تک وہ سیٹ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ایک مہینے خرچ بھیجتا تو دو مہینے پھر انتظار میں گزر جاتے۔ جو قرضہ دو تین مہینے میں چڑھتا وہ پھر پیسے

آنے پر چکا دیا جاتا اور پھر سلسلہ شروع ہو جاتا۔ انہیں تو خوشحالی دیکھنا کبھی نصیب ہی نہیں ہو رہی تھی۔ احمد کی نوکری اچھی تھی تو اس کی بیوی تنک مزاج تھی اور سچوئشن کو دیکھ کر ہی اس نے ابتدا میں ہی علیحدہ ہونے پر اصرار کیا۔

☆☆☆

دوپہر سے ہی کھانوں کی خوشبوئیں آرہی تھیں اور اماں ناک بھوں چڑھا رہی تھیں اور اندر ہی اندر کڑھ رہی تھیں۔ انہیں شمی کی شادی کا اندر ہی اندر بڑا دکھ تھا کہ کھگے ہونے کے باوجود شمی کی شادی صائمہ سے پہلے ہو رہی ہے جبکہ صائمہ کو انہوں نے ڈھیروں جہیز دینا تھا اس کے باوجود اس کا رشتہ نہیں ہو رہا تھا۔

اماں اور سلمان افطاری کے بعد ٹی وی دیکھنے لگے۔ اگر سلمان نہ ہوتا تو وہ برآمدے میں لوہے کی کرسی پر بیٹھ کر انہیں خوب گھورتیں۔ لیکن انہیں معلوم تھا کہ سلمان ایسی باتوں سے خفا ہو جاتا ہے اس لیے وہ اس کے سامنے ایسی حرکتوں سے باز رہتیں ورنہ اس وقت دل میں جو کھد بد ہو رہی تھی اس کا حال وہی جانتی تھیں اسی لیے بہانے بہانے برآمدے میں آجا رہی تھیں۔

صائمہ بھی نہیں آرہی تھی کہ کوئی خبر ہی ملتی۔ آج بائیسواں روزہ تھا اور شبینے کی رات تھی۔ اس لیے سلمان مسجد میں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ ورنہ وہ تراویح کے لیے روز جلدی چلا جاتا تھا۔ آج قدرے لیٹ جانے کا پروگرام تھا۔ وہ بھی منتظر تھا کہ صائمہ آگئی۔

اس کا چہرہ اترا اترا سا لگ رہا تھا اور وہ کچھ پریشان بھی تھی۔ سلمان نے اس کی طرف بغور دیکھا اور پریشانی کی وجہ پوچھی تو صائمہ نے اسے آہستہ آہستہ ساری بات بتا دی۔ وہ بھی سن کر پریشان ہو گیا اور کہیں کھو سا گیا۔ دونوں افسردہ بیٹھے تھے۔ اماں کو پھر کھد بد لگی تھی۔

''اچھا تو چلے گئے اس کے سسرالی۔'' اماں نے بہانے سے بات شروع کرنا چاہی۔

''ہاں.....'' صائمہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

''کیا آئی عیدی شمی کی.....؟''

''کپڑے، چوڑیاں، مہندی، میک اپ اور پیسے بھی ایسے ہیں۔''

''تو شادی کی تاریخ کیا رکھی ہے؟''

''معلوم نہیں۔''

''لو تمہیں نہیں معلوم تو اور کس کو معلوم ہے۔ سارے صلاح مشورے تو تم سے ہی ہوتے ہیں جیسے تم ہی سارے جہان میں عقلمند ٹھہری ہو۔''

''اماں کیا ہو گیا ہے..... بس کہا نا مجھے معلوم نہیں۔'' وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لو..... اس ہری مرچ کے مزاج تو دیکھو، ان کی تو کوئی بات سن ہی نہیں سکتی۔ ذرا بات کی، اس کو فوراً مرچیں لگیں۔ اسے تو میرے گھر پیدا ہی نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' اماں بڑبڑاتی رہیں اور سلمان خاموشی سے سنتا رہا۔

''ارے سلو! تجھے کیا ہوا ہے، کیا شبینہ پڑھنے نہیں جانا؟''

''جاتا ہوں اماں.....'' اور پھر خاموش ہو گیا۔

''سن رے سلو، اب کی بار باہر جا کر مجھے زیادہ زیادہ پیسے بھیجنا، میں یہ گھر جلدی سے جلدی بدلنا چاہتی ہوں، یہاں تو میرے بچے ہی میرے نہیں رہے.....''

اماں نہ جانے کیا کچھ کہتی رہیں اور وہ غصے سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اسے شدید ڈپریشن ہو رہا تھا۔

☆☆☆

صائمہ کھانا بنانے میں مصروف تھی اور اماں باہر کسی کام کے سلسلے میں گئی تھیں۔ سلمان موقع دیکھ کر چچی زبیدہ کی طرف چلا گیا۔ وہ صحن میں چارپائی پر بیٹھی سبزی بنانے میں مصروف تھیں۔ سلمان کو دیکھ کر خوش ہو گئیں اور اسے پیار سے اپنے پاس بٹھایا۔

اسے سعودیہ سے آئے ہفتے سے زیادہ گزر گیا تھا اور بس ایک دفعہ سلام کرنے آیا تھا۔ اس کے بعد اب آیا تھا۔ اس کا دل تو بہت چاہتا تھا مگر اماں بات بات پر بگڑ جاتی تھیں۔ اور شامت ان لوگوں کی آتی تھی اس لیے وہ ادھر جانا ہی نامناسب سمجھتا۔ اب بات ہی ایسی تھی کہ اسے جانا پڑا۔

''چچی جان، صائمہ نے مجھے ساری بات بتائی ہے اور مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔'' سلمان ان کے پاس بیٹھ

کرتا سف سے بولا۔
''بس بیٹا کیا کریں، لوگوں کو نہ جانے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اتنی ہوس، اتنا لالچ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایسی بات کرتے ہوئے انہیں شرم بھی نہیں آتی۔ میں نے تو انہیں اچھا ہی سمجھ کر بیٹی کا رشتہ دیا اور دیکھو انہوں نے کیا کیا۔ ہم نے تو شادی کی تیاری بھی کر رکھی ہے۔ امجد نے کہا تھا کہ تاریخ پکی کر کے اسے بتا دیں تو وہ پھر آئے گا۔ تمہیں تو پتا ہی ہے اس کی نوکری ابھی وہاں پکی نہیں۔ چلو جو اللہ کو منظور۔ شاید اسی میں کوئی بہتری ہو۔'' چچی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں۔
''لیکن انہوں نے کیوں ایسا کیا ہے۔ صائمہ بتا رہی تھی کہ اچھے کھاتے پیتے لوگ ہیں۔''
''آج کل کھاتے پیتے لوگوں کی نظریں زیادہ بھوکی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کی ہوس ہے۔ لڑکے کی ماں نے اتنے آرام و سکون سے بات کی کہ ان کے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے سوائے گاڑی کے تو آپ لوگ ثمی کو سوزوکی خیر ہی دے دیں، وہ تو زیادہ مہنگی نہیں..... اور اس نے ایسے مسکرا کر بات کی جیسے وہ کوئی پانی کا گلاس مانگ رہی ہو۔ یقین مانو اس کی اس بات نے میرے قدموں تلے زمین نکال دی اور اسے رتی بھر ملال نہ ہوا۔
میں نے بہت کہا، بہت منتیں کیں کہ ہم یہ نہیں کر سکتے تو کہنے لگی ٹھیک ہے پھر ہماری طرف سے رشتہ ختم سمجھئے اور بنا کچھ کہے سنے وہ لوگ چلے گئے اور ہم تو دیکھتے ہی رہ گئے۔
''مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر لوگوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے 'زبان' کی اہمیت ہوتی تھی۔ جان چلی جائے مگر زبان سے جو کہہ دیا بس کہہ دیا اور زبان سے نکلی ہوئی بات کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے دی جاتی۔ آج خود ہی لوگ زبان بدلتے ہیں اور کہتے ہیں زبان کی کیا اہمیت، اہمیت تو بس پیسے کی ہے، مال و دولت کی ہے.....''
چچی پریشانی سے بتا رہی تھیں۔
ثمی سبزی کی ٹوکری لینے آئی تو سلمان نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں سرخ اور متورم لگ رہی تھیں شاید وہ روئی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی نے اس کے حسن کو ماند کر رکھا تھا۔
''کیسی ہو ثمی.....؟'' سلمان نے ازراہِ ہمدردی پوچھا۔
''ٹھیک ہوں۔'' اس نے گہری نظر سے اس کی طرف دیکھا اور سبزی اٹھا کر اندر چلی گئی۔ نہ جانے اس کی نظروں میں کیا تھا کہ سلمان پریشان ہو گیا۔ شاید کئی شکوے تھے یا دکھ تھے مگر کچھ ایسا تھا کہ سلمان مضطرب ہو گیا تھا۔ اسی لمحے اماں گیٹ کھول کر اندر داخل ہوئیں اور دور سے ہی سلمان کو قہر آلودہ نگاہوں سے دیکھا۔ سلمان اماں کو دیکھنے کے باوجود خاموشی سے بیٹھا رہا..... اور وہ جتنی دیر ادھر بیٹھا رہا اماں اندر ہی اندر کڑھتی رہیں، بڑبڑاتی رہیں..... وہ پھر بھی نہ آیا۔
''ارے سلو، اگر قصے کہانیاں ختم ہو گئی ہوں تو آ جاؤ۔ روزہ کھلنے والا ہے۔''
اماں نے صحن میں کھڑے ہو کر غصے سے سلمان کو بلایا اور اس نے فوراً جانے میں ہی عافیت سمجھی کیونکہ اماں بہت غصے میں لگ رہی تھیں اور اگر وہ مزید وہاں رکتا تو اماں چچی کی بھی درگت بنانے میں کسر نہ چھوڑتیں۔
''اتار رہی ہو گی تجھے شیشے میں.....'' اماں اسے دیکھ کر غصے سے بولیں۔
''کیوں، انہیں اس کی کیا ضرورت ہے.....؟''
''شادی جو کرنی ہے بیٹی کی۔ یہی اس کی عادت ہے، ہر ایک کے آگے ایسے دکھڑے روتی ہے کہ جب تک اگلا جیبیں نہ خالی کر لے اسے سکون نہیں آتا۔ ہاں تو کتنے مانگے ہیں تجھ سے اس گھنی نے۔ ساری زندگی پہلے تمہارے دادا کو فرصت نہیں ملی کہ کسی اور کی طرف دیکھتے۔ کہیں آٹے کے توڑے جا رہے ہیں..... کہیں گھی کے ڈبے جا رہے ہیں، کہیں پھل فروٹ..... اور اب تو مل گیا ہے۔'' اماں اپنی ہی لے میں بولے جا رہی تھیں اور اسے غصہ آ رہا تھا۔
''اماں، کیوں ایسی جھوٹی باتیں کر کے اپنا روزہ خراب کر رہی ہیں۔ جب کہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔''
''ہاں تو، تو ہی حقیقت بتا دے۔''

''حقیقت بتا دوں تو ڈر ہے آپ کوئی اور قیامت کھڑی نہ کر دیں۔''

''واہ رے بیٹا، اچھی کہی۔ تمہاری اماں تو سارے زمانے کی فسادن ہے، جھگڑالو ہے، شاباش بھئی.....'' اماں نے اپنی ناک پر انگلی رکھ کر کہا جہاں دال کے دانے برابر لونگ مخصوص آب و تاب سے چمک رہی تھی۔

''اماں آپ ہر بات کا الٹا مطلب ہی کیوں لیتی ہیں.....؟''

''کیونکہ میری کھوپڑی ہی الٹی ہے۔ بچو تم لوگوں کی ساری چالیں سمجھتی ہوں، کر آئے ہو نا وعدے، اقرار اور اب نہ بتانے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہو بولو، پچاس ہزار دیے ہیں کہ لاکھ..... آخر کو تمہارے اپنوں کی شادی ہے۔'' اماں نے طنزاً کہا۔

''افوہ، کیسی شادی..... آپ نے کیا رٹ لگا رکھی ہے، ٹوٹ گیا ہے اس کا رشتہ۔ وہ لوگ تو بے چارے اس قدر پریشان ہیں اور میں از راہِ ہمدردی چچی کے پاس گیا تھا۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

اماں کو ایک جھٹکا سا لگا۔ خاموش ہو گئیں۔ اندر ہی اندر کسی شے نے بہت سکون دیا پھر اپنے آپ کو نارمل کرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

''اچھا یہ تو بُرا ہوا، یتیم لڑکی تھی۔ شادی ہو جاتی تو بہتر تھا مگر کس وجہ سے رشتہ ٹوٹا ہے.....؟''

''انہوں نے جہیز میں گاڑی مانگی ہے۔''

''اچھا، یہی بات ہے کہ کچھ اور.....؟'' اماں مشکوک لہجے میں بولیں۔

''خدا کا خوف کریں، کیوں مجھے اور خود کو گنہگار کر رہی ہیں۔'' سلمان غصے سے اٹھ کر ابا کے پاس چلا گیا۔ وہ سو رہے تھے تو اس نے ٹی وی آن کر لیا۔

☆☆☆

''بھائی جان کیا آپ نے اماں کو ساری بات بتا دی.....؟'' صائمہ نے اگلے دن اس سے پوچھا۔

''ہاں، کیوں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''اماں اب ان کو کیسے بے عزت کریں گی شاید آپ کو نہیں معلوم..... اور اس میں شمی کا کیا قصور۔ جب اس کی منگنی ہوئی تو مجھے اٹھتے بیٹھتے باتیں سناتیں کہ تو ایسی ہے ویسی ہے اسی لیے تیری منگنی نہیں ہوئی۔ شمی کی ماں نے یہ نہ کیا کہ تیرے لیے بھی کسی کو کہتی۔ معلوم نہیں اماں کیوں ایسے کرتی ہیں..... اور اب نہ جانے شمی کو کیا کچھ سننے کو ملے گا۔''

''تو اب کیا کریں؟'' وہ بھی پریشان ہو کر بولا۔

''کچھ نہیں۔ اماں خود بھی خواہ مخواہ پریشان رہتی ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان رکھتی ہیں اس وجہ سے تو ہر وقت بی پی ہائی رہتا ہے، شوگر انہیں ہے۔ اور سب کچھ کیسے نارمل ہو جب ہر وقت اندر ڈپریشن اور غصہ ہو گا میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں.....'' وہ برآمدے میں جھاڑو لگاتے ہوئے بولی۔

''اب اماں کہاں ہیں.....؟''

''اندر سو رہی ہیں۔''

اسی لمحے خالہ سلیمہ گھر میں داخل ہوئی۔ وہ ہر آٹھ دس دن بعد کوئی نہ کوئی رشتہ لے کر آتی تھی اور جب سے سلمان آیا تھا اماں تو گویا اس کے پیچھے ہی پڑی تھیں کہ جلد از جلد کسی خوبصورت، امیر کبیر، تعلیم یافتہ لڑکی سے جیسے تیسے رشتہ کروا دے۔ کبھی وہ صائمہ کے لیے رشتہ لے کر آتی تو کبھی سلمان کے لیے اور جب سے سلمان آیا تھا صائمہ کا معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا تھا اور سلمان کی فکر لاحق تھی۔ صائمہ نے خالہ سلیمہ کو دیکھ کر منہ بنایا۔

''کہاں ہے تیری ماں.....'' خالہ سلیمہ اپنے مخصوص اسٹائل اردو پنجابی میں بولی۔

''وہ..... سو رہی ہیں۔''

''جا اسے اٹھا، میرے پاس زیادہ ٹیم نہیں، مجھے اور بھی بڑے کام ہیں۔'' وہ برآمدے میں لوہے کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

سلمان سلام کرنے کے بعد اندر کمرے میں چلا گیا۔ اماں تھوڑی دیر بعد آنکھیں ملتی ہوئی خالہ کے پاس آئیں۔

''ارے فاطمہ یہ بھی کوئی سونے کا ٹیم ہے، بارہ بج رہے ہیں اور تو اس وقت سو رہی ہے'' خالہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں خالہ، بس بی پی ہائی ہو گیا تھا۔ ہاں تم سناؤ کیسے آئی ہو؟''

''ہاں ایک رشتہ ہے، لڑکی بی اے پاس ہے، امیر لوگ ہیں۔ بس لڑکی کا رنگ ذرا پکا ہے اور رنگوں کا کیا ہے، بڑی کریمیں آ گئی ہیں بازار میں ویسے بھی لڑکا باہر رہتا ہے..... بڑی رنگ برنگی کریمیں بھیجے گا۔ خود ہی رنگ صاف ہو جائے گا۔'' خالہ قدرے وضاحت سے بولی۔

''نہ خالہ، مجھے تو گوری چٹی چاہیے، باہر والی میموں کی طرح، اندھیرے میں بیٹھی ہو تو چراغ کی ضرورت نہ ہو۔ ایسی خوبصورت کہ لوگ کہہ اٹھیں، دانتی فاطمہ بہو لائی ہے لاکھوں میں ایک۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''آئے ہائے، بلے بھئی بلے، تیرے نخروں کی۔ اپنا سلو بھی تو دیکھ ایسا پکا رنگ ہے کہ دور سے ہی لشکیں مارتا ہے۔ دو چار سال اور سو دیہ میں رہا تو کالے کوے اور اس میں کوئی فرق نہ رہے گا.....'' خالہ سلیمہ بھی انتہا کی منہ پھٹ اور بدلحاظ تھی۔ بخیے ادھیڑنے پر آتی تو اماں بھی تلملا اٹھتیں۔

''ارے لڑکوں کے رنگوں کا کیا ہے، انہیں تو بس کماؤ ہونا چاہیے اور میرا سلو مٹھیاں بھر بھر کماتا ہے۔'' اماں نخوت سے بولیں۔

''واہ بھئی فاطمہ اپنی دفعہ بڑی باتیں اور دوسروں کی بیٹیوں میں تو بھر بھر عیب نکالتی ہو، کسی کا قد چھوٹا ہے، کسی کا رنگ پکا ہے..... کسی کا منہ سفید ہے تو ہاتھ پاؤں کالے ہیں..... کسی کا ماتھا بڑا ہے تو کسی کی ناک موٹی ہے..... بھئی میں تو تنگ آ گئی ہوں تمہیں لڑکیاں دکھا دکھا کر..... اور تیرا سلو ہے کیا۔ بس کمائی کماتی ہے۔ تعلیم ایف اے، رنگ پکا کالا، قد درمیانہ، جسم موٹا اور سر پر بال بھی نہ ہونے کے برابر..... اور لڑکی چاہیے دراز قد، گوری چٹی، ایم اے پاس، امیر کبیر۔ واہ رے واہ کیا کہنا۔ اپنے پھل کو بھی دیکھنا چاہیے پھر دوسروں میں کیڑے نکالنے چاہئیں.....'' خالہ غصے سے بولی۔

''اے ہائے ہر کوئی اچھی خواہش کرتا ہے اور اگر میں بھی کرتی ہوں تو کون سا برا کرتی ہوں۔ کیا لوگوں کے ایسے رشتے نہیں ہوتے؟''

تو فاطمہ اپنی صائمہ کی طرف بھی تو دیکھ، تیری ہی بیٹی ہے نا؟''

''خالہ..... بس میری دھی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں۔'' اماں غصے سے بولی۔

''ہاں دوسروں کی تو بیٹیاں ہوتی نہیں نا، ان کے تو ماں باپ نہیں ہوتے نا، لاوارث جو ہوئیں..... اور جو تو لوگوں کے گھر جا کر منہ بناتی ہے، ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہے، کتنا گناہ کماتی ہے۔''

''تو پھر مجھے کیوں لے جاتی ہے۔ تجھے بھی پیسوں کا لالچ ہوتا ہے نا..... اور میں نے تجھے تھوڑا تو نہیں کھلایا۔''

''لو کر لو بات، ارے ہمارا تو پیشہ ہی یہی ہے۔ نہ کر تو اپنے پیسے ضائع اور خود ہی رشتہ ڈھونڈ۔ تجھے تو ویسے بھی کوئی رشتہ نہ دے گا..... زبان تو تیری قینچی کی طرح تیز ہے..... تو کسی کو کیا بہو بنا کر لائے گی۔ وہ بڑے بدنصیب ہوں گے جو تیرے گھر رشتہ کریں گے۔''

خالہ سلیمہ تو آج شیشہ دکھانے کے موڈ میں تھی۔ خوب ہاتھ ہلا ہلا کر اماں کو سناتی رہی اور اماں کا بی پی اور ہائی ہو گیا۔

''خالہ جا چپ کر کے چلی جا۔ میرا دماغ آج پہلے ہی پھٹ رہا ہے تجھ سے تو میں بعد میں کسی دن بات کروں گی۔''

''اب میں تمہاری طرف نہیں آنے کی۔ آج تمہاری وجہ سے ایک لڑکی والوں نے مجھے بہت بے عزت کیا ہے کہ کیسی جاہل عورت کو ان کے گھر لے آئی۔''

''جاہل..... کن مردودوں نے کہا..... ان کے تو میں ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گی۔'' اماں کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''بس..... تیرا میرا راستہ اب علیحدہ علیحدہ ہے، مجھے فون کرنے اور بلانے کی ضرورت نہیں۔'' خالہ غصے سے اپنا تھیلا اٹھا کر چلتی بنی۔

سلمان اندر بیٹھا ساری گفتگو سن رہا تھا اور اسے سخت دکھ ہو رہا تھا۔ اماں جو کچھ دوسروں کے ساتھ کرتی آ رہی تھیں اسے قطعی علم نہ تھا..... اس کی عمر پینتیس سال ہونے

کو آ رہی تھی اور ابھی تک اماں خوب سے خوب تر کی تلاش میں تھیں۔ ایک تو اماں کی زبان اور دوسرا مزاج! کوئی بھی اگر مشکل سے رشتہ کرنے کو تیار ہوتا تو اماں فوراً ہی راستہ بدل لیتیں اور ان لوگوں میں کیڑے نکالنا شروع کر دیتیں اور پھر نئے سرے سے رشتے کی تلاش شروع ہو جاتی۔

اماں کمرے میں جا کر پھر لیٹ گئیں..... اور ہائے ہائے کرتی رہیں۔ آج بی پی ہائی ہونے کی وجہ سے روزہ بھی نہیں رکھا تھا۔ نہ جانے ایک دم کیا ہوا کہ نک سے خون بہنے لگا۔ سلمان اور صائمہ تو گھبرا ہی گئے۔

سلمان جلدی سے اماں کو اسپتال لے کر جانے لگا تو صائمہ نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ اس کی آواز سن کر چچی، نبیلہ اور شمی بھاگتی ہوئی آئیں۔ چچی اور نبیلہ بھی ان کے ساتھ اسپتال گئیں اور شمی صائمہ کے پاس رک گئی۔

ساری رات وہ لوگ اسپتال میں رہے۔ کوئی بھی ایک لمحے کو نہ سویا۔ چچی سلمان کو تسلیاں دیتی رہیں اور اماں کے پاس بیٹھی رہیں۔ نبیلہ بھی ان کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ یہ تو شکر تھا کہ ان کو بروقت اسپتال لے جایا گیا اور بی پی کنٹرول کر لیا گیا اور اب ان کی حالت خطرے سے باہر تھی۔

''وہ دو تین دن اسپتال میں رہیں اور اس دوران چچی، نبیلہ اور شمی نے ان کی خوب دیکھ بھال کی..... تائی خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ ایک اسپتال آتی تو دوسری گھر جاتی۔ ایک لمحے کے لیے بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑا گیا۔

سارے محلے میں خبر پھیل چکی تھی مگر کوئی بھی ان کی عیادت کے لیے اسپتال نہ آیا کیونکہ اماں کے تعلقات کسی کے ساتھ بھی کبھی اچھے نہیں رہے تھے۔ کہ کوئی رمضان میں ان کے لیے اتنا تردد کر کے اسپتال جاتا۔

''ٹھیک ہے گھر آئے گی تو پوچھ آئیں گے.....'' ہر سننے والی ہمسائی یہی کہتی۔ کسی کے دل میں بھی ان کے لیے نرم گوشہ نہیں تھا۔

عید سے دو دن پہلے انہیں گھر لایا گیا۔ اس دوران ڈاکٹر نے بھی زیادہ بولنے اور غصہ کرنے سے منع کیا تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے دیکھتی رہیں۔ چچی سب کچھ بھلائے ہر وقت ان کے پاس رہتیں..... صائمہ اور شمی بھی ان کی دیکھ بھال کرتیں۔ اِکا دُکا ہی کوئی حال پوچھنے آیا۔

رفتہ رفتہ ان کی حالت بہتر ہو رہی تھی۔ چچی نے اور ان کے گھر والوں نے جس طرح ان کی خدمت کی تھی وہ اس سے شرمندہ تو قطعی نہ تھیں البتہ زبان کی تلخی کچھ کم ہو گئی تھی۔ شاید دل میں ابھی بھی بدگمانیاں تھیں۔ سلمان اماں کے پاس بیٹھا تھا جب ندا اور ارسہ اس طرف آئیں۔

''سلمان انکل آج چاند رات ہے نا۔'' ندا نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا، کیوں.....؟''

''ابو نے کہا تھا پیسے بھیج رہا ہوں۔ چاند رات کو مل جائیں گے مگر ابھی تک کوئی بھی نہیں آیا.....'' وہ افسردگی سے بولی۔

''آ جائیں گے، آپ کیوں پریشان ہیں؟''

''انکل کل عید ہے اور ابھی تک نہ ہمارے کپڑے آئے ہیں نہ ہی جوتے، نہ چوڑیاں، نہ مہندی'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ''اور نہ ہی ہیئر کلپ تو پھر کل ہم عید نہیں کریں گے۔'' ارسہ نے معصومیت سے کہا تو سلمان کا دل جیسے کسی نے شکنجے میں جکڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے دونوں کے پژمردہ چہروں کی طرف دیکھا۔

''ادھر آؤ، آپ لوگ ضرور عید کریں گے چاہے ابو کے پیسے آئیں یا نا آئیں۔ میں جو ہوں۔ ہم سب رات کو شاپنگ کرنے کے لیے چلیں گے اور سب چیزیں خریدیں گے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''سچ انکل.....'' ان کے چہرے ایک دم کھل اٹھے۔

''اماں کے چہرے پر کئی تاثرات ابھرے مگر اس نے پروا نہ کی۔

''اور سب کو کہو کہ تیار رہیں چاند نظر آنے کے بعد ہم سب مارکیٹ چلیں گے۔''

''انکل، کون، کون؟'' ندا نے پوچھا۔

''تمہاری مما، شمی پھوپو اور صائمہ پھوپو.....''

''اور ہم بھی.....؟'' ارسہ جلدی سے بولی۔

''ہاں بھئی، تم دونوں سب سے پہلے۔'' وہ مسکرا کر بولا تو دونوں خوشی سے باہر کو بھاگیں۔

''اماں میں جانتا ہوں۔ آپ کیا سوچ رہی ہیں..... لیکن اب آپ کو اپنا ذہن بدلنا ہوگا۔ دنیا میں رشتوں کا نعم البدل کوئی نہیں ہوتا۔ ساری دنیا کی مال و دولت ایک طرف اور رشتوں کی محبت ایک طرف لیکن نہ جانے آپ کیوں ساری زندگی چچی سے بدگمان رہی ہیں حالانکہ وہ بہت اچھی اور نیک عورت ہیں۔ ان کے دل میں تو کسی کے لیے بھی کدورت نہیں۔ آپ جو ہر وقت ان کو کوستی رہتی ہیں اور ان کے بارے میں نہ جانے کیا کچھ کہتی رہتی ہیں مگر انہوں نے آج تک آپ کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں کہا۔ اور اماں ان رشتوں کی قدر تو ہمیں دیارِ غیر میں ہوتی ہے۔ جہاں کوئی بھی اپنا نہیں ہوتا..... اور کوئی ایک بھی اپنے ملک کا ملتا ہے تو دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ ہم رشتوں کی محبت میں پاکستان کی طرف بھاگتے ہیں کہ کچھ دن اپنوں میں رہیں گے اور یہاں آ کر دل اور ہی دکھتا ہے جب اتنی ناچاقیاں دیکھتے ہیں۔ نہ جانے ہمارے ہاں رشتوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے اور کس کی نظرِ بد لگ گئی ہے ہر کوئی اپنوں سے بدگمان پھرتا ہے اور اپنوں سے بڑھ کر تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔

آپ بیمار ہوئیں تو اپنے ہی بھاگتے ہوئے آئے، نہ محلے دار نہ آپ کی کوئی سہیلیاں اور نہ دوسرے عزیز آئے۔

اماں! میں سب کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس دفعہ ہم سب ایسی عید منانا چاہتے ہیں جس میں سب خوش ہوں۔'' سلمان قطعیت سے بولا۔ اس کے چہرے پر بہت اطمینان تھا۔ اماں بھی کچھ نہ بولیں شاید سلمان کی باتوں پر دل ٹھہر سا گیا تھا مگر وہ ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھیں۔ سلمان کو بس گھور کر دیکھا۔

جیسے ہی چاند نظر آنے کا سائرن بجا ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف گہما گہمی ہو گئی اور ہر کوئی مصروف ہو گیا۔ کوئی بازار کی طرف بھاگ رہا تھا اور کوئی گھر میں ہی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ندا اور ارسہ شام کی ہی تیار کھڑی تھیں۔

سلمان ان کی طرف گیا اور انہیں جلدی سے تیار ہونے کو کہا۔ سب حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''چلیں نبیلہ بھابی! اماں آج کچھ نہیں کہیں گی، میں نے ان کو سمجھا دیا ہے۔'' وہ اپنائیت سے بولا۔

''لیکن بھائی امجد کے پیسے ابھی تک نہیں آئے.....'' وہ رک رک کر بولی۔

''کوئی بات نہیں، کیا میں آپ کا دیور نہیں اور بھابیوں کے بھی بہت حق ہوتے ہیں۔ بس مزید کوئی بات نہیں..... جلدی سے تیار ہو جائیں میں ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔'' وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

''انکل ہم بھی ساتھ چلیں۔'' ندا اور ارسہ جلدی سے بولیں۔

''ہاں، ہاں اور بھابی شمی کو بھی کہیں اور صائمہ تو پہلے ہی تیار بیٹھی ہے۔''

چچی اس کی باتیں سن کر اسے دعائیں دینے لگیں تو اس کا دل خوشی سے بھر گیا۔

سب لوگ رات گئے تک خوب شاپنگ کرتے رہے۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل تھی۔ ہر چہرہ خوشی سے شاداں تھا۔ عید کی مسرتوں سے لبریز لوگ دھڑا دھڑ شاپنگ کر رہے تھے۔ اس نے سب کو جی بھر کر شاپنگ کروائی۔ سب کو کپڑے، جوتے، چوڑیاں، مہندی اور میچنگ کی چیزیں لے کر دیں۔ اماں ابا اور چچی کے لیے بھی کپڑے اور جوتے خریدے گئے۔ شاپنگ کے دوران بچے کبھی آئس کریم کی ضد کرتے، کبھی چاکلیٹس کی، کبھی برگرز کی اور وہ ان کی ہر خواہش پوری کر رہا تھا۔

سب کے چہروں پر ایسی مسرت چھائی تھی کہ اس کا دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ ایک دم سب کو ریسٹورنٹ میں برگر کھاتے چھوڑ کر وہ باہر نکل گیا۔

سب لوگ منتظر رہے اور وہ کافی دیر بعد آیا۔ اس نے پے منٹ کی اور رات کے دو بجے وہ واپس لوٹ آئے۔

کسی کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔ خوشی کے مارے کوئی بھی نہیں سو رہا تھا۔ بچیاں اٹھ اٹھ کر کبھی کپڑوں کو دیکھتیں تو کبھی جوتوں کو۔ سب نے مہندی بھی لگائی اور اگلے دن تو جیسے گھر میں ہر طرف رونق اور خوشی ہی خوشی تھی۔ سب نئے کپڑوں میں ملبوس خوش خوش نظر آ رہے تھے۔

اماں نے بھی صبح سویرے خود سویاں پکائیں اور ان کی طرف دینے گئیں تو چچی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''آج عید ہے نا.....'' اماں مزید کچھ نہ کہہ سکیں۔ شاید ان کے دل میں ابھی بھی بہت کچھ تھا یا پھر وہ اپنی فطرت سے مجبور تھیں۔ سب نے آگے بڑھ کر ان سے عید ملی۔ بعد میں سلمان نے سب کو عیدی دی۔ صائمہ شمی کو خوش رکھنے کی کوشش میں تھی کیونکہ رشتہ ٹوٹنے کی وجہ سے وہ بہت افسردہ افسردہ سی تھی۔ گو کہ اس نے بھی نئے کپڑے پہنے مگر آنکھوں میں تیرتی نمی کو بھی سب محسوس کر رہے تھے۔ صائمہ ان کی طرف ہی بیٹھی تھی۔

سلمان اور اماں میں کھٹ پٹ جاری تھی۔ آج تو ابا بھی ان کی گفتگو میں حصہ لے رہے تھے ورنہ اماں نے تو انہیں کھڈے لائن ہی لگا دیا تھا۔

''اماں آپ مان کیوں نہیں جاتی۔ آخر اس میں کیا برائی ہے.....؟''

سلمان اپنی بات پر بضد تھا اور اماں اپنی پر۔

''ہاں فاطمہ، وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے، گھر کی بیٹی ہے اور ایسی سلیقہ مند، تمیز دار بچی ہے۔ آخر تمہیں اختلاف کس بات پر ہے؟'' ابا نے پوچھا۔

''بس رہنے بھی دیں۔ میرا دل نہیں مانتا۔'' اماں منہ بنا کر بولیں۔

''تو پھر کسی کو ناپسند کرنے کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے۔ مجھے بھی شمی کی کوئی ایسی بات بتا دیں کہ میں بھی آپ کا ہم خیال ہو جاؤں۔''

''بہت سی باتیں ہیں، کوئی ایک ہو تو.....''

''مثلاً.....'' ابا نے پھر پوچھا۔

''صرف یہی کہ وہ لوگ غریب ہیں اور وہ چچی زبیدہ کی بیٹی ہے۔ جنہیں آپ شروع سے ہی ناپسند کرتی آ رہی ہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ ہمارے اپنے ہیں۔ مجھے تو شمی میں کوئی برائی نظر نہیں آتی.....'' وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

''فاطمہ اٹھو۔ بسم اللہ کرتے ہیں۔'' ابا اپنی لاٹھی پکڑتے ہوئے بولے۔

''لیکن آج تو کچھ بھی نہیں ہے، کوئی انگوٹھی وغیرہ۔'' اماں ہتھیار ڈالتے ہوئے بولیں۔

''وہ بھی ہے.....'' اور اس نے جیب سے ایک خوبصورت سی انگوٹھی نکال کر اماں کے حوالے کی۔

''یہ کہاں سے آئی؟'' اماں نے خشمگیں لہجے میں پوچھا۔

''میں نے رات کو خریدی تھی کیونکہ میں نے شمی سے شادی کا فیصلہ تب ہی کر لیا تھا جس دن اس کا رشتہ ٹوٹا تھا۔ وہ میری بچپن کی منگیتر تھی۔ صرف آپ کی وجہ سے اس رشتے میں دراڑ پڑ گئی مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''جا کاکا جا کر مٹھائی تو لے آ۔'' ابا نے کہا۔

وہ خوشی خوشی باہر نکل گیا۔

انگوٹھی اماں کے سامنے ہی پڑی تھی اور وہ گہری سوچ میں گم تھیں۔ خالہ سلیمہ کے الفاظ بھی کانوں میں گونج رہے تھے اور انہوں نے خود بھی نہ جانے کتنے رشتوں میں نقص نکالے تھے۔ اب واقعی کوئی انہیں لڑکی دینے پر تیار نہ ہوگا اور ویسے بھی شمی دراز قد تھی، خوبصورت تھی، گوری چٹی تھی۔ امیر نہیں تھی۔ ہاں بس امیر اور تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ اماں کے دل میں پھر گرہ پڑنے لگی..... فیصلہ کرنا مشکل ہونے لگا۔ وہ ایک لمحے میں اپنے دل کو مناتیں، اگلے لمحے وہ پھر بدک جاتا۔ وہ عجیب مخمصے میں تھیں۔

مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکیں گی کیونکہ سلمان، صائمہ اور ان کا باپ سب ہی تو ایک طرف ہو گئے تھے اور ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی۔ جب تک سلمان باہر تھا وہ ان کے کنٹرول میں تھا اور اب تو اس نے ہر بات اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھی۔ اپنے بارے میں خالہ سلیمہ کے تاثرات بھی سن لیے تھے اور اس کی اپنی بہن بھی

آنکھوں کے سامنے تھی۔ اس نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اب اس پر مضبوطی سے قائم تھا اور اس کو اماں کسی طرح بھی ناراض نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ وہی تو ان کا کماؤ پوت تھا اور اسی کے سر پر وہ عیش کر رہی تھیں۔ اگر اس نے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ کہاں جائیں گی۔ اب وہ مجبور ہو گئی تھیں۔ اب یہ مجبوری تھی یا پھر قدرت کا فیصلہ..... بہرحال انہیں اسے ماننا ہی تھا۔

صائمہ اور شمی ٹی وی پر عید کی خصوصی نشریات دیکھ رہی تھیں جبکہ نبیلہ بھابی کچن میں مصروف تھیں۔ دونوں بچیاں برآمدے میں کھیل رہی تھیں اور چچی مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر ان کے پاس آ کر بیٹھی تھیں کہ سلمان اماں اور ابا کے ساتھ مٹھائی اٹھائے اندر داخل ہوا۔

''بسم اللہ! بھائی جی آئے ہیں۔'' چچی نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا اور انہوں نے ان کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھا۔ چچی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ وہ سب کے آگے کرسیاں رکھ رہی تھیں۔

''زبیدہ..... آج ہم تم سے اپنی بیٹی مانگنے آئے ہیں.....'' ابا نے کھانستے ہوئے بات شروع کی تو چچی دنگ رہ گئیں اور حیرت سے اماں کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش تھیں یا پھر الفاظ ڈھونڈ رہی تھیں۔

''فاطمہ بولو نا.....'' ابا نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں..... سب کی یہی مرضی ہے۔'' وہ آہستہ سے بولیں۔

صائمہ نے محبت سے شمی کو گلے لگایا نبیلہ بھابی یہ بات سن کر کچن سے آ گئیں۔

''ادھر آؤ بیٹی.....'' تایا ابا نے شمی کو محبت سے پاس بلایا اور اماں کی طرف انگوٹھی بڑھائی کہ اسے پہنائیں۔ اماں نے انگوٹھی پہنائی تو صائمہ جلدی سے مٹھائی پلیٹ میں ڈال کر لے آئی۔ چچی نے اٹھ کر سلمان کو چوما اور شمی کے شوہر کے لئے جو انگوٹھی بنوا کر ٹرنک میں رکھی تھی نکال کر اسے پہنائی۔

''میں تو نگینہ ڈھونڈنے باہر نکلی تھی اور خدا نے مجھے ہیرا دے دیا۔ میں خدا کی بڑی شکر گزار ہوں۔ اس نے اتنا کرم کیا۔'' چچی خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے بولیں۔

''اور ہماری بیٹی بھی کسی ہیرے سے کم نہیں۔'' اب کی بار ابا بولے۔

سب نے خوشی خوشی مل کر کھانا کھایا اور چچی نے عید کے ایک ہفتے بعد شادی کی وہی تاریخ رکھی جو وہ پہلے ہی سوچ کر بیٹھی تھیں۔

سلمان مسکراتا ہوا شمی کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ چھینپ رہی تھی۔

''شمی تم خوش ہو نا؟'' سلمان نے موقع دیکھ کر اس سے پوچھا۔

''ہاں..... بہت.....'' وہ سر جھکا کر مسکرا دی۔

''کیوں.....؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''معلوم نہیں۔''

''دیکھ لو، میں موٹا بھی ہوں، گنجا بھی ہوں اور کالا بھی ہوں، بعد میں کچھ نہ کہنا۔''

''لیکن دل تو گنجا اور کالا نہیں نا۔'' وہ مسکرا کر بولی تو سلمان نے بھرپور قہقہہ لگایا اور کتنی ہی دیر ہنستا رہا..... اتنا کھل کر ہنسا کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

ہاں لیکن یہ موٹا بہت ہے میری طرح۔'' وہ ہنستا ہوا بولا۔

''کاش ایسی عید ہر روز ہو۔''

''کیسی.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''تم سنگ، خوشیوں بھری، چاہتوں بھری۔'' وہ مسکرا کر بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے ان کے ساتھ کائنات کا ذرہ ذرہ خوشی سے مسکرا رہا ہو۔ ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ خوشی کا بھرپور احساس ہر طرف چھایا ہوا تھا۔

☆☆☆

محبت

چمکتی آنکھوں سے شوخی مٹ جائے
فرار حاصل نہ ہو یا دوں سے
تو نکلی!
جان لے تجھے محبت ہو گئی ہے؟

شمارہ۔ عابدہ اکرم غوری، راجن پور

آتا ہے کسی روز ترے خواب کدے میں
خوشبو کی ردا اوڑھ کے بادل سے گزر کے
اے آبِ رواں دھول ہوئی جاتی ہیں آنکھیں
کب آئے گا کوئی ترے جل تھل سے گزر کے

زندگی مانند سمندر ہے ایک کردار آتا ہے چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی اور اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ہر شخص کی اک کہانی ہے اک سمندر ہے اس میں کیا کچھ معجزن ہے اس سے ہر کوئی واقف نہیں

محبت ... جذبات ... خلاؤں سے ٹکراتے ... لہراتے خبر دار آزما خاندان کی حیرت انگیز داستان

گہر میں کرن

سیما مناف

آخری قسط

وہ دونوں ان کی اچانک آمد پر ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔

ابھی تک تو وہ ہر بات سے لاعلم تھے۔ انہیں بتانا ضرور تھا لیکن اس طرح نہیں..... پتا نہیں ان کا کیا ردِعمل ہوتا۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم دونوں سے؟'' ان کا لہجہ درشت ہو گیا۔

''وہ ابا جی، دراصل.....'' باسط بھائی نے ہمت کی ''وہ ہماری نانی ہیں۔ کچھ عرصے پہلے ان کا پتا چلا تھا۔'' ابا کے ماتھے کی سلوٹیں مزید گہری ہو گئیں۔

''اور تم لوگوں نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔''

''ہم آپ کو بتانے ہی والے تھے ابا جی..... بس آپ کی خفگی کے ڈر سے چپ تھے۔''

''میری خفگی کا ڈر۔'' وہ پھنکارے ''میری خفگی کا ڈر ہوتا تو تم لوگ میری اجازت کے بغیر ان لوگوں سے نہ ملتے لیکن لگتا ہے کہ تم ان لوگوں سے بہت عرصے سے ملتے رہے ہو لیکن مجھے کانوں کان خبر نہیں دی۔ تمہاری ماں مرتے مر گئی لیکن..... میں نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے کبھی ان لوگوں سے کسی قسم کا بھی رابطہ کیا تو میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔'' عفیفہ اور باسط بھائی اس انکشاف پر ششدر رہ گئے تھے۔

تو یہ وجہ تھی کہ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی ان کی ماں اپنے گھر والوں سے دور تھی۔

''اور تم لوگ..... تم لوگوں نے میری ناراضی کی بھی پروا نہیں کی اور چوری چھپے ان سے رشتے جوڑ لیے۔ کب سے چل رہا ہے یہ سب.....؟'' وہ شدید غصے میں بول رہے تھے۔

''پلیز ابا جی، بھول جائیں اب سب کچھ..... امی اس دنیا میں نہیں رہیں اور نانو۔ پتا نہیں وہ کیسی ہوں گی۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں ان کی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔''

''میری بلا سے، ان لوگوں نے میری ذات کی جو توہین کی تھی میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ اگر بڑے لوگ ہیں تو اپنے گھر کے ہوں گے۔''

''ابا جی۔'' باسط ..... نے ان کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھے ''کوئی بڑا نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے جو اللہ کے نزدیک بڑا ہو اور غلطیاں بھی ہم انسانوں سے ہی سرزد ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان فرشتہ نہ بن جائے۔ بھول جائیے اب سب کچھ..... اللہ بھی تو ہم بندوں کی خطاؤں کو درگزر کر دیتا ہے پھر ہم تو معمولی انسان ہیں۔ ہم کیوں اپنے ہی جیسے ایک انسان کو معاف نہیں کر سکتے اور ویسے بھی نانو کا اس سارے قصے میں کیا قصور ہے۔ وہ تو پہلے بھی ایک ناکردہ گناہ کی سزا بھگتتی رہی ہیں۔ ساری زندگی اپنی جان سے عزیز بیٹی سے دور رہیں اور آج جب اس کے بارے میں کوئی خبر ملی تو وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔''

ابا جی پہلے کی طرح چیخنا چاہتے تھے لیکن پتا نہیں کیوں اب کی بار وہ چپ ہو گئے تھے۔ ان کی نظر سامنے کھڑی عفیفہ پر پڑ گئی تھی۔ اس کے چہرے میں انہیں ستارہ کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ ستارہ اپنے گھر والوں سے ملنے کے لیے ترستی رہی تھی لیکن شوہر کی خفگی کے ڈر سے ساری عمر اپنے لب سیے رہی تھی۔ وہ اس کے ضبط سے چٹختے چہرے کو دیکھتے اور نظر انداز کر دیتے لیکن آج پتا نہیں کیوں وہ بیٹی کے چہرے کو نظر انداز نہیں کر سکے اور اپنی اس کیفیت پر وہ خود حیران رہ گئے تھے۔

☆☆☆

وہ اور باسط جب ہاسپٹل پہنچے تو سبطین انہیں کاریڈور میں ہی مل گیا۔ انہیں دیکھ کر وہ تیزی سے ان کے نزدیک چلا آیا۔

''اب کیسی ہیں نانو؟'' باسط بھائی نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

''اللہ کا شکر ہے اب ان کی طبیعت بہت بہتر ہے۔ خطرے سے نکل آئی ہیں وہ۔ میں اور ممی تو ڈر ہی گئے تھے۔

مجھے معلوم تھا ایسا ہی ہو گا۔ تبھی تو میں انہیں کچھ بتاتے ہوئے ڈرتا تھا لیکن کبھی نہ کبھی تو انہیں بتانا ہی تھا۔ شکر ہے کہ ممی ان کے پاس تھیں۔ میں تو ممی کی حالت دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا ہوں۔ اچھا ہوا آپ آ گئیں عفیفہ، پلیز انہیں تسلی دیجیے۔ وہ اس وقت خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی ہیں۔'' سبطین ان لوگوں سے باتیں کرتا ہوا انہیں فاخرہ کے پاس لے آیا۔

وہ آئی، سی، یو کے نزدیکی ویٹنگ روم میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ نانا جان بھی وہیں موجود تھے۔ ان تینوں کو دیکھ کر چونکے۔ یہ انکشاف ان کے لیے بھی بڑا روح فرسا تھا کہ ستارہ اب اس دنیا میں نہیں۔ سبطین نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا اور وہ یہ سب سن کر ایک شاک کی سی کیفیت میں وہیں رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

''نانا جان پلیز، آپ کو بہت حوصلے سے کام لینا ہے۔ نانو اور ممی کو سنبھالنا ہے۔ نانو اس وقت جس کیفیت سے گزر رہی ہیں ہمیں سب کچھ بھول کر ان کی زندگی اور صحت کے لیے دعا کرنی ہے۔ میں جانتا ہوں، یہ خبر آپ کے لیے بڑے دکھ کا باعث ہے لیکن خدا کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔'' وہ ان کے نزدیک بیٹھ کر انہیں سمجھا رہا تھا۔

''بہت..... بہت ضدی نکلی وہ..... میں ناراض تھا تو وہ کبھی نہیں پلٹی۔ ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی۔ کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔ ماں باپ تو بچوں کی غلطیوں پر انہیں ڈانٹتے ہی ہیں۔ پتا نہیں کیا کیا کہہ دیتے ہیں لیکن بچے تو ایسا نہیں کرتے۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے تھے۔

سبطین ان کے اندر کی حالت محسوس کرتے ہوئے اپنے دل میں ایک کسک محسوس کر رہا تھا لیکن ظاہر ہے اس کے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں تھا سوائے انہیں تسلی دینے کے۔

''نانا جان وقت بہت گزر گیا ہے۔ ستارہ خالہ اوپر سے اتنی ہی عمر لکھوا کر لائی تھیں لیکن اب ہمیں نانو کی فکر کرنی ہے۔ خدا ان کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے۔ آپ تو جانتے ہیں ستارہ خالہ سے انہیں کتنی محبت تھی۔ وہ نہیں ہیں لیکن ان کے بچے۔''

''اس کے بچے.....'' وہ چونکے ہاں یہ تو وہ بھول ہی گئے تھے کہ ان کی ستارہ ماں بھی بنی ہو گی۔

''ان کے چار بچے ہیں۔ تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ میں ان سے ملتا رہا ہوں۔ نانو بھی دو ایک بار ملی ہیں لیکن اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ ان کی ستارہ کے بچے ہیں۔ اب آپ کو ستارہ خالہ کے بچوں کو وہی محبت دینی ہے جس سے وہ محروم ہو گئی تھیں۔ میں نے انہیں فون کیا ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔'' سبطین انہیں نرمی سے سمجھاتا رہا اور وہ سر جھکائے خاموشی سے سنتے رہے۔

نا معلوم کیوں آج ان کے کندھے جھک سے گئے تھے۔ ستارہ تو سالوں پہلے ان کی زندگی سے نکل گئی تھی لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ آج ہی ان سے جدا ہوئی ہو۔

ان کا جی چاہ رہا تھا وہ کسی کندھے سے سر ٹیک کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روئیں۔ سب کو بتائیں کہ ان کی روٹھی ہوئی بیٹی ان سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی ہے لیکن وہ خالی خالی آنکھوں سے ہاسپٹل کے چمکتے ہوئے فرش کو تکتے رہے۔

اور اب ان کی خاموشی عفیفہ اور باسط کو دیکھ کر ٹوٹی تھی۔ عفیفہ کو دیکھ کر تو وہ ششدر رہ گئے تھے۔ اس میں ستارہ کی کتنی مشابہت تھی۔ انہیں لگا جیسے وقت کئی سال پیچھے پلٹ گیا ہو۔ وہ بالکل ستارہ جیسی تھی لیکن ستارہ نہیں تھی۔ ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''وہ اب اپنی ستارہ کو کبھی نہیں دیکھ پائیں گے۔'' شروع شروع میں تو انہیں واقعی ستارہ پر بہت غصہ تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ غصہ وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتا گیا۔ تب ان کا دل چاہتا وہ ان کے پکارے بغیر خود ہی پلٹ آئے۔ پھر تھوڑی سی ناراضی دکھا کر وہ اسے معاف کر دیں۔ آخر وہ ان کی بیٹی تھی اور بچوں کی غلطیاں بڑے بھول ہی

جایا کرتے ہیں لیکن وہ تو ان سے بھی زیادہ اونچی ناک والی نکلی۔ ایک بار گئی تو پھر نہیں پلٹی۔

کبھی کبھی تو وہ اس شدت سے یاد آتی کہ وہ سب کچھ بھول کر اسے بلانے کا قصد کرنے لگتے تھے لیکن جلد ہی انہیں اپنی انا یاد آ جاتی اور وہ ٹھنڈے ہو کر بیٹھ جاتے۔

''باسط بھائی یہ نانا جان ہیں، میں انہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔'' سبطین نے آہستہ سے باسط بھائی کے نزدیک ہو کر بتایا تو وہ جھجکتے ہوئے ان کے نزدیک چلے آئے۔ فاخرہ بھی چند لمحوں پہلے وہیں آ گئی تھیں اور خاموشی سے سب دیکھ رہی تھیں۔

''نانا جان میں.....'' باسط بھائی کی بات ادھوری رہ گئی۔

نانا جان نے آگے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا تھا اور وہ آنسو جو کتنی دیر سے ضبط کی باڑھ لگائے رکے ہوئے تھے اب ان کے بوڑھے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''اپنے بوڑھے نانا کو معاف کر دینا میرے بچے، بڑا بدنصیب تھا میں جو اتنے برسوں اپنے بچوں سے دور رہا اور تمہاری ماں.....'' ان کی باقی بات آنسوؤں میں بہہ گئی۔

عفیفہ کے دھیرے دھیرے کانپتے وجود کو فاخرہ خالہ نے اپنے حصار میں لے لیا تھا پھر وہ اسے لیے ہوئے ان کے نزدیک چلی آئیں۔

''پاپا یہ عفیفہ ہے، ستارہ کی بیٹی.....'' نانا جان نے کچھ کہے بنا اسے بھی گلے سے لگا لیا تھا اور پہلی بار اسے لگا تھا جیسے کوئی سائبان اس کے سر پر آ کر ٹھہر گیا ہو۔

شیریں، فرقان علی اور عمر بھی اسی وقت ہاسپٹل پہنچے تھے اور اب پورا گھرانہ ستارہ کی یاد میں آنسو بہا رہا تھا۔

☆☆☆

''نانو، اب آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں پھر ہم آپ کے گھر آئیں گے۔ میں اس گھر کو دیکھنا چاہتی ہوں جہاں میری امی رہا کرتی تھیں۔'' وہ انہیں سوپ پلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہاں بچے.....ضرور.....لیکن اس خالی گھر کو دیکھ کر تمہیں مایوسی ہوگی۔ اب وہاں تمہیں دو بوڑھوں کے وجود کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ پہلے ایک انتظار ہوا کرتا تھا اب تو وہ بھی نہیں رہا۔ سوائے مایوسی، خاموشی اور سناٹے کے۔'' نانو نم لہجے میں بولیں۔

''نہیں نانو، آپ تنہا نہیں ہیں۔ ہم سب ہیں نا آپ کے ساتھ۔ فاخرہ آنٹی، سبطین بھائی، شیریں آنٹی کی فیملی اور ہم سب.....آپ تنہا تو نہیں ہیں۔'' اس نے سوپ کا پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''سب ہیں لیکن میری ستارہ نہیں ہے۔ میری ستارہ.....'' ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''پلیز نانو، روئیں نہیں۔ آپ کی طبیعت پھر خراب ہو جائے گی اور امی کہاں گئی ہیں۔ ہمارے دلوں میں ہمارے ذہنوں میں ہر جگہ تو موجود ہیں۔ ان کی یاد تو ایک پل کے لیے بھی مجھ سے جدا نہیں ہوتی۔ ان کی ہنسی، ان کی آواز، ان کی باتیں سب کچھ یاد ہے مجھے۔ کیا آپ بھول گئی ہیں؟ نہیں نا۔ پھر جسم تو فانی ہوتے ہی ہیں نانو.....لیکن کوئی مرنے کے بعد بھی دلوں میں زندہ رہے تو کتنی اچھی بات ہے۔ میں تو رات کو جب سونے کے لیے لیٹتی ہوں تو امی کی ایک ایک بات یاد آتی چلی جاتی ہے۔ ایک کے بعد ایک جیسے کوئی برات اتری ہوئی ہو پھر میں ان کی مغفرت کی دعائیں کرتی ہوں۔ انہیں دعائیں پڑھ کر بخشتی ہوں۔ اماں بی کہتی ہیں اب وہ ہماری محتاج ہیں۔ پہلے انہوں نے ساری زندگی ہمیں دیا۔ اب ہمیں انہیں دعاؤں کے تحفے بھیجنے ہیں۔ ہمارے رونے سے انہیں کیا فائدہ ہوگا، کچھ نہیں..... لیکن ہماری دعائیں اب ان کے کام آئیں گی۔''

نانو خاموشی اور حیرت سے اس کی باتیں سنتی رہیں۔

''آپ تو ان کی ماں ہیں، انہیں معاف کر دیں۔ ان کی غلطیوں کو معاف کر دیں۔''

''میں تو اس سے ناراض تھی ہی نہیں بیٹا، کوئی ماں اپنی اولاد سے زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہ سکتی۔ ناراض تو وہ ہوئی تھی ہم سے.....اور ایسی ناراض ہوئی کہ پھر کبھی نہیں لوٹی۔''

''وہ آپ سے ناراض نہیں تھیں نانو، بس اپنی غلطی پر شرمندہ تھیں۔ وہ آپ لوگوں سے مل کر معافی مانگنا چاہتی تھیں لیکن.....'' وہ اصل حقیقت بتاتے بتاتے رک گئی۔

''میں جانتی ہوں، تمہارے ابا نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہوگا۔ تمہارے نانا نے اس کی بے عزتی بھی تو کی تھی جب اسے گھر بلایا تھا۔ پتا نہیں بیٹا غلطی کہاں اور کس سے ہوئی۔ شاید اپنی اپنی جگہ ہر شخص سے لیکن اس سب میں نقصان صرف میری بیٹی کا ہوا اور میرا۔ ہم دونوں عمر بھر ایک دوسرے سے ملنے کے لیے تڑپتے رہے لیکن دوسروں کی ضد اور انا کی وجہ سے مل نہ سکے لیکن اپنے باپ سے کہو اب ہمیں معاف کر دے۔ اب تو میری بیٹی نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر اس کا ازالہ بھی کر دیا ہے۔''

''وہ آئیں گے نانو، ضرور آئیں گے۔ محبت سے کوئی کب تک منہ موڑ سکتا ہے۔ پتھروں میں بھی سوراخ ہو جاتے ہیں وہ تو پھر انسان ہیں۔''

''انسان جب سنگدلی پر اتر تا ہے تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت دل ہو جاتا ہے پھر اسے دوسروں کے نازک دلوں کی بھی پروا نہیں ہوتی بیٹا۔''

''ہاں نانو، آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن جب وہ پگھلنے پر آتا ہے تو موم سے بھی زیادہ نرم ہو جاتا ہے اور یہ محبت کی تپش ہوتی ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے۔ خیر چھوڑیں، یہ آج فاخرہ آنٹی اور شیریں آنٹی کے ہاں سے کوئی نہیں آیا۔'' اس نے موضوع تبدیل کرنے کی غرض سے پوچھا۔

''مثلاً کون؟'' وہ مسکرائیں۔

''سب لوگ۔'' وہ ان کے مسکرانے پر گڑبڑا سی گئی۔

''سبطین آنے والا ہوگا۔ فاخرہ تو صبح ہی ہو کر گئی ہے۔ ہو سکتا ہے شام تک ڈاکٹر ڈسچارج کر دے۔ تمہارے نانا اسی وقت آئیں گے۔ ڈاکٹرز سے بات بھی کرنی ہوگی۔ ڈیوز بھی کلیئر کرنے ہوں گے۔''

''جی اچھا۔'' وہ کچھ سوچنے لگی۔ دوپہر میں وسیط اسے یہاں چھوڑ کر گیا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ ابا اس کے روز یہاں آنے پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ وہ خود ان سے ملنے نہیں آئے تھے لیکن انہوں نے اسے بھی آنے سے نہیں روکا تھا۔ پہلے روز کے بعد جیسے وہ اس معاملے میں بالکل چپ ہو گئے تھے۔ باسط بھائی نے بھی ان کی اس خاموشی کو غنیمت جانا تھا اور وہ چاروں بہن بھائی ان سے روز ملنے آ رہے تھے۔ سمیط کو بھی جب اس بارے میں پتا چلا تھا اس نے بہت خوشی کا اظہار کیا تھا اور نانو سے ملنے روزانہ آتا تھا۔

''السلام علیکم!'' سبطین کی زوردار آمد نے اس کی سوچوں کے سلسلے کو منقطع کر دیا تھا۔

''وعلیکم السلام.....آؤ تمہارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔'' نانو نے مسکراتے ہوئے لہجے میں اس کے چہرے کو دیکھا جہاں عفیفہ کو وہاں پا کر رونق سی ہو گئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے عفیفہ کے چہرے کو دیکھا وہ اپنے چہرے پر پھیلی سرخی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ان کے دل میں ایک خوشی، سرشاری اور اطمینان کا سا احساس پھیل گیا۔ انہیں سبطین اپنی اچھی فطرت کی وجہ سے بہت عزیز تھا اور عفیفہ تو یہ جانے بنا ہی کہ وہ ستارہ کی بیٹی ہے انہیں بہت پیاری ہو گئی تھی اور اب جب سے انہوں نے یہ جانا تھا تو وہ انہیں اپنے دل سے کس قدر نزدیک محسوس ہونے لگی تھی۔

''کون کر رہا تھا ہمارا ذکر نانو، یہاں تو لوگ سلام کرنے تک کے روادار نہیں ہوتے۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے زیر

لب عفیفہ کی خاموشی کا شکوہ کیا۔
''وہم ہے تمہارا۔'' وہ پھر سے مسکرائیں ''میں نے تو آج کچھ اور ہی دیکھا ہے۔''
''کیا نانو؟'' وہ دلچسپی سے مسکراتے ہوئے عفیفہ کو گڑبڑاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔
''نانو آپ اپنا سوپ تو ختم کرلیں۔'' اس نے سبطین کی جانب سے پیٹھ موڑ کر سوپ کا پیالہ اٹھایا تو نانو کو بھی پر رحم آ گیا۔

☆☆☆

نانو اب ٹھیک ہو کر گھر آ گئی تھیں اب انہیں سبطین اور عفیفہ کی نسبت طے کرنے کی جلدی ہو رہی تھی۔
''بس اب سب سے پہلا کام یہی کرنا ہے فاخرہ۔ تم اسد میاں سے فون پر بات تو کر چکی ہو۔ کسی دن ستارہ کے گھر چلو بلکہ کسی دن کیوں آج کیوں نہیں۔''
''اتنی جلدی نہیں ممی، میں نے باسط سے بات کی تھی اس سلسلے میں۔ وہ بہت خوش ہو رہا تھا لیکن اس کا کہنا ہے کہ اس کے والد اس کے لیے ذرا مشکل سے تیار ہوں گے اور اسے پہلے ان سے بات کرنی ہوگی۔ وہ مانیں گے تب ہی ہمیں وہاں جانا چاہیے۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ ہمارے ایک دم چلے جانے پر ان کا ردِعمل ہماری سوچ کے برخلاف ہو۔''
''ہاں یہ تو ہے، وہ اس بات کا بدلہ بھی لے سکتا ہے کہ اب بیٹی اس کی ہے۔ اس کی مرضی جو فیصلہ کرے۔ کچھ تمہارے نانا نے بھی تو فیصلہ اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔''
''یہی تو بات ہے ممی، اس لیے ہمیں کچھ صبر سے کام لینا چاہیے۔ باسط سمجھ دار لڑکا ہے۔ اپنے والد کو کنوینس کرے گا یقیناً پھر ہم ضرور وہاں جائیں گے۔'' فاخرہ نے انہیں امید دلائی۔
''کہاں جایا جا رہا ہے؟'' یہ شیریں تھیں جو زویا کے ساتھ ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔
نانو کی اچانک بیماری نے کسی حد تک ان کا دل نرم کر دیا تھا۔ ویسے بھی وہ فاخرہ کے ساتھ تو ہمیشہ سے ٹھیک تھیں۔ ستارہ کے ساتھ تو شروع سے وہ ایک مقابلے کی سی فضا محسوس کرتی تھیں اور جب اس کا پلڑا بھاری پاتیں تو حسد کا جذبہ انہیں گھیرے میں لے لیتا اور وہ اس سے مزید دور ہو جاتیں۔
''ستارہ کے ہاں۔'' فاخرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''اب وہاں کیا رکھا ہے، کیا کریں گے ہم وہاں جا کر۔ جس سے رشتہ تھا وہ تو سالوں پہلے ہم سے سارے رشتے ناتے توڑ بیٹھی تھی پھر اسے خود بھی ہم سے دوبارہ ملنے کا خیال تک نہیں آیا۔ ایسی بھی کیا ضد۔'' شیریں نے نخوت سے کہا تو فاخرہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ نانو بھی ان کی باتوں پر کانپنے لگیں۔
''ستارہ نہیں رہی لیکن اس کے بچے تو ہیں وہاں..... اور وہ ضدی نہیں تھی، مجبور تھی۔ اسے ہم سے نہ ملنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس کے شوہر کو بخوبی احساس تھا کہ وہ اپنی ساری کشتیاں جلا کر آئی ہے اور اس کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس نے کبھی اسے ہم سے ملنے نہیں دیا۔ اسی غم میں تو وہ وقت سے پہلے اس دنیا سے چلی گئی اور خدا کے لیے شیریں اب تو سب کچھ بھول جاؤ۔ وہ ہماری بہن تھی..... بہن.....'' فاخرہ منہ ڈھانپ کر رونے لگیں تو زندگی میں پہلی بار زویا کو اپنی ماں پر سخت غصہ آیا۔
''مما حد کرتی ہیں آپ بھی، ستارہ آنٹی کا قصور اتنا بڑا بھی نہیں تھا کہ اسے بار بار دہرایا جائے۔ پلیز فاخرہ آنٹی مت روئیں۔ میں چلوں گی آپ کے ساتھ وہاں۔'' زویا نے آگے بڑھ کر فاخرہ کو چپ کرانے کی کوشش کی تو شیریں بھی شرمندہ سی ہو گئیں۔
''میں نے کب انکار کیا ہے۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ ہماری بہن تھی۔ اس کے بچے مجھے بھی عزیز ہیں لیکن مجھے اس شخص سے شدید نفرت ہے جس کی وجہ سے ستارہ ساری زندگی ہم سے نہ مل سکی۔''

''جو گزر گیا اس سب پر مٹی ڈالو..... لیکن میری ستارہ کے بچے کیوں ننھیال کی محبت کو ترسیں۔ فاخرہ تم جلد
اس سلسلے میں عفیفہ کے باپ سے بات کرو۔ تمہارے پاپا کو میں منالوں گی۔ وہ انکار نہیں کریں گے۔ تمہارے
ضرور جائیں گے۔'' نانو نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''اور ویسے بھی یہ سبطین کی خواہش ہے۔ اس نے میرے آنے سے پہلے ہی ممی سے اس خواہش کا
کر دیا تھا۔'' فاخرہ نے جواب دیا۔

''اور آپ لوگ مجھ سے اتنی بڑی بات چھپاتے رہے۔ ممی نے تو کبھی آج تک مجھے اپنی بیٹی ہی نہیں سمجھا۔
شیریں تلخی سے بولیں۔

''ماں کے لیے ساری اولاد برابر ہوتی ہے شیریں۔'' فاخرہ کے لیے مزید ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

''تم نے بھی تو آج تک ممی کو بیٹی بن کر نہیں دکھایا۔ میں دور تھی۔ ستارہ ہم لوگوں سے بالکل کٹ گئی تھی۔ پر
ہمارا کوئی ہے نہیں تو تمہارا کیا فرض تھا کہ ممی اور پاپا کی خبر گیری کرتیں۔ ان کا خیال رکھتیں لیکن تم نے تو مہینوں ممی کو
شکل تک نہیں دکھائی۔ الٹا شکوہ کرنے بیٹھ گئیں وہ بھی غلط بات پر۔ سبطین نے ممی کو بھی ابھی چند روز پہلے ہی بتایا تو
کو تو معلوم بھی نہیں تھا کہ وہ ستارہ کی بیٹی ہے۔ مجھے بھی اس نے یہاں آنے کے بعد بتایا اور ظاہر ہے وہاں جانے سے
پہلے ہم تمہیں ضرور بتاتے۔ تم نے ممی سے کوئی رابطہ رکھا ہوتا تو وہ تم سے اپنے دل کی بات کرتیں۔ کیا یہی فرض
تمہارا؟''

شیریں کچھ شرمندہ سی ہو گئیں۔ واقعی زندگی بھر وہ اپنی زندگی کے جھمیلوں میں اس قدر الجھی رہی تھیں کہ انہیں
باپ، شوہر اور اولاد کسی کا دھیان بھی رہا کب تھا۔ ان کی اپنی دلچسپیاں کیا کم تھیں لیکن یہ شرمندگی چند لمحوں کی تھی
انہیں بار بار زویا کا بھی خیال آ رہا تھا جو پہلے بھی یہ ذکر سن کر جذباتی سی ہو گئی تھی۔ اب بھی شاید..... لیکن انہیں حیرت
ہو رہی تھی کہ وہ کافی حد تک نارمل بی ہیو کر رہی تھی۔

''مجھے میرے فرائض مت یاد دلائیں، آپ لوگوں نے بھی تو کبھی مجھے اپنا نہیں سمجھا۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا..... اور کچھ نہیں۔ ہر وقت دوسروں سے بدگمان اور خفا رہنا ٹھیک نہیں ہوتا۔ تمہیں
ہے میرے ساتھ اور زویا نے تو ابھی مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرے ساتھ ضرور جائے گی۔''

فاخرہ کافی حد تک معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھیں لیکن ایک تو یہ ان کے بیٹے کا فیصلہ تھا دوسرے زویا جیسی لڑکی
انہیں بہو کے روپ میں پسند بھی نہیں تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ ایک ایسی بہو کا تصور کیا تھا جو ان کے ساتھ ان کی بیٹی
طرح رہے۔

''کیوں زویا؟'' فاخرہ کے دوبارہ کہنے پر وہ چونکی۔

''جی آنٹی ضرور کیوں نہیں۔'' اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔ اب وہ ایسی گری پڑی بھی نہیں تھی کہ خود کو زبردستی
پیش کرے۔

''کیا تمہیں عفیفہ پسند نہیں ہے؟'' فاخرہ نے شیریں کے چہرے پر پھیلی ناراضی کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔

''میری ناپسند کا کیا سوال ہے۔ بیٹا آپ کا ہے، جب اسے عفیفہ پسند ہے تو..... لیکن سوچ لیجئے۔ وہ ایک سیدھی
سادی بے وقوف سی لڑکی ہے کیا وہ ہم لوگوں میں گھل مل جائے گی۔ چار لوگوں میں بیٹھ کر ڈھنگ سے بات بھی تو
نہیں سکتی وہ۔'' انہوں نے نخوت سے کہا۔

''مجھے اسے چار لوگوں میں بٹھا کر بات کروا کر کیا کرنا ہے۔ میرے لیے زیادہ اہم یہ ہوگا کہ وہ ہم لوگوں کو اہمیت
دے پھر جب اتنی ہائی کلاس کی لڑکی ایک چھوٹے سے گھرانے میں ایڈجسٹ کر سکتی ہے تو ایک چھوٹے سے گھرانے کی
لڑکی ہماری کلاس میں کیوں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر سکتی۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے شیریں، میں کسی اونچے گھرانے کی ماں

بہو لانے کا تجربہ نہیں کر سکتی۔ مجھے ایک گھر بنانے والی بہو چاہیے اور سب سے بڑھ کر یہ سبطین کا فیصلہ ہے۔
میرے لیے اس کی پسند ہر بات سے اہم ہے۔'' فاخرہ نے کھل کر بات کر کے گویا بات ہی ختم کر دی۔

زویا سر جھکائے سوچ رہی تھی ''مما کاش آپ نے بھی میری تربیت ایسی کی ہوتی کہ فاخرہ آنٹی اور سبطین جیسے
شخص کی نظرِ انتخاب مجھ پر پڑتی۔''

☆☆☆

''شکر ہے کہ یہ مسئلہ بھی حل ہوا جان چھوٹی۔'' نوین نے اسے بتایا تو اسے بھی ایک سکون سا محسوس ہوا ورنہ شہزاد
کے بارے میں سوچ سوچ کر تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔

''ابو نے بھی اس بار بڑا پکا کام کیا ہے۔ ایک مہینے بعد چلے جائیں گے وہ پھر دو تین سال سے پہلے تو واپس نہیں
آتے۔''

''توبہ ہے نوین، اپنے بھائی کے جانے پر کس قدر خوش ہو تم۔'' عفیفہ کو ہنسی آ گئی۔

''تو بھائی بھی تو ایسا نہ ہو کسی کا، سمجھا سمجھا کر تھک گئے سب تمہارے عشق کا بھوت اترتا ہی نہیں تھا ان کے سر
سے۔ آخری کارکردگی بتاؤں ان کی اگر میں تو تم سر پیٹ لو گی۔ یقین ہی نہیں آئے گا تمہیں کہ کوئی اس حد تک بھی
جا سکتا ہے۔''

عفیفہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''موصوف کہیں سے پڑھا ہوا نمک لے آئے تھے تمہارے لیے۔ وہ تو میں نے وقت پر پکڑ لیا ورنہ ہو سکتا تھا آج
تمہاری بھاوج ہوتیں۔''

وہ مزے سے بتا رہی تھی۔ عفیفہ کی تو جیسے سانس ہی رک گئی۔

کیسے کیسے انکشافات کر رہی تھی وہ۔

''اس دن تو ابو نے انہیں سخت برا بھلا کہا۔ بہت دنوں سے کوششوں میں لگے ہوئے تھے وہ انہیں باہر بھجوانے
کی۔ اب ایک ہفتے بعد وہ امریکا چلے جائیں گے۔ ابو کے ایک دوست ہیں وہاں انہوں نے بلوا لیا ہے انہیں لیکن میں
سوچتی ہوں کہ اب وہاں کی گوریوں کی خیر نہیں ہے۔'' اس کا انداز بدستور تھا۔ عفیفہ کے چہرے پر پھر سے مسکراہٹ
دوڑ گئی۔

ایسے ہی لوگ تو زندگی کا حسن قائم رکھے ہوئے ہیں۔ جن سے مل کر انسان اپنے دکھ اور غم سب بھول جاتا ہے۔
نوین ایسی ہی تھی۔

''اور تم سناؤ، تمہاری نئی خالہ اور وہ ان کے بیٹے کیسے ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ہیں۔ فاخرہ خالہ کا فون بھی آیا تھا صبح۔ وہ بضد ہیں کہ میں ان کے ہاں آؤں لیکن تمہیں ابا کے موڈ کا
پتا ہے۔ نانو سے ہاسپٹل ملنے جانے تک تو انہوں نے برداشت کر لیا لیکن اب ان کے گھر یا فاخرہ خالہ کے گھر ہم
کیسے جائیں..... شاید وہ اسے پسند نہ کریں۔''

''ارے واہ! کیوں نہیں کریں گے تم لوگ بلاوجہ ڈرتے رہنا ان سے۔ مجھے یقین ہے کہ باسط بھائی چاہیں تو اس
رشتے کے لیے بھی انہیں کنوینس کر سکتے ہیں، وہ یقیناً مان جائیں گے۔''

''پتا نہیں شاید..... اللہ کرے ایسا ہو جائے۔ فاخرہ خالہ کہہ رہی تھیں کہ وہ نانو کے ساتھ ہمارے گھر آئیں گی۔
تب شاید ابا کو اپنی زیادتی کا احساس ہو۔''

''کہیں اپنے بیٹے کا رشتہ تو لے کر نہیں آ رہیں وہ.....؟'' نوین نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے نظریں چرا لیں ''ایسا کوئی ارادہ انہوں نے ظاہر تو نہیں کیا۔ تم تو بے پر کی اڑاتی رہتی ہو۔''

''دیکھ لینا وقت آنے پر.....ان کے بیٹے کے ارادے ٹھیک نظر نہیں آ رہے مجھے، جب یہ بات سچ ہو جائے تو مان لینا۔''

جواباً عفیفہ خاموش رہی۔

''اور تم.....تمہاری اپنی کیا سوچ ہے اس بارے میں۔ ویسے تو مجھے معلوم ہے۔ صاف صاف نام لکھا ہے ان موصوف کا تمہارے چہرے پر۔'' وہ مسکرائی۔

''فضول میں۔''

''اب تم حقیقت سے نظریں چراؤ تو اور بات ہے۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی ''ویسے اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔ سبطین ایک اچھا شخص ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم جیسی لڑکی اس کے ساتھ خوش رہے گی۔ ورنہ کوئی تیز طرار شخص تو..... مجھے معلوم ہے تم میں بہت حوصلہ ہے لیکن ضرورت سے زیادہ حوصلہ دکھانے والے لوگ اندر سے کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور میری دعا ہے کہ تم اب اندر سے، دل سے خوش رہو۔'' نوین نے خلوص سے اس کے ہاتھ تھام لیے اور وہ چپ چاپ بیٹھی اس کا بے ریا چہرہ دیکھتی رہی۔

☆☆☆

فاخرہ کا ٹیلی فون ابا نے ہی اٹینڈ کیا تھا۔ اس روز اتوار تھا اور تقریباً سب ہی سو رہے تھے۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ خاموش کھڑے رہ گئے۔

''دیکھیے خاور جو بیت گیا اسے بھول جائیں اور اب تو وہ بھی نہیں رہی جس کی وجہ سے آپ کے اور پاپا کے درمیان نظریاتی اختلافات تھے لیکن اب ہم سب اس کے بچوں سے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ ممی پچھلے دنوں سب جان کر موت کے منہ سے پلٹ کر آئی ہیں۔ وہ ستارہ کے بچوں سے ملنا چاہتی ہیں۔''

جواباً ابا صرف اتنا بولے ''گڑے مردے اکھاڑنے سے تعفن پھیلتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ان سب باتوں کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔''

''گنجائش نکالی جاتی ہے۔'' فاخرہ نے ہمت نہیں ہاری ''میں یہاں پاکستان میں نہیں تھی ورنہ بہت پہلے یہ کوشش کر چکی ہوتی۔ شروع شروع میں تو آپ کی اور پاپا کی ضد نے ہمیں مجبور کیے رکھا لیکن گوشت سے ناخن کبھی جدا نہیں ہوتا۔ ممی ساری عمر ستارہ کے غم میں گھلتی رہی ہیں لیکن پاپا کی ناراضی کے خوف سے اندر ہی اندر گھٹتی رہیں۔ ستارہ آپ کے ڈر سے خاموش رہی ورنہ تو کیا سگے رشتے یوں ٹوٹ جاتے ہیں؟''

''آج اتنے سالوں بعد آپ کو اس کا خیال کیوں آ رہا ہے؟'' ابا کا لہجہ طنزیہ ہو گیا لیکن فاخرہ نے نظر انداز کر دیا۔

''اسی کا دکھ رہے گا ہمیں زندگی بھر، کاش ستارہ کی زندگی میں ہم یہ پیش رفت کر لیتے لیکن.....'' ان کی آواز لمحہ بھر کو بھرائی لیکن اگلے ہی لمحے انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

''بعض مرتبہ کسی ایک یا دو انسانوں کی بے جا ضد اور انا ہمیں مجبور کر دیتی ہے۔ ہم بھی مجبور تھے لیکن وقت آہستہ آہستہ خود راستہ بناتا ہے۔ اتنے سال گزر گئے، پاپا کے کندھے بھی جھک گئے ہیں۔ پہلے بیٹی کی ناراضی، اس سے دوری اور اب اس کی بے وقت موت نے انہیں ڈھا دیا ہے۔ پلیز آپ بھی سارے اختلافات بھول جائیں اور ہمارے بچوں کو ہم لوگوں سے ملنے دیں۔ شاید ان کی محبتیں، ان کے چہرے اس غم کو بھلانے میں مرہم ثابت ہو سکیں جو زندگی نے ہمیں لگا دیا ہے۔''

ان کے لہجے کی بے بسی اور دکھ کے بے پناہ احساس نے ابا کو کچھ دیر کے لیے خاموش ضرور کر دیا تھا لیکن برسوں کی جمی ہوئی گرد ایک دن میں تو صاف نہیں ہو سکتی تھی۔

''بچے ملنا چاہیں تو ان کی مرضی لیکن مجھ سے آپ کوئی توقعات مت رکھیے گا۔'' ان کی آواز میں سرد مہری تھی لیکن

[illegible] کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

☆☆☆

باسط..... جونہی سو کر اٹھے ابا نے انہیں فاخرہ کے فون کے بارے میں بتایا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ ان کی یہاں بار بار آمد کو برداشت نہیں کریں گے۔ ان لوگوں کو اگر اپنے ننھیال والوں سے تعلق ضرور ہی جوڑنا ہے تو وہیں جا کر آئیں۔

''ابا اب جب آپ نے اپنے دل میں اتنی گنجائش نکال ہی لی ہے تو مزید اس کے لیے بھی نکال لیں۔'' باسط نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''بس.....اتنا کافی ہے میرے خیال میں۔'' وہ قطعی لہجے میں کہہ کر اخبار میں منہ گھسا کر بیٹھ گئے۔

''چلو، واقعی فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' انہوں نے خود کو تسلی دی اور کچن میں نفیسہ کے پاس چلے آئے۔ وہ ناشتا بنا رہی تھی۔ ان کی آہٹ پر چونکی

''اٹھ گئے آپ باسط بھائی، پلیز سمیط بھائی اور وسیط کو بھی اٹھا دیں۔ سارا ناشتا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔''

''ان دونوں کو اٹھانا جوئے شیر لانے کے مطابق ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ اٹھ جائیں گے خود ہی۔ تم ایک اہم خبر سنو صبح فاخرہ آنٹی کا فون آیا تھا۔ ابا نے اٹینڈ کیا تھا۔''

''واقعی!'' وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

''ابا سے انہوں نے یہاں آنے کی اجازت مانگی تھی۔ نانو بھی آنا چاہتی ہیں۔ پتا نہیں دونوں میں اور کیا باتیں ہوئیں۔ فی الحال ابا نے انہیں آنے سے منع نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے آج ہی شام تک آ جائیں وہ لوگ..... یا پھر ایک دو دن میں۔'' باسط بھائی کی آواز میں جوش تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا.....اور اگر واقعی ایسا ہے تو.....کتنا اچھا ہوگا نا باسط بھائی اگر ہم لوگ ان سب سے ملنے جلنے لگیں۔''

''ہاں عافی سگے رشتوں سے کٹ کر کوئی کب تک رہ سکتا ہے۔ ابا بھی کچھ عرصے ناراض رہیں گے پھر مان ہی جائیں گے۔ بس ایک ہی خیال بار بار آتا ہے کہ کاش امی زندہ ہوتیں لیکن.....اللہ تعالیٰ کی مصلحتیں وہی جانتا ہے۔''

''ہاں۔'' اس کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا پھندا سا لگنے لگا تو اس نے اپنے آنسو باسط بھائی سے چھپانے کی غرض سے پیٹھ موڑ لی۔ امی آج کل اسے ہر ہر موڑ پر یاد آ رہی تھیں۔

''وہ ہوتیں تو کس قدر خوش ہوتیں۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگتیں۔ ان کے بجھے بجھے چہرے پر پھر سے مسکراہٹیں لوٹ آتیں۔'' وہ پھر سے ایک ہی بات سوچنے لگی تھی۔

باسط بھائی کچھ اور باتیں کر کے واپس چلے گئے تھے اور وہ ناشتا بناتے ہوئے، سمیط اور وسیط کو اٹھاتے ہوئے اور سب کو ناشتا سرو کرتے ہوئے مسلسل اسی موضوع پر سوچے جا رہی تھی۔

ابا کے سامنے ناشتا رکھتے ہوئے اس نے دزدیدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ انتہائی سنجیدہ نظر آ رہے تھے۔ ان کی شکنیں جو کچھ عرصے سے غائب ہو گئی تھیں۔ آج پھر سے نظر آ رہی تھیں۔

سمیط اور سمیط کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔ جبکہ باسط بھائی خاموشی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔

خود وہ چپ چاپ اپنا ناشتا لے کر وہیں آ کر بیٹھ گئی تھی لیکن بمشکل ایک دو نوالے حلق سے اتار سکی تھی اور اب [illegible] کپ تھامے آہستہ آہستہ اسے ختم کر رہی تھی۔

''آج ہماری بہن بہت خاموش نظر آ رہی ہے خیریت؟'' سمیط نے اس کی خاموشی کو محسوس کر لیا تھا۔

اس کی بات پر ابا نے چونک کر سر کو اٹھایا۔ وہ ان کے بالکل سامنے والی کرسی پر بیٹھی تھی۔ پتا نہیں ان کے دل کو کیا

ہوا وہ ایک ٹک اسے دیکھے گئے۔

وہ بالکل ستارہ کی مشابہت لے کر اس دنیا میں آئی تھی۔ ویسی ہی شکل وصورت، وہی عادات، وہی چپ رہنے کی ادا اور ویسی ہی دوسروں کی خدمتیں کرنا۔ کبھی کبھی جب وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرتے تو اندر سے کوئی انہیں کہتا۔

''خاور سعید، کیوں کرتے ہو تم ایسا۔ یہ تمہاری بیٹی ہے، تمہاری محبتوں کی حق دار۔ ستارہ کے کیے کی سزا تم اسے کیوں دے رہے ہو؟'' لیکن اگلے ہی لمحے وہ پھر سے پتھر دل ہو جاتے۔

''ستارہ کو اس کے ماں باپ نے بے جا آزادی دے رکھی تھی۔ تبھی تو وہ اس کا فائدہ اٹھا کر ان کی عزت کی پروا کیے بنا انہیں چھوڑ آئی۔ لڑکیوں کو اس قدر آزادی دینے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ عورت دبا کر رکھے جانے والی ہستی ہے تاکہ زندگی کے کسی موڑ پر وہ سر اٹھا کر اپنے گھر والوں کے لیے شرمندگی کا باعث نہ بن سکے۔''

لیکن ان کی عفیفہ تو ایسی نہیں تھی۔ اس نے ساری زندگی اپنی ہستی کو بھلا کر ان کی ہر بات مانی تھی۔ تعلیم سے لے کر زندگی گزارنے کے ہر ہر مرحلے تک وہ ان کی تابع رہی تھی۔ اس نے کبھی انہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا پھر انہوں نے آج تک اسے اپنی محبتوں سے محروم کیوں رکھا تھا کیوں زندگی بھر اپنے خود ساختہ خول میں بند رہے تھے۔

''عفیفہ، یہاں آؤ میرے پاس۔'' انہوں نے اچانک کہا تو سب ہی چونک گئے۔ خود عفیفہ کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اب اس سے ایسی کیا غلطی ہوگئی تھی۔ اس کے خوف کو ابا نے لمحے بھر کو محسوس کیا پھر خود ہی اٹھ کر اس کے پاس آئے۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''مجھے معاف کر دینا بیٹا۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ شفقت سے اس کے سر پر رکھا تو وہ جیسے پتھر کی بن گئی تھی۔

''میں نے زندگی بھر تمہارے ساتھ..... تم سب کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ تمہیں اپنی شفقت و محبت سے محروم رکھا ہے۔ مجھے اس جرم پر معاف کر دینا۔'' ان کی آواز نم ہوگئی تھی۔

وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ایسا مت کہیں ابا جی، سب ٹھیک ہے۔'' باسط بھائی اٹھ کر نزدیک آئے۔ ابا بغیر آواز کے رو رہے تھے۔

''میں نے بڑی زیادتی کی تم لوگوں کے ساتھ۔ تمہارے ماں کے کیے کی سزا تم سب کو دی۔ میرے اندر جیسے نرمی اور شفقت ختم ہوگئی تھی۔ مجھے زندگی بھر یہ احساس رہا کہ لوگ مجھے کن نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ بھول گیا کہ مجھے اپنے بچوں کو کن نظروں سے دیکھنا چاہیے۔ ایک محبت سے بھرپور نظر..... ایک باپ کی سی نظر۔''

''کوئی بات نہیں ابا جی، آپ ہمیں تب بھی بہت پیارے ہیں۔ ہمیں کچھ یاد نہیں۔ صرف یہ یاد ہے کہ آپ ہمارے باپ ہیں۔'' باسط بھائی نے دونوں بھائیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ سب کے سب ان سے لپٹ گئے۔

☆☆☆

ابا کے بدلتے ہی جیسے گھر میں ایک رونق سی اتر آئی تھی۔ وسیط تو صبح سے گنگناتا پھر رہا تھا۔ آج سمیط بھی گھر پر تھا اور اس کی مسکراہٹوں کو خوش ہو کر دیکھ رہا تھا۔ دوپہر کا کھانا بڑے خوشگوار موڈ میں کھایا گیا۔

بس ایک وہی تھی جو خوش تو تھی لیکن ایک اداسی جو اندر تک اتر گئی تھی اس کا کیا کرتی۔ ہزار وہ مسکرانا چاہتی تھی لیکن امی کی یادیں ہی پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

شام کی چائے بناتے ہوئے وہ اپنا دھیان اِدھر اُدھر لگا رہی تھی کہ کال بیل کی آواز پر جیسے اس کا دل تھم سا گیا۔ صبح سے وہ نانو کی آمد کی منتظر تھی اور ابا کا رویہ ان کے ساتھ کیسا ہوتا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

دروازہ شاید سمیط بھائی نے کھولا تھا یا وسیط نے..... لیکن کچھ ہی دیر بعد برآمدے سے کئی لوگوں کے بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ چولھا بند کر کے باہر نکل آئی۔ سامنے ہی نانو تھیں جو باسط بھائی کو گلے سے لگائے رو رہی

نہیں۔ ساتھ ہی فاخرہ، سبطین بھائی بیمار بھائی اور وسیط تھے۔
''عانی، میری بچی۔'' نانو نے اسے بھی لاؤنج کے دروازے پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ان سے لپٹ گئی۔ نانو کی حالت پھر سے غیر ہونے لگی تھی
''میری ستارہ..... میری بیٹی، کہاں چلی گئی وہ۔ اپنی ماں سے ایک بار تو مل لیتی۔''
''نانو پلیز، آپ اندر آئیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ ایسے مت کریں۔'' سبطین انہیں سمجھا رہا تھا۔
پھر باسط بھائی کو نانو کو اندر لے جانے کے اشارے کرنے لگا۔ باسط نے خود کو سنبھالا اور ان کا ہاتھ تھام کر اندر لانے لگے۔
لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ان کے چہرے کا رنگ لحہ بھر کے لیے بدلا۔ ابا اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہونٹ بھینچے سب دیکھ رہے تھے۔
''ابا یہ نانو ہیں یہ فاخرہ خالہ، سبطین سے تو آپ مل ہی چکے ہیں۔'' انہوں نے دبے لفظوں میں سب کا تعارف کروایا۔
''ہاں۔'' انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا اور اسی خاموشی سے اپنے کمرے میں پلٹ گئے۔
ان کے کمرے کا دروازہ بند ہوا تو سب چونکے۔ چاروں بہن بھائیوں کو شرمندگی نے گھیر لیا۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ ابا ان سب سے اچھی طرح نہیں ملیں گے لیکن صبح کی تبدیلی سے انہیں ایک امید سی ہو چلی تھی کہ شاید اب وہ نانو وغیرہ کے لیے بھی ساری کدورتیں بھلا دیں گے لیکن اس وقت کے ان کے رویے نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔
''آئی ایم سوری نانو، دراصل.....'' باسط صفائیاں پیش کرنے لگے ''کچھ وقت لگے گا پھر انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
''کوئی بات نہیں بیٹا، ہم سب باتوں کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو کر آئے ہیں۔'' فاخرہ زبردستی مسکرائیں۔ ''ہمیں اپنی ستارہ کے بچوں سے تعلق جوڑنا ہے۔ ہر حال میں، ہر قیمت پر۔ کسی کا رویہ ہماری اس کوشش پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔''
''میرا دل گواہی دیتا تھا۔ مجھے خبر ہو گئی تھی کہ یہ میری ستارہ کے بچے ہیں۔ میں سبطین سے بار بار کہتی تھی لیکن یہ ٹال جاتا تھا۔ میرے دل کی گواہی سچی نکلی۔ عانی تو بالکل ستارہ کی طرح ہے۔ میں تو خود حیران ہوتی تھی کہ کوئی دوسرا کسی سے اتنا مشابہ ہو سکتا ہے پھر میرا دل..... یہ بار بار تم لوگوں کے لیے ہمکتا تھا۔ یہ خون کی کشش تھی۔'' نانو گلوگیر لہجے میں اپنے چہرے پر گرتے آنسوؤں سے بے خبر کہے جا رہی تھیں۔
''میں تو خود حیران ہو جاتا تھا اس بات پر کہ آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے لیکن جب تک ممی پاکستان نہیں آ جاتیں میں آپ کو حقیقت نہیں بتا سکتا تھا۔'' سبطین نے کہا۔
''آیئے اندر بیٹھتے ہیں۔'' باسط بھائی نے انہیں اٹھانا چاہا۔ وہ لاؤنج میں رکھے تخت پر بیٹھ گئی تھیں۔
''نہیں، میں یہاں ٹھیک ہوں۔ مہمان تو نہیں ہوں۔'' وہ زبردستی مسکرائیں ''یہ میری ستارہ کا گھر ہے۔ وہ یہاں بیٹھتی ہو گی۔ یہاں چلتی پھرتی ہو گی..... لیکن اب.....''
وہ کہتے کہتے رک گئیں ''تم لوگوں نے ماں کے بغیر اتنا لمبا عرصہ کس طرح گزارہ ہو گا اور میں بدنصیب نہ تم لوگوں کا بچپن دیکھ سکی نہ زندگی کی مشکلات میں تمہارا حوصلہ بن سکی۔ مجھے معاف کر دینا بچو۔''
''نہیں نانو ایسا مت کہیں۔'' اب کی بار وسیط ان کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا تھا ''اس میں پتا نہیں کس کا قصور تھا

لیکن اب.....اب ہمیں سب کچھ بھلا کر ملنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ امی کی روح بہت خوش ہوگی۔"

"سمیط وہ چیئر یہاں اٹھا لاؤ۔" باسط نے سمیط کو اشارہ کیا پھر خود بھی اس کے ساتھ لاؤنج میں رکھی ایزی چیئر اٹھا کر وہیں تخت کے پاس لا کر رکھنے لگے۔

سبطین نے عفیفہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی۔ وہ کس قدر خاموش نظر آ رہی تھی۔

اس کے دل کو ایک تکلیف دہ احساس نے گھیر لیا۔ وہ تو اس لڑکی کے سارے دکھ سمیٹ لینا چاہتا تھا۔ اپنی بے رفاقت سے اس کی ذات کو اتنی خوشیاں دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے سارے غم بھول جائے مگر وہ آنے والے وقت کے خدشات میں گھری رہتی تھی۔

"بس اب وقت آ گیا ہے عفیفہ بیگم کہ آپ اپنے سارے خدشوں کو بھلا کر میری پناہ میں آ جائیں۔" وہ بے اختیار ہی مسکرا دیا۔

"خیریت، آپ کیوں اکیلے اکیلے مسکرائے جا رہے ہیں؟" وسیط کی اچانک اس پر نظر پڑ گئی تھی۔

"ہاں کچھ نہیں۔" وہ گڑبڑا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"عافی اچھی سی چائے ہو جائے۔" باسط بھائی کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بیٹا رہنے دو، میری بچی کو میرے پاس سے مت اٹھاؤ۔" نانو نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"سب مل کر پئیں گے نانو، پہلی بار کیا آپ اپنی بیٹی کے گھر ایک کپ چائے بھی نہیں پئیں گی۔"

باسط بھائی کے جملے نے انہیں خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

اس روز ابا ان سب کے جانے کے بعد اپنے کمرے سے نکلے تو ان کے چہرے پر وہی ازلی خشونت پھر سے عود کر آئی تھی۔ وہ سب ان سے نظریں چرائے پھرتے رہے۔ فی الحال انہیں نہ چھیڑنا ہی مناسب تھا لیکن دوسرے دن شام میں فاخرہ کا پھر سے فون آ گیا۔ باسط نے ابا کو بلایا تو انہوں نے ماتھے پر ہزاروں سلوٹیں لیے ریسیور تھام لیا۔

"دیکھیے خاور، جو بیت چکا اسے بھلانے کی کوشش کریں۔ یقیناً زیادتی آپ کے ساتھ بھی ہوئی ہے لیکن ہم سب خدا تو نہیں ہیں۔ غلطیاں ہم ہی سے ہوتی ہیں لیکن اب ہمیں بچوں کی خاطر سب کچھ بھول جانا چاہیے۔" دوسری طرف فاخرہ بول رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔

"میں، ممی اور پاپا آپ کے ہاں پھر سے آنا چاہتے ہیں۔"

"کس سلسلے میں.....؟" ان کا لہجہ پتھروں جیسا سخت ہو گیا۔ انہیں فیض صاحب کا برسوں پرانا رویہ یاد آ گیا تھا۔ کس قدر طنز تھا ان کی آواز میں۔

"کیا ہے تمہارے پاس۔ کیا دے سکو گے تم میری بیٹی کو۔ وہ نازوں میں پلی ہے۔ تم نے سوچا ہوگا کہ اس کے ذریعے تم وہ کچھ حاصل کر سکو گے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔" خاور کا چہرہ ان کی باتوں پر سرخ ہو گیا تھا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے سوائے ستارہ کے کسی چیز سے غرض نہیں ہے۔"

"جھوٹ بول رہے ہو تم۔ تم نے سوچا ہوگا اس کے ساتھ ساتھ تمہیں ایک اچھی نوکری، گھر اور بہت کچھ مل جائے گا اور تم بہت سی مشکلات سے بچ جاؤ گے۔ تم جیسے ہزاروں نوجوان زندگی کو آسان بنانے کے لیے ایسا ہی شارٹ کٹ اختیار کرتے ہیں مگر اس بھول میں مت رہنا کہ میں تمہاری یہ کوشش کامیاب ہونے دوں گا۔"

"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ کی اس دولت سے.....اور رہی آپ کی بیٹی تو وہ خود میری جانب بڑھی تھی۔" غصے میں کھڑا ہو گیا تھا "اگر اسے سنبھال سکتے ہیں تو سنبھال لیں لیکن یہ میرا دعویٰ ہے کہ وہ واپس نہیں پلٹے گی۔"

آپ.....تمام عمر اس بات کا ماتم کرتے رہیں گے۔" اس کے چہرے پر ایک زعم تھا۔ ان کی بیٹی پر مکمل اختیار حاصل کر لینے کا زعم۔ وہ چند لمحوں کے لیے ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔

"وہ میری بیٹی ہے۔ میری بیٹی!" اگلے ہی لمحے انہوں نے خود کو سنبھال کر یقین سے کہا تھا "تم اس کے لیے کتنے بھی اہم سہی.....لیکن وہ اپنے باپ کی محبتوں اور حکم سے نظریں نہیں چرا سکتی۔ تم جیسے ہزاروں لڑکے اس کے طالب ہیں لیکن میں اس کے لیے ایک اچھے اور مکمل لڑکے کا انتخاب کروں گا۔ تم جیسے ادھورے، ٹٹ پونجیے شخص کا نہیں۔ جس کے پاس میری بیٹی کو دینے کے لیے آسائشیں تو کیا محبت اور عزت تک نہیں ہے۔"

"یہی تو آپ کی غلطی ہے۔ روک لیجیے گا اسے کہ میرے گھر میں بھی اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔" وہ طنزیہ کہہ کر اٹھ گیا تھا۔

اور آج انہیں وہ ساری باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"پلیز خاور، گزری باتوں کو نظر انداز کر دیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو کل ہم آپ کے ہاں آنا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ سبطین کے لیے عفیفہ کا ہاتھ آپ سے مانگیں۔ اس طرح ہمارے دلوں سے وہ پرانی کدورتیں بھی دھل جائیں گی اور ہم لوگوں کے تعلقات پھر سے استوار ہو جائیں گے۔ نیا رشتہ اس پرانے رشتے پر جمے زنگ کو صاف کر دے گا۔"

"اپنے والد سے پوچھ لیا آپ نے، ایک معمولی شخص کی بیٹی اور ایک ملینر کا نواسا۔ بہت بے جوڑ سا رشتہ ہوگا اور بے جوڑ رشتے انہیں کچھ زیادہ بھاتے نہیں ہیں۔" ابا کو تو جیسے برسوں پرانے اپنے زخموں کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔

"میں نے ابھی کہا نا خاور کہ پچھلی باتیں بھول جائیں۔ عفیفہ مجھے بہت پسند آئی ہے پھر وہ میری بہن کی بیٹی ہے۔ بہن بھی وہ جو مجھے بہت پیاری تھی۔ اس طرح ستارہ پھر سے ہم لوگوں کی زندگی میں شامل ہو جائے گی۔ میں نے سبطین کے فادر سے بھی بات کر لی ہے۔ انہیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ بس آپ کی رضا چاہیے۔ اگر آپ اجازت دیں تو کل شام کو ہم لوگ آپ کے گھر آ جائیں اور اگر آپ کو کچھ وقت چاہیے تو وہ بھی آپ لے لیں لیکن میں ایک بار پھر کہوں گی کہ بیتی باتوں کو بھلا دیں۔"

"آپ شام میں آ جائیں....." ابا کی بات نے انہیں لمحے بھر کے لیے حیران کر دیا تھا لیکن اگلے ہی لمحے وہ حیرت کو بھلا کر خوش ہو گئیں۔

"اوکے.....پھر ہم کل شام کو آ رہے ہیں۔ تھینک یو خاور، یو آر سو نائس۔" اور ابا اپنی تعریفوں سے بے نیاز کچھ اور ہی سوچ رہے تھے۔

☆☆☆

باسط کو ابا نے ان لوگوں کی آمد کے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ تو جیسے یہ سنتے ہی کھل اٹھے تھے۔

"میں کہتا تھا نا ابا، عافی کے لیے کوئی اور بے حد اچھا رشتہ بھی آ سکتا ہے۔ شکر ہے کہ آپ نے ابھی اماں بی کو جواب نہیں دیا۔"

ابا جو ابا خاموش رہے تھے۔

دوسرے دن صبح آفس جانے سے پہلے باسط نے عفیفہ کو بتایا تو وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگی "تم نوین کو بلا لینا۔ رات کا کھانا وہ لوگ یہیں کھائیں گے۔ میں نانو کو فون کر دوں گا۔ جو چاہیے وہ وسیط سے منگوا لینا۔ مجھے آفس آج جلدی پہنچنا ہے لیکن شام میں جلدی آ جاؤں گا۔" اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا تو وہ نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے

"پریشان کیوں ہو رہی ہو، ابا میں تبدیلی تو تم دیکھ ہی چکی ہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ نانا جان پہلی بار

ہمارے ہاں آئیں گے۔ کوئی کسر نہیں رہنی چاہیے۔ کہو تو کچھ چیزیں بازار سے منگوالوں؟''

''نہیں باسط بھائی، یہ بات نہیں ہے۔ وہ سب میں کرلوں گی۔ بس مجھے تو اباجی کی طرف سے ڈر لگ رہا ہے۔ انہوں نے نانو کے ساتھ جیسا سلوک کیا۔ ویسا ہی نانا جان کے ساتھ کیا تو وہ پھر سے نہ خفا ہو جائیں۔ اتنی مشکل سے ان کی ناراضی ختم ہوئی ہے۔''

''اللہ پر چھوڑ دو سب کچھ۔ پہلے سے سوچ سوچ کر پریشان ہونا، مسئلے کا حل نہیں ہوتا پھر نانا جان بھی جانتے ہیں کہ ابا اس معاملے میں کیسے ہیں۔ وہ ذہنی طور پر تیار ہوں گے اور ہم لوگ بھی تو ہیں۔ ہم ان سے اتنی اچھی طرح پیش آئیں گے کہ اگر ابا کا رویہ نامناسب بھی ہوا تو وہ اتنا محسوس نہیں کریں گے۔ ویسے بھی انہیں آنے تو دو۔ ہوسکتا ہے ابا ویسا رویہ ہو نہ کریں بس ہماری طرف سے کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔''

''نہیں ہوگی انشاء اللہ۔'' وہ بمشکل مسکرائی۔

ان کے جاتے ہی اس نے وسیط کو چیزوں کی لسٹ تھما کر مارکیٹ بھیجا اور خود فون کر کے نوین کو بلا لیا۔ وہ بھی جلدی اپنے حصے کے کام نمٹا کر چلی آئی

''توبہ ہے عافی، خیریت تو ہے۔ کچھ بتایا بھی نہیں ''بس فوراً آجاؤ'' حکم نامہ جاری کر دیا۔ کیا غلطی سے تمہارے سسرال والے آرہے ہیں؟''

''نہیں، وہ نانو، نانا جان، فاخرہ خالہ، شیریں آنٹی اور ان کی فیملی وغیرہ سب آرہے ہیں رات کے کھانے پر۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اکیلے کیسے کروں..... اور کہاں سے شروع کروں۔''

''ہاں تو پھر نہیں کیوں کہہ رہی ہو۔ سسرال والے ہی ہوئے نا؟'' وہ بھرپور طریقے سے مسکرائی ''رشتہ لے کر آرہے ہیں تمہارے اس ہینڈسم کزن کا؟''

''پلیز نوین۔'' وہ چڑ سی گئی ''میں پہلے ہی پریشان ہوں۔''

''لو بھلا۔'' نوین سنجیدہ ہوگئی ''اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ایک دن تو یہ ہونا ہی تھا۔ میں نے تو روز سبطین کی آنکھوں میں تمہارا نام پڑھ لیا تھا پھر یہ تو خوشی کی بات ہے۔ تمہاری فاخرہ خالہ سے میں ہاسپٹل میں ملی تھی۔ بہت بھلی خاتون ہیں۔ تمہیں محبت سے رکھیں گی۔''

''اور ابا..... ابا کو تو نہیں جانتیں تم۔ ابھی تو صرف ان کی آمد پر ان کا یہ رویہ ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ایک آفت آجائے گی۔ پتا نہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں اور میں ان لوگوں کی محبتوں کو پھر سے کھونا نہیں چاہتی۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی سے وہم مت پالو۔ اللہ بہتر کرے گا۔ بس ہر پل خدا سے یہی دعا کرتی رہا کرو کہ اللہ میرے لیے جو میرے حق میں بہتر ہو وہی کر۔'' نوین کی آواز میں خلوص اور اطمینان دلاتا ایک احساس تھا۔ پتا نہیں کیوں خود بخود اس کا دل ہلکا پھلکا سا ہوگیا۔

''چلو کام کی ابتدا کرتے ہیں میں آسیہ باجی سے کہہ آئی ہوں۔ گھر کے کام وہ سنبھال لیں گی۔'' اس لڑکی کو لوگوں کو تسلی دینے کے کتنے گر آتے تھے۔ جہاں وہ ہوتی... ماحول کا بوجھل پن، پریشانیاں اور مسائل خود بخود بھاگ جاتے تھے۔

☆☆☆

باسط گھر آئے تو سارے کام تقریباً مکمل تھے۔ وہ اطمینان سے واش روم چلے گئے اور عفیفہ ان کی لائی ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔ کولڈ ڈرنکس، آئس کریم، مٹھائی، مختلف پھل اور بڑا سا چاکلیٹ کیک۔

''یا خدا، باسط بھائی کو کیا ہوگیا ہے۔ کیا سب کچھ ایک ہی دن میں کھلا ڈالیں گے۔ گھر میں بھی اتنی چیزیں تو کروالی ہیں اور یہ بھی.....'' نوین کی مدد سے چیزوں کو جگہ پر رکھتے ہوئے وہ بولی تو نوین شرارت سے مسکرائی۔

''سوچ رہے ہوں گے بہن کی سسرال والوں کی مدارات میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔''

''خدا کے لیے نوین، آج تو اپنی چونچ کو بند رکھو۔'' وہ ہول گئی ''گھر میں تینوں بھائی موجود ہیں۔ ابا بھی ابھی آتے ہوں گے۔ کسی کے کان میں تمہاری یہ فضول باتیں پڑ گئیں تو کتنی بری بات ہوگی۔''

''ارے واہ! اس میں بری کون سی بات ہے۔ تم دیکھ لینا، تمہاری نانو اور فاخرہ خالہ یہ بات ضرور کریں گی۔ تبھی تو سب کو سمیٹ کر لا رہی ہیں اور نہ کریں تو میرا نام بھلے سے کچھ اور رکھ دینا۔'' اس نے اتنے یقین سے کہا کہ وہ لمحے بھر کو خاموش سی ہوگئی۔

''اچھا اب سوچ سوچ کر پریشان مت ہو۔ میں گھر جا رہی ہوں ایک گھنٹے کے لیے۔ ذرا فریش ہو کر آجاؤں گی ورنہ اکیلے تم کیا کیا کرو گی۔ جب وہ لوگ تمہیں انگوٹھی پہنائیں گے تو.....''

عفیفہ کے تھوڑے پر وہ ہنسی۔

''چلو انگوٹھی نہ سہی۔ ہوسکتا ہے اتنی تیاری سے نہ آئیں پھر بھی ہار پھول تو ضرور لائیں گے۔ تو اس وقت مجھے ہی سنبھالنا ہوگا سب کچھ۔''

''نوین کی بچی، جاؤ تم چولھے کی گرمی تمہارے دماغ کو چڑھ گئی ہے۔ ٹھنڈے پانی سے نہاؤ گی تو بیکار باتیں کرنا چھوڑ دو گی۔'' وہ جھنجلا کر بولی تو وہ ہنستے ہوئے چلی گئی۔

ابا ان لوگوں کے آنے سے پہلے آگئے تھے اور روز کی طرح صاف ستھرا شلوار سوٹ پہنے لاؤنج میں آبیٹھے تھے۔ وہ ان کے لیے چائے لائی تو انہوں نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔ روز کی طرح وہ چہرے پر بے پناہ سنجیدگی لیے ہوئے تھی۔

''یہ تو لاعلم ہے، اسے کہاں پتا کہ وہ لوگ کس سلسلے میں آرہے ہیں لیکن کہیں یہ خواہش اس کی اپنی بھی تو نہیں۔ سبطین بظاہر اچھا لڑکا ہے۔ کافی دنوں سے آرہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بات کی ہو۔'' وہ اسے دیکھے گئے اور عفیفہ ان کی نظروں سے گھبرا کر پلٹ آئی۔

''سسٹر تیاری تو سب ٹھیک ہے نا؟'' وسیط نے آتے جاتے کئی بار پوچھا تھا۔ اور وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

''کچھ اور تو نہیں لانا؟'' باسط اس کے پاس کچن میں آئے تو پوچھ بیٹھے۔

''نہیں باسط بھائی پہلے ہی اتنا بہت کچھ لے آئے ہیں آپ۔ میں نے اور نوین نے کتنے کھانے بنا لیے ہیں گھر میں۔ آپ فکر مت کریں۔ سب ٹھیک ہوگا۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔ تو وہ اطمینان سے لوٹ گئے۔

ابھی رات گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ لوگ چلے آئے۔ ساتھ میں پھلوں اور مٹھائی کے ٹوکروں نے تو جیسے اس کے قدموں تلے سے زمین کو کھینچ لیا تھا۔ وہ منتظر رہی کہ ابا ابھی وہ سب کچھ لوٹا دیں گے ان کی بے عزتی کریں گے لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ ان سب سے انتہائی سنجیدگی اور اطمینان کے ساتھ ملے۔ حتیٰ کہ نانا جان سے بھی انہوں نے آرام سے ہاتھ ملایا اور سب کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے۔

فرقان علی ان سے بہت گرمجوشی سے ملے تھے۔ عمر بھی سب سے بہت خوش دلی سے مل رہا تھا لیکن شیریں اور زویا کے چہروں پر ایک بڑائی کا سا احساس تھا جیسے کہہ رہی ہوں۔ اتنا معمولی گھر۔ کس قدر احمق ہے یہ سبطین اور اس کی ماں۔ رشتہ ہمیشہ اپنے ہی جیسے لوگوں میں کرنا چاہیے لیکن مجبور تھیں کہ یہ بات ان ماں بیٹے کی عقل میں نہیں آرہی تھی۔

نانا جان خاموشی سے پورے گھر کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر دکھ کا عمیق احساس پھیل رہا تھا۔

''میری بیٹی یہاں رہا کرتی تھی۔ اس گھر میں، پتا نہیں کتنا یاد کرتی ہوگی وہ ہم سب کو۔ دروازے کو تکتی ہوگی شاید کہ ابا آجائے۔ سب کچھ بھلا کر لیکن ہر بار کسی دوسرے کو پا کر کتنی مایوس ہو جاتی ہوگی۔ کاش میں پہلے آجاتا اس گھر میں اپنی بیٹی سے مل لیتا۔ کیوں ضد ہو چلی تھی مجھے جبکہ اس کا جوڑ تو خدا نے اسی گھر میں بنا رکھا تھا پھر خوشی خوشی سب

ہو جاتا تو شاید وہ اتنی جلدی.....''

پتا نہیں کون کس سے باتیں کر رہا تھا۔ سبطین چپکے چپکے عفیفہ پر نظر ڈال لیتا تھا جو آج خوش ہونے کی کوشش میں الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ اس کے اندر کے خدشات اسے الجھائے ہوئے تھے۔ نوین کے ساتھ اس نے جلدی کھانا ختم کر دیا۔

''اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنے اچھے کھانے بنانے کس نے سکھائے ہماری بیٹی کو؟'' کھانے کے بعد نانا جان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس سے شفقت سے پوچھا تو اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''اماں بی رہتی ہیں ہمارے پڑوس میں، امی کے بعد سب کچھ ان ہی سے سیکھا ہے میں نے۔''

''امی کے بعد..... امی کے بعد.....'' ایک ہی جملہ ان کے چاروں جانب گشت کرنے لگا۔ کیسا دل دکھانے والا جملہ تھا۔ وہ چپ چاپ سے رہ گئے۔

کھانے سے فارغ ہوتے ہی فاخرہ ابا سے مخاطب ہوئیں ''خاور ہم سب کی خواہش ہے کہ عفیفہ ہمیشہ کے لیے ہماری بیٹی بن جائے۔ پلیز ہمیں مایوس مت لوٹائیے گا۔ جو کچھ بیت گیا اسے بھلا دیں۔'' ابا جواب تک انتہائی مروت کا مظاہرہ کر رہے تھے ایک دم سرد مہر ہو گئے۔

''آپ نے فون پر بھی یہی بات کی تھی لیکن اتنے بڑے فیصلے اتنی جلدی نہیں ہوتے، میں اس پر کچھ سوچوں گا۔''

''ضرور آپ ضرور سوچیں، یہ آپ کا حق ہے لیکن اتنا ضرور یاد رکھیے گا کہ ہم سب ان ٹوٹے رشتوں کو پھر سے استوار کرنا چاہتے ہیں۔ کاش ستارہ زندہ ہوتی تو سب کچھ کتنا اچھا لگتا لیکن جو خدا کی مرضی۔''

''فاخرہ باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں خاور، پرانی باتوں کو اس نئے رشتے پر اثر انداز نہیں ہونا چاہیے۔ سبطین اتنا اچھا بچہ ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے اس کی ہر بات کی ضمانت لے سکتا ہوں پھر بھی آپ ضرور سوچیں لیکن فیصلہ مثبت ہو تو بہت اچھی بات ہوگی۔'' فرقان علی بھی بولے۔

شیریں نے ایک نظر ان پر ڈالی۔ یہ بات آج تک ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ وہ اتنے بے غرض کیوں تھے۔ عفیفہ کے ابا کو اس رشتے پر راضی کرتے وقت کیا ان کو ایک بار بھی اپنی بیٹی یاد نہیں آئی تھی جبکہ سبطین اور زویا کا ایک ہونا ان کی بھی خواہش تھی۔

''جب یہ شخص غیر ہوتے ہوئے بھی اتنا مخلص ہے تو میں.....'' انہوں نے زندگی میں پہلی بار سوچا ''تو میں تو ان بچوں کی سگی خالہ ہوں۔ میرے اندر اتنا خلوص اور بے غرضی کیوں نہیں۔''

شرمندگی سے ان کے ماتھے پر ننھی ننھی بوندیں ابھر آئیں ''ستارہ سے میرے کتنے بھی نظریاتی اختلافات سہی۔ بہر حال وہ میری بہن تھی۔ جواب اس دنیا میں نہیں ہے۔ زویا میری اپنی بیٹی سہی لیکن عفیفہ بھی تو میری بھانجی ہے۔ میری بیٹی کی طرح.....''

وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر باہر نکل آئیں۔ عفیفہ نوین کے ساتھ چائے کے انتظامات میں لگی تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی ازلی سنجیدگی انہیں دکھی کر گئی۔

''اس عمر کی لڑکیوں کا چہرہ ایسا تو نہیں ہوتا۔ ان کی زویا تو ایسی نہیں تھی۔ کتنی خوش باش اور دنیا کے تمام تفکرات سے عاری رہتی تھی وہ۔ سبطین کی عفیفہ میں دلچسپی کے بارے میں سن کر کس قدر شاکڈ ہوئی تھی وہ کہ خودکشی تک کے بارے میں سوچنے لگی تھی لیکن پھر ان کے سمجھانے پر کتنی جلدی بھول بھی گئی تھی۔ زندگی اس کے نزدیک کڑا امتحان نہیں بلکہ ایک انجوائے منٹ تھی۔ جس میں کچھ دیر کے لیے دکھ ضرور آیا تھا لیکن بس کچھ دیر کے لیے۔ وہ لاابالی سی لڑکی زندگی کو روگ لگانے کی قائل ہی نہیں تھی مگر یہ۔''

''عفیفہ، ادھر آؤ میرے پاس۔'' انہوں نے کچن کے دروازے پر رک کر آہستگی سے کہا۔

عفیفہ چونک کر پلٹی۔ نوین بھی ٹرالی میں برتن جماتے جماتے رک گئی۔

''اتنی سنجیدہ نہ رہا کرو، ہنسا بولا کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس کا ماتھا چوما تو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆

اور شاید سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ شاید وہ سب اس کے لیے ٹھیک ہی ہو۔ خدا کی مصلحت تو خدا ہی جانتا ہے لیکن ان باتوں میں ابا کی کیا مصلحت تھی یہ کوئی کیسے جان سکتا تھا۔ انہوں نے سب کچھ اس پر چھوڑ دیا تھا اور ساتھ ہی سارے معاملات کی طنابیں اپنے ہاتھ میں رکھی تھیں۔ ان لوگوں کے جاتے ہی انہوں نے لاؤنج میں سب کو جمع کیا اور بولے تھے۔

''وہ لوگ پھر سے میرا صبر اور سکون چھین لینا چاہتے ہیں۔ پہلے تمہاری ماں کے ذریعے..... اور اب عفیفہ کے ذریعے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سبطین ٹھیک ٹھاک لڑکا ہے لیکن اس میں ایک خامی ہے کہ وہ فیض صاحب کا نواسا ہے۔ ان فیض صاحب کا جنہوں نے کئی سال پہلے اپنے گھر بلا کر میری ذات کی نفی کی تھی۔ ان کے نزدیک میں ایک گزرا شخص تھا جو ان کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ بہت اونچے اور میں ایک بونا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا نہیں گھر بلا کر ان کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کیا۔ انہیں عزت دی۔ وہ کچھ نہیں کیا جو انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا۔''

چاروں بہن بھائی دم سادھے ان کی باتوں کو سن رہے تھے۔ پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہتے تھے۔

''اب بال میرے کورٹ میں ہے۔'' وہ اطمینان سے بولے۔

''ابا آپ کی بیٹی ٹینس کی کوئی بال نہیں ہے۔ ایک جیتی جاگتی لڑکی ہے۔'' باسط نے کہنا چاہا لیکن ان کے لب جیسے سل گئے تھے۔

''اس کے باوجود میں عفیفہ کو اس کا حق ضرور دوں گا کہ اسلام بھی اسے اس کی اجازت دیتا ہے۔ اماں بی نے اشعر کے لیے خواہش ظاہر کی ہے اور یہ لوگ بھی سبطین کے لیے اس کا ہاتھ مانگ رہے تھے۔ اب فیصلہ عفیفہ کو کرنا ہے۔''

''اور آپ..... آپ کا کیا فیصلہ ہے۔'' باسط نے خاموشی کو توڑ کر پوچھا تو وہ عجیب سے طریقے سے مسکرائے۔

''فیصلہ میرا نہیں عفیفہ کا ہوگا۔ میں فیض صاحب نہیں ہوں۔ نہ ہی ایسا چاہوں گا کہ میری بیٹی کو مجھ سے کوئی شکوہ ہو۔ اپنی زندگی کا فیصلہ یہ خود کرے گی۔''

عفیفہ کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس کی زندگی کے سارے فیصلے انہوں نے ہمیشہ خود کیے تھے اور آج اتنے اہم فیصلے کو اس کے اختیار میں دے دیا تھا۔ یہ اس کا امتحان تھا یا پدرانہ شفقت۔ کوئی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

وسیط کے دل میں غصے اور ناراضی کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ابا ہمیشہ، ساری زندگی عفیفہ کے ساتھ زیادتیاں کرتے آئے تھے اور آج بھی... کیا وہ خود نہیں سمجھ سکتے تھے کہ عفیفہ کے لیے کون سا گھر اور کون سا لڑکا بہتر رہے گا۔ وہ کیوں اس کی بہن کا امتحان لینے پر تلے تھے۔

''کیوں عفیفہ، میں کس کے لیے ہاں کروں؟'' وہ پھر سے بولے تو باسط کا ضبط جواب دے گیا۔

''اگر آپ اس کا اختیار واقعی عفیفہ کو دینا چاہتے ہیں تو اسے سوچنے کے لیے وقت تو دیں ابا۔ یوں ایک دم..... پھر اس میں اس طرح اچانک فیصلہ کرنے کی ہمت ہی کہاں ہے۔ وہ دو ایک دن میں سوچ کر جواب دے دے گی۔'' سمیط نے بھی ایک نظر اپنی چپ چاپ سی بہن پر ڈالی۔

''باسط بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا۔ ہمیں عافی کو سوچنے کے لیے وقت دینا چاہیے۔ یوں وہ کیا فیصلہ کر پائے گی۔''

''کوئی ایسا مشکل کام بھی نہیں ہے۔ اشعر یا سبطین... بس ایک نام لینا ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔'' مہری سے بولے۔

''ہاں عفیفہ، اب تمہیں فیصلہ کرنا ہے۔ اماں بی کئی بار پوچھ چکی ہیں۔ تمہارے ننھیال والوں کی آمد کا بھی انہیں ہو جائے گا۔ انہیں جواب تو دینا ہوگا۔ میں اس مسئلے سے جلد از جلد نمٹنا چاہتا ہوں۔'' ابا نے پھر کہا۔ عفیفہ کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔

باسط بھائی نے تاسف سے ابا کی باتیں سنیں۔

''ابا بیٹی کی شادی مسئلہ نہیں ہوتی۔ اگر اسے مسئلہ نہ بنایا جائے۔ میں جانتا ہوں عافی کچھ نہیں بول سکے گی۔ لڑکیوں میں سے ہے نہیں جو اپنی زندگی کے مسئلے خود طے کرتی ہیں۔ آپ کل تک انتظار کرلیں آپ کو جواب مل جائے گا۔''

''ابھی کیوں نہیں؟'' ان کی آواز بلند ہوگئی ''ہم سب ہیں یہاں ہاں اگر اس نے ان کے علاوہ کچھ اور سوچ رکھا ہے تو.....''

''ابا.....!'' وہ سب کے سب ساکت رہ گئے تھے ''کوئی باپ اس حد تک بھی سوچ سکتا ہے۔'' ان کی بات پر عفیفہ کے بے جان وجود میں ہلچل سی مچی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اس کا دل چاہا تھا کہ انہیں جھنجوڑ کر رکھ دے۔ اتنا کہ ان کے اندر چھپی ساری نفرت باہر نکل آئے پھر وہ ان کے سینے سے لگ کر کہے ''ابا میں آپ کی بیٹی ہوں۔ آپ سے محبت اور عزت کی طلب گار ہوں۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ صرف ایک معتبر کردینے والی نظر ڈال دیں مجھ پر۔ میں سب کچھ بھول جاؤں گی۔''

''ابا۔'' اس کے بند لب کھلے ''آپ جہاں چاہیں جس سے چاہیں میری شادی کرادیں۔ میں نے کبھی اس بارے میں نہیں سوچا لیکن اپنی بیٹی پر اعتبار کرلیں۔ اسے صرف ایک بار اپنے بھروسے کی چادر سے ڈھک دیں۔'' باسط تڑپ کر آگے بڑھے تھے اور انہوں نے اسے سینے سے لگالیا تھا۔

''عافی، پلیز..... ایسا مت کہو۔ تمہاری زندگی کا ایک ایک پل ہمارے سامنے ہے۔ کچھ چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم ایک کھلی کتاب ہو اور اس کا ایک ایک حرف شفاف اور واضح لفظوں میں لکھا ہے۔''

''ہاں باسط بھائی، آپ ایسا ہی سوچتے ہیں میرے بارے میں۔ میں جانتی ہوں لیکن ابا کے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔ صرف ایک بار۔'' اس کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔

''ہاں میں جانتا ہوں۔ بہت اچھی طرح تم اپنی ماں سے مختلف ہو۔'' ابا نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ دکھ کے پاتال میں اتر گئی تھی۔

''میں اپنی ماں کی طرح ہوں ابا..... بالکل ان کی طرح۔ وہ بری نہیں تھیں۔ بس ایک چھوٹی سی لغزش نے انہیں اعتبار اور بھروسے کی مسند سے اتار کر بے اعتباری کی زمین پر لا پٹخا تھا۔ اپنی اس غلطی کی سزا وہ ساری عمر بھگتی رہیں لیکن اپنے ماتھے پر لگا وہ داغ نہ صاف کرپائیں کہ یہ معاشرہ مردوں کا ہے جہاں مردوں کی بڑی بڑی غلطیاں نظر انداز کردی جاتی ہیں جبکہ عورت کی چھوٹی سی غلطی بھی پکڑ کر اس کے ماتھے پر ہمیشہ کے لیے چسپاں کردی جاتی ہے۔''

''پلیز عافی، اتنی جلدی مت کرو۔ تم نہیں تو ہمیں تو اپنے لیے لڑائی لڑ لینے دو۔'' وسیط نے کہنا چاہا تھا لیکن بے وقوف لڑکی اپنے ہر حامی کی جانب سے نظریں بند کیے صرف ایک شخص کا اعتبار حاصل کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

ان سب کی سوچوں کے عین مطابق ابا نے فیصلہ اشعر کے حق میں دیا تھا۔ باسط کو زندگی میں پہلی بار اس احمق پر سخت غصہ آیا تھا۔ وہ ابا سے الجھنا نہیں چاہتے تھے لیکن خاموش بھی نہیں رہ سکتے تھے۔

''ابا پلیز آپ ایک بار اور سوچ لیں۔ آپ کے ان لوگوں سے لاکھ اختلافات سہی، نانا جان نے آپ کے ساتھ کیسا ہی سلوک کیا ہو لیکن اس سب میں سبطین کا کیا قصور ہے۔ اشعر خراب لڑکا نہیں لیکن ہمیں عفیفہ کے لیے بہتر سے بہترین کا انتخاب کرنا چاہیے۔ سبطین اشعر سے ہر لحاظ سے بہترین ہے۔ اس کا گھر، تعلیم، مزاج، رکھ رکھاؤ، شکل و صورت، سب کچھ اشعر سے کہیں اچھا ہے۔ جب عفیفہ کو ایک اچھا لڑکا مل سکتا ہے تو ہم اپنی انا کے زعم میں اسے ایک اچھی رفاقت اور ایک اچھی اور شان دار زندگی سے کیوں محروم کریں۔''

''عفیفہ نے اپنا ہر فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اسے فیصلے کا حق دیا تھا لیکن اس نے ہر بار یہی کہا کہ میں جو مناسب سمجھوں وہی کروں اور میرا خیال ہے کہ اشعر برا لڑکا نہیں۔ اماں بی کی ذات اس کے لیے کسی سائباں سے کم نہیں ہوگی پھر وہ سب کی نظروں سے نزدیک ہوگی۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ وہ میری بھی بیٹی ہے۔ میں اس کا برا نہیں سوچ سکتا۔'' انہوں نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ابا.....''

''کیا اس سلسلے میں عافی نے تم سے کچھ کہا ہے۔ کیا سبطین کے لیے اس نے.....؟''

''پلیز ابا..... ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ آپ سے کہتی۔ میرے بار بار پوچھنے پر مجھ سے کہتی۔ میں تو خود ہی اس کے لیے زیادہ مناسب لڑکا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے ابا کی بات کاٹ کر کہا۔

''اور تمہارے خیال میں مجھے اس کا احساس نہیں ہے۔ اشعر میں کوئی خامی ہوتی تو میں کبھی اس کے لیے نہیں سوچتا لیکن میں نے بچپن سے اسے دیکھا ہے۔ بہت سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ بالکل عفیفہ کے مزاج کا۔ اماں بی کے علاوہ اور کون ہے جو دخل انداز ہوگا اور اماں بی تو عفیفہ پر جان چھڑکتی ہیں۔ ساری عمر کس قدر خیال رکھا ہے انہوں نے عفیفہ کا پھر وہ ہمارے نزدیک بھی رہے گی۔ اور کوئی احساسِ کمتری بھی نہیں ہوگا اسے۔ سبطین کے گھر میں اسے سوائے احساسِ کمتری کے کچھ نہیں ملے گا اور میں..... میں زندگی بھر اس کے گھر سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ میں کتنا بھی وسیع القلب بن جاؤں میں وہ سب نہیں بھلا سکتا۔ میں تم لوگوں کو نہیں روکوں گا۔ وہ لوگ یہاں آئیں میں منع نہیں کروں گا لیکن اس گھر میں دوبارہ نہیں جاؤں گا جہاں سے ایک بار دھتکارا جاچکا ہوں۔'' ان کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

''لیکن ابا سبطین اس گھر میں تو نہیں رہتا۔'' باسط نے احتجاج جاری رکھا۔

''اس کی ماں اس شخص کی بیٹی تو ہے اور وہ سارے گھر میرے لیے ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔'' عجیب منطق تھی اور عجیب دل۔ ملنے کے باوجود وہ اپنے دل کی سیاہی نہیں دھو پائے تھے۔ کاش جان لیتے کہ دل میں کینہ رکھنے والا خدا کی نظر میں کس قدر ناپسندیدہ ہوتا ہے۔

''آپ عفیفہ کو بھی اپنے اس فیصلے آگاہ کردیں۔'' باسط نے تھک ہار کر ہار مان لی۔ جس کا مقدمہ تھا جب وہ پیچھے ہٹ رہا تھا تو وہ کب تک تنہا اس کے لیے لڑ سکتے تھے۔

''ہاں بلالو اسے، اس نے کہہ تو دیا تھا لیکن اسے کوئی اعتراض نہ ہو۔'' ان کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔

ابا کا فیصلہ سن کر وہ چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی تھی لیکن فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اتنی آسانی سے کہ اسے مستقل نظروں کی زد میں رکھنے والے باسط بھی اس کے اندر کی اس بے چینی کو محسوس نہیں کرسکے تھے۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا ابا کہ آپ کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہوگا۔ بس میں چاہتی ہوں کہ.....'' وہ کہتے کہتے کچھ دیر کے لیے رکی۔

ابا بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

''یہ شادی باسط بھائی کی شادی کے ساتھ نہ ہو۔ میں اپنے بھائی کی شادی انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ دوسرے اس شادی میں نانو وغیرہ کو بصد اصرار، عزت و احترام کے ساتھ انوائٹ کیا جائے تاکہ امی کی روح بے چین نہ ہو۔''

''اور کچھ نہیں..... پلیز عافی کہہ دو، تمہارے لیے سبطین زیادہ مناسب ہے۔ تم وہاں خوش رہو گی۔ امی سے تو سب کچھ چھن گیا لیکن تمہیں تو وہ سب مل جائے گا۔ وہ آسائشیں، محبتیں اور عزت۔'' باسط بھائی کی آنکھوں نے اس سے شکوہ کیا لیکن وہ نظریں چرا گئی۔

رات بھی تو وہ اس کے کمرے میں آئے تھے اس سے بار بار پوچھتے رہے کہ کہیں اس نے ابا کے دباؤ اور خوف سے تو سارے اختیار ابا کو نہیں دے دیئے ہیں اور اس نے ہر بار یہی جواب دیا تھا کہ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے باسط بھائی۔ میرے لیے ہر شخص ایک سا ہے۔ میں نے اس بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں پھر کیوں میں ابا کو اس کا اختیار نہ دوں۔''

''ٹھیک ہے جیسا تم چاہو۔'' ابا نے کہا تو وہ دل میں یہی سوچ سکی تھی۔

''بات میرے چاہنے کی تھی کب، بات تو آپ کی خواہش کی ہے۔''

☆☆☆

فاخرہ کے پاس جب باسط کا فون آیا تو ابا کا جواب جان کر وہ کوئی شکوہ تک نہ کر سکی تھیں لیکن باسط جانتے تھے کہ انہیں اس جواب کو سن کر بہت دکھ ہوا ہوگا۔

''عفیفہ نے سارے فیصلے ابا پر چھوڑ دیئے تھے فاخرہ آنٹی اور ابا نے بالآخر وہی کیا جو ان کے دل نے کہا۔ ہم اوپر سے کتنے بھی وسیع القلب بن جائیں فاخرہ آنٹی..... لیکن اندر سے وہی چھوٹا اور سکڑا ہوا دل رکھتے ہیں۔ جہاں موقع ملے بدلہ چکا دیتے ہیں۔ ابا بھی چاہنے کے باوجود سب کچھ بھلا نہیں پائے۔ اپنے دل سے وہ سالوں جما ہوا میل نہیں دھو سکے۔ کاش وہ ایک بار بیٹی کے بہتر مستقبل کے بارے میں ہی سوچ لیتے۔ ایک بار باپ بن جاتے۔'' باسط کی آواز میں دکھ کا گہرا احساس تھا۔ فاخرہ تو خود ایک شدید دھچکے میں تھیں اس لیے انہیں تسلی تک نہ دے سکیں۔

''بس جو خدا کو منظور بیٹا، میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں سبطین کو کیسے سمجھاؤں گی۔ یہ اس کی اپنی خواہش تھی۔ شدید خواہش۔'' یہ انکشاف باسط کے لیے کتنا نیا تھا۔

''اوہ! لیکن اس نے مجھے کبھی نہیں بتایا۔''

''ہاں وہ ایسا ہی ہے۔ رشتوں کے تقدس اور احترام کو اولیت دیتا ہے۔ اس نے مناسب یہی سمجھا کہ میرے ذریعے یہ قدم اٹھائے جو سب سے مناسب طریقہ ہے لیکن..... شاید عفیفہ اس کے مقدر میں ہی نہیں تھی اور میرے مقدر میں ایک اچھی بہو..... جو میری بیٹی بھی ہوتی۔'' ان کی آواز میں آنسوؤں کی جھنکار گونجی تو باسط کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''کاش آپ نے یہ بات مجھے پہلے بتا دی ہوتی یا سبطین ہی کچھ کہہ دیتا۔ مجھے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ عافی بھی آپ لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ محبتوں کو ترسی ہوئی ہے اور آپ کے گھر میں اسے بہت پیار ملتا..... لیکن خیر، آج رات اماں بی بات پکی کرنے آ رہی ہیں۔ ابا نے آپ سب کو دعوت دی ہے۔ میں نانو سے بات نہیں کر سکتا۔ جانتا ہوں انہیں صدمہ ہوگا۔ آپ انہیں سمجھا کر لے آیئے گا۔ شادی اگلے ماہ ہوگی کیونکہ اس کے پندرہ دن بعد میری شادی ہے اور عافی کی خواہش ہے کہ وہ میری شادی میں انجوائے کر سکے ورنہ شاید ابا دونوں شادیاں ساتھ ہی رکھتے۔''

''ہم ضرور آئیں گے۔ بے شک عافی میری بہو نہ بن سکی لیکن میری بھانجی تو ہے۔'' وہ فون رکھ کر پلٹیں تو دروازے پر کھڑے سبطین کو دیکھ کر ساکت رہ گئیں۔

''تو انہوں نے انکار کر دیا؟'' وہ عام سے لہجے میں کہہ کر وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ہاں، اس کے ابا نے۔ یقیناً ان کے دل میں ہمارے لیے گنجائش نہیں نکلتی ہوگی۔ ایسے موقعوں پر انسان اپنے

آپ سے بے بس ہو جاتا ہے۔''

''انسان تو ہر جگہ، ہر موقع پر اپنے آپ سے بے بس ہو جاتا ہے ممی، بے بس اور بے اختیار۔'' وہ مسکرایا تو فاخرہ کا دل تڑپ کر رہ گیا۔

ابھی تو انہوں نے اس کی آنکھوں میں عفیفہ کے نام کی قندیلیں جلتی دیکھی تھیں۔ وہ اس کے ذکر پر کتنا کھل کر مسکرایا کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کشش آ ٹھہرتی تھی اور وہ اسے نظر بھر کر دیکھتی بھی نہیں تھیں۔

''کیا عفیفہ کو تمہاری اس سوچ کی خبر نہیں تھی؟'' انہوں نے پوچھا۔

''شاید ممی، اسے خبر ہی نہیں تھی تبھی تو..... خیر چھوڑیں، نانو کو فون کرنے کے بجائے ان کے پاس چلی چلیں۔ یہ زیادہ ٹھیک ہوگا۔ میں ذرا فریش ہو کر آتا ہوں۔'' وہ اچانک اٹھ کر چلا گیا تو فاخرہ اس کے تیز قدموں کی لرزش کو دیکھنے لگیں۔

''کاش میرے اختیار میں کچھ ہوتا لیکن تم نے ٹھیک کہا میرے بچے، ہم سب بے اختیار ہیں اور یہاں آ کر یقین ہوتا ہے کہ جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔''

☆☆☆

صبح سے نہ معلوم وہ کس کی منتظر تھی لیکن وہی حال تھا کہ.....

فون خاموش ہے اور گیٹ کی گھنٹی بے صوت
جیسے اس شہر میں رہتا ہی نہیں تھا کوئی

''میں کس کے انتظار میں ہوں؟'' اس نے بے کلی سے سوچا۔

''سب کچھ اپنے ہاتھوں سے لٹا کر اب کس کی منتظر ہوں لیکن میرے ہاتھوں میں تھا ہی کیا۔ بے بسی اور بے اختیاری۔ ابا نے تو سارے اختیار مجھے دے کر بھی سارے فیصلے اپنے ہاتھ میں ہی رکھے اور مجھے تو سب کچھ چھوڑ کر بس ایک ہی شے حاصل کرنی تھی۔ وہ تھا اعتبار..... اور اگر میرے اس فیصلے سے مجھے وہ مل جاتا ہے تو میں تہی داماں کہاں رہی۔''

فون کی گھنٹی پر وہ چونکی۔ پتا نہیں کیوں دل کہہ رہا تھا۔ فون اسی کا ہوگا۔ کوئی شکوہ، کوئی شکایت۔ کوئی طنز کوئی گلہ۔ گھنٹیاں تواتر سے بجتی رہیں۔ اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھایا۔

''تو اب تم فون بھی نہیں اٹھاؤ گی؟'' سبطین کی شکوہ کناں آواز اس کے کان میں اتری۔

''نہیں دراصل میں اندر تھی، مجھے آواز نہیں آئی۔''

''جھوٹ، ابھی سے جھوٹ..... ابھی تو ساری عمر تمہیں ایک جھوٹ کی سی زندگی گزارنی ہے لیکن ابھی سے کیوں.....؟''

جواباً وہ اسے جھٹلا نہ سکی۔

''میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم نے اپنے دل کے خلاف فیصلہ کیوں کیا.....؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''زندگی ایک دن کی نہیں ہوتی عافی کہ اسے دوسروں کی خوشنودی کے لیے گزار دیا جائے۔ اپنے اندر کی آواز سے انحراف کرنا اپنے آپ سے سب سے بڑی بددیانتی ہوتی ہے اور تم وہی کرنے جا رہی ہو۔''

''آپ پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں۔''

''تم سمجھی ہی تو نہیں، میں نے تو سمجھانا چاہا تھا۔ ہم دونوں کا ساتھ کوئی قیامت نہیں لے آتا۔ نہ ہی کسی کی انا کو ٹھیس پہنچتی۔ بڑی بے ضرر سی خواہش تھی میری کہ زندگی کے راستے پر تمہارا ساتھ ہو۔ تمہارے گریز کو میں نے تمہاری

شخصیت کی سنجیدگی جانا تھا کہ شاید تم اظہار کی قائل نہیں ہو اور اسی لیے میں نے اپنے اندر کی شدتیں سنبھال کر رکھی تھیں کہ جب تم میرے گھر میں آؤ گی تو تمہیں ایک ایک کر کے سب سناؤں گا۔ سارا حال بتاؤں گا لیکن تم..... تم تو بہت انجان نکلیں۔ میرے ہر جذبے سے یکسر انجان اور میں اس خوش فہمی میں رہا کہ تم کچھ نہیں کہتیں نہ سہی لیکن جانتی تو ہو لیکن تم تو جانتی تک نہ تھیں کہ تمہارے اس فیصلے نے مجھ سے کیا کچھ چھین لیا ہے۔ زندگی تو گزر ہی جاتی ہے لیکن محبتوں کے بغیر بڑی کٹھن اور دشوار.....'' سبطین کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی اور اس کا یہ لہجہ اسے بھی اندر سے توڑ رہا تھا لیکن وہ اس کے سامنے کسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''زندگی محبتوں کے ساتھ اس سے بھی زیادہ کٹھن ہوتی ہے اور اس سے کہیں زیادہ دشوار..... میری امی نے ایسی زندگی گزاری ہے۔''

''ہر شخص خاور نہیں ہوا کرتا عفیفہ، تم نے فیصلہ کرتے وقت میرے بارے میں نہیں سوچا۔''

''پلیز سبطین بھائی، آپ کو مجھ سے کہیں بہتر لڑکی مل جائے گی۔ میں تو ویسے بھی آپ کے قابل نہیں ہوں۔ نہ آپ کے ماحول میں ڈھل سکتی تھی۔''

''کوئی کتنی بھی بہتر لڑکی ہو وہ تم تو نہیں ہوگی..... اور ماحول میں ڈھلنے کا کیا ہے۔ تم نہ ڈھلتیں تو میں تو تمہارے ماحول میں ڈھل سکتا تھا۔ ایک سادہ اور ہنستا کھیلتا ماحول..... لیکن تم نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا اور میری ماں کی آنکھوں کے سارے خواب..... جبکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہاری آنکھوں میں بھی میرے نام کے خواب تھے۔ اتنے سارے خوابوں کو توڑ کر تمہیں کیا ملا ظالم لڑکی.....؟''

''صرف ایک اعتبار۔'' اس نے دل میں سوچا اور ریسیور رکھ دیا۔

اور فون کو دوبارہ نہیں بجنا تھا سو وہ خاموش رہا۔ ویسے بھی کوئی کتنی بار دستک دے سکتا ہے؟

☆☆☆

سارے مراحل بخوبی بڑی تیزی سے طے ہو گئے۔ اماں بی کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ پہلی بار لوگوں نے اشعر کی آنکھوں میں ایک جان دار خوشی دیکھی تھی۔ باسط کے دل کو بھی اطمینان سا ہونے لگا۔

بے شک اشعر کے پاس سبطین جیسی آسائشیں نہیں تھیں لیکن اس کا دل عفیفہ کی محبت سے معمور تھا اور یہ سب کچھ اس کے چہرے کی طمانیت بتاتی تھی۔

''چلو محبتوں سے تمہارا دامن خالی نہیں رہے گا میری بہن..... اور محبت زندہ رہنے کے لیے کتنی ضروری ہے یہ کوئی مجھ سے پوچھے جس نے اپنی ماں کے چہرے پر اس محرومی سے پھیلتے سائے دیکھے تھے۔''

ابا یہ سب ہوتے دیکھ کر بہت مطمئن نظر آتے تھے لیکن جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا پتا نہیں کیوں ان کے دل کا اطمینان جیسے رخصت ہو رہا تھا۔ اچھا بھلا لیٹے لیٹے وہ اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ سوتے سوتے جاگ جاتے۔ بولتے بولتے ٹھٹک جاتے۔ انہیں لگتا جیسے کچھ ہے جو غلط ہو رہا ہے۔

چلتے پھرتے عفیفہ کے چہرے پر نظر پڑتی تو پتا نہیں کیوں انہیں اس کا چہرہ زرد محسوس ہونے لگتا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھی ہوئی دکھائی دیتی۔ وہ ہنستی تو لگتا جیسے اس کی آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی۔

پہلے تو وہ بہت چپ چاپ رہتی تھی۔ اب بھائیوں کے ساتھ بولتی نظر آتی حالانکہ اس نے اپنی شادی کی تیاریاں اچھی طرح کی تھیں لیکن ایسا کیوں محسوس ہوتا کہ کسی بھی چیز کو دیکھ کر اس کے چہرے پر وہ خوشی نہیں پھیلتی جو اس موقع پر ہر لڑکی کے چہرے پر نظر آتی ہے۔

پہلی بار انہوں نے دل کھول کر خرچ کیا تھا۔

تینوں بھائی حیران تھے ابا کی دریا دلی پر۔ انہوں نے عفیفہ کے لیے چیزوں کا ایک ڈھیر لگا دیا تھا۔ پتا نہیں یہ ان کا

بینک بیلنس تھا یا انہوں نے اپنے آفس سے ادھار لیا تھا۔

''ابا بس کریں، اب مزید چیزوں کی گنجائش نہیں ہے۔'' باسط بھائی ٹوکتے۔

''اور کس کے لیے رکھنا ہے۔ ایک عفیفہ ہی تو ہے۔'' وہ نظریں چرا کر اٹھ جاتے۔

''کاش ابا آپ عانی کو اتنی چیزیں نہ دیتے۔ سبطین جیسے لڑکے کا ساتھ.....'' وہ دل میں شکوہ کرتے۔

لیکن اگلے ہی لمحے ان کی آنکھوں کے سامنے اشعر کا مسکراتا ہوا چہرہ آجاتا ''اشعر کا ساتھ بھی برا نہیں ہے۔'' وہ خود کو تسلی دیتے۔

اماں بی نے بھی بری کی ایک ایک شے عانی کی پسند کی بنوائی تھی اور اس تیاری میں نوین اور آسیہ باجی نے بہت ساتھ دیا تھا۔ شہزاد کے امریکا جانے کے بعد مہناز خالہ بھی کچھ ٹھیک ہوگئی تھیں۔ بالکل تو کوئی بھی تبدیل نہیں ہوسکتا کہ فطرت کبھی نہیں بدلتی لیکن ان کے لیے یہ بات ہی اطمینان کا باعث تھی کہ ان کی بیٹی کے اپنے سسرال جانے سے پہلے نند کا ''ٹنٹا'' ہٹ رہا تھا اور وہ خود بھی اب وہاں آزادی سے آجا سکتی تھیں۔ اب بھلا ان سے کوئی یہ کیسے پوچھتا کہ اس بے ضرر سی لڑکی سے بھلا انہیں یا ان کی بیٹی کو کیا خطرہ ہوسکتا تھا۔

☆☆☆

کل اس کی رخصتی تھی جسے ساری زندگی وہ ایک ناکردہ گناہ کی سزا دیتے آئے تھے۔

لیٹے لیٹے ان کا دل بے کل ہونے لگا۔ پورے گھر پر ایک ہو کا عالم طاری تھا۔ ان کے کون سے بہت سارے رشتے دار تھے۔ ایک بہن تھیں جو پنڈی سے طبیعت کی خرابی کے باعث نہیں آسکی تھیں۔ یہاں رہنے والے رشتے دار زیادہ تر دور پار کے تھے جو ان کے رویے کے باعث سالوں آکر نہیں جھانکتے تھے۔ اب بھی یقیناً کارڈ بھجوائے جانے پر سیدھے ہال ہی میں پہنچتے۔

وہ بے چین ہو کر اپنے کمرے سے نکل آئے۔ عفیفہ کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ اس کے مایوں بیٹھنے کے بعد سے نوین رات میں بھی اس کے پاس رک رہی تھی۔ دونوں کے باتیں کرنے کی آواز آرہی تھی۔ ان کے قدم ٹھہر گئے۔

''تو کل آپ بھی پرائی ہو جائیں گی عانی جی۔'' نوین کی آواز میں افسردگی گھلی ہوئی تھی۔

''کون سا دور جا رہی ہوں، برابر والے گھر میں..... جیسے تم یہاں آتی تھیں وہاں آجایا کرنا۔'' یہ عفیفہ تھی۔

''مجھے زیادہ خوشی تب ہوتی جب تم اس محلے سے تو نکلتیں۔ تم سے ملنے کے لیے گاڑی میں جانا پڑتا۔ مثلاً ڈیفنس تک.....''

''پلیز نوین، اب تو بھول جاؤ۔'' عفیفہ نے بے بسی سے اسے ٹوکا۔

''میں بھول جاؤں یا تم..... کیا تم سبطین کو بھلا پائی ہو؟'' نوین نے تیزی سے کہا۔

ابا کی تو جیسے سانسیں رک گئیں۔

''ہاں..... اور میں نے انہیں یاد رکھا بھی کب تھا۔ کب کہا تھا کہ.....''

''جھوٹ بول رہی ہو تم، میں نے تمہارے چہرے پر سبطین کا نام لکھا دیکھا ہے لیکن پتا نہیں کیوں..... تم سبطین سے دستبردار ہوگئیں۔ ان کی ممی کتنے چاؤ سے تمہارا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ وہ سب تمہارے اپنے تھے بے انتہا چاہنے والے۔ تم پر کس قدر محبتیں نچھاور کرتے۔ میں تو بعد میں یہ سن کر حیران رہ گئی تھی کہ تمہاری شادی اشعر بھائی سے ہو رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اشعر بھائی میں کوئی خامی ہے۔ تمہاری زندگی کا ساتھی کوئی عام شخص ہو ہی نہیں سکتا لیکن سبطین..... وہ سب سے شان دار ہیں۔ سب سے بڑھ کر تمہیں اتنا چاہتے ہیں..... اور تم بھی..... پھر کیوں..... کیوں عانی، آج مجھے بتا دو۔ کل تو تم چلی جاؤ گی۔ ایک نئی زندگی کی ابتدا کرو گی پھر یہ سوال بے معنی ہو جائے گا۔ میں نے

تمہاری نسبت طے ہونے والے دن سبطین کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ کیسے سنبھال رہے تھے خود کو کتنی وسیع القلبی کا ثبوت دیا ہے انہوں نے..... ان کے گھر والوں نے..... لیکن تم نے ایسا کیوں کیا۔ محبتیں خوش نصیب لوگوں کو ملتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو پانے کی چاہ کی جاتی ہے۔ تمہیں تو ان سب نے بڑے چاؤ سے مانگا تھا لیکن تم نے انہیں ٹھکرا دیا۔''

''ایسا نہیں ہے..... یہ ابا کا فیصلہ تھا۔ میں نے سارے اختیار انہیں دے دیئے تھے۔ وہ سبطین سے کہتے تو میں ان سے شادی کر لیتی۔'' عفیفہ کے لہجے میں تھکن اتر آئی۔

''لیکن کیوں۔ تم نے خود کیوں نہیں اپنے لیے سوچا۔ میں جانتی ہوں تم سبطین کی سوچوں سے ناواقف نہیں تھیں۔ تمہیں بھی محبت تھی ان سے۔''

''پلیز نوین۔'' عفیفہ کی لرزتی ہوئی آواز آئی ''یہ سب اب بعد از وقت ہے۔ کل میری شادی ہے۔ کسی اور شخص سے..... مجھے وہ سب سوچنے پر مجبور نہ کرو۔ جسے بھلانے میں میرا وجود چھلنی ہو چکا ہے۔''

ابا کے وجود کو جیسے کوئی آرے سے دولخت کرتا چلا گیا۔ یہ کیسا انکشاف تھا۔

''میں نے سبطین کے جذبوں کی کبھی پذیرائی نہیں کی۔ انہیں کبھی یہ راہ نہیں دکھلائی۔ مجھے معلوم تھا ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں جانتی تھی کہ میری زندگی میں سے کوئی راستہ ان کے گھر تک نہیں جاتا۔ بس میں خود کو نہیں روک سکی، نہیں روک سکی نوین۔ یہ محبت کس قدر بے بس کر دینے والی شے ہے۔ ہر بات اختیار سے باہر ہوتی چلی جاتی ہے۔ میرے اختیار سے بھی سب کچھ باہر ہو گیا تھا۔ میں راتوں کو جاگ کر، دن میں پھرتے ہوئے انہیں گھنٹوں سوچتی تھی لیکن ان کو دیکھتے ہی پتھر ہو جاتی تھی۔ پتا نہیں کیوں میرے دل کو بہت پہلے سے ادراک ہو گیا تھا کہ میرا اور ان کا ساتھ ممکن نہیں۔ ابا ایسا کبھی نہیں چاہیں گے۔''

زندگی بدلنے والی ورزش کی مشینیں

EXERCISE BIKE

اپنے کمرے میں میلوں چلیئے اور سائیکلنگ کا لطف اٹھائیے۔ کسی بھی عمر میں اسمارٹ اور توانائی سے بھرپور رہنے کے لئے صرف ۵ منٹ روزانہ، کسی بھی وقت استعمال کیجئے۔ بے شمار ماڈلز آپ کے انتخاب کے لئے۔ آپ کے بجٹ کے عین مطابق۔

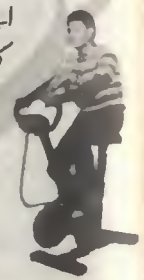

JOGGING TREADMILL

ڈاکٹرز کی پسندیدہ اور تجویز کردہ۔ دُنیا بھر میں موٹاپے اور کولیسٹرول کے خاتمے اور زندگی بھر اسمارٹ اور فٹ رہنے کے لئے آزمودہ جو ایئن و حضرات کے لئے یکساں مفید بجلی سے چلنے والے خود کار نیز مینوئل ماڈلز کی وسیع رینج آپکی ضرورت اور بجٹ کے عین مطابق۔

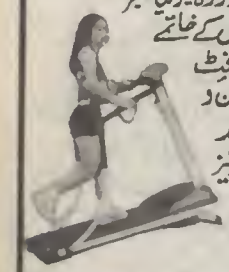

یاد رکھیئے! دائمی صحت برقرار رکھنے کے لئے چند منٹ کی گھریلو ورزش کا کوئی نعم البدل نہیں، ورزش کے کوئی مضر اثرات نہیں

BILAL BROTHERS

Mustafa Arcade, SMCHS, Karachi. Tel: 4531961-62

All Brands of Exercisers Repaired
All Credit Cards Accepted

LAHORE		PESHAWAR		FAISALABAD	QUETTA	MULTAN
NABI BUX	SPORTS LIFE	MOLACO	RASHID SONS	ELECTROLUXE	SPORTS HOUSE	DAWN SPORTS
Tel 7354004	Tel: 6303519	Tel: 273585	Tel: 272823	Tel: 541004	Tel: 825564	Tel: 541658

BB-2002/002

marksman

وہ عفیفہ کے آنسو اپنے چہرے پر محسوس کر رہے تھے۔

''لیکن وسیط تو بتا رہا تھا کہ تمہارے ابا نے تم سے پوچھا تھا۔ دونوں کے بارے میں لیکن تم نے ہر فیصلہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ تم سبطین کا نام بھی تو لے سکتی تھیں۔''

''اور ہمیشہ کے لیے اس اعتبار کو کھو دیتی۔ جسے پانے کے لیے ساری زندگی میں نے اپنا دامن بچا کر رکھا تھا۔ تم نہیں جانتیں نوین کہ باپ کی آنکھوں میں نا اعتباری کیسے دل کو چیر دیتی ہے۔ تم نے تو اپنے ابو سے ہمیشہ محبت اور شفقت سمیٹی ہے لیکن میں نے ساری زندگی ایک دھند میں گزاری ہے۔ امی کے کیے کی سزا مجھے ہمیشہ ملتی رہی۔ ان کے ایک غلط قدم نے ہمیشہ انہیں بھی بے اعتباری کے سائے میں رکھا اور بعد میں ان کی بیٹی کو بھی۔ ابا یہی سوچتے رہے کہ معمولی سی آزادی بھی لڑکیوں کے قدم لڑکھڑا دیتی ہے۔ وہ بگڑ جاتی ہیں اور ان کی اس سوچ نے مجھے ساری عمر ان کی محبت سے محروم رکھا لیکن اس روز جب میں نے سب کچھ ابا پر چھوڑ دیا تو جانتی ہو پہلی بار انہوں نے بے اعتباری کی چادر کو اپنی آنکھوں سے اتار کر مجھے یوں دیکھا جیسے ایک دبیز کہر میں سے کوئی کرن اچانک چمک اٹھے اور وہ راستہ جو دھند کی وجہ سے نظر نہ آ رہا ہو ایک دم واضح ہو کر نظر آنے لگے لیکن تم میری فیلنگز نہیں سمجھو گی۔ میں نے اپنی ماں کا قرض ادا کیا ہے سود کے ساتھ۔ بدلے میں مجھے ابا کی شفقت اور اعتبار ملا ہے تو میں نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔ بے شک تم مجھے جذباتی کہو، احمق کہو یا نادان..... لیکن جس شخص نے ساری زندگی بے اعتباری کے سائے میں گزاری ہو اسے ایک اپنے دل اور خواہش کی قربانی سے ایک دم بہت سا اعتبار حاصل ہو جائے تو کیا برا ہے اور محبتوں کا کیا ہے میرے حصے کی محبتیں بھی مجھے مل ہی جائیں گی۔''

ابا کا پورا وجود جیسے کسی گہری دلدل میں اترتا چلا گیا۔

''تو تم نے صرف ایک اعتبار کے بدلے ساری عمر کی نارسائی سمیٹ لی۔''

''ماں باپ کا اعتبار اور بھروسا ایک غیر شخص کی محبت سے کہیں قیمتی ہوا کرتا ہے نوین لیکن نادان لڑکیاں یہ کبھی نہیں سمجھتیں اور رہی محبت تو وہ آپ کو ملنی ہے تو مل کر رہے گی اور نصیب میں نہیں لکھی تو سب کچھ کھو کر بھی آپ کے ہاتھ نہیں آئے گی۔''

وہ لرزتے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔

یہ کیا ہو گیا تھا ان سے... وہ اپنی اکلوتی بیٹی کی دھواں دھواں آنکھیں تک نہ دیکھ سکے۔ ماں کا قرض ادا کرتے کرتے اس نے اپنی ذات کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ صرف ایک اعتبار پانے کے لیے۔

کل اس کو اس گھر سے رخصت ہو جانا تھا۔ بیٹیوں کو تو رخصت ہونا ہی ہوتا ہے۔ اور ان کی بیٹی بھی اپنے باپ سے کوئی شکوہ کیے بنا کل اس گھر سے چلی جائے گی۔ اپنے باپ کا بہت سا اعتبار اپنے دامن میں سمیٹے۔

ان کا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہ رہا تھا لیکن وہ ساکت بیٹھے آئینے میں ایک پتھر شخص کو دیکھ رہے تھے۔ اور بھلا پتھر بھی رویا کرتے ہیں۔

''مجھے معاف کر دینا ستارہ، میں نے تمہارے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا تھا..... اور آج تمہاری بیٹی کے ساتھ بھی.....''

زندگی میں پہلی بار وہ اعتراف کر رہے تھے۔ بے بسی کے ایک تکلیف دہ احساس نے ان کے پورے وجود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ لیکن آج ان کے اختیار میں کچھ نہیں تھا۔

عورت ان کی نظر میں کبھی قابلِ اعتبار ہستی نہیں رہی تھی لیکن آج ایک عورت نے ہی ان کے اعتبار کو لوٹا دیا تھا۔

(ختم شد)

بلا عنوان

ذکیہ بلگرامی

ماتم کی فضا ہے شہرِ دل میں
مجھ میں کوئی شخص مر گیا ہے
بجھنے کو ہے پھر سے چشم نرگس
پھر خوابِ صبا بکھر گیا ہے

خود پسند لوگ اپنے سامنے علاوہ سب کو حقیر جانتے ہیں اور کوئی نہ کوئی نادانی کر بیٹھتے ہیں لیکن یہ نادانیاں جب نا رسائیاں بن جاتی ہیں تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

روما ایک عام سی لڑکی تھی مگر خاص نظر آتی تھی۔ اپنی کلاس کے تمام لڑکے اور لڑکیوں میں سب سے منفرد۔ وہ ہمیشہ سادہ لباس پہنتی اور کبھی بھی چھٹی نہیں کرتی تھی۔

اس کی عادت تھی پریکٹیکل جرنل وہ وقت پر مکمل کر لیتی اور پھر چیک بھی کروا لیتی۔ وہ آج کا کام کل پر ٹالنے کی عادی نہیں تھی۔ کلاس کے لڑکوں سے اس کی بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی کیونکہ وہ بلاضرورت ان سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی اور ضرورت کبھی ہوتی ہی نہ تھی۔ البتہ کلاس کی لڑکیوں سے اچھے مراسم تھے مگر بے تکلفی نہ تھی۔

اس کی صرف ایک ہی کلوز فرینڈ تھی زارا۔ یہ دونوں ساتھ رہتی تھیں۔ ساتھ ہی پڑھائی کرتی تھیں۔ ایم ایس سی کا پہلا سال تھا۔ روما کی دوستی زارا سے یونیورسٹی میں ہی ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے شناسا نہیں تھیں۔ پڑھائی میں بہت اچھی ہونے کے باعث سب ہی اس کی عزت کرتے تھے۔ خاص طور پر اساتذہ..... اکثر مختلف موضوعات پر ڈسکشن ہوتی تو روما اس میں ضرور شامل ہوتی۔ تقریباً تمام اساتذہ ہی بہت اچھے تھے مگر کچھ نئے لڑکے بھی ڈیپارٹمنٹ میں عارضی جاب حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ان کی ملازمت کو ''کوآپریٹو'' کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ ان کی تنخواہیں بہت کم تھیں اور چھٹیوں میں تنخواہ نہیں ملتی تھی لیکن ملک کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے سب ہی کو ہر طرح کے حالات سے سمجھوتا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

انہی نئے استادوں میں سر سلمان اور سر جنید بھی تھے۔ وہ دونوں دوست تھے۔ سر سلمان کو اپنی اچھی شکل وصورت کا بے حد احساس تھا اور ان کی عادت تھی لڑکیوں سے فری ہونے کی، ان سے باتیں کرنے کی۔ ان کا ساتھ دینے والے اور انہیں خوش فہمی میں مبتلا کرنے والے ان کے ساتھی جنید تھے۔ سر سلمان کا خیال تھا ساری لڑکیاں ان کی دیوانی ہیں۔ ان سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں جبکہ وہ خود کسی امیر کبیر اور حسن کی دیوی کی تلاش میں تھے۔ لہٰذا باتیں تو سب سے بناتے مگر کسی کے لیے سنجیدہ نہ ہوتے۔ عقل مند لڑکیاں ان کی طبیعت کو سمجھتی تھیں مگر استاد جان کر درگزر سے کام لیتی تھیں۔

☆☆☆

''وہ دیکھو سلمان روما آ رہی ہے اپنا جرنل لے کر۔'' جنید نے کہا۔

''بھئی میں تو سخت الرجک ہوں اس لڑکی سے۔ بہانہ ڈھونڈتی ہے میرے پاس آنے کا۔ ورنہ کیا مسئلہ ہے اگلے ہفتے چیک کروا لے جرنل جب لیب ہوگی۔''

عنوان تجویز کیجیے اور روز بیوٹی پارلر کی طرف سے انعامات حاصل کیجیے

افسانہ ''بلاعنوان'' شائع کر کے بہنوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اس کا عنوان تجویز کریں۔ تین بہترین عنوانات پر روز بیوٹی پارلر کی طرف سے وال کلاک اور کیش پرائز انعام دیے جائیں گے۔

1- انعامی سلسلوں کے لئے الگ لفافہ استعمال کریں۔ اوپر جلی حروف میں انعامی سلسلے کا نام لکھا جائے۔

2- ٹوکن کے ساتھ آنے والے عنوانات کو قرعہ اندازی میں شامل کیا جائے گا۔

افسانے کا نام _____

نام _____ فون نمبر _____

پتا _____

''بھئی لڑکی تو اچھی ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ.....''

''ذرا بھی اچھی نہیں ہے۔ لاحول ولاقوۃ! تم بھی کس کا ذکر لے بیٹھے۔'' اتنے میں روما آ گئی۔

''جی فرمایئے۔'' سلمان نے سر اٹھا کر کہا۔

''سر یہ جرنل میں نے آج ہی مکمل کر لیا ہے آپ چیک کر لیں۔''

''اگلے ہفتے دیکھ لوں گا جب لیب ہوگی آخر اتنی جلدی کیا ہے؟''

''لیکن میں چاہتی ہوں میرا روزانہ کا کام مکمل رہے۔ اسی لیے میں نے بریک میں بیٹھ کر مکمل کیا ہے۔''

''بھئی چیک کر لو۔'' جنید نے کہا ''ایک سائن ہی تو کرنے ہیں کر دو۔'' سلمان نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے جرنل تھاما اور سائن کر کے روما کو واپس کر دیا۔ وہ فوراً واپس چلی گئی۔

روما کو ان کی طنزیہ مسکراہٹ زہر لگی۔ وہ بیزار شکل بنائے کلاس میں آئی تو زارا نے کہا۔

''خیریت، تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔''

''ظاہر ہے سر سلمان کے پاس سے آ رہی ہوں۔ شکل پر کچھ نہ کچھ تو بجے گا ہی۔ عجیب قماش کے آدمی ہیں۔ خدا جانے کیسے کیسے لوگوں کو لیکچرر بھرتی کر لیا جاتا ہے۔''

''بھئی ان کے تو بہت ڈنکے ہیں ڈیپارٹمنٹ میں۔ جس کو دیکھو ان کے نام کی مالا جپ رہا ہے۔'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''ان کے نام کی مالا جپنے والے بھی انہی کی کیٹگری کے لوگ ہیں۔''

''مجھے تو رخشندہ دانیال پر ترس آتا ہے۔'' زارا نے کہا ''باقاعدہ عشق کر رہی ہے سر سلمان سے۔''

''پچھتائے گی کسی روز۔ وہ ایسے آدمی نہیں جن پر بھروسا کیا جا سکے مگر اسے سمجھائے کون۔'' روما نے کہا۔

''چھوڑو ہمیں کیا۔ جو کرتی ہے کرنے دو۔''

''لیکن ایسی ہی لڑکیوں نے ان حضرت کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔''

''تم کیوں اپنا خون جلا رہی ہو۔ جو ہو رہا ہے ہونے دو۔''

''بھئی میں جب بھی جرنل چیک کروانے جاتی ہوں ان کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ہوتی ہے جیسے میں ان سے ملاقات کے لیے بہانہ بنا کر گئی ہوں۔''

نتیجہ برائے بلاعنوان

گزشتہ ماہ فائزہ افتخار چندا کا افسانہ بلاعنوان شائع کر کے پاکیزہ بہنوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اس کا بہترین عنوان تجویز کریں۔ ہمیں خوشی ہے کہ بہنوں نے ''بلاعنوان'' کے اس انعامی مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہمیں ہزاروں کی تعداد میں عنوانات بھیجے۔

نوٹ: ایک سے زائد یکساں عنوانات کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جاتا ہے۔ کراچی کے انعام یافتگان کو اپنا انعام پاکیزہ کے آفس سے دستی وصول کرنا ہوگا۔ اس ماہ کے منتخب عنوانات یہ ہیں۔

1. ..... ہیں کواکب کچھ ..... فرحت احمد ..... کراچی
2. ..... بے یقیں رستوں کے مسافر ..... فرزانہ سہیل ..... میاں چنوں
3. ..... اک سربستہ راز ..... عرفانہ نرگس ..... سرگودھا

''تو مت جایا کرو ان کے پاس۔''

''میں صرف انہیں استاد سمجھتی ہوں اور اپنے کام سے جاتی ہوں، اب ان کی مرضی ہے وہ جو چاہیں سمجھیں۔'' اتنے میں رخشندہ دانیال آ گئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے۔ آنکھوں میں اَن دیکھے خواب سجائے۔

''کیوں بھئی بہت خوش نظر آ رہی ہو۔'' زارا نے پوچھا۔

''وہ نا..... سر سلمان نے مجھے بلایا تھا۔ پرسوں کی کلاس میں نے مس کر دی تھی وہی پڑھا رہے تھے۔ اللہ کتنے سویٹ ہیں۔ کتنا خیال کرتے ہیں ورنہ کسی کو کیا پروا ہوتی ہے۔''

''ہاں واقعی۔'' زارا نے سیریس ہو کر کہا ''مبارک ہو تمہیں، تمہارا اتنا خیال کرتے ہیں۔''

''مبارک کی اس میں کیا بات ہے۔ آخر استاد ہیں میرے۔ تم اس طرح کیوں کہہ رہی ہو۔'' رخشندہ نے برا منایا۔

''برا کیوں مان رہی ہو، میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی۔'' زارا نے اٹھتے ہوئے کہا ''آؤ روما سیمینار میں چلتے ہیں۔ کچھ نوٹس بنا لیں گے۔''

''ہاں چلو۔''

دونوں سہیلیاں کلاس سے نکل کر سیمینار چلی گئیں۔

☆☆☆

پیریڈ فری تھا۔ روما اور زارا ایک درخت کے نیچے گھاس پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

''روما تم نے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ کتنے بھائی بہن ہو، سب کیا کرتے ہیں؟''

''بھئی تم نے پوچھا کب۔ ہم تین بہنیں ہیں اور ایک بھائی۔ میری دو بہنوں کی شادی ہو چکی ہے وہ ملک سے باہر ہیں۔ بھائی ابھی پڑھ رہا ہے اور میں اپنی پھوپی جان کے گھر رہتی ہوں۔ انہوں نے بچپن سے ہی مجھے ابو سے مانگ لیا تھا کیونکہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔''

''اوہ تو تم اپنی پھوپی کے گھر رہتی ہو۔ کیا کہتی ہو انہیں؟''

''میں پھوپی جان اور پھوپا جان ہی کہتی ہوں اور اپنے امی ابو کو امی ابو۔''

''تمہارے ابو؟''

''وہ بھی یہیں ہیں کراچی میں۔ جاب کرتے ہیں اور ہاں تم بھی تو بتاؤ کچھ اپنے بارے میں۔''

''ہم گلشن میں فلیٹ میں رہتے ہیں۔ روما ہمارا گھر زیادہ بڑا نہیں۔ ابو بھی ایک کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں۔ ہم پانچ بہنیں ہیں بھائی کوئی نہیں۔''

''ارے تو کیا ہوا، یہ کوئی برائی تو نہیں۔''

''ہاں روما..... مگر کبھی کبھی دل چاہتا ہے میرا بھی کوئی بھائی ہوتا۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے ہم عزت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ ابو کی تمنا تھی کہ ہم پانچوں بہنیں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور اپنے قدموں پر کھڑی ہوں۔ بس ابو کی خواہش پوری کر رہے ہیں۔''

''تمہاری بہنیں کیا کر رہی ہیں؟''

''ایک ڈاکٹر اور دوسری انجینئر بن چکی ہیں۔ جاب کر رہی ہیں۔ میں بھی ایم ایس سی مکمل کر لوں تو کہیں پڑھانے لگ جاؤں گی۔ میری دو بہنیں ابھی کالج میں ہیں۔''

''ویری گڈ۔ تمہاری کسی بہن کی شادی.....''

''ہاں روما میری کسی بہن کی شادی ابھی تک نہیں ہوئی۔ حالانکہ جب سے باجی اور آپا نے ملازمت کی ہے ہمارے گھر کے مالی حالات بہت اچھے ہو گئے ہیں۔ بس قسمت کی بات ہے کوئی معقول رشتہ آتا ہی نہیں۔''

''فکر نہ کرو زارا، اللہ تعالیٰ سب پر کرم کرتا ہے، اس کے گھر دیر ہے پر اندھیر نہیں۔''

''امی بہت فکر مند رہتی ہیں ہم بہنوں کی طرف سے۔ ان کا بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا ہے۔ ابو بھی فکر کرتے ہیں مگر وہ مرد ہیں ظاہر نہیں کرتے۔''

اچھا چھوڑو اس بات کو، آؤ ذرا کینٹین سے کچھ کھا پی کر آتے ہیں۔'' روما نے موضوع بدل کر کہا۔

''ارے ہاں یاد آیا۔'' اچانک زارا بول پڑی۔ ''ایک بات تو میں تمہیں بتانا بھول ہی گئی۔''

''کون سی بات؟''

''پرسوں مجھے اپنی ایک پرانی دوست شاہین ملی تھی۔ اسکول فرینڈ ہے میری۔ وہ سر سلمان کی کزن ہوتی ہے۔ باتوں باتوں میں اس نے بتایا کہ سر سلمان کے والد فوت ہو چکے ہیں۔ بیوہ ماں ہیں۔ ان سے بڑی دو بہنیں صرف بی، اے کر کے گھر میں بیٹھی ہیں۔ ان کی شادیاں نہیں ہوئیں اور ایک چھوٹی بہن ہے وہ بھی بی، اے کر رہی ہے۔''

''پھر تو خاصی مالی مشکلات ہوں گی گھر میں۔''

''بہت زیادہ۔ یہی تو میں تمہیں بتا رہی ہوں۔ سر سلمان کی نوکری بھی بس عارضی ہی ہے۔ اب سنا ہے کمیشن بیٹھنے والا ہے غالباً کچھ لوگ پرمانٹ کیے جائیں گے۔ بس اسی آسرے پر ہیں یہ لوگ.....''

''مگر بنتے کتنا ہیں جیسے ان سے بڑھ کر دولت مند اور حسین اس ارض پر کوئی ہے ہی نہیں۔'' روما نے ہنس کر کہا۔

''کامپلیکس کے مارے ہیں بے چارے۔ ہاں اگر تمہاری رخشندہ دانیال کو پتا چل جائے سر سلمان کے مالی حالات کا تو فوراً کنی کاٹ جائے گی۔''

''یہ رخشندہ دانیال میری کب سے ہو گئی۔ زہر لگتی ہے مجھے۔''

''تم اسے زہر لگتی ہو۔'' زارا نے ہنس کر کہا۔

''وہ کیوں بھئی؟ میں نے کیا کیا ہے؟''

''تم سر سلمان کے پاس آتی جاتی رہتی ہو اس لیے اور رخشندہ کو یہ گوارا نہیں۔''

''لاحول ولا قوۃ! میں اپنے کام سے جاتی ہوں، جس طرح دوسرے اساتذہ کے پاس۔''

''یہ تو اپنی اپنی سوچ ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ تم سلمان صاحب میں انٹرسٹڈ ہو۔''

''میں کسی موقع پر اس کی غلط فہمی دور کر دوں گی۔''

''اب آؤ چلیں کلاس میں، ڈاکٹر سہیل کی کلاس کا ٹائم ہونے والا ہے۔'' دونوں کلاس روم کی طرف بڑھ گئیں۔

☆☆☆

''آج کل رخشندہ دانیال سے تمہاری بہت گاڑھی چھن رہی ہے۔'' جنید نے سلمان سے ہنس کر کہا۔

''بھئی میں کیا کر سکتا ہوں وہ خود ہی پیچھے لگی ہے میرے۔''

''تو کر لو شادی اس سے۔''

میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔ کچھ چھچھوری سی لگتی ہے۔ نہ وقت دیکھتی ہے نہ جگہ ہر وقت سر پر سوار۔''

''تو پھر روما کے بارے میں سوچو، وہ بھی تم میں انٹرسٹڈ لگتی ہے۔ بقول تمہارے بہانے بنا کر جرنل چیک کروانے آتی ہے۔''

''روما..... لباس دیکھا ہے اس کا۔ سفید کپڑے، دوپٹا سر سے منڈھا ہوا۔ انسان کی حیثیت کا اندازہ لباس ہی سے ہو جاتا ہے۔ وہ تو میرے مستقبل کے لیے بالکل ہی ان فٹ ہے۔''

''بہت بریلینٹ اسٹوڈنٹ ہے۔ پہلے اور دوسرے سمسٹر میں سب سے زیادہ نمبر اسی کے ہیں، اب تو فائنل ایئر شروع ہو گیا ہے۔ بس ایک سال اور ہے اس کی

چہرے کی خوبصورتی

کیا آپکے چہرے کی خوبصورتی وشادابی پرکشش پن ماند ہونے کی وجہ چہرے کے کیل ومہاسے واسکے داغ دھبے۔ جھائیاں۔ سانولا پن۔ اپنی شخصیت کو پرکشش بنانے کیلئے تفصیل ہمراہ جوابی لفافے کے ساتھ لکھئے۔

سٹی ہومیو کلینک پوسٹ بکس نمبر:10914 کراچی:74700

پڑھائی کا۔ ٹاپ کرے گی یہ لڑکی۔ پورا ڈیپارٹمنٹ اس کی عزت کرتا ہے۔"

"کچھ بھی ہو مجھے اس لڑکی سے الرجی ہے۔"

"آخر تم ہو کیا چیز۔ کس مٹی کے بنے انسان ہو۔"

"میں کچھ نہیں ہوں۔ اسی لیے تو کوشش میں ہوں کہ کسی طرح کچھ بن جاؤں۔ خواہ سسرال کے ذریعے ہی سے۔"

"سنا ہے چند دنوں میں فیصلہ آنے والا ہے ہم لوگوں کے انٹرویوز کا' ہوسکتا ہے، ہم سب پرمانٹ ہوجائیں۔"

"سب جگہ سفارش چلتی ہے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔"

"خیر ایسا تو نہ کہو، میرٹ بھی دیکھی جاتی ہے۔"

"تین سال ہوگئے ہیں مجھے عارضی نوکری کے کام سمیٹتے ہوئے۔ نوکری بھی کوآپریٹو کی۔ ہر ایک اپنی کلاس تھما دیتا ہے۔ کام کرکر کے دیوانہ ہو رہا ہوں میں۔"

"اور میں تو تم سے بھی سنیئر ہوں مگر امید پر زندہ اور مطمئن ہوں۔"

"اس کے سوا تم کر بھی کیا سکتے ہو۔"

"ظاہر ہے شادی شدہ ہوں، ایک بچے کا باپ ہوں۔ اب کوئی امیر لڑکی تو ڈھونڈنے سے رہا تمہاری طرح۔"

"اوہ، کلاس کا ٹائم ہونے والا ہے بھئی میں تو چلا باقی باتیں بعد میں۔" سلمان نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

اسٹاف روم میں بڑی گہما گہمی تھی۔ دو لڑکے اور دو لڑکیوں کی پرمانٹ ملازمت ہوگئی تھی۔ وہ لوگ مٹھائی کا ڈبا لے کر آئے تھے۔ ہاں سلمان کا نام نہیں آسکا تھا۔ اس کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ لوگ تسلی دے رہے تھے۔ سب نے منہ میٹھا کیا۔ سب ہی انجوائے کر رہے تھے مگر سلمان کا دل بجھا ہوا تھا۔ وہ اسٹاف روم سے باہر نکل آیا اور ریلنگ سے ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہوا سر خیریت تو ہے؟" رخشندہ دانیال اس کے قریب چلی آئی۔

"جی ہاں خیریت ہی ہے۔"

"مگر آپ بہت ڈسٹرب لگ رہے ہیں۔"

"وہ تو ہوں۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کیوں؟"

"بس میری ملازمت پرمانٹ نہیں ہوئی۔ اس کا افسوس ہے۔"

"اوہ یہ بات ہے، تو آئندہ ہوجائے گی، آپ کیوں دل پر لے رہے ہیں۔"

بے چاری رخشندہ دانیال اس کے غم میں برابر کی شریک تھی۔ خود بھی افسردہ ہوگئی پھر چند باتیں کرکے آہستہ قدم اٹھاتی لڑکیوں کی طرف چل دی جو سب کی سب باتوں میں مشغول تھیں۔ رخشندہ دانیال کو افسردہ دیکھ کر سب ہی متوجہ ہوگئیں۔

"کیوں بھئی کیا ہوا آپ کو؟ کسی نے کچھ کہہ دیا یا طبیعت خراب ہوگئی خدانخواستہ۔" کلاس کے ایک شریر لڑکے امجد نے کہا۔

"مجھے کیا ہونا تھا، وہ بے چارے سر سلمان ہیں نا، پتا ہے وہ بہت ڈسٹرب ہیں۔"

"ہائیں سر سلمان..... مگر انہیں کیا ہوا؟"

"بھئی سب ٹیچرز کنفرم ہوگئے بس یہی رہ گئے۔ اسی کا اثر لے لیا انہوں نے۔"

"اوہ آئی سی۔" کئی آوازیں ایک ساتھ گونجیں۔

"بے چارے سلمان صاحب!" ایک آواز ابھری۔

"تو بھئی ہمیں کیا، وہ جانیں اور ان کا کام۔"

"مگر آخر وہ ہمارے ٹیچر ہیں۔ ان کا غم ہمارا غم ہے۔" رخشندہ نے جذباتی ہوکر کہا۔

سب ہنس پڑے۔

رخشندہ کو برا لگ گیا۔ وہ وہاں سے چل دی۔

اس کے جانے کے بعد بھی سب معنی خیز ہنسی ہنستے رہے۔ کسی نے کچھ نہ کہا، مگر سب ایک دوسرے کی بات سمجھ رہے تھے۔ پوری کلاس جانتی تھی کہ رخشندہ دانیال سر سلمان پر مرتی ہے۔ بے وقوف کہیں کی۔

☆☆☆

جب سے سر سلمان کے ساتھ یہ "حادثہ" ہوا تھا

رخشندہ ان کے بے حد قریب ہوگئی تھی۔ ہر وقت ان کی دل جوئی میں لگی رہتی۔ وہ بھی وقت گزاری کر لیتے۔ ان دنوں STATISTICS کی ایک کتاب جو کہ سلمان کے پاس تھی اس کی سب کو بے حد ضرورت تھی مگر یہ کتاب صرف رخشندہ دانیال کے قبضے میں تھی۔ وہ سر سے مانگ لائی تھی اور اپنے پاس رکھے ہوئے تھی۔ کسی کو بھی نہیں دیتی تھی۔ روما اور زارا کو بھی یہ کتاب چاہیے تھی۔ روما نے رخشندہ سے کتاب مانگی تو اس نے صاف منع کردیا۔

"میں نے سر سلمان سے لی ہے، میں انہی کو واپس کروں گی، تم خود ان سے مانگ لینا۔"

"تو پھر واپس کردو ان کو، ہمیں بھی تو کام ہے۔"

"ہاں آج واپس کردوں گی۔" رخشندہ نے کتاب سلمان سر... کو واپس کردی۔

"جاؤ روما تم سر سے کتاب لے آؤ۔ رخشندہ نے واپس کردی ہے۔" زارا نے کہا۔

"ارے ہاں ابھی لے آتی ہوں۔ کام بھی مکمل کرنا ہے۔"

"جلدی سے چلی جاؤ کہیں سر کلاس میں نہ چلے جائیں۔" روما جلدی سے اٹھ کر گئی۔

"مے آئی کم اِن!"

"یس۔"

"سر یہ کتاب آپ مجھے دے دیں، کام کرکے واپس کردوں گی۔"

"میں یہ کتاب آپ کو نہیں دوں گا۔"

"وہ کیوں؟" وہ حیران رہ گئی "آخر رخشندہ کے پاس بھی تو کتاب تھی کئی روز سے۔"

"آپ کون ہوتی ہیں میرے پرسنل معاملات میں دخل اندازی کرنے والی۔ میری مرضی ہے میں جس کو چاہوں کتاب دوں یا نہ دوں۔"

"مگر کتاب پر سب کا حق ہوتا ہے۔"

"یہ میری پرسنل کتاب ہے۔" انہوں نے چبا چبا کر کہا "یونیورسٹی کی نہیں۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔"

روما کو اپنی ذلت کا شدید احساس ہوا۔ وہ فوراً پلٹ آئی اور حرف بہ حرف زارا کو پوری بات کہہ سنائی۔

"بہت ہی گھٹیا انسان ہیں۔" زارا نے بے اختیار کہا۔

"اس میں شک ہی کیا ہے۔ ان کا دماغ چند لڑکیوں ہی نے خراب کیا ہے اور ان جیسے لوگ یونیورسٹی کے مقدس ماحول کو خراب کرتے ہیں خواہ وہ اسٹوڈنٹ ہوں یا ٹیچر۔"

"مگر خراب لوگ کم ہی ہیں ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں۔" زارا نے کہا۔

"ایک مچھلی سارے تالاب کو گندہ کردیتی ہے۔" روما نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب کیا کریں کتاب کا؟" زارا نے فکرمندی سے کہا۔

"تم فکر نہ کرو میں پھوپا جان سے کہہ کر آج ہی منگوالوں گی۔ کتاب کا نام اور آتھر کا نام مجھے معلوم ہے۔ اردو بازار سے آسانی سے مل جائے گی۔"

"چلو یہ ٹھیک ہے۔ آؤ ذرا کینٹین چلتے ہیں۔"

"ہاں چلو مجھے بھی بھوک لگی ہے۔" دونوں باتیں کرتے ہوئے کینٹین کی طرف روانہ ہوگئیں۔

☆☆☆

دوسرے دن صبح ہی صبح جب کہ پہلے پیریڈ کے بعد وہ دونوں باہر کھڑی تھیں، چپراسی آیا اور روما سے کہا "آپ کو سر سلمان بلا رہے ہیں۔"

"مجھے؟"

"ہاں آپ کا بولا ہے سر نے۔"

"آؤ زارا تم بھی چلو۔"

"نہیں روما تم ہی جاؤ شاید وہ میرا تمہارے ساتھ جانا پسند نہ کریں۔"

"مگر انہوں نے بلایا کیوں ہے مجھے؟"

"ہوسکتا ہے کل کے رویے پر معذرت کرنا چاہ رہے ہوں۔"

"یہ خوش فہمی مجھے نہیں ہوسکتی۔" یہ کہتے ہوئے روما سر سلمان کے روم میں جا پہنچی۔

"جی سر فرمایئے!" وہ ان سے نظریں ملانا نہیں

چاہتی تھی۔ اسے اپنی گزشتہ روز کی تذلیل یاد تھی۔

''آپ نے میری کتاب میرے روم سے اٹھائی ہے وہ فوراً واپس کر دیجیے۔''

''جی!'' حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ''کون سی کتاب؟''

''زیادہ بننے کی ضرورت نہیں۔'' وہ طنزیہ بولے۔ ''وہی اسٹیٹس کی کتاب جو کل آپ مانگنے آئی تھیں۔ میں نے یہیں رکھی تھی اپنی ٹیبل پر پھر میں کلاس لینے چلا گیا تھا۔ لوٹ کر آیا تو کتاب غائب تھی۔ کل آپ کا پتا کروایا آپ بھی گھر جا چکی تھیں۔''

''لیکن میں نے آپ کی کتاب نہیں لی۔''

''دیکھیے مس روما آپ خاموشی سے میری کتاب واپس کر دیں ورنہ آپ کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔''

''آپ کو میری توہین کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ میں جھوٹ بولنے کی عادی نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے آپ کی کوئی پروا ہے۔ میں کتاب خود بھی خرید سکتی ہوں۔ آپ نے مجھے کیا سمجھا ہے۔ میں حیران ہوں کہ آپ ایک استاد کی اہم ذمے داری پر کس طرح متعین ہیں، وہ بھی یونیورسٹی جیسی مقدس جگہ پر۔''

''میں آپ کی کوئی بکواس نہیں سنوں گا، مجھے میری کتاب واپس کریں اور بس!''

''میں نے ابھی جو کچھ کہا وہ شاید آپ نے سنا نہیں یا پھر سمجھا نہیں۔''

''میں سب سمجھتا ہوں آپ جیسی لڑکیوں کو۔''

''ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں چیئرمین کے پاس ابھی اور اسی وقت۔ وہ بہتر فیصلہ کریں گے۔'' چیئرمین کا نام سن کر سلمان کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ بہت سخت گیر تھے ڈسپلن کے معاملے میں۔

''جی نہیں آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔ چیئرمین کا اس بات سے کیا تعلق؟''

''بہت تعلق ہے۔ آپ نے میری انسلٹ کی۔ مجھ پر چوری کا الزام لگایا۔ دھمکیاں دیں۔ کس لیے؟ اور اگر آپ کو اتنا ہی یقین ہے کہ کتاب میں نے ہی چوری کی ہے تو آپ چیئرمین کے پاس جانے سے پریشان کیوں ہو گئے۔ آیئے آپ بھی ساتھ چلیے۔ سامنے بات ہوگی۔''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ وہاں کہہ دیں گی کہ کتاب آپ نے نہیں لی اس لیے سارا الزام مجھ پر آئے گا۔''

''اور آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے نام پر حرف آئے بے شک ایک لڑکی الزام اپنے سر لینے پر مجبور ہو جائے۔''

''یہ الزام نہیں حقیقت ہے اور کتاب آپ کو واپس کرنی ہوگی، جائیے میں آپ کو سوچنے کا وقت دے رہا ہوں..... دو دن کا۔''

روما نے ایک تیز نظر ان پر ڈالی اور تیزی سے ان کے کمرے سے نکل گئی۔

سلمان کے پاس کہنے کو اب کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ کتاب روما لے گئی ہے وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کے یقین کو پختہ کرنے والا جنید تھا۔ جو ہر بات میں اسے الٹا ہی مشورہ دیتا تھا۔ اس وقت ہونے والی بات چیت اس نے جنید کو بتا دی تھی۔

''بھئی ہو سکتا ہے کتاب اس نے نہ لی ہو۔'' جنید نے کہا۔

''تو فرشتہ آیا ہوگا آسمان سے۔'' سلمان نے جل کر کہا۔ ادھر روما نے سب کچھ زارا کو بتایا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔

''سر سلمان اس حد تک گر سکتے ہیں۔ یہ مجھے یقین نہ تھا۔''

''اب کیا کیا جائے زارا۔ میں کتاب تو خرید ہی لوں گی۔ جس کسی نے ان کی کتاب چوری کی ہے وہ کیوں واپس کرے گا۔ اب ہمیشہ کے لیے ان کے دل میں یہ بات رہ جائے گی کہ کتاب میں نے ہی لی ہے۔''

''تم اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سب کو دیکھ رہا ہے مجھے یقین ہے تمہیں کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور جھوٹ بولنے والے پر تو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ الزام لگانے والا اور بھی زیادہ گنہگار ہوتا ہے۔''

زارا کی بے شمار تسلیاں بھی اس کے دل سے سر

سلمان کی باتیں نہ نکال سکیں۔ وہ بہت ڈپریسڈ رہی۔ پھوپی جان نے بھی محسوس کیا، پوچھا بھی مگر وہ ٹال گئی۔ بہرحال پھوپا جان سے کہہ کر اس نے کتابیں منگوالی تھیں۔ ایک نہیں چار عدد تاکہ سب کو فائدہ پہنچ سکے۔

اگلی صبح جاتے ہی اس نے چاروں کتابیں کلاس میں دکھائیں۔ یہ کتابیں میں نے منگوالی ہیں۔ دو کتابیں لا کے رکھ لیں، دو کتابیں لڑکیاں۔ اس طرح مل جل کر کام چل جائے گا۔

''ویری گڈ! مس روما زندہ باد' سب خوش ہو گئے۔ رخشندہ دانیال کو یہ منظر اچھا نہ لگا۔ وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ ادھر... سلمان پر یہ افتاد ٹوٹی کہ صبح ہی میڈم شیرازی نے اسے اس کی کتاب واپس کر دی۔

''سوری سلمان میں آپ کو بتائے بغیر آپ کی کتاب لے گئی تھی، یہ لیجیے۔''

''اوہ میڈم! کوئی بات نہیں اٹ از آل رائٹ!''

رخشندہ دانیال اٹھلاتی بل کھاتی سر سلمان کے پاس گئی اور کلاس روم میں بٹنے والی چار کتابوں کا ذکر کیا۔ سلمان کی حالت غیر تھی۔ شرمندگی، ندامت اور بے چارگی کی تصویر بن گیا تھا۔ رخشندہ کو تو خیر علم ہی نہ تھا کہ اس نے روما کے ساتھ کیا کیا۔ اب اس کا واحد شریکِ راز جنید تھا۔

''اب بتاؤ میں کیا کروں؟''

''معافی مانگ لو اس سے۔''

''یہ بہت مشکل کام ہے۔''

''مگر یہ تمہیں کرنا ہوگا۔''

پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے ایک بار پھر روما کو بلا بھیجا۔ وہ نہیں جانا چاہتی تھی۔ ان کا سامنا بھی کرنا نہ چاہتی تھی مگر اسے جانا پڑا کہ وہ اس کے استاد تھے اور اسے بلا رہے تھے۔

''میں شرمندہ ہوں میری کتاب مجھے مل گئی ہے، میڈم شیرازی لے گئی تھیں۔ امید ہے آپ مجھے معاف کر دیں گی۔''

''میں نے آپ کو معاف کر دیا تھا۔ اسی لیے چیئرمین کے پاس نہیں گئی تھی۔ ورنہ چاہتی تو بدلہ لے سکتی تھی لیکن یہ پہلی غلطی تھی اس لیے معافی مل گئی۔ آئندہ کے لیے میرے معاملے میں محتاط رہیے گا۔ میں فضول قسم کی باتیں سننے کی عادی نہیں ہوں اور نہ ہی میں رخشندہ دانیال ہوں کہ آپ کی خوشامد کرتی پھروں۔'' اس کے بعد وہ فوراً چلی آئی اس کا جواب سنے بغیر۔

معاملہ تو ختم ہو گیا تھا مگر روما اور سلمان کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ اب اس نے جرنل چیک کروانے کے لیے یا کسی بھی کام سے ان کے روم میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ خاموش رہتی تھی اور سلمان سوچتا تھا کہ یہ معمولی سی لڑکی خود کو کیا سمجھتی ہے۔ کس بات کا زعم ہے اس کو۔ اس نے کھلم کھلا مجھ سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ آخر وہ میری اسٹوڈنٹ ہے، اسے چاہیے کہ میری عزت کرے میرا حکم مانے لیکن پھر اس کا ضمیر اسے ٹوک دیتا۔ سلمان تم خود کو دیکھو تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

جب سے اس کی کتاب کا معاملہ حل ہوا تھا اس نے رخشندہ دانیال سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور وہ لاشعوری طور پر روما کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

فائنل ائیر کا آخری سمسٹر تھا۔ اس کے بعد تمام اسٹوڈنٹس کو یہاں سے چلے جانا تھا۔ تیسرے سمسٹر میں بھی روما نے ہائیسٹ مارکس لیے تھے۔ اسٹاف روم میں روما کی ذہانت کے چرچے تھے۔ کئی سنیئر اساتذہ کا خیال تھا روما جیسی لڑکیاں برسوں بعد پیدا ہوتی ہیں۔ وہ نہ صرف پڑھنے میں تیز تھی بلکہ اس نے اپنے اخلاق، کردار اور رکھ رکھاؤ سے اعلیٰ مقام بنایا تھا۔ وہ کبھی کسی کی کلاس مس نہیں کرتی تھی۔ سو فیصد حاضری کا اس کا منفرد ریکارڈ تھا..... مگر اب کچھ دنوں سے وہ ہر منگل کو ناغہ کرنے لگی تھی۔ منگل کو صرف ایک ہی پیریڈ ہوتا تھا اور وہ بھی سر سلمان کا۔ ان دنوں چونکہ امتحان نزدیک تھے سب لڑکیاں کلاس ضرور اٹینڈ کرتے تھے مگر وہ جو ہمیشہ 100 فیصد حاضری کا ریکارڈ رکھتی تھی ہر منگل کو غائب ہو جاتی۔

اس کا مطلب ہے وہ میری کلاس میں آنا نہیں چاہتی۔ سلمان کو شدید غصہ تھا۔ مگر اس کا کچھ بس نہیں چلتا تھا۔ باقی دنوں میں وہ نارمل انداز میں پڑھتی نظر آتی۔ وہ

ان دنوں کچھ زیادہ ہی پڑھائی کرنے لگی تھی مگر جب منگل آتا تو وہ غائب ہوتی۔

تب سلمان نے اسے پھر بلوایا۔ وہ فوراً آ گئی۔

''مس روما آپ میری ہر کلاس میں غیر حاضر ہوتی ہیں' آخر کیوں؟''

''میں کوئی وجہ بتانے کی پابند نہیں ہوں۔''

''کل میری کلاس ہے آپ کو ہر حال میں آنا ہوگا ورنہ!''

''ورنہ کیا.....؟'' اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''ورنہ چیئرمین کے آفس میں آپ کے ساتھ رُوبرو بات ہوگی۔''

''آپ کی مرضی ہے جو جی میں آئے وہ کریں لیکن میں کل نہیں آؤں گی۔''

''اس لیے کہ آپ مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ ہے نا یہی بات!'' اس کے لہجے میں سختی تھی۔

''آپ یہ خوش فہمی اپنے ذہن سے نکال دیجیے کہ میں کسی بھی انداز سے آپ کے بارے میں سوچتی ہوں۔''

''آپ جیسی لڑکیوں کا علاج کرنا مجھے آتا ہے۔ آپ اب جا سکتی ہیں۔''

''تھینک یو!'' وہ چلی آئی۔

دوسرے دن وہ پھر غیر حاضر تھی۔ سلمان کا غصہ آسمان پر پہنچا ہوا تھا۔ اس نے سوچا اب کل وہ آئے گی تو وہ چیئرمین سے ضرور بات کرے گا مگر وہ دوسرے روز بھی نہیں آئی۔

تیسرے دن وائس چانسلر کی بیگم کا انتقال ہو گیا تھا اس لیے کلاسز ملتوی کر دی گئی تھیں اور قرآن خوانی کا انتظام تھا۔ وہ نظر بھی آئی تھی مگر یہ موقع نہ تھا کہ سلمان اس سے کسی قسم کی بات کرتا۔ اس کے بعد وہ تین دن تک غائب رہی۔

زارا کو بھی کسی بات کا علم نہ تھا مگر آج رات روما کا فون اس کے پاس آیا تھا کہ ان دنوں بہت پریشان رہی اپنی امی کی بیماری کی وجہ سے اس لیے آ نہ سکی اور اگلے دن آنے کا ذکر بھی کیا۔

پھر صبح وہ آئی تو بہت اداس تھی۔ اس نے زارا کو چپ چاپ بتایا تھا کہ اس کی ماں کی ڈیتھ ہو گئی اور اس بات کا ذکر نہ کرنے کا وعدہ بھی لیا۔

''روما تم نے مجھے بھی اپنی پریشانیوں سے بے خبر رکھا۔ میں تو تمہاری دوست ہوں۔''

''میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی زارا۔ پلیز مجھے تھوڑا سنبھل لینے دو اور ابھی تو مجھے سر سلمان کا سامنا بھی کرنا ہے۔ وہ پہلے ہی مجھے دھمکی دے چکے ہیں۔''

''اب امتحان سر پر ہیں۔ ان سے ہمارا واسطہ ختم ہونے والا ہے۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔''

''زارا مجھے غصہ آ جاتا ہے میں کیا کروں۔ جب وہ مجھے برا بھلا کہتے ہیں' خواہ مخواہ کا غصہ دکھاتے ہیں تو میں بھی برداشت نہیں کر پاتی سب کچھ کہہ جاتی ہوں۔''

''اچھا اگر آج وہ تمہیں بلائیں تو کچھ مت کہنا خاموش رہنا۔''

''ہاں یہی میں نے بھی سوچا ہے۔''

بریک کے بعد حسبِ توقع سر سلمان نے اسے بلا بھیجا مگر اس نے بھی نہ بولنے کی قسم کھالی تھی۔ وہ بولتے رہے۔

''آپ نے جان بوجھ کر میری تمام ضروری کلاسیں مِس کیں۔ مجھے نیچا دکھانے کا آپ کے پاس یہی ایک طریقہ تھا۔ آپ کو اپنی پہلی پوزیشن کا بڑا غرور ہے۔ آپ سمجھتی ہیں آپ کچھ بھی کر لیں سب کی نگاہوں میں معزز بنی رہیں گی۔ ایسا نہیں ہے مس روما۔ آپ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ذرا دیکھیں خود کو آپ کیا ہیں، ایک معمولی لڑکی۔ جس کے پاس پہننے کے لیے ڈھنگ کے کپڑے تک نہیں۔ آپ کے پاس کوئی ایسی دنیاوی شے نہیں جس پر آپ فخر کر سکیں پھر کس بات کا غرور ہے آپ کو؟

اور تین دن تک جو آپ مسلسل یونیورسٹی سے غائب رہیں وہ کس لیے؟ کیا ضروری ہے کہ اس بار بھی آپ کے نمبر زیادہ آئیں۔ آپ کو معلوم ہے VIVA کے وقت میں بھی موجود ہوں گا۔ ایکسٹرنل ایگزامنر کے سامنے آپ کے لیے میرے ریمارکس کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ آپ کی پوزیشن خراب بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ یقیناً

ایسا ہی ہوگا۔ کم از کم میں تو VIVA کے وقت آپ کے سلسلے میں کوئی پازیٹو بات نہیں کہوں گا۔'' وہ پھر بھی خاموش رہی۔ اس کی نظریں نیچی تھیں۔

''آپ اگر چاہتی ہیں کہ ایسا نہ ہو تو آپ کو مجھ سے معافی مانگنی ہوگی وہ بھی تحریری! اس سے کم پر میں بات نہیں کروں گا۔''

ان کی توقع کے خلاف وہ پھر بھی نہ بولی۔

''آپ اب جاسکتی ہیں۔''

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے ان کے روم سے نکل آئی پھر زارا کے پاس پہنچ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

زارا کو آج اس نے سب کچھ بتادیا تھا۔ کوئی بات بھی تو نہ چھپائی تھی اور زارا تو سب کچھ جان کر ششدر رہ گئی تھی۔

''پلیز روما تم فوراً سلمان صاحب کو سب کچھ بتادو کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہارا رزلٹ خراب کروادیں۔''

''نہیں زارا میں ابھی انہیں کچھ بتانا نہیں چاہتی۔ میں سب کچھ بتادوں گی مگر امتحانات ختم ہونے کے بعد۔''

اس طرح تمہاری پہلی پوزیشن خطرے میں پڑسکتی ہے۔''

''مجھے اللہ کی ذات پر پورا بھروسا ہے زارا۔ وہ میری نیک نیتی کو دیکھ رہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو سر سلمان میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی میری پہلی ہی پوزیشن ہوگی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔''

''زارا وعدہ کرو تم میری کسی بات کا ذکر نہ کروگی۔''

''میرا وعدہ ہے دوست! تم بہت عظیم ہو یہ مجھے آج معلوم ہوا۔''

''خیر اب مجھے زیادہ مت بناؤ۔ میں تو ایک عام سی لڑکی ہوں۔ بس میرے حق میں دعا کرتی رہنا۔''

☆☆☆

امتحانات شروع ہوئے اور ختم بھی ہوگئے۔ روما کے تمام تھیوری پیپرز بہت اچھے ہوئے تھے۔ پریکٹیکل بھی اچھا ہوا۔ VIVA کے وقت اگرچہ سر سلمان بھی موجود تھے مگر نہ جانے کیا بات تھی کہ انہوں نے خاموشی اختیار رکھی۔ ہوسکتا ہے وہ اس کی آمد سے قبل ایگزامنر سے کچھ کہہ چکے ہوں مگر ہوا یہ تھا کہ جب وہ VIVA دینے آئی تو ڈاکٹر الیاس جو اس کے ہیڈ تھے اور انٹرنل ایگزامنر بھی، نے اس کا بہت بھرپور انداز میں تعارف کروایا تھا۔

''یہ روما ہیں ہمارے یہاں کی بیسٹ اسٹوڈنٹ۔ آپ ان سے کسی قسم کا سوال کریں یہ جواب ضرور دیں گی۔''

ایکسٹرنل بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے عام روٹین سے ہٹ کر بھی کافی سوالات کیے اور وہ بہت کانفیڈنس کے ساتھ جوابات دیتی رہی بلکہ بعض ٹاپکس پر تفصیل سے بات کی۔ نتیجہ صاف ظاہر تھا۔ روما نے ٹاپ کیا تھا۔ وہ اسی لائق تھی۔ اپنی محنت اور اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر کامیاب ہونے والی ہونہار لڑکی۔

رزلٹ نکلنے کے دوسرے دن ایک بند لفافہ سر سلمان کو موصول ہوا تھا جو روما کی طرف سے تھا۔ انہوں نے بے دلی سے خط کھولا۔ لکھا تھا.....

''استاد محترم سر سلمان

السلام علیکم!

آج میں آپ کو سب کچھ بتادینا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ دوران تعلیم یہ بات کسی کے علم میں آئے کہ میں وائس چانسلر کی بیٹی ہوں۔ حیران مت ہوں۔ میرے ابو وائس چانسلر ہیں مگر میں ان کے گھر نہیں اپنی پھوپی کے گھر رہتی ہوں۔ میرے ابو کی تاکید تھی کسی کو اس بات کا علم نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کوئی ان کی وجہ سے مجھ سے رعایت برتے۔ میں اپنی صلاحیت کے بل بوتے پر اعلیٰ کامیابی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ سر جس روز آپ نے مجھ پر کتاب کی چوری کا الزام لگایا تھا اگر میں چاہتی تو اسی روز آپ کو بتاسکتی تھی یا ابو سے سب کچھ کہہ سکتی تھی لیکن میں نے صبر کیا اور معاف بھی کردیا کہ اللہ تعالیٰ معاف کردینے والے کو اجرِ عظیم عطا کرتا ہے۔

اور جب دوسری بار منگل کے دن ناغہ کرنے پر مجھے برا بھلا کہا تھا تب بھی میں خاموش رہی تھی۔ میری ماں کے گردے خراب تھے اور انہیں ہر ہفتے اور منگل کے دن ڈائیلاسس کے لیے جانا پڑتا تھا۔ میں ان کے ساتھ رہتی تھی یوں آپ کی کلاس کا ناغہ ہوجاتا تھا پھر میری والدہ کی ڈیتھ ہوگئی۔ میری عظیم ماں اس دنیا سے رخصت ہوگئی جس نے میری تربیت اسلامی اصولوں پر کی تھی۔ انہوں نے سادگی سے رہنا سکھایا تھا۔ میں یونیورسٹی سادہ لباس میں آتی تھی کیونکہ میں وہاں تعلیم حاصل کرنے آتی تھی کسی فیشن پریڈ میں حصہ لینے نہیں۔

آپ نے میرے لباس کو نشانہ بنایا۔ آپ کے نزدیک قیمتی لباس کسی انسان کو پرکھنے کا معیار ہوا کرتا ہے۔ کاش آپ کو یاد ہوتا کہ ہمارے پیارے نبیؐ جو دونوں جہانوں کے بادشاہ ہیں کس قسم کا لباس پہنتے تھے۔ آپؐ کے لباس پر جابجا پیوند لگے ہوتے۔ آپ چٹائی پر سوتے اور آپؐ کی پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑجاتے کہ چٹائی پر بچھانے کے لیے آپؐ کے پاس کچھ نہ ہوتا۔ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ یہ سب کچھ دیکھ کر رو پڑے تھے اور جب میں سوچتی ہوں تو میں بھی رو پڑتی ہوں۔ آپؐ کے گھر اکثر چولھا نہ جلتا۔ آپؐ کھانا کھانے بیٹھتے اور کوئی صدا لگاتا تو آپؐ سب کچھ سائل کو دے دیتے اور خود بھوکے سو جاتے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودی جارہی تھی۔ آپ بھی صحابہؓ کے ساتھ مل کر اس کام میں شریک تھے۔ صحابہؓ تھک کے چور ہوگئے اور آپؐ کے پاس آئے اور قمیص اٹھا کر دکھائی۔ پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا تھا۔ گویا بھوک اور پیاس نے انہیں پریشان کر رکھا تھا۔ آپؐ نے اپنا کرتہ اٹھا دیا۔ اس پر دو پتھر بندھے تھے۔ اللہ اکبر! کیا شان تھی آپؐ کی۔ کیا زندگی تھی۔ آپؐ پر ہزاروں زندگیاں قربان ہوں۔

آپ کو کچھ بھی یاد نہ رہا سر! آپ نے مجھے صرف اس لیے ذلیل و خوار کیا کہ میرا لباس قیمتی نہ تھا یا پھر یہ کہ میں ایک معمولی لڑکی تھی اور اگر آپ کو معلوم ہوجاتا کہ میں آپ کے وی سی کی بیٹی ہوں تو آپ کا رویہ کچھ اور ہوتا' کیوں؟ یہ تفریق کس لیے؟

آپ نے مجھے دھمکی دی تھی امتحان میں نمبر کم کروانے کی پھر بھی میں نے ابو سے کچھ نہ کہا اور نہ ہی آپ کو کچھ بتایا۔ ہاں میں بھی انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں مجھے بھی بہت بار غصہ آیا اور اب دوسری بار تو بہت آیا تھا مگر میں خاموش رہی۔ میں نے کہا تھا کہ دوسری غلطی معاف نہیں کروں گی مگر میں نے آپ کو معاف کردیا۔ پتا ہے کس لیے؟

مجھے آپ کے حالات کا علم تھا۔ آپ کی دو بڑی بہنیں بن بیاہی گھر بیٹھی ہیں۔ آپ کی بیوہ ماں آپ کی ملازمت مستقل ہونے کی آس میں زندہ ہے۔ آپ کی چھوٹی بہن بھی اب شادی کے لائق ہے۔ اس لیے ابو سے میں نے آپ کی سفارش کی۔ یہ سچ ہے کہ آپ کی تعریف کرتے ہوئے میری زبان لڑکھڑا گئی تھی مگر میں نے کہا تھا، ابو کچھ بھی ہو سر سلمان کی ملازمت کنفرم ہوجانی چاہیے۔ ان کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ابو نے وعدہ کرلیا تھا اور کل کی میٹنگ کا رزلٹ یہ ہے کہ آپ کنفرم ہوگئے ہیں۔ جائیے سب سے پہلے یہ خوش خبری اپنی ماں کو سنائیے اور ان کی دعائیں لیجیے کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔

انسان ہونے کے ناتے مجھ سے بھی کچھ غلطیاں ہوئی ہوں گی، غصہ آیا ہوگا۔ امید ہے آپ مجھے معاف کردیں گے اور ہاں اب میں شاید آپ سے کبھی نہ مل سکوں لیکن میں آپ کو ایک اچھے استاد کے روپ میں دیکھنا چاہوں گی۔

فقط.....روما!''

مرد ہو کر بھی سلمان آج آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ روما کی عظمت نے اسے سرنگوں کردیا تھا۔ گزرے ہوئے وقت کو واپس تو نہیں لایا جاسکتا تھا۔ ہاں ایک سچا اور سیدھا راستہ ضرور تھا جس پر چلا جاسکتا تھا.... وہی راستہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہر مسلمان کو دکھایا۔ سلمان نے ایک عزم کے ساتھ سوچا پھر روما کے خط کو احتیاط سے تہ کرکے اپنے پاس محفوظ کرلیا۔

☆☆☆

زندگی

کسی نوید ھوتم

کہنے کو اس سے عشق کی تفسیر ہے بہت
پڑھ لے تو صرف آنکھ کی تحریر ہے بہت
تعمیر کررہا ہے محبت کا وہ حصار
میرے لیے خلوص کی زنجیر ہے بہت

انسان ہر صورت میں اپنی محبت کی تکمیل چاہتا ہے خواہ کیسے بھی ہو۔ محبت کا پودا زمین اور آب و ہوا کا پابند نہیں۔ نہ ہی موسم اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسی ہی اک محبت بھری دل گداز داستان۔

عالیہ حرا

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، تم اتنی دور جاؤ گی اور ہاسٹل میں رہو گی۔ وہاں کا ماحول کیسا ہوگا، اس کی خبر ہے تمہیں؟'' بڑی آپا تو اس کی بات سن کر ہی دم بخود تھیں۔ جبکہ نائلہ آپی حسبِ معمول چیخ پڑی تھیں۔

''میرا تبادلہ دوسرے شہر میں ہوگیا ہے تو میں کیا کروں؟'' اپنی دونوں بہنوں کو دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا تھا۔

''سنو عروسہ! تمہارا تبادلہ رک نہیں سکتا کیا؟'' بڑی آپا نے پہلی بار ان کی گفتگو میں حصہ لیا۔

''آپا کیا یہ میرے اختیار میں ہے۔ میں ایک معمولی سی ڈاکٹر.....'' عروسہ نے زچ ہوجانے والے انداز میں ان کی جانب دیکھا۔

''ٹھیک ہے، پھر نوکری چھوڑ دو!'' نائلہ آپی نے اپنی طرف سے آسان حل پیش کیا۔

''کیا!'' وہ چیخ پڑی۔

''اتنی محنت کیا میں نے اس لیے کی ہے کہ منزل پر پہنچ کر سب کھو دوں۔ ابا کے خواب، اماں کے ارمان۔'' آخر میں اس کا لہجہ روہانسا ہونے لگا۔

''پھر ہم جوان لڑکی کو کس طرح سے اتنی دور بھیج سکتے ہیں کوئٹہ..... اکیلی لڑکی، کون ذمے دار ہوگا تمہارا، کون ساتھ جائے گا اور پھر ہم لوگ اپنے سسرال میں کیا جواب دیں گے۔'' نائلہ آپی نے برہم سے انداز میں اسے دیکھا۔

''آپا! جاب میں... یہی ہوتا ہے، کسی کا کہیں بھی تبادلہ ہوسکتا ہے۔ اتنی سی بات کوئی نہیں سمجھ سکے گا کیا اور کسی بھی جگہ رہنے کے لیے ہاسٹل موجود ہوتے ہیں آپ لوگ اپنی تسلی کرلیں، ساتھ چلیں میرے۔ تفریح بھی ہوجائے گی اور تسلی بھی۔'' عروسہ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

''تم کوئٹہ جانے پر اتنی بضد کیوں ہو؟'' نائلہ آپی نے اس کا بغور جائزہ لیا۔

''آپی! انسان کو ترقی کا کوئی بھی موقع چھوڑنا نہیں چاہیے۔ مستقبل کی پلاننگ میں مجھے اپنا ذاتی کلینک بنانا ہے اور پھر اسے اسپتال کے درجے پر پہنچانا ہے اور اس کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور پیسہ کام کرنے سے آتا ہے اور مجھے اتنا اماؤنٹ جمع کرنا ہے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، جدی پشتی رئیس ہوتے ہیں جو اسپتال بناتے ہیں یا مشہور لوگ جو چندہ

لے کر تعمیر کرتے ہیں، ہمارے پاس کیا ہے؟ تم اپنی ذہانت سے اور اپنی قابلیت سے ڈاکٹر بنی ہو ورنہ ہم سفید پوش گھرانے اتنی مہنگی تعلیم افورڈ نہیں کر سکتے۔'' بڑی آپا نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''ہم تنہا تمہیں اتنی دور کیسے بھیج دیں، تن تنہا..... زمانہ بہت خراب ہے۔''

''میں کہتی ہوں آپا، جب ہم اپنی ذات میں ٹھیک ہیں تو پھر ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا'' اس کا لہجہ حتمی تھا۔

''تم ہماری اجازت کے بغیر من مانی کرو گی'' بڑی آپا نے اسے دیکھا۔

''آپا، آپ بھی تو میری بات سمجھیں۔ مجھے یہ ترقی کا چانس ملا ہے۔ دو سال، تین سال میں اتنا کر لوں گی کہ اپنا کلینک تو بنا ہی لوں گی۔''

''اور ہم لوگ اپنے سسرال والوں کو جواب دیتے دیتے گزر جائیں؟'' نائلہ آپی نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''میں میچور ہوں، ڈاکٹر ہوں۔ اپنا اچھا برا سب سمجھتی ہوں پھر آپ لوگوں کو کس بات کا ڈر ہے؟''

''بات ڈر کی نہیں بیٹا، ان اعتراضات کی ہے جو تمہارے جانے پر اٹھیں گے۔ ہم کس کس کو مطمئن کریں گے۔ ہمارا گھر اتنا قریب ہے مگر پھر بھی ہمیں سننا پڑتا ہے، ہائے..... عروسہ اتنے بڑے گھر میں اکیلی ہے، کیسے رہتی ہے؟''

عروسہ لب بھینچ کر انہیں دیکھتی رہی۔ وہ اس کی بات کو سمجھ ہی نہیں رہی تھیں اور اسے جانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں۔ فون کی بیل پر عروسہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔

بڑی آپا اور نائلہ آپی نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال ہونے لگے۔ یہ دونوں بہنیں ایک ساتھ کبھی کبھی ہی آتی تھیں مگر اس بار مسئلہ ایسا تھا کہ دونوں کو ایک ساتھ آنا پڑا بلکہ شاید اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک دو دن رہنا بھی پڑ جاتا تھا۔

عروسہ ضدی نہیں تھی مگر ضد کر رہی تھی۔ اس کا ٹرانسفر کوئٹہ کے کسی اسپتال میں ہوا تھا۔ اس کے انچارج فاروقی صاحب نے اسے یہ آفر پُرکشش تنخواہ اور اضافی مراعات کے ساتھ کی تھی۔ اپنا ذاتی کلینک بنانا اس کا خواب تھا اور وہ اس پیشکش کو کسی بھی صورت مسترد کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

ابا کا شوق تھا ان کا کوئی بچہ ڈاکٹر بنے۔ عروسہ ان کی چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ تین ہی بیٹیاں تھیں جنہیں انتہائی لاڈ و پیار سے پالا تھا۔ بیٹا کوئی تھا ہی نہیں۔ انہوں نے دامادوں کو ہی بیٹا سمجھا تھا۔ بڑی بیٹی عقیلہ کو بہن کے گھر بیاہا تھا اور چھوٹی بیٹی نائلہ کو سالی کے گھر۔ حمید اور ریاض دونوں نے بیٹا بن کر دکھا بھی دیا تھا۔

دونوں بیٹیوں کی شادی ایک ساتھ کر دی تھی۔ دو سال بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اماں اکیلی رہ گئیں۔ دونوں ماں بیٹی کا ساتھ غنیمت تھا۔ اماں کی خواہش تھی کہ گھر کا ڈاکٹر ان کا علاج کرے۔ عروسہ نے ان کا خوب علاج کیا۔ اسے مکمل ڈاکٹر بنا دیکھ کر ان کا ڈھیروں خون بڑھ گیا تھا۔ جوڑوں کے درد اور شوگر نے انہیں کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ پچھلے سال ہی ان کا انتقال ہوا اور عروسہ تنہا رہ گئی۔ پھپھو اور خالہ دونوں نے کہا کہ مکان کرائے پر اٹھا کر ان کے ہاں آ کر رہے مگر اس کی انا نے گوارا نہ کیا سو اکیلے نیچے کے پورشن میں ماسی زیتون کے ساتھ رہتی تھی۔ پتھر اپنی جگہ ہی بھاری ہوتا ہے، یہ اس کا موقف تھا۔

یہ اس کی لگن تھی یا والدین کی دعائیں تھیں۔ میڈیکل کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اس نے جونہی ہاؤس جاب مکمل کیا، اسے گورنمنٹ سروس مل گئی۔ حالانکہ نوکری کے لیے اتنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے، کتنی رشوت دینی پڑتی ہے۔ اس کے بعد کہیں جا کر نیا پار لگتی ہے مگر اسے بنا کسی جدوجہد کے گورنمنٹ جاب مل گئی۔ شام میں وہ ایک پرائیویٹ کلینک پر بیٹھتی تھی۔ یوں وقت گزر رہا تھا کہ اچانک یہ مشکل وقت آن پڑا۔ اس کا ٹرانسفر کوئٹہ ہو گیا اور بڑی آپا کسی صورت بھی اسے تنہا بھیجنے پر تیار نہ تھیں۔ دونوں بہنوں کا یہاں آنے کا مقصد ہی یہ تھا۔ رات کو حمید بھائی اور نائلہ کے شوہر ریاض بھی آ گئے۔

''نہیں، میرا خیال ہے امی اور ریاض کی امی کسی صورت نہیں مانیں گی کہ عروسہ اتنی دور اکیلی جائے'' حمید نے صبح ناشتے کی ٹیبل پر چائے پیتے ہوئے کہا۔

''بس، میں نہیں جانتی! ان کو منانا آپ کا کام ہے'' ڈسے ٹھنکی۔ ''آپ لوگوں کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے کیا؟'' اس نے فرداً فرداً سب کو دیکھا۔

''تم پر بھروسا ہے عروسہ مگر اس زمانے پر، اس معاشرے پر نہیں ہے۔ تنہا لڑکی کو جانے کیا سمجھ لیتے ہیں'' بڑی آپا نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

''پھر آپ سب لوگ چلیں میرے ساتھ'' خفگی سے کہہ کر اس نے برتن سمیٹے اور باہر نکل گئی۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟'' حمید بھائی نے ریاض کی جانب دیکھا۔

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، ہاں امی کے بارے میں، میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' انہوں نے اخبار تہ کرتے ہوئے کہا۔ ''عروسہ اتنی پڑھی لکھی، سمجھ دار، باشعور ہے۔ اعتراض کی کوئی گنجائش تو نہیں نکلتی مگر.....''

آگے وہ سب لوگ جانتے تھے۔ مسئلہ بڑوں کا تھا انہوں نے کبھی بھی اتنی دور نہیں بھیجنا تھا۔ ''ٹھیک ہے، امی سے بات کر کے دیکھ لیتے ہیں'' حمید بھائی نے کہا۔

''ہاں، اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں'' سب نے ان کی تائید کی۔

٭ ٭ ٭

بڑی آپا کی ساس یعنی پھپھو تو سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں ''غضب خدا کا، اکیلی جوان لڑکی کو اتنی دور بھیج رہے ہیں، دماغ خراب ہے کیا۔ بجائے اس کے کہ اس کا منہ بند کرتے، میرے پاس آ گئے ہو تم لوگ؟''

''امی، اس کی جاب بہت اچھی ہے'' حمید بھائی نے کہا۔

''لیکن دنیا میں اچھے لوگ کم اور برے لوگ زیادہ ہوتے ہیں'' ان کا اعتراض بھی بجا تھا۔ ''ہم نے اتنی دور بچی کو نہیں بھیجنا اور اس کی شادی کی فکر کرو۔ میاں کے ساتھ جہاں مرضی جاتی پھرے'' تیکھے لہجے میں کہا۔

''شادی!'' بڑی آپا نے شوہر کی جانب دیکھا اور انہوں نے اپنی ماں کو دیکھا۔ کیا غضب کا مشورہ تھا۔ ''میاں کے ساتھ جہاں مرضی جاتی میاں کے ساتھ۔ واقعی، ان کو بھی شادی کی تھی۔

''مگر امی، اتنی جلدی منگنی تو ہو سکتی ہے مگر شادی..... رشتہ کہاں سے ملے گا؟''

''کیا ایک گھر میں دو بہنیں نہیں بیاہی جا سکتیں۔ ماشاءاللہ گھر کا لڑکا ہے ابرار۔''

''ابرار!'' آپا نے اچنبھے سے ساس کی جانب دیکھا۔

ان کے پتنگ باز، کبوتر باز عاشق دیور کا رشتہ ان کی ڈاکٹر بہن کے لیے..... ان کے تو چھکے چھوٹ گئے۔ رحم و انصاف طلب نگاہ میاں پر ڈالی مگر وہ پہلو بدل کر اخبار دیکھنے لگے۔

''پھر گھر کی بات ہے، دیکھا بھالا ہے، نوکری بھی مل ہی جائے گی۔ دونوں کی جوڑی بھی اچھی ہے۔ خاندان میں اس ٹکر کی جوڑی نہیں۔''

''اماں، میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' ساس کو فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوتے دیکھ کر خود کو سنبھالا۔ ''یہ تو عروسہ کی مرضی سے ہوگا۔''

''آ..... ئے، بہو.....!'' انہوں نے چشمہ سنبھال کر ٹھوڑی پر انگلیاں ٹکائیں ''تمہاری اور نائلہ کی دفعہ تمہارے باوا نے کسی سے پوچھا تھا؟ تم سے مشورہ لیا تھا؟ جو تم اس سے مشورہ لوگی اور جب تم نے اس سے مشورہ ہی لینا ہے تو ہمارے پاس کیا لینے آئی ہو۔ وہ تو پھر فیصلہ کر چکی ہوگی جانے کا۔'' انہوں نے ناراضی سے رخ موڑ کر یا ندان کی جانچ پڑتال شروع کر دی۔

''نہیں اماں، فیصلہ ہمارا ہوگا جانے کے لیے میں تو صرف.....''

''اے بہو، جاؤ تم..... جو مرضی کرو۔ ایک طرح سے انکار ہی کر رہی ہو۔'' انہوں نے تیکھے چتون بہو پر ڈالے۔

''اماں! اس کی شادی کا فیصلہ میں اس سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتی ہوں، ڈاکٹر ہے وہ..... اس کی مرضی ہو... اور ابرار.....''

''ہاں..... ہاں، نکھٹو ہے میرا بیٹا، کہہ دو۔ اس سال چودہ جماعتیں پاس کر لیں ہیں، نوکری بھی مل ہی جائے گی۔ پھر شادی ہو جائے گی تو کیا عروسہ اپنے شوہر کو

کاروبار نہیں کرائے گی۔ اچھی نوکریاں ملتی ہی کہاں ہیں، زندگی اچھی گزر جائے گی۔"

بڑی آپا کا دل چاہا منہ پھاڑ کر پوچھیں "کس چیز کا تجربہ ہے برخوردار ابرار احمد کے پاس سوائے عشق کے؟"

مگر ادب ولحاظ مانع تھا۔ انہوں نے ترچھی نگاہ میاں پر ڈالی۔ وہ رخ موڑے مطالعہ میں مصروف تھے اور ماں کیا پلاننگ کر رہی تھی، قطعی نہیں.....امپاسیبل۔ انہوں نے دل میں عہد کیا اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہاں سے اٹھ گئیں۔

کم وبیش یہی صورتِ حال نائلہ کے گھر میں بھی تھی۔ خالہ تو سن کر ہتھے سے ہی اکھڑ گئیں۔ بیٹے بہو کو برا بھلا کہا اور پھر اس کی شادی کی آفر رکھی۔

"مگر رشتہ کہاں سے آئے گا؟"

"بہو رشتہ گھر کا ہے، کیا برائی ہے خاور میں۔ آج معمولی جاب ہے، کل کو اس سے بہتر بھی مل جائے گی پھر ترقی کے چانس تو ملتے ہی رہتے ہیں۔"

"ہونہہ!" نائلہ جل کر خاک ہوگئی، ترقی کے چانس۔ ترقی کے چانس بھی اسے ملتے ہیں جس میں ترقی کرنے کا جذبہ ہو۔ وہ تو پچھلے چار سال سے مستقل مزاجی سے ڈاکخانے میں کلرک کی سیٹ پر براجمان ہیں، ان کے تو ہلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"خالہ جان، خاور اور عروسہ کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ ان کی عادتیں، خیالات اور مشاغل یکسر مختلف ہیں اور میں بے جوڑ شادی کے خلاف ہوں۔" نائلہ کو بڑی آپا کی طرح لگی لپٹی رکھنی نہیں آتی تھی اور نہ ہی اس میں مروت تھی۔ جو بات غلط ہے، اسے منہ پر کہہ دو۔ یہی بات تھی، نائلہ کے دوست کم اور دشمن زیادہ تھے۔

"لو.....اور سنو" انہوں نے دوپٹا سنبھالا۔ "گھر کا رشتہ ہے، خاندان میں یہ سب نہیں دیکھا جاتا۔ اچھے شریف رشتے ملتے کہاں ہیں۔"

"ٹھیک ہے، بات اگر خاندان کی ہے تو پھر حسنہ پھپھو سے بات کریں کہ اپنے انجینئر بیٹے کا رشتہ لے آئیں، جوڑ بھی ہے اور جاب بھی اچھی ہے پھر خاندان کا ہے۔" نائلہ ذرا گرم مزاج کی تھی۔ اس نے صاف بات کردی۔ ساس کے آگ لگ گئی۔

"میرا بیٹا برا ہے کیا، کیا برائی ہے اس میں؟"

"آپ خود سمجھ دار ہیں" زچ ہو کر انہیں دیکھا۔

"نائلہ، خاور عروسہ کو پسند کرتا ہے۔ بہت اچھی زندگی گزرے گی، تم عروسہ کو سمجھاؤ۔" خالہ نے نرم رویہ اختیار کیا۔ مقابل ڈاکٹر بھانجی تھی، یہ رشتہ ہو جاتا تو ان کے منکسر المزاج بیٹے کے بھاگ کھل جاتے۔

"اچھا، میں خود بات کروں گی عروسہ سے۔ مجھے گھر لے چلنا" وہ اٹھ کر باہر نکل گئیں اور اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

دونوں بہنیں سر پکڑے بیٹھی تھیں۔ خالہ اور پھپھو نے سمجھا کر بھیجا تھا کہ عروسہ کو ہر حال میں اس رشتے کے لیے راضی کرنا ہے۔ عروسہ کے ٹرانسفر نے تو ایک جھگڑا کھڑا کر دیا ہے۔ عروسہ ابھی اسپتال سے آئی نہیں تھی۔

"کیا کریں آپا؟"

"کریں گے کیا جو فیصلہ شادی کے سلسلے میں عروسہ کرے گی وہی کریں گے۔ جانتے بوجھتے اسے جہنم میں تو نہیں دھکیل سکتے نا۔ ابرار نہ خاور، کوئی اس کے لائق نہیں ہے۔ آتی ہے تو بات کرتے ہیں۔" انہوں نے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ویسے بھی ابرار اور خاور دونوں کے لیے ہی کماؤ بیوی چاہئے۔ نہ ابرار نوکری کرے گا اور نہ خاور کلرکی سے آگے بڑھے گا اور شادی کے بعد صرف اخراجات کو ہی ضرب دیا جاتا ہے، اخراجات سے.....اپنے نکھٹو بیٹوں کے لیے انہیں ہماری بہن ہی نظر آئی ہے؟" نائلہ نے صاف گوئی سے کہا۔

"اس کی تو زندگی ہی ختم ہو جائے گی کماتے کماتے" بڑی آپا نے تائید میں سر ہلایا۔

"کیا!" عروسہ نے حیران ہوتے ہوئے سب سنا، اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تم بے فکر رہو عروسہ، ہوگا وہی جو تم چاہو گی۔ زندگی تم نے گزارنی ہے اور تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ مجھے دونوں سے شادی کرنا پڑے گی" اس نے حیرت پر قابو پا کر کمالِ اطمینان سے کہا۔

"کیا.....! پاگل ہوگئی ہو کیا؟"

"ہو بھی سکتی ہوں" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "خاور بھائی کے لیے انکار کیا تو خالہ جان نے آپی کو نہیں چھوڑنا اور ابرار بھائی کے لیے انکار کیا تو بڑی آپا کی شامت۔" وہ ذومعنی انداز میں مسکرائی۔

بڑی آپا اور نائلہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ اس اہم نکتے کے جانب تو انہوں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ کتنی ذہین ہے ان کی بہن۔ "پھر اب کیا، کیا جائے؟" دونوں کو نئی فکر لاحق ہوگئی۔

"فی الحال مجھے سکون سے جانے دیں، جب یہ مرحلہ آئے گا تو خود بخود حل ہو جائے گا۔ ویسے بھی جوڑے تو آسمان پر بنتے ہیں۔" عروسہ نے ذومعنی انداز میں انہیں دیکھا۔

"تمہارے ٹرانسفر نے ہی تو یہ مسئلہ اٹھایا ہے، اس سے پہلے پڑھ رہی تھیں پھر ہاؤس جاب پھر نوکری نہیں ہے۔ اب ٹرانسفر.....میرا خیال ہے اب تمہاری شادی ہو جانی چاہئے۔" نائلہ آپی نے پورا تجزیہ بیان کیا۔

"ٹھیک ہے، آپ لوگ دیکھیں رشتہ، مجھے کہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ دونوں کو خوش وخرم اور خوشحال دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لیے ابرار بھائی اور خاور بھائی کے لیے خلوصِ دل سے انکار۔" خوش اسلوبی سے اس نے نکھٹو، آرام طلب اور کاہل کزنز کے لیے انکار کر دیا۔ دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"آپ یہ بتائیے کہ کیا ہوا میرے جانے کا؟"

"یہی تو مسئلہ ہے، پھپھو کہہ رہی ہیں کہ اکیلی لڑکی

آپ بھی میری طرح اپنے حسن میں اضافہ کیجئے۔

چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے۔

یونانی کریم
گلیسی

برسہا برس کے تجربے اور تحقیق کے بعد قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزا اور عرقیات سے تیار کردہ: بدنما داغ دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کر کے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔

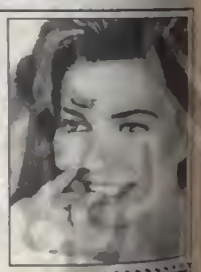

اسٹاکسٹ:

ڈسٹری بیوٹر

نعیم الدین برادرز کچی گلی نمبر ا ڈینسو ہال کراچی۔ فون: 2433682 □ ریاض محمود 69 نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون: 7666264

باب الاشفاء دواخانہ اندرون بخاری مارکیٹ گھنٹہ گھر ملتان۔ فون: 574058 □ شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی۔ فون: 5505519

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

نعیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159، کراچی۔ 74600 پاکستان۔

کہیں نہیں جائے گی اس کی شادی کر کے بھیجو اور شادی کے لیے.....''

''نائلہ آپی! شادی ہے کوئی عقیقہ یا سالگرہ نہیں۔''

''نہیں شادی نہیں کم از کم نکاح.....''

''کچھ بھی نہیں'' عروسہ کو غصہ آ گیا۔ ''آپ لوگوں کو مجھ پر اعتماد کرنا چاہیے آپا! میں سب کچھ آپ لوگوں پر چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے شاندار اسٹیٹس چاہیے اور شاندار اسٹیٹس کے لیے انسان کو محنت کرنا پڑتی ہے۔ ہوسکتا ہے میں شادی ہی نہ کروں..... آئندہ چند سالوں تک تو اس کا امکان نہیں ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے دل کی بات کہہ دی۔

''عروسہ! معاشرے میں عزت کے لیے خاندان کی پہچان ضروری ہوتی ہے۔ وہ سب تمہارے بڑے ہیں، تمہارا بھلا چاہتے ہیں اور ہم لوگوں کی رائے بھی یہی ہے کہ تمہارا تنہا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ تمہاری شادی.....''

''آپی! اکیلے نہ جانے کے چکر میں، میں آوارہ، لفنگوں سے شادی کرلوں، ہے کوئی رشتہ آپ کی نظر میں؟'' اس نے آئینہ دکھایا۔

''تم اپنا ٹرانسفر کرالو۔'' نائلہ آپی نے مشورہ دیا۔

''اسپاسیبل، اتنی شاندار جاب، میں نہیں چھوڑ سکتی۔''

''پھر اس کا حل.....؟''

''ماسی کو میرے ساتھ بھیج دیں!''

''وہ تو تمہارے ساتھ ہی جائے گی، تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔''

''پھر مسئلہ کیا ہے؟ یہاں بھی تو میں اکیلی رہتی ہوں'' وہ زچ ہوگئی۔

''یہاں ہم لوگ قریب ہیں، پرانا محلہ ہے۔ آتے جاتے تمہاری خبر رہتی ہے۔ وہاں اتنی دور، کیسا ماحول ہو، صحت بیماری، گھر داری؟'' عروسہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

بڑی آپا نے نائلہ کو اشارہ کیا اور باہر نکل گئیں۔ نائلہ اٹھ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''عروسہ، ناراضی کی ضرورت نہیں، بڑوں کی بات درست بھی ہے اور معقول بھی، اس کا ایک حل اور ہے۔''

''کیا؟'' بے اختیار سر اٹھایا۔

''ولید سے شادی!''

عروسہ سن ہوگئی۔ ایک ٹک نائلہ آپی کو دیکھے گئی۔

''تمہاری خاطر ولید نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں اس سے بات کرتی ہوں کہ.....''

''آ..... آپی!'' اس کا سر جھک گیا ''ایسا مت کریں۔ جو دروازے بند ہوجائیں ان پر دستک نہیں دینی چاہیے۔ عزت نہیں رہتی اور نہ ہی زبردستی دلوں میں محبت پیدا کی جاسکتی ہے۔''

''عروسہ، شادی کے بعد بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ ایک نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اور.....''

''بے شک آپی، ایک نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے مگر رشتے پرانے رہتے ہیں، پرانے رشتوں نے مجھے ٹھکرا دیا ہے۔ پھر محض ایک شخص کی ضد کی وجہ سے.....'' عروسہ ایک ٹک ان کی شکل دیکھنے لگی۔ نائلہ آپی نے نگاہ چرالی۔

''حسنہ پھپو نے وقار کا رشتہ بھی طے کر دیا ہے۔''

''آپی جس گاؤں جانا ہی نہیں، اس کے کوس کیا گننا۔ جہاں میرا نصیب ہوگا، مل جائے گا۔ یوں زور زبردستی نہیں کریں۔ یہ رشتے ایسے طے نہیں ہوتے۔'' اس نے رسان سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی جو آج شاید یہ طے کر کے آئی تھیں کہ کسی نہ کسی کے لیے عروسہ سے ہاں کروالیں گی۔

لیکن وہ عزت اور ذلت کے احساس سے آشنا تھی۔ بے شک ولید کے نام پر دل بھی دھڑکا تھا اور وجود میں ارتعاش بھی ہوا تھا۔ مگر جذبے اتنے ارزاں بھی نہیں ہوتے کہ انہیں بے مول کر دیا جائے۔ زندگی سے جذبات کو نکال دیا جائے تو پھر رہ ہی کیا جاتا ہے وہ گلشن پھپو کی ہتک آمیز گفتگو نہیں بھولی تھی۔ پھر کیسے وہ اس گھر جانے کی بات کرتی۔ بے شک ولید سے قلبی رشتہ تھا۔ مگر .....عزتِ نفس سے زیادہ نہیں تھا۔

❀❀❀

''میں نے سنا ہے تمہارے لیے رشتہ ڈھونڈا جا رہا ہے؟''

ہسپتال کے کاریڈور میں بہت مصروف سے انداز میں جا رہی تھی، اگلے موڑ سے اچانک ولید نکلا اور اس کے ساتھ چلنے لگا۔ اس نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا۔ اتنے عرصے بعد یوں اچانک ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی اور یہ اس نے بات کیا کی ہے، قدم رک گئے۔

''ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے آخر میں.....''

گہری سنجیدگی سے اسے دیکھتا سینے پر ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ ''برسرِ روزگار، خوش شکل، پڑھا لکھا، نیک کردار دل کا سوال اور..... خلوص کا جواب ہے، محبت سے مشروط ہے، رشتہ قبول ہے۔''

''ولید.....!'' اس کے انداز و لہجے پر بمشکل خود کو سنبھالا ''اسپتال ہے یہ گھر نہیں۔''

''لنچ آور ہے، چلو کیفے میں بیٹھے ہیں، مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں'' نگاہ اس پر مرتکز تھی۔ عروسہ نے نگاہ چرالی۔ آج بھی وہی انداز، وہی لہجہ، وہی ادا۔

''ایک اور اسکینڈل میں افورڈ نہیں کرسکتی ولید! ابھی میں لنچ گھر سے لے کر آتی ہوں اور اپنے روم میں بیٹھ کر کرتی ہوں۔''

''گھر پر تم ملتی نہیں ہو'' لہجے میں شکوہ تھا۔

''پلیز جاؤ ولید، مجھے ایک مریض کی کیس ہسٹری پر کام کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے، فارغ ہوجاؤ تو آجانا، میں نیچے کینٹین روم میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' ولید ایڑیوں پر گھوم گیا اور عروسہ کے بڑھتے قدم رک گئے۔

وہ اپنی بات پر قائم رہتا تھا۔ آج اس نے جو بات کرنی تھی ایسا ہی ضدی اور خودسر تھا۔ بیمار رہتا تھا انتظار میں۔

''سنو.....''

''ولید.....'' لوگ آ جا رہے تھے، وہ سائڈ پر ہوگئی۔

''فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔'' وہ سرشاری سے اس کے مقابل دیوار سے ٹیک لگالی ''کہو۔''

''میں نے سنا ہے، تمہارا رشتہ ڈھونڈا جا رہا ہے اس لیے میں نے اپنا رشتہ تمہارے حضور از سرِ نو پیش کیا ہے، کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ آخری ووٹ تمہارا ہی ہوگا'' وہ سنجیدہ تھا۔ اس نے ایک گہری اور سنجیدہ نظر ولید پر ڈالی جو سینے پر ہاتھ باندھے مؤدب کھڑا اس کے جواب کا منتظر تھا۔

''ولید، تم جانتے ہو کہ.....''

''ہاں، میں جانتا ہوں کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں مگر اب تو ایک تلوار نکل چکی ہے۔'' لب بھینچ کر اسے دیکھا۔ ہر بات کا جواب ہوتا ہے اس کے پاس۔

''آدھی زندگی گھر والوں کے ساتھ اور آدھی زندگی گھر والے کے ساتھ گزرتی ہے۔ جب گلشن پھپو مجھے پسند ہی نہیں کرتیں، رخشندہ باجی اور ہاجرہ بھی مجھے ناپسند کرتی ہیں تو زبردستی کس طرح سے رشتوں کے بندھن باندھے جاسکتے ہیں۔''

''کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں، کیا تمہاری زندگی میں ..... میرے لیے کوئی گنجائش نہیں؟''

''گنجائش!'' اس کی آواز بھرا گئی۔ وہ تو ایسا تھا کہ زندگی اس کے نام کردی جائے اور گنجائش.....!

''ولید! ابو کی زندگی کے بعد تمام رشتے پھپو نے ختم کردیے ہیں۔ تین سال میں بہت کچھ بدل جاتا ہے۔ بقول پھپو..... جس لائن میں، میں ہوں، وہاں تو ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ تم نہیں اور سہی، ایک نہیں دوسرا سہی۔ میں اپنی زندگی بددعاؤں کے سائے سے شروع نہیں کرنا چاہتی۔ پھپو دل سے راضی ہوں تو ٹھیک ہے، ورنہ مجھے کوئی مل ہی جائے گا۔ زندگی کا سفر کبھی رکتا ہے بھلا۔''

اس نے نگاہ اٹھائی اور کمالِ ہمت سے تمام آنسوؤں کو اندر اتار لیا۔ شفاف آنکھوں میں ولید کا ہی عکس جھلملا رہا تھا۔

''اور..... میں.....'' دل کے تمام تر جذبے آنکھوں سے عیاں تھے۔

''تم.....!'' مسکرا کر نگاہ چرائی۔

''میں نے تو سنا ہے، تمہاری منگنی ہوگئی ہے اور وقاص بھائی کے ساتھ تمہاری شادی طے ہے۔''

''اسپتال کی بدبو سونگھ سونگھ کر تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ میری شادی وقاص بھائی کے ساتھ کیسے ہوسکتی ہے، میں کوئی لڑکی ہوں؟'' ولید نے جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اسے دیکھا۔

''اور سن لو تم!'' انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔ ''جس پر میرا دل آئے گا، میں اس سے شادی کروں گا۔ جس کو محبت دوں گا وہی میری سیج سجائے گی ورنہ..... میت پر تو سبھی آتے ہیں۔''

''ولید.....!'' اس کا دل دہلا۔

''اگر تم صراط مستقیم پر چل سکتی ہو، میں بھی بڑا مستقل مزاج بندہ ہوں۔ کنواروں کی بھی تو موت ہوتی ہے۔ شادی زندگی کے لیے ضروری نہیں۔ اگر دل نہ مانے تو..... وہ تو تمہارا مسئلہ تھا۔ تمہارا ٹرانسفر اتنی دور ہوگیا اور تم تنہا لڑکی اس لیے تمہاری مدد کا خیال آ گیا ورنہ میں.....'' اس نے جھٹکے سے کالر جھاڑے۔

وہ چپ چاپ اس کی بات سنتی سر جھکائے دھیرے دھیرے جوتے کو فرش پر رگڑتے ہوئے سوچ رہی تھی، یہ تو آج بھی ویسا ہی ہے مگر..... جلدی سے سر کو جھٹکا۔ دل کو اب خوشبوؤں کے سفر پر گامزن نہیں کرنا۔

''اور تمہاری مدد میرے علاوہ کوئی کر بھی نہیں سکتا ..... اور میں ہر ایرے غیرے کو گھاس بھی نہیں ڈالتا۔''

''تمہارا شکریہ.....'' سنجیدہ نگاہ کی شوخی کو چھپالیا۔ ''مگر مجھے مدد نہیں چاہئے، عزت چاہئے، محبت کے ساتھ..... اور میرے پاس وقت کم ہے۔ خدا حافظ!'' ..... وہ جانے کے لیے مڑ گئی۔

''اے..... سنو، رکو.....'' ولید پیچھے بھاگا۔

''پلیز! ولید جاؤ تم، جو کام ہو نہیں سکتا اسے زبردستی مت کرو۔''

''سنو پاگل لڑکی! انسان کو اپنے لیے بھی جینا پڑتا ہے اور اپنی خوشیوں کے لیے بھی تو انسان خودغرض ہوسکتا ہے نا۔ مجھے اپنا اعتبار دے دو۔ میں تمہارا مان بن جاؤں گا۔''

وہ بڑی آس اور امید سے دل کا کاسہ لیے کھڑا تھا اور عروسہ جذبوں پر بند باندھ چکی تھی۔ جہاں باپ کی ذلت ہوئی تھی، دکھ نے موت سے ہمکنار کیا تھا وہاں اپنی خوشیوں کی چھت کیسے تعمیر کرے؟

''ولید.....! پھوپو راضی ہوجائیں تو آ جانا'' اس کے بعد وہ رکی نہیں۔

''ظالم، سنگدل، لڑکی.....'' پیچھے سے ولید چیخا۔

اور آگے بڑھتے ہوئے اس کے آنسو قدموں میں رُلتے جا رہے تھے جو پیچھے آنے والوں کے لیے زادِ راہ تھے۔

''تو تم ضرور جاؤ گی؟'' نائلہ آپی اسے پیکنگ کرتے دیکھ رہی تھیں۔

''تو کیا کروں، جانا ہی ہے مجھے'' وہ سنجیدہ تھی۔

''تم جانتی ہو کہ تم لڑکی ہو اور تنہا.....''

''نائلہ آپی، لڑکی ہونا میرے لیے جرم ہے کیا۔ میں اس کے لیے کسی بھی نتھو خیرے سے شادی کرلوں؟''

''ہم تمہارا برا نہیں چاہتے مگر تمہاری حفاظت.....''

''تین ماہ بعد واپس آؤں گی پھر دیکھیں گے، ابھی مجھے جانے دیں۔''

''عروسہ، لڑکیوں کی عزت کانچ ایسی ہوتی ہے، ہلکی سی ضرب، ہلکا سا بال اسے داغ دار کردیتا ہے اور تم.....''

''آپی، میں اس دور سے گزر آئی ہوں'' وہ تھکے ہوئے انداز سے بیڈ پر گری۔ ''گلشن پھپو نے مجھے کہاں کہاں بدنام نہیں کیا، کیا عزت رہ گئی۔ ہم بھول جاتے ہیں مگر خاندان والے اور لوگ نہیں بھولتے۔ اس بات کو چار سال ہوگئے ہیں، میں اندر سے بہت مضبوط ہوں۔''

''ہم لوگ تمہارے کردار کے ضامن ہیں، عروسہ! مگر.....''

''مگر.....'' اچنبھے کے انداز میں انہیں دیکھا۔ اس کی چھٹی حس بیدار ہوگئی۔

''مگر ہمیں بھی اپنے سسرال میں رہنا ہے، بھلے یہ سسرال خالہ اور پھپو کا گھر کیوں نہ ہو، سسرال تو سسرال ہے اور تم اکیلی ذات، یوں تنہا جا کر ہمیں سسرال والوں

کی نظروں میں.....'' ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''آپی!'' دم بخود سی عروسہ ان کے سامنے تھی۔ ''آپی! آپ رو رہی ہیں'' آنسو ہتھیلیوں پر سمیٹے۔

''ہم لوگوں کا کوئی بھائی نہیں ہے عروسہ۔ ہم لوگ کتنے مضبوط ہوجائیں، رہیں گے عورت ہی۔ عورت کتنی ہی مضبوط ہوجائے بہرحال ہے نازک پھول۔ اس کی حفاظت صرف مرد کا نام اس کا سائبان کرسکتا ہے۔ تم نے تنہا اس گھر کی دہلیز پار کرلی تو.....'' نائلہ آپی نے دوپٹے سے چہرہ صاف کیا۔ اور وہ سن بیٹھی رہ گئی۔

''تو.....''

''تم ولید کی بات مان لو'' نائلہ آپی نے سر اٹھایا۔ اور وہ ڈھے سی گئی۔ اس کے دل کے آبگینوں کو کسی نے مسل کر پھینک دیا تھا۔

''آ..... پی! وقت بہت بدل گیا ہے۔ ان نزاکتوں اور باریکیوں کو دیکھیں جو اس رشتے میں حائل ہیں۔ ایک شخص کی محبت کے لیے دس افراد کی نفرتیں سہوں؟''

''وہ تمہیں الگ گھر میں رکھے گا۔''

''ایک ماں کا دل دکھاؤں؟''

''یہ ان کی خودساختہ ضد ہے عروسہ، بعد میں وہ ٹھیک ہوجائیں گی۔''

''آپی!'' ایک دم ہی خاموشی سے اس نے نائلہ کا جائزہ لیا۔ ''ولید آیا تھا؟''

انہوں نے نگاہ چرالی ''ہاں.....'' اب سارے سوال بیکار تھے۔ اس نے تکیے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کیں۔ نائلہ نے اسے دیکھا۔ ان کی معصوم، نازک سی جو زمانے کی گردش میں آ گئی تھی۔

''عروسہ.....!''

''آپی، وہ میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ کیا ہے میرے پاس..... اور کتنی بدنامیاں سہوں میں اس کے نام کے ساتھ اس کا ہاتھ تھام کر سب ذلتوں پر سچائی کی مہر لگاؤں؟'' دھیرے سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''ہاں'' نائلہ نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تنہا زندگی کے لیے خودغرض بن جاؤ۔ وہ تمہیں تمام دکھوں سے بچالے گا۔ وہ کہہ رہا ہے میرے نام کی بدنامیاں ہیں، میں ہی اسے محبت سے سمیٹوں گا۔''

''وہ میری زندگی کو آزمائش بنانا چاہتا ہے؟'' وہ اٹھ بیٹھی ''تو مجھے منظور ہے'' اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

''مگر ابھی نہیں، تین ماہ بعد۔ اس سے کہئے گا کہ برات لے کر آ جائے۔'' اس کے بعد وہ رکی نہیں اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

نائلہ چپ بیٹھی رہ گئیں۔ وہ خوش ہوں یا دکھی، ملی جلی کیفیت تھی۔

اگلے دن وہ اسپتال سے آئی تو گھر میں غیر معمولی شور و ہنگامے نے اس کا استقبال کیا۔ لاؤنج میں خالہ اور پھپو دونوں موجود تھیں۔ ان کے تیور دور سے ہی خطرناک لگ رہے تھے۔ ریاض بھائی اور حمید بھائی بھی موجود تھے۔

جل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو۔ کا ورد کرتی اندر آ گئی۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام!'' دونوں بہنوئیوں کی جانب سے جواب آیا۔

''آؤ بی بی!'' پھپو نے تیکھے تیوروں سے اسے دیکھا۔

''کیسی ہیں پھپو آپ؟'' ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ، یہ کیا ہنگامہ آرائی کی ہے۔''

''ہنگامہ آرائی کیسی پھپو، یہ لوگ مجھے جانے ہی نہیں دے رہے۔ میرا ٹرانسفر ہوا ہے تو.....''

''تو جوان جہان لڑکی کو کیسے بھیج دیں۔ کچھ عقل ہے یا نہیں؟''

''تو پھر آپ لوگ ساتھ چلیں۔''

''کون کسی کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر جاتا ہے۔ تم سدھ بدھ والی ہو۔ ہم تمہارا رشتہ طے کر رہے ہیں، شادی کرو اور جاؤ۔''

''شادی تو پھپو، ابھی نہیں کم سے کم..... دو سال تو بالکل نہیں۔'' وہ مضبوطی سے بولی۔

''اکیلی لڑکی تنہا ذات کل کلاں کو کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو کیا منہ دکھائیں گے تمہارے اماں بادا کو؟'' تیکھے تیوروں سے جائزہ لیا۔

''اور کیا خرابی ہے خاور میں، نوکری تو مل ہی جاتی ہے؟'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''خاندان نہیں ملتے اور تمہارے ساتھ جو ہو چکا ہے، غیروں میں جاؤ گی تو سو طرح کے سوال جواب ہوں گے۔ اپنے تو پردہ ڈھکتے ہیں۔ ٹھنڈی چھاؤں ہوتی ہے۔ پوچھ لو بہن سے کبھی جو غیر سمجھا ہو۔'' خالہ نے اپنا کیس لڑنا شروع کر دیا۔

''خالہ، ایسی بات نہیں ہے، آپ لوگ میرے بڑے ہیں، آپ کا فیصلہ آخری ہوگا مگر ابرار بھائی اور خاور بھائی کے لیے اس لیے انکار ہے کہ مجھے اپنی دونوں بہنیں عزیز ہیں۔ خالہ اور پھپو دونوں کے دل برے نہیں کرنا چاہتی۔'' بہنوئیوں کی موجودگی میں جھجک مانع تھی مگر سنبھل کر کہہ دیا۔ لاؤنج میں یکدم خاموشی پھیل گئی۔ اس کا اعتراض بالکل بجا تھا۔

''اور جہاں آپ چاہیں، مجھے انکار نہیں۔''

''بی بی، رشتہ بیری کا درخت تو نہیں، پتھر مارو اور ایک رشتہ من پسند اتار کر سنبھال لو۔ ہم نے تو تمہیں ایک راہ دکھائی ہے، آگے تمہارا نصیب۔''

''ویسے بھی جب لڑکی باہر نکل جائے تو اس کے پر بھی نکل آتے ہیں۔ سوچ لینا خاندان تمہیں کہیں نہیں ملے گا اور تمہاری پھپو گلشن، تیلی لگانے میں ماہر۔ تمہارا جینا حرام کر دیں گی۔ آخر ولید.....''

''پھپو!'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''گلشن پھپو کی بھتیجی ہوں میں، سگی نہ سہی مگر ہوں تو بھتیجی، اب مجھے اپنا ظرف اور ان کی انتہا دیکھنی ہے۔''

''ہونہہ!'' خالہ نے سر جھٹک دیا۔ ناگواری پھپو کے چہرے سے عیاں تھی۔ خالہ اور پھپو کی موجودگی میں حمید بھائی اور ریاض بھائی لاتعلقی اختیار کیے ہوئے تھے۔ بڑی آپا اور نائلہ آپی اپنا فریضہ ادا کر چکی تھیں۔

''پھپو، میرا اسٹاف بہت اچھا ہے۔ ہاسٹل میں رہنے کی سہولت ہے۔ ماسی میرے ساتھ ہے، ہر ہفتے فون کروں گی اور میری عادت آپ جانتی ہیں'' اس نے خالہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''بی بی، ہو تو تم ضدی مگر ہم پھر بھی تمہارا ہاتھ مانگ رہے تھے مگر من مانی تمہیں باپ سے ورثے میں ملی ہے۔'' اس نے سر جھکا لیا۔ یہی انداز پھپو کا بھی تھا۔

''یہ سوچ کر جانا، اب اچھے برے کی ذمے دار خود ہو گی۔ ہمیں کسی معاملے میں مت لانا۔ ہمارا جو فرض تھا ادا کر دیا۔''

خالہ نے پان کی گلوری منہ میں ڈالی اور بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ اس کا دل دکھ گیا۔ پھپو نے رخ موڑ لیا۔

وقت کے بہاؤ پر اس کی زندگی کی نیا ڈولنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ کچھ دکھ ہمارے نصیب کا کرشمہ ہوتے ہیں۔ ان سے پیچھا چھڑانے کی کتنی کوشش کی جائے مگر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

ماں باپ اور بھائی کی قدر کیا ہوتی ہے۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ کاش، کاش! اس شب بھی وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسک اٹھی۔

''میں نے تو تمہارے حوالے سے کیا کیا خواب دیکھ لیے تھے اور تم.....'' وہ جو اسپتال جانے کے لیے نکل رہی تھی، دروازے میں استادہ ابرار کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ دیوار سے ٹیک لگائے، سینے پر ہاتھ باندھے منہ میں پان، سرخ انگارہ آنکھیں، اس نے منہ پھیر لیا۔

''ابرار بھائی! حقیقت کی دنیا میں آ جائیں، خواب سراب ہوتے ہیں۔''

''ہم اتنے برے بھی نہیں تھے۔''

''بات برے کی نہیں ہے ابرار بھائی! قسمت کے ستارے نہیں ملتے۔''

''ہا..... ہا.....'' استہزائیہ ہنسی ابھری ''قسمت تو میرے دائیں ہاتھ میں ہے تم اقرار تو کرو۔ ابھی تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں سہاگن بنا دوں۔'' اپنی چوڑی بھدی ہتھیلی پھیلائی ناخنوں میں میل پھنسا ہوا تھا۔ انگلیوں میں لال نیلی چوڑی چوڑی انگوٹھیاں، میلے میلے کپڑے۔

عروسہ کو کراہیت محسوس ہونے لگی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے ابرار بھائی! جو راستے ہماری منزل کی جانب نہیں جاتے، ان رستوں پر نہیں چلنا چاہیے۔'' اس کے بعد وہ رکی نہیں، باہر نکل گئی۔

''ہا..... ہا.....'' مسحور کن پرفیوم اور ٹالکم کی خوشبو ابرار کی سانسوں سے ٹکرائی، بڑا ہی والہانہ انداز تھا۔ اندر تک عروسہ کا وجود گھن سے بھر گیا۔ ''تم کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں ہے۔'' گنگناتا ہوا باہر نکل گیا۔

''ہونہہ!'' عروسہ کو غصہ آ گیا۔

◉◉

ٹیلی فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ بیگ بند کر کے اس نے فون اٹھایا۔ ''ہیلو!''

''شکریہ! آس و امید کے جگنو بھیجنے کا۔'' وہ ایک دم چونکی۔ اس آواز کو لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔

''ولید.....!'' زیرِ لب کہا۔

''برات کے لیے تین ماہ کا وقفہ کیوں دیا، آج ابھی اسی وقت بھی نکاح ہو سکتا تھا۔''

''ولید، میری زندگی سنگریزوں کی ہمسفر ہے، میں اپنا صبر، تمہاری انتہا اور اور پھپھو کا چلن دیکھوں گی، جب زندگی آزمائش ہی ٹھہری ہے تو ایک اور آزمائش سہی۔''

''بہت ظالم ہو، اپنے ساتھ بھی ظلم اور میرے ساتھ بھی۔''

''ولید، میری زندگی ٹھہر گئی تھی۔ مجھے صبر بھی آ گیا تھا مگر قدرت کو ابھی میری آزمائش مقصود ہے۔ اگر میرا نصیب تمہارے ساتھ ہے تو پھر بدنامیوں کے ساتھ بھی تمہارا رفیق ٹھہرے گا۔'' اس کا انداز بہت تلخ تھا ''میری زندگی کا تلخ دور کل سے شروع ہو چکا ہے۔''

''عروسہ، ہمارے درمیان خوشبوئیں بھی تو..... ہیں'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔

''نہیں، ابھی تمہارا ظرف آزمانا ہے۔ تمہاری محبت کو آزمائش بنانا ہے تاکہ تم میرا پیچھا چھوڑ دو اور اپنی اماں کی بات مان کر شادی کر لو۔''

''میرا دل نہیں مانتا عروسہ، اب بس تم نہیں تو کوئی نہیں۔'' ولید کا دھیما اور گمبھیر لہجہ سماعتوں میں اترتا آنکھوں کو بھگو رہا تھا۔ یہ شخص تو اس کے دل میں زندہ تھا۔ اسے کیسے مار دیتی۔ مگر گلشن پھپھو۔

''سنو، میں تمہارا انتظار کروں گا۔ تمہارے ساتھ ساتھ رہ کر پہلے تمہاری وحشتوں کا ساتھی بنوں گا پھر خلوتوں کا۔''

''ولید.....!'' وہ سسک اٹھی ''بھول جاؤ مجھے، چھوڑ دو مجھے، یہ معاشرہ یہ لوگ تمہارے گھر والے نہیں دیکھ سکتے ہمارا ملن۔''

''دوسری صورت بھی تو ہے'' لہجہ دہک رہا تھا۔

''ایسا کیا ہے مجھ میں؟'' آنسوؤں کو بہنے دیا۔

''میرا ارمان ہو، میرا دل ہو، مجھے تم بن کچھ سوجھتا نہیں، تمہارے جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔''

''ولید!'' اس کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

''جانِ ولید ہو تم۔'' اس نے فون بند کیا اور گھٹنوں پر سر رکھ کر رو دی۔

بیٹا محبت کی انتہا پر..... اور..... اور ماں، نفرتوں کی انتہا پر۔ لمحہ بھر کو دل نے بغاوت پر اکسایا۔ کیوں دردِ جگر سہنا ہے۔ کیوں دل کو دار پر دکھا جائے۔ کیوں اذیتوں کی صلیب اٹھائی جائے، ولید تو کہتا ہے انسان اپنے لیے خود غرض بن جائے۔

انسان کی زندگی میں خوشیاں ننھے منے ذرات کی طرح بکھری ہوتی ہیں۔ اگر ان کو یکجا کر لیا جائے تو خوشیوں کا جہاں آباد ہو جائے۔

مگر.....! ایک بار پھر وہ سسک اٹھی۔

بہنوں نے اسے مان دیا تھا، اس نے بغاوت کا سر کچل دیا۔

زندگی میں بہت سے مقامات پر ہمیں دوسروں کے حوالے سے سوچنا پڑتا ہے۔ بہتے آنسوؤں پر بند بندھنے لگا۔ دوسروں کا سلوک ہجر بن جاتا ہے۔ تقدیر میں رقم دکھوں کو کسی طور ختم نہیں کیا جا سکتا۔ بے دردی سے متورم آنکھوں کو رگڑا اور بیگ قریب گھسیٹ کر زپ بند کرنے لگی۔

زندگی کے نئے سفر میں ماسی اس کے ساتھ تھی اور

خوش تھی۔ وہ اپنے پیچھے ناراض لوگوں کا ایک جہان چھوڑ آئی تھی مگر رابطے میں تھی۔ نیا اسپتال بہت بڑا اور جدید سہولتوں سے مزین تھا۔ یہاں کے انچارج بابر نیازی تھے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر امبر اور ڈاکٹر ریحان بھی آئے تھے۔ اس اسپتال کی اوپننگ کے بعد یہ ڈاکٹرز کا نیا پینل تھا۔ ابھی مریض بھی کم تھے۔

ہاسٹل میں اس کی روم میٹ ڈاکٹر شہلا تھیں۔ ان کا تعلق مقامی علاقے سے تھا مگر رہائش ہاسٹل میں تھی۔ کیوں، یہ اس نے جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ہر کسی کے ساتھ مسئلے ہوتے ہیں۔ ویسے بھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی تھی۔ ڈاکٹر امبر اپنے ماموں کے گھر ٹھہری تھی اور ڈاکٹر ریحان اپنے کزن کے گھر۔

یہاں کا ماحول بہت اچھا تھا۔ علاقہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت۔ اسپتال کے اطراف میں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ لہلہاتے درخت تھے۔ سامنے مین روڈ تھا، اس کے کنارے کنارے سفیدے کے درختوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ اسپتال کے لیے اس جگہ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ بیمار اور مضمحل ذہنوں کے لیے تر و تازہ آبِ و ہوا، آنکھوں کو تراوٹ دیتا سبزہ۔ پُرسکون ماحول اور گہری خاموشی۔ وہ خاموشی کو محسوس کرتی اور اپنے تمام دکھ بھول جاتی، بس بند آنکھوں کے پردے پر ایک تصور رقص کرتا۔ اس کا بھی ایسے ہی کسی پُرفضا مقام پر اپنا ہی خوبصورت اسپتال ہو، بے شک چھوٹا سا ہو مگر ہو..... اور اسی سلسلے میں وہ یہاں مقیم تھی۔ ماسی کو یہ چمن، یہ نخلستان، یہ پُرفضا مقام بہت اچھا لگا تھا اور وہ خوش تھی۔

''ارے ایسی چلتر اور شاطر لڑکی بندہ سالم نگل لے اور خبر نہ ہو۔ اسی لیے تو میں نے بہو بنانے کے لیے حامی نہیں بھری تھی۔ کیسے ولید کے گلے میں پٹا ڈالا ہے۔ ارے ایسی بدذات، استغفار..... استغفار۔ جانے خسانہ بھابی نے کیا کھا کر اسے پیدا کیا تھا۔ شکل ایسی معصوم اور لچھن..... توبہ، توبہ!'' گلشن آرا کو جب سے پتا چلا تھا کہ عروسہ کا ٹرانسفر کوئٹہ ہو گیا ہے اور وہ چلی بھی گئی ہے، ان کے ہاتھ ایک چٹ پٹا، چٹخارے دار موضوع لگا تھا۔ انہیں خوب دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا تھا۔

گلشن آرا جو عروسہ کے والد کی چچازاد بہن تھیں۔ عجیب طرح کی عورت تھیں۔ اپنی منوانے والی، دوسروں کو خاطر میں نہ لانے والی۔ خودسر، ضدی، کینہ صفت اور دوغلی۔ چھ بیٹوں کا نخران کے ساتھ تھا۔ شوہر نے ساری عمر ہتھیلی کا چھالہ بنائے رکھا۔ انہوں نے بیٹوں کو زمانے کی ہوا نہ لگنے دی اور اپنی پسند سے ان کی بیویاں لائیں۔ بڑے دونوں تو صابر و شاکر تھے۔ وقاص کے بعد ولید کا نمبر تھا اور ولید کو اپنی کزن عروسہ بے حد پسند تھی اور ماں سے بے تکلفی کے نتیجے میں اس نے عروسہ کا نام لے بھی دیا۔ گلشن آرا کو ولید ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ ولید عروسہ کے لیے ڈٹ گیا اور گلشن آرا قطعی اسے بہو بنانے پر تیار نہ تھیں۔ ولید عروسہ سے شادی پر بضد تھا۔ بالآخر گلشن آرا نے عروسہ کو سارے خاندان میں ذلیل و خوار کرنا شروع کر دیا۔

''نوکری کرنے والی لڑکیاں کب اچھی ہوتی ہیں؟ اور وہ بھی ڈاکٹر! جو ہمہ وقت مردوں کے درمیان رہے۔ استغفار..... استغفار.....'' طرح طرح کے اس پر بہتان لگائے۔

ولید نے زہر کھانے کی دھمکی دی تو وہ دل پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ ولید نے خاموشی اختیار کر لی۔ ''عروسہ نہیں تو کوئی بھی نہیں۔ شادی نہ ہو تو بھی زندگی تو گزر جاتی ہے نا۔''

پچھلے تین سالوں سے وہ اسی بات پر کاربند تھا۔ گلشن آرا نے کتنی لڑکیاں دکھائیں مگر ہر بار اس نے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے انکار کر دیا اور گلشن آرا ہر بار اسے صلواتیں سناتیں مگر وہ کان بند کر کے نکل جاتا۔ انہوں نے زبردستی منگنی کرنا چاہی تو ولید نے باہر جانے کا شوشہ چھوڑ دیا۔ یوں گلشن آرا کو عروسہ سے چڑ سی ہو گئی، ان کا انکار ضد میں بدل گیا۔

ولید کے والد غفار صاحب اس معاملے میں مجبور تھے، نہ بیٹے کو سمجھا سکتے تھے اور نہ بیوی کو بس خاموش تھے۔

عروسہ ولید سے قلبی تعلق محسوس کرتی تھی۔ ان کے

درمیان ایک خاموش سمجھوتا تھا۔ لیکن گلشن آرا کی زبان کی تیزی نے عروسہ کو انگشت بدنداں کر دیا تھا۔ ماں تو تھی ہی کم ہمت باب دل کے مریض۔ بڑی آپا اور نائلہ آپی کہاں تک سنبھالتیں۔ گلشن آرا کی کینہ توزی نے ان کی جان لے لی۔

گلشن آرا شاید اپنی عادت سے مجبور تھیں، گاہے بگاہے تیلیاں سلگاتی رہتی تھیں تاکہ ولید کا دل برا ہو۔ مگر ولید اپنی ماں کی عادت سے واقف تھا۔ اس سے بڑی بات یہ کہ وہ عروسہ سے واقف تھا۔ برسوں کا ساتھ تھا اس کا دل متنفر نہ ہو سکا۔ اب ان کے ہاتھ نیا چٹکلہ لگا تھا۔

''ہائے ہائے، جوان جہان لڑکی اور تنہا اتنا لمبا سفر اور وہاں اکیلی کیسے رہے گی؟''

''امی، اس کے ساتھ ماسی گئی ہے'' ولید خون کا گھونٹ پی گیا۔

''ارے نوکرانی کو مٹھی میں کرنا کون سا مشکل ہے۔''

''خدا کا خوف کریں امی!''

''تیرے بڑی آگ لگتی ہے۔''

''امی، کسی پر.....''

''بس، خاموش..... ایک لفظ نہ سنوں.....'' جانے کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ..... سن لے، ساری عمر کنوارا بٹھالوں گی، اس کم ذات کو نہیں لاؤں گی۔''

''اگر بیٹے نے خود سری کر لی تو؟'' غفار صاحب تو بظاہر ٹی وی دیکھ رہے تھے، سوچ کر رہ گئے۔

''ارے کچھ دنوں کی بات ہے، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا'' ان کا لہجہ معنی خیز تھا، سارے چلتروں سے واقف ہوں، نہ ایمان لایا تو دیکھنا تو.....'' ولید اٹھا اور باہر نکل گیا۔

''دیکھ رہے ہیں اس لڑکے کے لچھن؟'' پان کی گلوری بنا کر منہ میں رکھی۔

''تو تم کیوں بھڑوں کے چھتے کو چھیڑتی ہو؟''

''بس میں اس کے لیے عینی کو لانا چاہتی ہوں۔ اسے راضی کریں، اس کم بخت ماری نے جانے کیا سحر پھونکا ہے کہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے۔'' متنفرانہ انداز میں سر جھٹکا۔

غفار صاحب انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

''اس کے آج کل رشتے آئے ہوئے ہیں، اسے کہیں کہ ہاں کر دے۔''

''بیگم، ہاں وہ اپنی مرضی سے کرے گا یا تمہاری مرضی سے؟''

''اپنی مرضی سے کرواکر رہوں گی۔ دیکھئے گا آپ یا تو میں نہیں یا وہ منحوس نہیں'' ان کا لہجہ مشتعل ہو گیا۔ ''ہونہہ، نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔''

''لاحول ولاقوۃ.....'' غفار صاحب ٹیلی وژن کے چینل چینج کرنے لگے۔

''یہ تم مجھے فون کس لیے کرتے ہو روزانہ؟'' ولید کا فون سنتے ہی عروسہ نے کہا۔

''یار، یہ اسی دن بھی تو گزارنے ہیں نا!''

''اسی دن.....؟''

''ہاں، اسی دن بارہ دن تو گزر گئے نا تین ماہ کی مدت میں سے۔'' مسکین سا لہجہ تھا۔

''مائی گاڈ!''

''تمہاری آواز سن کر سیر ہو جاتا ہوں۔''

''لگتا ہے، کافی دن ہو گئے ہیں پھپھو سے جوتے نہیں پڑے ذرا سکائی کروالو۔ میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں۔''

''واہ..... ری قسمت..... واہ ری محبت۔''

اس نے آہ بھری ''اڑالو، اڑالو مذاق۔ تم کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں ہے۔ دیکھنا، گن گن کر بدلے لوں گا'' اس کا لہجہ محبتوں سے چور تھا۔

''ولید!'' عروسہ نے خود کو سنبھالا ''تم نادان، ناسمجھ نہیں ہو، زندگی میں بہت کچھ حسبِ منشا نہیں ہوتا۔ پھپھو کو تم سے بہت محبت ہے، ان کا دل مت دکھاؤ۔''

''اور میرا دل.....؟ میرا دل..... دل نہیں ہے کیا سنگریزہ ہے، پتھر ہے، ہے نا۔''

''تم تو سمجھ دار ہو۔''

''ہاں، اسی لیے تو اڑا ہوا ہوں۔ وگرنہ.....'' وہ ہنسا۔ ''امی کی کم فہمی تو.....''

''اچھا فون مت کیا کرو۔ میں مصروف ہوتی ہوں۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''لگتا ہے آج کل آفس نہیں جا رہے۔''

''تمہاری یادوں کے ساتھ جاتا ہوں۔''

''ولید!''

''میری باتوں سے شرم آتی ہے کیا؟'' وہ کھلکھلا کر ہنسا۔

اس نے فون بند کر دیا۔ ساعتوں میں اس کا بے ساختہ قہقہہ منجمد ہو گیا۔

'ولید..... ولید..... ولید' اسے الجھن ہوئی، غصہ آیا اور..... پھر غصہ ترس میں بدل گیا۔

''انسان بے اختیار شاید یونہی ہوتا ہے۔ اس کا دل ڈرا ہوا تھا۔ اور وہ رشتوں کی ڈسی ہوئی تھی، اس لیے ولید سے گفتگو کرتے ہوئے اس کا لہجہ محتاط ہوتا تھا۔ مگر ولید شدت پسند تھا اور محبت کی انتہا پر تھا، ایسا کیا ہے مجھ میں.....؟'' وہ سوچتی رہ گئی۔

''میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں ولید، اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ فرحان اور کمال دو دو بچوں کے باپ بن گئے ہیں اور تم.....'' گلشن آرا نے آج پھر ولید کو آڑے ہاتھوں لے لیا۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے اگر وہ بہبود آبادی کے لیے نہیں سوچتے۔ بھائی میں تو صرف.....''

''ولید..... ! میری بات کو مذاق میں مت ٹالو۔''

''میری مجال!'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''اور تمہاری مجال ہونی بھی نہیں چاہئے، عینی اچھی لڑکی ہے۔ بھائی جان بھی چاہتے ہیں۔''

''عینی!'' زیرِ لب کہتے کہتے اس کی رگِ ظرافت پھڑکی۔

''اور واپس جانے سے پہلے وہ تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''ع سی عینی ع سے.....'' تیزی سے چھالیہ کترتے گلشن آرا کے ہاتھ رک گئے۔

''امی اس میں مجھے کتنا فائدہ ہوگا؟'' ماں کے تیور نوٹ کرتا وہ ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

''بھائی فائدے کا مت سوچو۔ فوائد ہیں، فوائد.....'' بڑی بھابی اندر آ گئیں۔ ''امریکا کا گرین کارڈ۔ سب سے بڑا.....''

''اور دل..... دل اگر خوش نہ ہو تو'' اس نے آنکھیں موند لیں ''دل کی خوشی تو مقدم ہے بھابی!''

انہوں نے نگاہ چرالی۔

گلشن آرا نے قریب رکھا کشن تاک کر اس کے منہ پر مارا، وہ جو جذب سے کہتے کہتے جذباتی ہونے لگا تھا، ہڑبڑا گیا۔

''ماں کے دل کی خوشی کا احساس نہیں ہے تجھے، ماں کو ناراض کر کے خوش رہ لے گا تو..... کم بخت!''

''امی!'' وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔

''آپ کی خوشی ہی تو عزیز ہے وگرنہ..... اسے بھی آپ کی خوشی ہی منظور ہے۔ آپ کے بغیر تو کچھ نہیں ہے امی تبھی تو خوشیوں سے منہ موڑ لیا ہے۔''

''تیرے اوپر سے اس فتنی کا بھوت نہیں اترا ابھی۔''

''اماں، یہ محبت ہے چڑھتا، ڈھلتا چاند تھوڑی ہے۔''

''ایک بات تو لکھ لے، وہ لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی۔ زمانے بھر میں جانے کیا گل کھلاتی رہتی ہے۔ کوئی اس کے پیچھے جانے والا، خبر گیری کرنے والا نہیں۔ جانے کتنوں کا منہ دیکھا ہو۔ اس قماش کی لڑکیاں گھر نہیں بسایا کرتیں۔ بس اس سے نہیں، کسی سے بھی کر لے۔''

''نہیں امی، وہی..... ورنہ کوئی نہیں'' سنجیدگی سے دیکھا۔

''میں اس کے منہ پر تیزاب پھینک دوں گی'' وہ سلگ گئیں ''کہیں منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہے گی۔'' ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہونے لگیں۔

''امی پلیز!'' اس کا لہجہ ملتجی ہونے لگا۔

''میں نہیں جانتی، کیا کرے گا، بھگائے گا، کورٹ جائے گا۔ یاد رکھ، کبھی تجھے معاف نہیں کروں گی۔''

''پھر آپ مجھے مجبور مت کریں'' وہ کھڑا ہوگیا ''زندگی کو یونہی گزرنے دیں۔'' اس نے بات مکمل کی اور باہر کی جانب رخ کیا۔

''اکیلے کیسے گزرنے دوں۔ سنگسار کردوں گی اسے ..... ماردوں گی، جانے کیا گھول کر پلادیا ہے کہ کہیں ہاتھ ہی نہیں پڑنے دیتا۔ کلموہی، بدذات زمانے بھر کی .....'' وہ جو منہ میں آیا بولتی چلی گئیں۔ بڑی بھابی باہر نکل گئیں اور گلشن آرا کے منہ سے کفر نکلتا رہا۔

آج کل ان کا دماغ سوا نیزے پر تھا کسی پل قرار نہیں تھا۔ ولید ان کے مقابل آ گیا تھا۔

''میں چاہتا ہوں نا، آپ بس میری خاطر چلیں۔ پچھلی تمام باتوں کو بھول کر۔'' وہ ایسا کسی صورت نہیں کرسکتی تھیں ورنہ بیٹا ہاتھ سے نکل جاتا اور شوہر کے ساتھ ساتھ انہوں نے بیٹوں پر بھی راج کیا تھا۔ کس طرح بند مٹھیوں کو کھول دیتیں۔ وہ پہنچ گئیں عروسہ کی بڑی آپا کے پاس۔

''پٹہ ڈال کر رکھو بہن کے گلے میں۔ جانے کہاں کہاں منہ مارتی پھر رہی ہے۔ شرم نہ آئی جوان بہن کو یوں اکیلا رخصت کرتے ہوئے۔ اپنا نہیں تو کم سے کم مرے ہوئے ماں باپ کا ہی خیال کرلیتیں۔ اور تم لوگ اس کی شادی کیوں نہیں کردیتے، جانے کن کن لوگوں کو الو بناتی پھر رہی ہے۔'' بڑی آپی دم بخود تھیں، قریب ہی ساس بیٹھی تھیں۔

''پھپھو، آپ بڑی ہیں، ہم آپ کی عزت کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ جو دل چاہے جو منہ میں آتے کہتی جائیں۔ ہم لوگوں کو آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں۔ عروسہ کا سارا بچپن آپ کے سامنے گزرا ہے۔ میری سیدھی سادی.....''

''ہاں، تمہاری سیدھی سادی بہن ہی نے جانے کیا گھول کر پلایا کہ ولید ہاتھ نہیں پڑنے دیتا۔ اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلتی، اس سے کہو کہ ولید کا پیچھا چھوڑ دے..... ورنہ.....'' وہ سانس لینے کو ٹھہریں۔

''ورنہ.....!''

''ورنہ مجھے علاج کرنا بھی آتا ہے اور کس بل نکالنا بھی۔'' ان کا لہجہ عجیب سی فرعونیت لیے ہوئے تھا۔ بڑی آپی کانپ کر رہ گئیں۔

''آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے پھپھو اس لیے آپ کو خدا کا خوف نہیں ہے۔ ولید کو سنبھال کر رکھیں، کیوں پیچھے پڑ گیا ہے اس کے..... عروسہ کو میں جانتی ہوں۔''

''گلشن آپا، آپ ولید کی بات ٹھہرا کیوں نہیں دیتیں کہیں؟'' بڑی آپا کی ساس نے درمیان میں قطع کلامی کی۔

''اسے عروسہ کا کلمہ پڑھنے سے فرصت ملے تو کہیں ہاتھ بھی رکھوں، وہ تو منہ کی بات پکڑتا ہے، کیا کروں میں..... اب آخری دفعہ آئی ہوں۔ اس کے بعد میں خود نمٹ لوں گی اس سے۔''

''کیا کریں گی آپ.....؟'' بڑی آپا کوتاؤ آ گیا۔

''کم تو تم بھی نہیں ہو بی بی!'' تیکھے چتون ان پر ڈالے۔ ''چھوٹی نے سوا سیر تو ہونا ہی ہے۔''

''پھپھو!''

''جو میں کروں گی وہ تم دیکھنا۔ کم سے کم ایسی چلتر لڑکی کو میں بہو نہیں بناسکتی۔ اگر اس نے میرے بیٹے کا پیچھا نہیں چھوڑا تو میں اس محلے میں اس کا رہنا اجیرن کردوں گی۔'' ساتھ ہی جانے کے لیے کھڑی ہوگئیں۔

''ولید کو بھی پٹہ ڈال کر رکھیں، میری بہن کے لیے بھی رشتوں کی کمی نہیں ہے، اپنی بہن کے لیے میں ایسی بات برداشت نہیں کرسکتی۔''

''اس چاند کو تو میں گہنا کر رہوں گی'' مکروہ مسکراہٹ اور پُراسرار لہجے میں کہتی وہ گھر سے نکل گئیں۔ بڑی آپا نے دہل کے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''ابھی بھی وقت نہیں گزرا، میں کہتی ہوں میرا بیٹا برا نہیں، سنبھال لے گا سب کچھ۔'' پھپھو بھی موقع شناس تھیں۔ لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

بڑی آپا نے ایک نگاہ ساس پر ڈالی اور آنسو پونچھتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

''اکڑ نہ گئی، جانے کس بات کا زعم ہے۔''

بڑی آپا سے فون پر بات کرتا ولید دم بخود رہ گیا۔ اسے ماں سے اس درجہ کی کم عقلی کی امید نہ تھی۔

''امی، آپ نے بڑی آپا سے جاکر کیا کہا ہے؟'' وہ ان کے سامنے جاکر بیٹھا۔

''کیوں، تمہیں اس نے کیا بتایا ہے؟''

''امی، آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی کے کردار پر جاکر کیچڑ اچھالیں۔''

''کیوں، سچ کڑوا لگ گیا ہے کیا؟'' انہوں نے طنز سے بیٹے کو دیکھا۔

''امی پلیز! میں اس سے.....''

''خبردار، جو ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔ میں اس کمینی صفت لڑکی کو کبھی بھی بہو نہیں بناسکتی، جانے کیا کیا گل کھلاتی پھر رہی ہے۔'' اپنے غصے کو کنٹرول کرتا ولید باہر نکل گیا۔

''اب پانی سر سے گزر گیا تھا۔ آر یا پار..... اور نہیں۔ عروسہ سے دوٹوک بات کرتا ہوں۔ امی نہیں مانتیں، ہم کورٹ میرج کرلیتے ہیں۔'' اس نے کوئٹہ کے لیے کال ملائی۔

مگر لائن کلیئر نہیں ملی۔ اس نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''کیا مرضی ہے تمہاری گلشن پھر عینی کے لیے مجھے واپس بھی جانا ہے اور بزنس بھی دیکھنا ہے۔ کل میں کوئٹہ جارہا ہوں۔ واپسی پر اپنا جواب بتادو۔''

''افضل بھائی، عینی تو ہے ہی میری، آپ اسے کہیں اور کیسے دے سکتے ہیں اور چند دن میں اتر جائے گا یہ عاشقی کا بھوت۔ خاندان سے بڑھ کر بھی کچھ ہوسکتا ہے۔ ولید کی زندگی سنور جائے گی۔''

''کچھ پیسے ویسے دے کر اس کا منہ بند کردو'' انہوں نے مشورہ دیا۔

''میں نے بہت کچھ کرکے دیکھ لیا ہے۔ ولید کے سر سے نہیں اترتی، اب کچھ اور ہی کرنا پڑے گا۔ عالم بابا نے بلایا ہے، جاؤں گی آج۔''

''ارے تم کہو تو اسے اٹھوا دوں، ساری عمر ولید اس کا نام بھول جائے گا، کہاں ہوتی ہے وہ۔'' گلشن آرا کے بھائی نے انہیں نیا راستہ دکھایا۔ ویسے بھی چور دروازوں کو استعمال کرنے والے بہت سے چور راستوں سے واقف ہوتے ہیں۔ ولید کو کسی طرح بھی ہاتھوں سے نہیں نکلنے دینا تھا۔ وہ ان کے کاروبار کو چار چاند لگا دیتا اگر اس کے دماغ سے ایمانداری اور وفاشعاری نکال دی جاتی اور یہ کون سا مشکل کام تھا۔ پہلے اس کے دماغ سے عشق کا فتور نکالنا تھا۔

''سچ، ایسا ہوسکتا ہے کیا؟'' گلشن آرا کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

''ہاں، اگر تم چاہو تو'' ترچھی چمکتی نگاہ ان پر ڈالی۔

''ارے بھائی صاحب، میں تو دل سے چاہتی ہوں، اس کا پیچھا چھوٹ جائے، سچ آپ کی بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھوں گی۔'' ان کا چہرہ چمکنے لگا۔

''بس تم مجھے اس کی ایک تصویر اور رہائش بتادو۔'' وہ سگار میں تمباکو بھرنے لگے۔

جوش و خروش سے وہ تمام باتیں بتانے لگیں۔

آج تین چار دن بعد کال ملی تھی ولید خوش ہوگیا ''بس اب عروسہ سے ہر بات فائنل کرنی ہے، کب تک ہم یوں خوار ہوتے رہیں گے۔'' ریسیور کان سے لگایا۔ ڈاکٹر عروسہ کو بلوایا۔

اور جو جواب اس نے سنا، اس نے حیران کردیا۔

''ڈاکٹر عروسہ عالم دو دن سے اسپتال سے غائب ہیں۔''

''اس کی ملازمہ؟'' وہ حواس باختہ ہوا۔

''وہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔''

''کہیں گھر تو نہیں چلی گئیں؟''

''اس صورت میں بھی اسپتال کو اس کی خبر ہوتی۔''

''اوہ میرے خدا!'' فون رکھ کر آپا کے گھر کا نمبر ملایا۔

''کچھ کرو ولید! ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں

رہیں گے" فون پر ولید کی آواز سنتے ہی بڑی آپا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ "میرا دل گھبرا رہا تھا، آج میں نے اسے فون کیا تو....." وہ بھل بھل رو رہی تھیں۔

"کہاں جاسکتی ہے وہ..... کسی دوست کی شادی کہیں اور..... یا ادھر آرہی ہو چھٹی لے کر۔"

"مجھے اس کے ہر معاملے کی خبر ہوتی ہے ولید۔" سسکی لی۔

"روز مجھ سے فون پر بات کرتی ہے، پچھلے تین دن سے اس کا فون نہیں آیا۔ میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ آج میں نے خود فون کیا تو....."

"اچھا میں دیکھتا ہوں، آپ خود کو سنبھالیں۔" ولید نے اپنے مختل ہوتے حواسوں کو سمیٹا۔ اس کے دماغ نے فوری حل نکالا کہ ادھر پہنچا جائے۔

"امی، میں دو دن کے لیے آفس کے کام سے باہر جا رہا ہوں۔"

"ایسی افراتفری، رک تو سہی..... ایسا کون سا کام ہے؟"

"امی، آپ کو کیا بتاؤں، بہت ضروری کام ہے" بے چینی سے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"یہ کام کہیں کوئٹہ میں تو نہیں؟"

"ہیں..... آپ کو کیسے علم؟" چونکا۔

"آ..... ں..... ہاں، ارے میں تو ایسے ہی کہہ رہی ہوں" انہوں نے نظر چرالی۔

ولید بے یقینی اور یقین کے ملے جلے تاثر سے انہیں دیکھنے لگا۔

"تجھ پر جو آج کل بھوت سوار ہے اس لیے پوچھا۔"

"امی!" اس کا لہجہ دکھ کے تاثرات سے لبریز تھا مگر مقابل ماں تھی اور احترام مانع تھا۔ "خدا حافظ!" نم پلکوں کو جھپکتا وہ باہر نکل گیا۔

گلشن آرا اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔ سینے پر سانپ لوٹ رہے تھے۔ ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے جن کی قسمت میں ان دیکھی آگ میں جلنا اور جھلسنا لکھا ہوتا ہے۔ خدا ایسے لوگوں کی رسی دراز کرتا ہے اور وہ لوگ لکڑی کی طرح سلگتے ہیں۔

سفید پوش گھرانوں کی عزت بہت نازک اور سنبھال کر رکھنے والی ہوتی ہے، ذرا سی رسوائی انہیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتی۔ بڑی آپا اور نائلہ آپی دل ہی دل میں عزت کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں، کسی کو کس منہ سے بتاتیں، عروسہ کے ساتھ کیا ہوا۔ کوئی حادثہ، اغوا، ایکسیڈنٹ لوگ تو رائی کا پہاڑ بنالیا کرتے ہیں۔ لے دے کر ولید کا سہارا تھا۔ ولید سے امید تھی، ولید سے پہلے اس کی ماں آگئی۔

"عقیلہ، نائلہ! یہ تربیت ہے تمہاری، تمہاری شہ پر سب کچھ ہوا۔ کہاں ہے عروسہ پچھلے چند دنوں سے؟"

انہوں نے آتے ہی ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر خالہ کے سامنے کانوں کی لوؤں کو چھوتے ہوئے کہا۔

"توبہ، توبہ! ایسی خودسری، ہم تو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ایسے ہی تو میری چھٹی حس خبردار نہیں کرتی تھی۔ جو میں ولید کو روکتی تھی۔ ارے باہر نکلنے والی لڑکیاں ہوتی ہی ایسی ہیں، توبہ..... توبہ!"

بڑی آپا اور نائلہ ایسے بیٹھی تھیں، کاٹو تو لہو نہیں۔

"انہیں کیسے پتا چلا۔ یہ بات تو صرف ان تین افراد کے درمیان تھی۔ ولید، میں اور بڑی آپا۔" نائلہ نے یکدم سوچا۔ خالہ کے چہرے پر طنز تھا، نائلہ نے نگاہ چرالی۔

نائلہ، یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

"اے مجھ سے پوچھو، یہ تو ہیں پردہ ڈالنے والی۔ عروسہ کتنے دنوں سے ہاسٹل سے غائب ہے" ان کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"پھپھو!" نائلہ ان کے انداز پر سلگ اٹھی۔ "رحم کریں، ایسا گھناؤنا الزام نہ لگائیں۔ آخر....."

"ارے بی بی، مجھے کیا ضرورت ہے الزام دھرنے کی، سچ کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"میں نے سوچا ولید ادھر ہی سر ٹکرا رہا ہے تو اپنا بھی مارلوں۔ اس لیے فون کیا تھا ادھر..... تو یہ جواب ملا" خالہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اس بات کے لیے مجھے فون کیوں نہیں کیا؟" بڑی آپا نے کہا۔

"ہیں....." گلشن آرا لمحہ بھر کو خاموش ہوئیں۔

"ارے، دیکھ رہی ہو..... ایک تو نیکی کرنے چلی تھی، یہ کیسے جرح کر رہی ہے۔ سنبھالو اپنی بہو کو صغریٰ، شکر خدا کا مجھے مولا نے بچالیا۔"

"جانے یہ اولاد عالم کے کس گناہ کا خمیازہ ہے۔ شکر، خدا نے اسے بیٹا نہیں دیا۔ ورنہ عزت اور غیرت کے جنازے ہی نکل جاتے۔" اپنی رو میں کہتی، بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

دونوں بہنیں دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔ جانے کس جنم کس گناہ کا بدلہ تھیں یہ پھپھو..... جانے عروسہ کہاں، کس حال میں ہوگی؟ ولید نے رابطہ نہیں کیا۔ آنکھوں میں اشک اور لبوں پر دعائیں تھیں۔

ٹھیک دس دن بعد عروسہ دروازے پر تھی۔ بے جان، کمزور، لاغر، ملگجے سے حلیے میں ابرار گھر سے نکل رہا تھا، اسے دیکھ کر چونک گیا۔ وہ اپنے حواسوں کو سنبھالتی، کھڑی تھی۔

"بڑی آپا کو بلاؤ۔"

"کیوں، کس خوشی میں، کس کارنامے کی خبر دینی ہے؟"

"ابرار.....!" اس نے سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے دیکھا۔

"دیکھ لیا، خودسری کا انجام!" چہرے پر طنز تھا۔

"پلیز!" وہ ٹیکسی سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔

"کیا منہ لے کر ادھر آئی ہو، شرم سے ڈوب مرتیں۔"

"ابرار، بکواس بند کرو۔" بڑی آپا چونک کر باہر بھاگی آئیں۔

"عر..... و..... سہ!" وہ دم بخود سے انداز میں کھڑی رہ گئیں۔

"آپا!" عروسہ کے حواس بکھرنے لگے۔

"تم اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتیں" ابرار آگے آگیا۔

"ابرار! ہٹو تم۔"

"بھابی، میں نے کہہ دیا نا، ایسی بدکردار اور بدچلن عورت اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتی۔"

سلگتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے اپنے لیے انکار کی توہین کا بدلہ لے لیا۔

"آپا، میں گناہ گار نہیں، میں بے قصور ہوں۔" بڑی آپا لمحہ بھر میں پلٹ کر اندر چلی گئیں۔ عروسہ کے پاؤں زمین نے جکڑ لیے۔ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"بی بی، کرایہ" ٹیکسی والا کرایہ مانگ رہا تھا۔ کتنے لوگ ابرار کی آواز و انداز پر رک گئے تھے۔ جانا پہچانا محلہ، ملنے جلنے والے لوگ۔

"ابرار..... یوں....." عروسہ نے خود کو سنبھالا۔

"چلو۔" بڑی آپا باہر آگئیں۔ ان کے ہاتھ میں گھر کی چابی تھی۔ آگے بڑھ کر انہوں نے عروسہ کو بانہوں میں لے لیا۔ ڈھیروں سکون اس کی رگوں میں سرائیت کر گیا۔ ماں جائی کو اس کی حرمت کا پاس و اعتبار تھا اور وہ انہیں بتا رہی تھی۔

"آپا! میں بے قصور ہوں۔ مجھے نہیں خبر مجھے کس نے اغوا کیا تھا۔ میں اسپتال سے ڈیوٹی دے کر ہاسٹل جا رہی تھی۔ ماسی کی طبیعت خراب تھی اچانک ہی کچھ لوگوں نے آنکھوں پر کپڑا رکھ دیا اور پھر مجھے خبر نہ ہوئی۔ وہ لوگ کیا چاہتے تھے، کیوں اغوا کیا پتا نہیں، آخر میں بس اتنا کہہ کر کہ سوری، ہم نے غلط فہمی کی بنا پر تمہیں اٹھوالیا، ہمیں تو....." عروسہ انہیں بتاتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بڑی آپا اسے سینے سے لگائے بس روئے جا رہی تھیں۔

ΣΣΣ

"امی، میں نے عروسہ سے شادی کرنی ہے۔" ولید نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے ماں کے سامنے کہا۔

"ہیں..... کیا بکواس کی.....؟"

"جو آپ نے سن لی ہے" اس نے منہ پھیر لیا۔

"خبردار جو اس کا نام بھی لیا۔ بدذات، بدفطرت و بدکردار۔ جانے کس کس کو....."

''امی پلیز! اجازت دے دیں میں آپ کی مرضی سے یہ نکاح کروں گا۔''

''نہیں، بالکل نہیں دوں گی اجازت، ارے میں تو اس کا وہ حشر کروں گی، دنیا یاد کرے گی۔ میرے بیٹے کے پیچھے پڑ گئی ہے کلموہی، ناگن..... چڑیل۔'' ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔ چڑیل بن کر عروسہ کا خون پی جاتیں۔ ان کی آنکھوں میں خون اترنے لگا۔

''ارے پوچھ اس سے پچھلے دس دنوں سے کس کے ساتھ رنگ رلیاں منائی ہیں، گلچھرے اڑائے ہیں۔ تیری غیرت یہ گوارا کیسے کرے گی؟''

''ہاں، پوچھ لوں گا'' اس کا لہجہ سخت اور چہرہ پتھر تھا ''لیکن نکاح کے بعد.....'' اس کے بعد وہ رکا نہیں اور باہر نکل گیا اور وہ سینے پر ہاتھ مار مار کر بین کرنے لگیں۔

''نہیں، یہ نہیں ہوسکتا... میرا بیٹا، میرے مقابل.....نہیں، نہیں'' وہ دہائیاں دینے لگیں۔

''ہاں، یہ نہیں ہوتا اگر تم پہلے دن ہی عروسہ کے لیے مان جاتیں اور ولید کو ضد نہ دلاتیں۔'' غفار صاحب سامنے آگئے۔ ''جوان اولاد کو سمجھایا جاتا ہے، اسے خودسر نہیں بنایا جاتا۔ تم نے اس کے ساتھ اچھا نہیں کیا، بالکل اچھا نہیں کیا۔'' تاسف، ملال، دکھ و رنج کے ملے جلے احساس سے انہیں دیکھا۔

''میں نے کیا، کیا ہے'' نگاہ چرا کر پوچھا اور خود کو سنبھالا کیس کسی کو علم تو نہیں ہوگیا۔

''یہ تم خود سے پوچھو'' وہ باہر نکل گئے۔

گلشن آرا حواس باختہ سی ہونے لگی ''خود سے تو بعد میں پوچھوں گی، پہلے اس کو آئینہ تو دکھا کر آؤں۔'' چادر سنبھالی اور باہر نکل گئیں۔

ƧƧƧ

''کہاں ہے یہ بے غیرت، بدکردار! ارے تجھے شرم نہ آئی، اب تو ہم عزت دار لوگوں کا پیچھا چھوڑ دے۔'' بہ آواز بلند بولتی دھڑلے سے وہ گھر میں داخل ہوئی تھیں۔

ولید جوان کے پیچھے ہی ادھر پہنچا تھا، دم بخود تھا۔ عروسہ اٹھ بیٹھی۔ بڑی آپا کچن سے باہر آگئیں۔

گلشن آرا صحن کے درمیان میں مولسری کے درخت کے نیچے تن کر کھڑی تھیں۔ ولید دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ اوائل سردیوں کی دھوپ نے صحن کا احاطہ کر رکھا تھا۔

''چڑیل! چھوڑ دے پیچھا، تیرے حسن کو داغ داغ کردوں گی۔ تیزاب پھینک دوں گی تجھ پر۔''

عروسہ لب بھینچے کھڑی تھی۔ پیچھے ولید کھڑا تھا۔ سامنے ماں، کفر بول رہی تھی اور بیٹا محبت کی چھاؤں بننا چاہتا تھا۔

اس نے لاغر وجود کو سنبھالتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگائی۔

''پھپو! عروسہ بے قصور ہے۔ حادثہ تو.....'' بڑی آپا سامنے آئیں۔

''بے قصور.....'' وہ جھٹکے سے سامنے آئیں اور پھر جو انہوں نے بولنا شروع کیا۔ وہ ڈوب مرنے کے لیے کافی تھا۔ اردگرد کے پڑوسی دیواروں سے جھانکنے لگے۔

''دے صفائی مجھے.....اور گواہی اپنی.....''

''پھپو، آپ نے اچھا نہیں کیا کیچڑ اچھال کر.....''

''ارے میں تو تیرا ادھر رہنا دوبھر کردوں گی'' ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

''پھپو، میں بے گناہ ہوں، پاک ہوں۔ میری گواہی کے لیے یہ الفاظ کافی ہیں۔''

''مجھے یقین نہیں، میرے ولید کا پیچھا چھوڑ دے۔''

''چھوڑ دیا تھا، اس سے کہیں میرا پیچھا چھوڑ دے۔'' اس نے ہاتھ باندھے۔

''امی!'' ولید آگے آیا۔ ولید کو ادھر دیکھ کر ان کا پارا ہائی ہونے لگا۔ جھپٹ کر بڑھیں اور اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

''پھپو.....پھپو!'' بڑی آپا آگے بڑھیں۔

''امی.....امی! یہ کیا طریقہ ہے؟'' پیچھے سے ولید نے سنبھالا۔

''تجھے تو گھر جا کر بتاؤں گی۔'' پوری طاقت سے انہوں نے عروسہ کے بالوں کو جھٹکے دیے اور اسے دیوار سے دے مارا۔ اس کے ماتھے سے خون نکلنے لگا۔ باہر

گیٹ پر لوگ جمع ہونے لگے تھے۔ پھپو نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ہتک آمیز انداز، کفر تولتے لفظ، پُرتحقیر لہجہ۔

''اُف.....لوگوں کی نظریں.....آر.....یا پار.....'' بمشکل خود کو سنبھال کر چہرہ اٹھایا۔ بکھرے بالوں کو دائیں ہاتھ سے پیچھے کیا۔ لوگوں کی مترحم نگاہیں، طنزیہ نظریں۔

''اب نہیں تو کبھی نہیں۔ یہ اس کا گھر، اس کا محل، اس کا محلہ تھا۔ بکھرتی قوتوں کو یکجا کیا، اس ناروا سلوک نے اس کے اندر ایک قوت کو سرایت کردیا تھا۔

پھپو اس کو مارنے کے لیے بڑھ رہی تھیں۔ ولید اور بڑی آپا نے سنبھالا تھا۔ نائلہ آپی، خالہ، حمید بھائی بھی گھر میں داخل ہو رہے تھے۔

''ولید!'' وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

''یہ دیکھو.....'' اس نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اطراف میں گھمائی ''جو بازار تمہاری ماں نے لگایا ہے، اس کے شائقین اور تماش بین دیکھو۔ یہ بدنامیاں تمہارے نام کی ہیں۔ میں کلمہ پڑھ کر اقرار کرتی ہوں، میں بے گناہ ہوں، پاک ہوں۔ مجھ پر یہ الزام یہ تہمت تمہاری ماں نے لگائی ہے۔ مجھے اغوا تمہاری ماں نے کرایا ہے۔ مجھے رسوائیوں کے اس گھڑے تک تمہاری ماں نے پہنچایا ہے۔ بولو، اگر تمہیں میری بات کا یقین ہے تو تمہاری محبت کی آزمائش ہے، بولو میرا ساتھ قبول ہے؟''

''عروسہ!'' ولید ششدر رہ گیا۔

''بولو، مجھ سے نکاح کروگے؟''

''چڑیل، پچھل پیری، ڈائن، تیرا خون پی جاؤں گی، تیرا چہرہ بگاڑ دوں گی۔'' گلشن آرا پھپو اس پر چیل کے مانند جھپٹیں اور پوری قوت سے اسے جھنجوڑ کر دیوار سے ٹکرا دیا۔

''بولو.....ولید! ابھی اسی وقت مجھ سے نکاح کروگے؟''

''ولید.....ولید! دفع ہو یہاں سے، کھا جائے گی یہ تجھے۔''

''امی!'' اس نے شکستہ لہجے میں انہیں پکارا۔

ایک طرف ماں تھی، دوسری جانب محبت۔

ہر محاذ پر ماں جیتی تھی۔ ہر لمحہ اس نے ماں کا احترام کیا تھا۔ ان کی خوشی کا خیال رکھا تھا۔ ہوسکتا تھا اب بھی وہ ماں کی خوشی کو مقدم جانتا اور ہمیشہ کے لیے پیچھے ہٹ جاتا۔ عروسہ کی جو تذلیل ہوئی تھی، اس کا یہی تقاضا تھا۔

لیکن.....!

ولید نے منتشر بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

خشک لبوں کو زبان سے تر کیا۔ اپنی ہمتوں کو یکجا کیا۔

ماں کے مقابل ہونے کا حوصلہ پیدا کیا۔

عروسہ بے گناہ تھی۔ اسے عینی نے بتا دیا تھا۔ عینی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے اپنے پپا اور پھپو کی گفتگو سن لی تھی اور ولید کو اس نے بتایا تھا۔ عروسہ کو پھپو اور پپا نے مل کر اغوا کروایا ہے اور یہ کہ اسے کوئٹہ کے فارم پر رکھا گیا تھا۔ ولید نے بالا بالا اسے آزاد کروالیا تھا۔

اسے یقین نہیں آیا تھا، کوئی ماں اس درجہ گر سکتی ہے۔ اسے ماں کے رتبے کا بھی خیال نہیں۔ پھر بھی وہ ماں کا احترام کر رہا تھا۔

''بولو.....ولید.....بولو۔ اس عورت کو میں نے اس کا بیٹا بخش دیا تھا مگر انہوں نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ زمانے میں مجھے رسوا کردیا، میں بری ہوں نا۔'' وہ جنونی ہوئی ''میں بدکردار، بدفطرت ہوں نا۔'' ایک بار پھر کھڑی ہوئی۔

''یہ چڑیل اب.....'' ان کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔

''عروسہ!'' ولید سامنے آگیا۔

''مجھ سے شادی کروگے؟'' نگاہ اٹھائی۔

''ہاں!'' دھیرے سے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

''ولید، میں تجھے دودھ نہیں بخشوں گی نافرمان۔ میں تیرا منہ نہیں دیکھوں گی۔ رک جا.....رک.....جا۔''

ولید عروسہ کا ہاتھ تھام کر لوگوں کے درمیان سے نکل گیا۔ لمحہ بھر میں صحن میں سناٹا چھا گیا۔ سردیوں کی دھوپ

ڈھلنے لگی تھی۔

گلشن پھپھو تیورا کر گر گئیں۔ سب انہیں سنبھالنے کے لیے بڑھے اور باہر موٹر سائیکل کی آواز دور ہوتی جارہی تھی۔

ΣΣΣ

کورٹ میں نکاح ہوا۔ کس طرح اس نے سائن کیے کس طرح باہر آئی اسے کچھ خبر نہیں تھی۔ دماغ سن ہو رہا تھا۔ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ماتھے کی چوٹ سے خون رس رہا تھا۔ سر گھومنے لگا۔ شاید چوٹ کہیں اور بھی لگی تھی۔ دھیرے سے سر کے پچھلی طرف ہاتھ پھیر کر سامنے کیا۔ انگلیاں خون میں تر ہونے لگیں۔ چوٹ کہیں اور بھی لگی تھی۔ دل پر ہاتھ رکھا۔ دل بے انتہا بوجھل ہو رہا تھا۔ ولید نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ یخ اور برفیلا ہاتھ۔

''چلو تمہاری بینڈیج کروادوں'' سنجیدگی سے سامنے رکا۔

''ولید، تم خوش ہونا'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''عروسہ، تم مجھے عزیز ہو، محبت ہو میری، میں تم سے دستبردار ہو جاتا اگر ای تم سے اس حد تک زیادتی نہیں کرتیں۔ میں جانتا ہوں، بددعاؤں کی چھت کے نیچے مکان ہوتے ہیں گھر نہیں۔ مگر خدا سے بڑا منصف کوئی نہیں۔ میں نے حق دار کو اس کا حق دیا ہے، انصاف دیا ہے۔ مجھ سے بڑا خوش قسمت اور کون ہوسکتا ہے۔'' ولید کے لہجے میں فخر تھا۔

عروسہ نے نگاہ اٹھائی اور.....اور..... یک بیک ہی اسے تمام دنیا پنڈولم کے مانند جھولتی نظر آئی۔ اور اس کا وجود ایک جانب گرنے لگا۔ سہارے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ اسے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔

''عروسہ.....عروسہ.....'' ولید اسے پکار رہا تھا۔

ΣΣΣ

اسے شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

وہ دس دن تک آئی سی یو میں تھی۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ ''یہ خوش قسمت ہیں کسی نیکی، کسی دعا نے انہیں بچالیا ہے ورنہ لمحہ بھر کی تاخیر سے ان کی دماغ کی نس پھٹ جاتی۔''

نائلہ آپی اشک بار آنکھوں سے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

بڑی آپا بندشیشوں سے پیشانی ٹکائے، بے حس و حرکت پڑے وجود کو دیکھ رہی تھیں۔ ابو ابھی ابھی گئے تھے۔ ولید بازوؤں پر چہرہ رکھے، بالکونی سے ٹیک لگائے نیچے کھیلتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

منزل اتنی قریب آکر روٹھ جائے گی۔ کیا وہ اتنا بدنصیب ہے۔ کیا اس نے برا کیا تھا۔

کیا امی قابلِ معافی ہیں جو ان کی بددعا عروسہ کے حواسوں کو لوٹ رہی ہے۔ کیا اس کا حق نہیں بنتا تھا معصوم زندگی کو انصاف دے..... ''یا اللہ..... یا اللہ.....'' اس نے دھیرے سے آنکھیں موند کر اپنے رب کو پکارا تھا۔ قریبی مسجد سے اذانِ عصر کی آواز آرہی تھی۔

دھیرے دھیرے وہ اپنے رب سے دعائیں مانگ رہا تھا۔

ΣΣΣ

گلشن آرا نے ساری عمر اس کا منہ نہ دیکھنے کی قسم کھالی تھی۔ ہر وقت اسے کوسنوں، بددعاؤں سے نوازتی رہتی تھیں۔ اسپتال میں، سب ایک دوسرے کو خاموش نظروں سے تسلی دیتے رہتے۔ ولید آفس سے ادھر آتا اور ادھر سے ہی آفس جاتا تھا۔

ڈاکٹرز اس کی رپورٹ میں بہتری کی نوید دے رہے تھے مگر اسے ہوش نہیں آرہا تھا۔

''انہیں شدید قسم کا صدمہ پہنچا ہے۔ جب تک خود ان کے اندر قوتِ ارادی پیدا نہیں ہوگی، یہ مکمل ہوش میں نہیں آئیں گی۔ یہ جن کے سب سے زیادہ قریب ہیں، بس وہ ان کے پاس جائے۔'' ڈاکٹر ابراہیم کہہ رہے تھے۔ ولید نے بڑی آپا کی جانب دیکھا۔

''نہیں ولید، تم جاؤ'' بڑی آپا نے انکار میں سر ہلا دیا۔

''نہیں آپا! آپ جائیے، آپ کی اسے زیادہ ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر کے سامنے وہ کسی قسم کی بحث نہیں کرنا چاہتی تھیں، چپ ہوگئیں۔ کتنے دن اور سرک گئے۔

اسے ہوش آرہا تھا مگر مکمل نہیں۔

دونوں بہنیں گاہے بگاہے اس کے پاس رہتیں۔ اس کا ہاتھ تھامے رہتیں، سہلاتیں، دباتیں، چھوٹی چھوٹی پیاری باتیں کرتیں۔

دھیرے دھیرے اس کے اندر زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اس کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ اترنے لگے۔

رمضان المبارک شروع ہو چکا تھا اور ماہ مبارک کی سعد ساعتوں میں ولید صدقِ دل سے اس کی زندگی اور صحت اپنے رب سے مانگ رہا تھا اور وہ نیک لوگوں کی دعائیں ضرور سنتا ہے۔

وہ بہتر منصف ہے۔ عروسہ کو مکمل ہوش آگیا۔ وہ خواب ایسی کیفیت سے نکل آئی تھی۔ بس چپ چپ سی تھی۔ کسی سے کوئی بات نہیں کرتی تھی۔

''آپی، کیا میں نے بہت برا کیا تھا؟'' اس روز وہ نائلہ سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں، عروسہ! تم بالکل صحیح ہو، ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے۔''

''آپی، ولید ناراض ہے کیا؟'' اس کے لہجے میں نقاہت تھی۔

''نہیں، گھر گیا ہے کپڑے بدلنے۔ وہ بھی گم صم سا ہے، تم اس سے بات کرو۔ خود کو سنبھالو۔ اور نئی زندگی کی ابتدا کرو۔ بس عروسہ، بہت دکھ جھیل لیے'' دھیرے سے اسے پیار کیا۔

''نائلہ آپی! پھپھو.....!''

''انہیں تم بھول جاؤ۔ اذیت پسند لوگوں کو زندگی سے نکال دینا چاہیے۔''

''میں کہاں رہوں گی؟ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ محلے میں کتنی جگ ہنسائی ہوئی ہوگی'' دھیرے سے تکیے پر سر پٹخا۔

''عروسہ ایسے مت کہو، کوئی تمہیں برا نہیں کہہ رہا۔ پھپھو نے اچھا نہیں کیا۔ پرانی محلے داری ہے۔ برسوں سے لوگ ہمیں جانتے ہیں، تمہاری نیچر سے واقف ہیں۔ سب نے پھپھو کو برا کہا ہے۔''

دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اور سنو، جلدی جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ ولید کی عید کیوں خراب کر رہی ہو'' وہ یک ٹک آپا کو دیکھے گئی۔

ولید، جس سے وہ نگاہ نہیں ملا پا رہی، آتا ہے تو سوتی بن جاتی ہے۔ جاگتے میں آتا تو نگاہ نہیں اٹھاتی۔ اس نے بھی اسے بلایا نہیں تھا۔

وہ پرائیویٹ روم میں شفٹ ہو چکی تھی۔ ایک دن آپی، ایک دن بڑی آپا رہتی تھی، اس کے پاس۔

''آپی، ولید رات کو گھر چلا جاتا ہے؟''

''نہیں تو، پہلے تو ادھر ہی کوریڈور میں نیچے لان میں ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا۔ اب جب سے تمہیں ہوش آیا ہے اور تم روم میں شفٹ ہوئی ہو۔ اس نے رات گزارنے کے لیے قریبی ہوٹل میں کمرا لیا ہے۔ رات کو ادھر چلا جاتا ہے، صبح آفس، ادھر سے ہی جاتا ہے۔ آفس سے آکر رات تک ادھر رہتا ہے۔'' نائلہ آپی سیب کھلاتے ہوئے، دھیرے دھیرے بتا رہی تھیں۔

ولید گھر نہیں گیا'' حیرت سے انہیں دیکھا۔

''گھر والی ادھر ہو تو پیا گھر کیسے جائے؟'' ولید نے اندر آتے ہوئے شاید جملہ سن لیا تھا۔ عروسہ ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ دیکھیں آپی نظر لگائے گی۔ پورے روزے رکھ رہا ہوں۔ لگ رہا ہوں نیک بابا۔'' اسے یوں بیٹھے دیکھ کر چہکا۔

''اس شخص کو میں نے گھر بدری کی سزا دی ہے۔ یہ شخص اپنے گھر والوں سے دور رہ سکتا ہے کیا..... اور صرف میری خاطر۔''

''تم تو ہو ہی نیک'' فخر سے ولید کو دیکھا۔

عروسہ نے بھیگی پلکوں کو جھکا کر نگاہ چرالی۔ مگر بھیگے رخسار ولید کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں تھے۔

''ہاں! ولید کیا ہوا تمہارے.....'' اچانک ہی نائلہ آپی اس کی جانب گھومی تھیں۔

''شش.....!'' خاموشی کا اشارہ کیا۔ نائلہ آپی،

مسکرا کر اٹھ گئیں۔" اسی وقت ڈاکٹر ابراہیم اور نرس اندر آ گئے۔

"میری چھٹی کب تک ہوگی؟"

"ایک دو دن میں....."

"مگر ایک دو دن بعد تو چاند رات ہے۔"

"مسٹر ولید کا خیال ہے کہ مسز عروسہ کو مکمل صحت مند ہونا چاہئے۔"

اس کی پلکیں لرز گئیں۔

"اچھی لڑکی تم ٹھیک ہوگئی ہو بس اپنے اندر مزید طاقت پیدا کرو۔"

"جی!" ڈاکٹر کتنی دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ نرس نے میڈیسن دیں۔ اس دوران میں نائلہ آپی، خدا حافظ کہہ کر چلی گئیں۔ انہیں ضروری کام تھا۔

ڈاکٹر کے ساتھ ولید بھی جانے لگا۔ دھیرے سے اسے پکارا۔

"ولید!"

ولید نے سر گھما کر دیکھا اور دروازہ لاک کر کے پلٹا۔

"ہوں..... جانِ ولید!"

اس کی نگاہ کا رنگ، چہرے کی مسکراہٹ، انداز سب بدل گیا تھا۔ اس کے بیڈ کے قریب ٹھہرا۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ خوشی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ چمکتا ہوا چاند لگ رہا تھا۔

"ناراض ہو۔"

"میں.....!" حیرت سے اپنی جانب اشارہ کیا۔

"کیوں!" ولید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اگر تم بھی ناراض ہو تو مت ہونا، ہمارا ساتھ شاید اسی طرح سے لکھا تھا۔"

"ولید..... تم.....؟" ولید نے دھیرے سے اس کا ہاتھ چوم لیا۔

"کسی سوچ کو اپنے ذہن میں جگہ مت دو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے سارے دکھوں کا ساتھی، سچائیوں کا امین اور تمہاری حرمت کا گواہ۔ کچھ مت سوچو، سوچو تو صرف اتنا۔"

"کیا!" نگاہ اٹھائی۔ ولید شرارت سے بہکنے کے سے انداز میں سنبھل کر بیڈ پر گرا۔

"میرے بارے میں ہمارے گھر کے بارے میں۔"

"پلیز ولید!" ولید نے جان بوجھ کر بہکنے کے سے انداز میں اٹھتے ہوئے شرارت کی جسارت کر لی۔

"اوہو! یہ میں کیا کر رہا ہوں۔ تم مریضہ ہو..... چچ..... چچ، افسوس، میں کتنا ظالم....."

"پلیز!" اس نے بمشکل خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔ شرارت سے ہنستا ولید چیئر پر بیٹھ کر اس کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں بھی چمک تھی۔ عروسہ محجوب سی ہو رہی تھی۔

"بس، اپنی نقاہت دور کر لو۔ میرا پیار تمہیں طاقت دے دے گا۔"

"پلیز ولید!" حیا آلود مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"کیا..... کہا..... ونس مور.....؟" وہ بولا۔ اس نے نگاہ چرالی۔ ولید نے اسے اپنی نگاہوں کی گرفت میں لے لیا۔

"کچھ کھاؤ گی؟"

"نہیں.....!"

"کچھ پیو گی؟"

"نہیں۔"

"آہ....." گہرا سانس لے کر اٹھا۔ عروسہ غیر ارادی طور پر سمٹ گئی۔ "تم تو ہماری پیاس بڑھا کر سیر ہو چکی ہو۔" ٹیبل سے سیب اٹھا کر صاف کیا اور کھانے لگا۔

عروسہ سر جھکا کر اپنی ہتھیلیوں کو کھولنے بند کرنے لگی۔ ولید نے استحقاق آمیز انداز میں اسے دیکھا۔ کمزور ناتواں، ماتھے پر پٹی بندھی تھی۔ آنکھوں کے نیچے حلقے تھے۔ کتنے دکھ اٹھائے ہیں، اس نے میری خاطر۔ ولید کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "تمہیں اتنی خوشیاں دوں گا کہ تم خود کو بھولنے لگو گی۔" وہ دھیرے دھیرے سیب کھانے لگا۔

ZZZ

"آپی، اب تو میری طبیعت ٹھیک ہے۔ چھٹی لے لیں، روزوں میں آپ کو پریشانی ہو رہی ہے۔"

"ولید نے کہا ہے چھٹی چاند رات کو لینی ہے۔ چاند رات کو ہی تمہاری رخصتی ہے۔ ولید، نہ اپنے گھر تمہیں لے کر جائے گا اور نہ تمہارے گھر۔ وہ رخصت کروا کر اپنے فلیٹ پر لے جائے گا۔ عید کے دوسرے دن اس نے ولیمے کی دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ ولید نے سب زیادتیوں کا حساب کیا ہے۔" عروسہ ایک ٹک آپی کو دیکھ رہی تھی۔ ولید کتنا سچا تھا۔

"آپی! لوگ....."

"لوگوں کو بھول جاؤ، بس اپنی خوشیوں پر نگاہ رکھو۔" پیار سے ماتھا چوم کر بال باندھنے لگیں۔

"آپی، پھپھو!"

"بس اس قصے کو اب ختم سمجھو، ان کا غصہ اور حسد بلاوجہ کا تھا۔ کچھ لوگوں کی قسمت میں ہوتا ہے پرائی آگ میں جلنا اور جو مائیں اپنے بچوں کی خوشی کا احساس نہیں کرتیں، بلاوجہ ضد لگا لیتی ہیں، اس کا انجام اتنا بھیانک ہی ہوتا ہے۔ انہوں نے تمہارے ساتھ کم تو نہیں کیا۔" اس نے نگاہ چرالی "سگی پھپھو نہ سہی، پھپھو تو تھیں۔" روم میں خاموشی پھیلنے لگیں۔

رشتوں کے احترام کا دور گزر چکا ہے یا پھر شاید..... جھوٹی انا، منافقت اور بغض جیسی خصوصیات انسان کو کہیں کا نہیں رکھتی۔ انسان کو اتنا بھی خود غرض نہیں ہونا چاہئے۔ سب کو اس کی مظلومیت کا احساس تھا۔

ZZZ

ولید نے جو کہا تھا، کر دیا، پورا سچا پکا عاشق تھا۔

اس کی پسند کے میرون جھلملاتے لباس، ہلکی سی جیولری، کھلے دراز بالوں میں جوہی کی کلیاں۔ ہلکا ہلکا میک اپ، کلائیوں میں چوڑیاں جو ولید کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دھیرے دھیرے بج رہی تھیں۔ ہتھیلیوں پر تازہ تازہ لگی مہندی جو سوکھ کر جھڑ رہی تھی اور ہتھیلیوں کو رنگتی جا رہی تھی۔ چند سیڑھیاں چڑھ کر ولید نے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور بسم اللہ کہہ کر اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اندر داخل ہو گیا۔

پھر ہر طرف سے آئی صدا عید آ گئی

اِک سر خوشی فضائے گلستاں پہ چھا گئی
دنیائے رنگ و بو میں نئے گل کھلا گئی
کیا کیا مسرتوں کے ترانے سنا گئی
پُر کیف شادمانی کا جادو جگا گئی
جلوہ بہ جلوہ دیدہ و دل میں سما گئی
پھر ہر طرف سے آئی صدا عید آ گئی

گوری ہتھیلیوں پہ رچائی ہیں مہندیاں
نازک کلائیوں میں دھنک رنگ چوڑیاں
خوش ہو کے مل رہی ہیں گلے جو سہیلیاں
دیکھے تو کوئی عید کے دن اُن کی شوخیاں
یہ دن ہے سب ادائیں سہانی لیے ہوئے
آئی عید جوشِ جوانی لیے ہوئے

یوں عید کی نماز کو پیر و جواں چلے
براتیوں کا جیسے کوئی کارواں چلے
بچوں کے قافلے میں بڑے شادماں چلے
اپنی بہاریں ساتھ لیے باغباں چلے
چہرے ہیں یا خوشی سے چھلکتے ایاغ ہیں
آنکھوں میں انبساط ہے دل باغ باغ ہیں

پروفیسر سیما سراج، عثمانیہ گرلز کالج۔ کراچی

پیچھے پیچھے بڑی آپا، نائلہ آپی اور حمید بھائی اور ریاض بھائی تھے۔ ولید کا ایک دوست سبحان اپنی بیگم کے ساتھ تھا۔ دو کمروں کے چھوٹے سے اپارٹمنٹ کو سرخ گلابوں سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ ولید کی خوشی دیدنی تھی۔ اس کے چہرے پر جچی خوشی کا عکس تھا تو مسرتوں کے دیے عروسہ کے دل میں بھی فروزاں ہو رہے تھے۔

''ولید، بیڈروم لاک ہے'' نائلہ آپی نے آ کر کہا۔

''ہاں، اس کی چابی جانے کہاں رکھ دی ہے، دیکھ لوں گا'' وہ عروسہ کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔

''میں ڈھونڈ دوں؟''

''نہیں، آپ کہاں ڈھونڈیں گی، مہمانوں کی تواضع کریں، میں دیکھتا ہوں۔'' اس کے چہرے سے مسکراہٹ نہیں ہٹ رہی تھی۔

مہمانوں کے جانے تک چابی نہیں ملی۔

''اب کیا کرو گے؟'' نائلہ آپی فکرمند تھیں۔

''ماسٹر کی سے کھول لوں گا'' شرارت سے ہنسا۔

باہر چاند نظر آنے کا شور ہوا اور سب کو صبح عید کی تیاری کے لیے کام یاد آنے لگے۔ بڑی آپا، نائلہ آپی نے پیار کیا۔ حمید بھائی اور ریاض بھائی نے بھائیوں والا مان دیا۔ ولید کو انگوٹھی، گھڑی اور سلامی دی۔ تھوڑی دیر میں فلیٹ خالی تھا۔

عروسہ تنہا ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ آہٹ پر سر اٹھایا ولید محبتوں کے جام لٹاتا اسے دیکھ رہا تھا۔

''لاؤ.....'' اس نے ہاتھ بڑھایا۔

''کیا.....؟''

''محل کے دروازے کی چابی'' مخمور سا لہجہ تھا۔

''نہیں، میرے پاس کہاں ہے؟'' تعجب سے دیکھا۔

''تمہارے پرس میں۔''

''کیا.....!'' وہ اس کی شرارت پر ہنسی۔ اچھا تو اس لیے ہنس رہا تھا، پرس کھولا۔ ولید نے ہنستے ہوئے چابی تھام کر اس کا ہاتھ بھی تھام کر اٹھا لیا۔

''دیکھو، اب میں یہاں بالکل اکیلا ہوں۔ تنہا ہوں، میرا بہت خیال رکھنا۔ دھیان رکھنا۔ مجھے تنگ مت کرنا، جو کہوں..... مان جانا.....'' وہ ہنسا۔

''اور ..... میں.....'' سر گھما کر اسے دیکھا۔ ولید دروازہ کھول کر اس کی جانب گھوما۔

''آؤ، جانِ..... ولید! تمہارے لیے میں جو ہوں۔ تمہارے تمام دکھوں کو سمیٹنے والا۔ تمہیں اللہ کی رضا سے خوشیاں دینے والا۔ اپنی محبت میں سچا اور اٹل۔ بولو ہے..... میری محبت پر اعتبار؟'' وہ دھیرے سے جھکا۔

''اگر اعتبار نہ ہوتا تو.....'' اس نے دھیرے سے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

''تو کب کی ابرار اور خاور کی دسترس میں جا چکی ہوتی۔ تمہاری محبت نے ولید کہیں بھٹکنے نہیں دیا۔ آس ختم ہو گئی تھی، انتظار تھا۔ امید نہیں تھی مگر مایوسی نہیں ہوئی تھی۔ تمہارے لیے تو اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا'' وہ جذب سے کہہ رہی تھی۔ اور وہ جام لٹاتی نگاہوں سے دیکھتا، سن رہا تھا۔

دونوں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

ولید نے عالمِ بے خودی میں اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''میرے بخت کا ستارہ۔ میری تمنا..... میری عروس، میری عروسہ.....!''

سرخ گلابوں اور موتیے کی کلیوں نے ان کا استقبال کیا۔ پھولوں کی سچی اور مسحور خوشبوؤں نے سواگت کا رقص شروع کر دیا۔

سرخ گلابوں سے سجا اس کا بیڈ روم حواسوں کو مدہوش کرنے کے لیے کافی تھا۔ دکھوں کا باب ختم ہو گیا۔ ولید نے اس کے حنائی ہاتھوں میں ڈائمنڈ کی رنگ پہنائی۔ ''چاند رات مبارک ہو۔''

''تمہیں بھی.....'' وہ مسحور سی ہو کر مسکائی۔

ولید کے لیے بھیگی نرم اور چمکیلی مسکراہٹ کافی تھی۔

☆☆☆

عید

پھول اور خوشیاں

حمیرا راحت

خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے
ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو

خوابوں کی بھی اپنی ایک دنیا ہے کچھ لوگ خوابوں کے حصار میں اس طرح قید ہو جاتے ہیں کہ خواب سے حقیقت کا سفر مشکل ہو جاتا ہے۔ کچھ خواب ایسے بھی ہوتے ہیں جو پورے تو ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی ایک کسک سی محسوس ہوتی ہے۔

''چوڑیاں، پھول، مہندی، پازیب اور دھنک رنگوں سے سجے ملبوس..... ان سب سے بھلا کس چیز کا تصور ابھرتا ہے۔''

''سیدھا سیدھا عیدالفطر کا۔'' ماہین نے اپنے بالوں میں جلدی جلدی برش پھیرتے ہوئے کہا۔

''عیدالاضحیٰ کا خیال بھی تو آسکتا ہے.....'' صبا نے چمکتی ہوئی نگاہوں سے ماہین کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل فارغ تھی اور اپنے فارغ وقت میں گفتگو کے نئے رنگ ڈھونڈ رہی تھی۔

''پھر ان سب ناموں میں ہنٹر بیف اور بکرے کی ران بھی شامل کر دو جو تم نے گنوائے ہیں۔'' ماہین نے بہ عجلت کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے پیچھے صبا کی مترنم ہنسی کی گونج تھی۔ آج اسکول سے سیدھی وہ میکے آ گئی تھی۔ اماں کی کمیٹی کے پیسے دینے تھے۔ ابو کی خیریت بھی پوچھنی تھی جو ہارٹ پیشنٹ تھے اور اماں نے پرسوں ہی فون پر بتایا تھا کہ ان کی طبیعت بہت سست ہو رہی ہے۔

زندگی کتنی مصروف ہو گئی ہے۔ دیگن میں بیٹھی ماہین نے گھڑی پر ایک نگاہ ڈالی۔ پونے چار بج رہے ہیں۔ گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے چار بج جائیں گے اور رمضان میں چار سے چھ بجے کا وقت کس طرح گزرتا ہے اس کا اندازہ ماہین کو خوب تھا۔

''اُف..... آج تو کمر ٹکانے کا بھی موقع نہیں ملے گا۔ بس گھر جاتے ہی کچن کی راہ لینی پڑے گی۔ پتا نہیں بچوں کو عباس نے سلایا ہو گا یا نہیں۔ عباس اگر ٹی وی کھول کر بیٹھ گئے ہوں گے تو بس..... بچے لاکھ شور مچاتے پھریں ان کے کان پر جوں بھی نہیں رینگے گی اور پھر ان کے سامنے حرفِ احتجاج بھی منہ سے نہیں نکالا جا سکتا۔ آج کل تو ماہین کو ہر شکایت کے جواب میں ایک ہی طعنہ سننے کو ملتا تھا۔

''اور رہو سسرال سے علیحدہ..... تمہارا ہی دم گھٹتا تھا سب کے ساتھ اب بھگتو۔'' ان لفظوں کے پسِ پردہ جو دکھ اور جھنجلاہٹ چھپی ہوتی تھی ماہین اسے بہت اچھی طرح محسوس کرتی لیکن مصلحت یہی تھی کہ عباس کے سارے طعنے تشنے خاموش رہ کر برداشت کیے جائیں۔ جو بات اسے خواب میں بھی ناممکنات میں سے لگتی تھی، بات حقیقت بن کر سامنے آ گئی تھی۔

شادی سے پہلے سے اسے بڑا ارمان تھا کہ اس کا ایک علیحدہ گھر ہو۔ چاہے چھوٹا سا ہو مگر ہو مکمل طور پر اس کی مرضی کا تابع، ایک خود مختار ریاست کی طرح۔ جہاں کے پھول کلیاں، خمسیں شامیں، خوشیاں الم، دکھ سکھ بھی کچھ اس کا اپنا ہو مگر شومئی قسمت کہ بیاہ کر وہ جس گھر میں آئی وہاں سب ساتھ رہتے تھے۔ ایک ہی ڈور سے بندھے۔ ایک ہی رنگ میں رنگے اور ماہین کی وہ خود مختار ریاست حقائق کے سیلاب کی نذر ہو گئی۔ وہ چھوٹا سا گھر بننے سے پہلے ہی تباہ ہو گیا اور اس نے اس تباہی پر دو آنسو بہائے بغیر اس صدمے سے سمجھوتا کر کے اپنے آپ کو حالات کی لہروں کے سپرد کر دیا۔

ماہین کو ایک ایسے گھر کا خواب جو صرف اس کی اپنی ملکیت ہو ورثے میں ملا تھا۔ کہتے ہیں ماں نادانستگی میں اپنے دکھ بیٹی کے آنچل میں باندھ دیتی ہے۔ شاید اماں کی زندگی کی سب سے بڑی محرومی خواب بن کر ماہین کی آنکھوں میں رہنے لگی تھی۔ جب سے ماہین نے ہوش سنبھالا تھا تب سے اس نے اپنی ماں کو ایک مظلوم بہو کا کردار ادا کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک ڈری سہمی عورت، جس کی زندگی کا مقصد ہی دوسروں کو خوش رکھنا اور دوسروں کی خدمت کرنا ہو۔ جو اپنی نہیں دوسروں کی آنکھوں سے دیکھتی، دوسروں کی زبان سے بولتی اور دوسروں کے ذہن سے سوچتی ہو۔ جس کی زندگی میں بہار کی خوشی کا اور امنگوں کا کوئی رنگ نہ ہو۔

''دلہن! کھانا پک گیا؟''

''دلہن! میرے کپڑے نکال کر استری کر دیے؟''

''بھابی! چائے بنا کر میرے کمرے میں پہنچا دیں۔''

''بھابی! میری کچھ سہیلیاں دوپہر کے کھانے پر آئیں گی۔''

اس طرح کی آوازیں ہمیشہ ہی اماں کا پیچھا کرتی رہتیں۔ صبح ہوتے ہی وہ احکامات کی نادیدہ ڈور سے

کچن اور کچن سے ذرا فاصلے پر بنے ہوئے کمروں کے چکر لگاتی رہتی تھیں۔ ماہین کو یہ سب بہت برا لگتا۔ اس کا جی چاہتا کہ اس کی ماں بھی کبھی حکم چلائے، آرام کرے اور اپنے نصیب میں لکھی ان خوشیوں کو محسوس کر سکے جو کہیں کھو گئی تھیں لیکن ابا اس بٹن کی طرح تھے جس کو دبا کر روشنی کی جا سکتی تھی اور یہ بٹن خراب تھا بھلا روشنی کیوں کر ہوتی۔ کبھی کبھی ماہین جھنجلا جاتی۔

''اماں، کیا آپ کو دادو نے خریدا تھا کسی بازار سے؟ کیوں کرتی رہتی ہیں غلامی سب کی، کیا ملا ہے صلہ میں؟ آج تک، کسی نے کوئی تاج رکھا ہے آپ کے سر پر؟'' جواب میں اماں یوں ڈر کر ماہین کی طرف دیکھتیں جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

''یہ سب جو میں کرتی ہوں یہ کسی پر احسان نہیں، یہ تو فرض ہے۔ بڑی بہو ہوں میں اور گھر کی ذمے داری سنبھال کر میں کسی پر کوئی احسان نہیں کرتی۔''

''فرائض ہی سب کچھ نہیں ہوتے، حقوق بھی کسی چیز کا نام ہے۔ اور یہ کیا نکاح نامے کی کوئی شق ہوتی ہے کہ بڑی بہو کو ہی سب کی خدمت کرنی ہے۔ سب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور بڑی بہو ان کی سیوا کرتی رہے۔'' ماہین چڑ کر کہتی۔

''آہستہ بولو، کہیں کوئی سن نہ لے۔'' اماں اسے ڈرتی نگاہوں سے دیکھتیں اور ماہین کو اماں کے ڈرے سہمے وجود پر بے اختیار پیار آ جاتا۔ اس کا جی چاہتا کہ اپنے کمزور بازوؤں میں اماں کے وجود کو سمیٹ کر ان بے رحم لوگوں سے کہیں دور چلی جائے، جہاں ناانصافی کے سائے نہ ہوں، جہاں زندگی کی مسکراہٹ پر کوئی قدغن نہ ہو اور جہاں سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی سنانے والے احکامات کی بوچھاڑ نہ ہو۔

لیکن ایسا کچھ بھی ممکن نہ تھا۔ سو وہ دیکھتی رہتی اور سہتی رہتی..... لیکن اس سے یہ ضرور ہوا کہ مشترکہ خاندانی نظام سے اِک عجیب سی نفرت ہو گئی۔ اتفاق یہ کہ ماہین نے اس کے جتنے بھی رشتے آئے وہ سب مشترکہ گھروں کے تھے۔ جٹھانیاں، دیورانیاں، نند، دیور، چاچی و چوبند ساس، ایکٹیو سسر اور اتنے سارے رشتوں کے درمیان وہ ایک شخص جو اس کا امیدوار ہوتا۔ پہلے ہی رشتے کے لیے ماہین نے صاف انکار کر دیا۔ اماں نے تعجب سے اس کی شکل دیکھی۔

''اماں..... میں پڑھنا چاہتی ہوں.....'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''کتنا پڑھو گی بیٹا، بی اے تو کر لیا ہے تم نے۔''

آج کل بھلا بی اے کی کیا وقعت ہے۔ میں ماسٹر کرنا چاہتی ہوں۔'' اماں خاموش ہو گئیں۔ چلو دو سال کی تو بات ہے۔

ماہین ایم اے فائنل کے پیپرز دے رہی تھی کہ اماں کی سب سے بڑی نند اپنے لائق فائق بیٹے کے لیے دامن پھیلائے چلی آئیں۔ بظاہر انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لڑکا ایم بی اے کر کے فارغ ہوا تھا اور ہائر اسٹڈی کے لیے باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ گھر کا ماحول اور لوگ دونوں ماہین کے جانے پہچانے تھے۔ اماں کو قطعی کوئی اعتراض نہ تھا۔ ان کا تو مقولہ ہی ساری زندگی یہ رہا تھا کہ ''اپنا مارے گا بھی تو چھاؤں میں ڈالے گا۔'' لیکن ماہین تو پھوپی کے گھر جانے کے تصور سے ہی ہراساں ہو گئی۔

''نہیں قطعی نہیں، ایسا ممکن ہی نہیں۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''کیوں؟'' اماں نے تیوری پر بل ڈالے۔ اس بار وہ ماہین کو بخشنے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

''اماں! یہ وہی لوگ ہیں نا جنہوں نے آپ کو لمحے لمحے کی موت دی ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کا سلوک آپ کے ساتھ دیکھا ہے۔ وہ رعونت، وہ حکیمہ انداز، وہ اپنے فیصلے آپ پر مسلط کرنا...'' ماہین پھٹ پڑی۔

''بیٹا، تمہارے دل میں اتنا زہر کیوں بھر گیا ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم میں اس طرح کے چھوٹے موٹے تنازعات تو ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی بات دل میں نہیں رکھنی چاہیے۔ وہ اتنی چاہت سے اپنے سب سے قابل بیٹے کے لیے تمہارا رشتہ لے کر آئیں۔ کیا اسد کے لیے لڑکیوں کی کمی تھی؟'' اماں نے غصے سے کہا۔

''اماں میں آپ جیسی اعلیٰ ظرف نہیں ہوں۔ مجھے مجبور نہ کریں۔ یوں بھی اسد کو میں نے ہمیشہ اپنے بھائی کی جگہ دی ہے۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''کوئی بات نہیں، ذہنی تبدیلی دھیرے دھیرے ہی آتی ہے۔ تمہارا ذہن اسے دوسرے روپ میں بھی قبول کر ہی لے گا۔'' اماں کسی صورت بھی اس اچھے رشتے کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔

''میں مشترکہ خاندانی نظام میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکتی۔'' ماہین دل کی بات زبان پر لے آئی۔

''ماہین!'' اماں نے دکھ اور تعجب سے اس کی طرف دیکھا ''بیٹا کیا میری تعلیم و تربیت میں کمی ہے یا میرے نصیبوں میں؟ تم نے ورثے میں بھی کچھ نہیں لیا مجھ سے۔ میں واقعی ایک ناکام عورت ہوں۔'' اماں آزردگی سے بولیں۔

''ایسا نہیں ہے اماں، ماہین نے لاڈ سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ میں نے بھی کچھ آپ سے لیا ہے میں آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دوں گی لیکن، میں اپنی زندگی جینا چاہتی ہوں۔ پلیز مجھے پھوپو کے گھر کے لیے مجبور نہ کریں۔ اس کے علاوہ میں آپ کی ہر بات مانوں گی۔ یہ وعدہ کرتے وقت ماہین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ''اس کے علاوہ'' والی صورتِ حال فوراً ہی سامنے آجائے گی۔

ابھی پھوپو کے گھر کے چکر لگ ہی رہے تھے کہ ماہین کے لیے ایک رشتہ اور آ گیا۔ یہ عباس کے گھر والے تھے جو ماہین کی ایک دوست دریہ کی وساطت سے گھر آئے تھے۔ عباس ماہین کے کلاس فیلو تھے اور دونوں کے درمیان کبھی کبھی سبجیکٹ کے متعلق بات چیت بھی ہو جایا کرتی تھی اور بس۔ عباس کو نہ جانے ماہین کی کون سی ادا بھائی تھی کہ وہ اس کے طلبگار بن کر آ گئے تھے۔ اب جب ماہین نے ان کے متعلق نئے حوالوں سے سوچا تو اسے محسوس ہوا کہ جن راستوں میں سے ایک راستہ اسے چننا ہے اس میں یہ راستہ نسبتاً بہتر ہے اور پھر جب وہ آنکھیں بند کرتی تو اسے اس راستے پر کہیں کہیں پھول کھلتے بھی نظر آتے۔ اگرچہ عباس بھی ایک بڑے خاندان والے تھے لیکن ماہین نے سوچا کہ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں بہت سارے مطالبے مان لیے جاتے ہیں۔ وہ شادی کے کچھ عرصے کے بعد اپنا علیحدہ گھر بنا لے گی۔ وہ اماں کے اس زریں قول کو بھی غلط ثابت کرنا چاہتی تھی کہ ''اپنا مارے گا تو چھاؤں میں ڈالے گا۔''

شاید قسمت بھی راستے بنا رہی تھی۔ اسے پتا نہیں چلا کہ اماں نے کس کس طرح حالات کا سامنا کیا۔ کیسے اسے اور گھر والوں کو منایا اور کیا کیا جتن کیے کہ پھوپو سے بگاڑ پیدا ہوئے بغیر وہ بیاہ کر عباس کے گھر آ گئی اور یوں زندگی کا وہ نیا دور شروع ہوا جس کا تصور ہمیشہ اسے انجانے خدشات اور موہوم سے خوف میں مبتلا کر دیتا تھا۔

ماہین کو عباس کے گھر والوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ عباس گھر میں ایک بھائی سے چھوٹے تھے۔ بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کے علاوہ ایک نند اور ساس سسر..... کل چھ افراد تھے اس گھر میں اور ساتواں فرد وہ خود تھی اور اماں کی ہدایت کے مطابق اب اسے اپنے اچھے کردار، اپنے ایثار و قربانی کے عمل سے ان چھ افراد کے دل میں گھر بنانا تھا۔ ان چھ لوگوں میں سے ایک فرد جو یونیورسٹی میں ہی اپنے دل کا خالی مکان اس کے نام کر چکا تھا اسے جیتنے کے لیے ماہین کو کچھ خاص محنت نہ کرنی پڑی۔ ساس سسر اور دیگر افراد کا معاملہ ذرا ٹیڑھا تھا۔ ان کے سلسلے میں اماں کی دی ہوئی ہدایتوں یا اماں کے قدموں کے نشانات پر چلنے کا اس کا کوئی خاص ارادہ نہ تھا۔ وہ تو یہ سوچ کر اس گھر میں آئی تھی کہ کچھ عرصہ گزار کر اپنا علیحدہ گھر بنا لے گی۔

اس نے گھر والوں سے کوئی خاص ربط نہیں رکھا تھا۔ عباس نے پہلے ہی جتا دیا تھا کہ سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں سو وہ کھانے کے وقت نیچے اترتی، کھانا کھاتی اور پھر اوپر اپنے کمرے میں چلی جاتی لیکن ایک بات ماہین نے رابطے کی کمی کے باوجود محسوس کی تھی کہ اس کے سسرال والے اس کے ددھیال والوں سے قطعی مختلف تھے۔ وہاں سب آپس میں بہت پیار و محبت سے رہتے تھے۔ کھانا بھابی اور رائمہ مل کر پکاتی تھیں۔ رائمہ

عباس سے دو سال چھوٹی تھی اور اس کا منگیتر تین سال کے لیے کینیڈا گیا ہوا تھا۔ اس کی واپسی پر شادی ہونا قرار پائی تھی۔

دو تین مہینے بعد ایک روز ناشتے پر امی نے بڑی محبت سے ماہین کو اس کے فرائض کا احساس دلایا۔ ''ماہین بیٹی! دوپہر کا کھانا تو رائمہ اور حنا پکا لیتی ہیں اب تم ایسا کرو کہ شام کے کھانے میں رائمہ کا ہاتھ بٹا دیا کرو تاکہ بڑی دلہن کو بھی تھوڑا ریسٹ مل جائے.....''

''جی..... جی بہتر۔'' ماہین سے کچھ اور نہ کہا گیا یوں بھی وہ صبح سے شام تک بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تھی لیکن کہیں دور ذہن کے ایک گوشے میں خطرے کی گھنٹی ضرور بج اٹھی۔ تو اب پھر شاید تاریخ اپنے آپ کو دہرائے۔ کام، کام اور صرف کام۔ نہیں..... میں دوسری اماں نہیں بن سکتی۔ شام کو چائے ماہین نے بنائی لیکن بھابی نے بڑی محبت سے کچن سے رخصت کر دیا۔

''ارے ماہین ابھی کیوں اپنی جان ان بکھیڑوں میں ڈالتی ہو۔ شادی کے ابتدائی دن ہیں خوب گھوم پھر لو پھر یہ دور واپس نہیں آئے گا۔''

''مجھے شرمندگی ہوتی ہے، آپ سب کام میں لگے رہتے ہیں۔'' ماہین کو ان کے رویے نے قطعی نادم کر دیا۔

''تو کیا ہوا اپنا گھر ہے ہم کام کر کے کسی پر احسان تھوڑا ہی کر رہے ہیں۔ چلو بس تم شام کی چائے بنا لیا کرو۔''

''ارے بھابی، یہ کیا بچوں جیسا کام آپ میرے سپرد کر رہی ہیں۔ میں کل پورا کھانا پکاؤں گی۔'' ماہین نے کمر کس کر میدان میں اترنے کی ٹھان لی۔

''جی نہیں، کل آپ صرف چائے بنائیں گی اور پھر عباس کے ساتھ کہیں باہر چلی جائیں گی۔ گھومنے پھرنے، سمجھیں۔'' بھابی نے پیار سے اس کے رخسار پر چپت لگائی۔

یہ لوگ ماہین کے توقع کے برعکس تھے لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں ایک اکتاہٹ اور بے زاری سی اس کے پورے وجود کا احاطہ کیے رہتی۔ انہی دنوں جب ڈاکٹر نے گھر میں ایک خوشگوار اضافے کی خبر سنائی تو سسرال والوں کی عنایتوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ امی کا تو بس نہیں چلتا تھا کہ ماہین کو ایک قدم نہ اٹھانے دیں۔ سب نے اسے ہتھیلی کا پھپھولا بنا رکھا تھا۔ جس روز سنی پیدا ہوا وہ دن تو گویا سب کے لیے عید کا دن تھا۔ ایک عرصے کے بعد اس گھر کی دیواروں نے کسی نوزائیدہ بچے کے رونے کی آوازیں سنی تھیں۔ عباس کے بڑے بھائی کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ ان کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے۔ بڑی بھابی کی خوشی دیدنی تھی۔

''یہ ماہین کو ماما اور مجھے امی کہے گا۔'' بڑی بھابی نے سنی کے گلابی رخساروں کو چومتے ہوئے اعلان کیا۔

''کیوں..... کیوں بھلا امی کہے گا۔ اس کی ماں تو میں ہوں۔'' ماہین کے چہرے پر ایک سایہ سر لہرایا۔

''توبہ ہے ماہین..... وہ کتنی خوش ہیں تمہارے بیٹے کی پیدائش پر۔ انہوں نے قدم قدم پر کتنا ساتھ دیا ہے تمہارا۔ کتنا خیال رکھتی ہیں۔'' اس کے اندر رہنے والی اچھی اور نیک لڑکی نے اسے سمجھایا شاید یہ لڑکی اماں کا عکس تھی۔ ماہین شرمندہ ہو گئی۔ شکر ہے کہ کسی کو پتا نہیں چلا کہ میں نے کیا سوچا۔ سوچوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسرے پر منکشف نہیں ہوتیں۔ عباس بہت خوش تھے۔ ان کے اس خوشگوار موڈ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ماہین نے ایک روز الگ ہونے کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

''کیا.....'' عباس ششدر رہ گیا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو۔ ہمارے ہاں ایسا کوئی دستور نہیں ہے۔'' ان کی ساری خوشی رخصت ہو گئی۔

''دستور تو خود بنائے جاتے ہیں اور پہلا قدم کوئی نہ کوئی اٹھاتا ہی ہے۔ کیا پتا ہمارا یہ پہلا قدم ہی دستور بن جائے۔'' ماہین نے تحمل سے کہا۔

''لیکن یہ کوئی اچھا قدم نہیں ہے اور پھر اس کا جواز کیا ہے۔ یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟'' عباس کے لہجے میں ناراضگی تھی۔

''کوئی تکلیف نہیں ہے۔ سب لوگ بہت اچھے ہیں لیکن پھر بھی علیحدہ گھر میرا خواب ہے جہاں صرف میری حکومت ہو.....''

''صرف ایک خواہش کو پورا کرنے کے لیے اتنے سارے لوگوں کو دکھ پہنچانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ ماہین بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔'' عباس کا موڈ مکمل طور پر خراب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ کر چلے گئے۔

ماہین کو اس ردِعمل کی توقع تھی اس لیے وہ سکون سے بیٹھی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ پہلی بار ایسا ہی ہو گا لیکن پھر بار بار وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو ہی جائے گی کیونکہ مسلسل پانی کی دھار گرنے سے تو پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ عباس تو پھر انسان تھے۔ ماہین ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے یہ مہم کامیابی کے مکمل یقین کے ساتھ شروع کی تھی اور اسے یقین تھا کہ اس کے خواب کی تعبیر اب دو قدم پر ہے۔

سنی کو گھر والوں نے زیادہ سنبھالا ماہین نے کم۔ یہی وہ سال بھر کا ہی تھا کہ اریبہ کی آمد نے ماہین کو اور مصروف کر دیا۔ وقت اتنی تیزی کے ساتھ گزرتا ہے کہ انسان منصوبے بناتا رہ جاتا ہے اور وقت آگے بڑھ جاتا ہے۔ ماہین بھی الگ گھر کے خواب دیکھتی رہی اور چھ سال بیت گئے۔ دونوں بچے اسکول جانے لگے تھے۔ وہ بھابی، دادی، دادا، تائی امی اور تایا ابو کی آنکھ کا تارا بنے ہوئے تھے۔

ماہین اب بھی گاہے بہ گاہے الگ ہونے کا مسئلہ اٹھاتی رہتی تھی لیکن عباس اب بھی اپنے فیصلے پر قائم تھے۔ اب ان کے انکار میں وہ شدت نہیں رہی تھی۔ اب ان کا سب سے بڑا جواز یہ ہوتا کہ مالی طور پر وہ الگ رہائش افورڈ نہیں کر سکتے اور کسی حد تک یہ بات درست بھی تھی۔ ماہین بھی جانتی تھی کہ بچوں کے کتنے ہی اخراجات بڑے ابا نے از خود اٹھا رکھے تھے۔ ان کا کاروبار خوب ترقی کر رہا تھا۔ جب کہ عباس ملازمت پیشہ تھے اور ان کی تنخواہ بندھی تھی۔

اس مسئلے کا ایک ہی حل تھا کہ ماہین ایم اے کی ڈگری جھاڑ پونچھ کر نکالے اور کہیں جاب کر لے، سو ماہین نے ایسا ہی کیا۔ قسمت مہربان تھی۔ اسے شہر کے ایک کیمبرج اسکول میں جاب مل گئی اور اس طرح الگ گھر کا مسئلہ ایک بار پھر زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس بار عباس قدرے مجبور ہو کے نیم رضامند ہو گئے اور پھر ماہین کو پتا نہیں چلا کہ کس طرح انہوں نے حالات کو فیس کیا۔ کیسے گھر والوں نے اپنے دل پر پتھر رکھے اور کس طرح وہ ایک بڑے سے گھر کو چھوڑ کر ایک مختصر سے فلیٹ میں آ گئی۔

ماہین کو ایسا لگا گویا اسے پَر لگ گئے ہوں۔ آزادی اور خود مختاری کا یہ احساس کس قدر لطیف تھا یہ کوئی ماہین کے دل سے پوچھتا۔ سسرال اور میکے دونوں میں اس کا یہ قدم اچھی نظروں سے نہیں دیکھا گیا تھا بلکہ اماں نے خوب باتیں بھی سنائی تھیں۔ نئے گھر میں آنے کی خوشی اس وقت تھوڑی سی ماند پڑی جب سنی بیمار پڑ گیا۔ وہ فلیٹ میں آ کر گم صم ہو گیا تھا۔ دادی کا لاڈلا تھا اور ان کے بغیر اسے نہ کھانا پینا اچھا لگ رہا تھا نہ کھیلنا کودنا۔ آدھ ہی اپنا نیا گھر۔

''مما ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔ ہم یہاں کب تک رہیں گے؟'' بچوں نے ان دو سوالات کو دہرا دہرا کر ماہین کو پریشان کر دیا اور سنی کی بیماری سے تو وہ سچ مچ ہراساں ہو گئی۔ سنی کی تیمارداری، اسے ڈاکٹر کے پاس دوا اور چیک اپ کے لیے لے جانا، اسکول کی ذمے داریاں کہ نوکری بھی نئی نئی تھی پھر گھر آ کر پورے گھر کی صفائی ستھرائی، کھانا پکانا اور بازار کا چکر لگانا۔ یہ ساری ذمے داریاں یکلخت اب ماہین پر آ پڑی تھیں اور عباس کا موڈ الگ آف رہنے لگا تھا۔ وہ آفس سے سیدھے اپنے گھر چلے جاتے اور رات گئے گھر میں گھستے۔ اپنے اس طرزِ عمل سے گویا وہ یہ جتانا چاہتے تھے کہ ماہین نے جو کچھ کیا ہے اسے خود بھگتے۔ خدا خدا کر کے بچوں کا تھوڑا سا دل لگا مگر اب وہ ہمہ وقت اپنے ددھیال والوں کو یاد کرتے رہتے جو ابھی تک اس نئے گھر میں نہیں آئے تھے اور ایسے میں رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا اور ذمے داریوں کا ایک بھاری گٹھڑ ماہین کے سر پر آن پڑا۔

عید سے پہلے پہلے اسے اپنے نئے گھر کو بھی سجانا تھا۔ بچوں کے، اپنے اور عباس کے کپڑے خریدنے تھے اور ظاہر ہے کہ اس بار سب کے سلے سلائے کپڑے ہی آنے تھے ورنہ تو اس سے پہلے بچوں کی دادی بڑے پیار

محبت سے سنی اور اریبہ کے کپڑے سیتی تھیں۔ اریبہ کے کپڑوں میں گوٹا لگایا جاتا یا ستارے ٹانکے جاتے۔ پھوپی اور تائی امی بازار سے ریڈی میڈ جوڑے لے لے کر آتیں یوں بچوں کے پاس اتنے کپڑے ہو جاتے کہ ماہین کو بچوں کے کپڑوں کی ذرا سی بھی فکر نہ ہوتی تھی۔

زندگی کتنی آسان اور پُر آسائش تھی اس کا اندازہ ماہین کو بہت جلد ہو گیا۔ گھر میں دو تین ماسیاں آتی تھیں۔ نہ صفائی کی فکر، نہ ہی برتن دھونے کا تردّد اور نہ ہی کپڑے دھونے کا مسئلہ۔ گھر کا کام بھی وہ برائے نام ہی کرتی لیکن یہاں فلیٹ میں اب وہ عیش و آرام خیال و خواب بن کر رہ گئے تھے۔ اسکول سے تھکی ہاری آتی اور آتے ہی کچن میں گھسنا پڑتا۔ بچوں نے کھلونے پورے گھر میں اِدھر اُدھر پھیلائے ہوئے ہوتے اور پڑوس کی خالہ جو ازراہِ مہربانی اس کے آنے تک بچوں کا خیال رکھتی تھیں، دروازہ بند کرنے کی تائید کرتے ہوئے اپنے فلیٹ میں چلی جاتیں۔

عید سر پر تھی۔ بہت سے کام نبٹانے تھے مگر لگتا تھا کہ وقت بھاگ رہا تھا اور کام اپنی جگہ منجمد ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ چاند رات آ گئی۔ ڈرائنگ روم کے لیے پردے اور قالین ابھی تک نہیں آ سکے تھے۔ افطار کے فوراً بعد اس نے عباس کے ساتھ بازار جانے کا پروگرام بنا لیا۔

''پردے ہر صورت میں لا کر لگانے ہیں۔ کارپٹ تو اب بعد میں ہی لیں گے کم از کم پردے تو لگ جائیں۔ بچوں کے لیے بھی کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔''

''لیکن ابھی تو مجھے گھر جانا ہے۔ امی نے آفس سے فون کیا تھا کہ انہیں کام ہے۔'' عباس نے رکھائی سے کہا۔

''اور میں جو کام آپ کو بتا رہی ہوں یہ کون کرے گا؟'' ماہین کو غصہ آنے لگا۔

''یہ دوسری تمہاری ہے اس لیے تم ہی بھگتو۔ تم ان ناشکرے لوگوں میں سے ہو ماہین جو پھولوں کو چھوڑ کر کانٹوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ مجھ سے کسی قسم کے تعاون کی امید نہ رکھنا۔ کیونکہ میں تمہارے ساتھ اس فلیٹ میں رہ رہا ہوں اپنے جان سے پیارے رشتوں کو چھوڑ کر، یہی بہت ہے۔'' عباس نے ٹی وی پر سے بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔ عباس چلے گئے۔ ماہین ساکت اپنی جگہ بیٹھی تھی۔

یہ پہلی چاند رات تھی جس میں عباس نے اس سے اتنے بُرے لہجے میں بات کی تھی اور شادی کے بعد یہ ان کا پہلا جھگڑا تھا۔

''کیا کروں..... وقت کتنا کم رہ گیا ہے۔ گھر میں فون بھی نہیں ہے، فون کر کے صبا کو بلا لوں۔ دونوں مل کر بازار چلے جاتے۔'' ماہین کو میکے کا خیال آیا لیکن فون ہوتا بھی تو کیا صبا آ جاتی۔ اماں بیمار رہتی تھیں۔ گھر کی ساری ذمے داری اب صبا کے اوپر تھی۔ صبا کو تو اس وقت لمحہ بھر کی بھی فرصت نہ ہوگی۔ اُف خدایا کیا کروں۔ ماہین بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ زندگی کا ایک مشکل لمحہ اس کے سامنے تھا لیکن یہ مشکلات تو خود پسند کی تھیں اُس نے اپنے لیے۔

''اوہ میں نے کیا کیا.....؟ بچوں کے کپڑوں کے ساتھ موزے تو خریدے نہیں۔'' اچانک اسے یاد آیا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ''اب کیا ہوگا؟ بچے صبح کیا پہنیں گے.....'' بچوں کے خیال کے ساتھ ہی یہ بھی یاد آیا کہ بہت دیر سے بچے غائب ہیں۔ کہاں گئے۔ کیا عباس کے ساتھ چلے گئے.....؟ وہ باہر لاؤنج میں آ گئی، سناٹا پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے بیڈروم کے قریب آئی تو اندر سے سسکی کی آواز آئی۔ ماہین نے دروازہ کھولا تو نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں اس نے دیکھا اریبہ اور سنی آمنے سامنے بیٹھے ہیں۔ اریبہ رو رہی تھی، آنسو اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھے۔

''پتا ہے مما بہت گندی ہیں۔ ہمیں یہاں لے کر آ گئیں اور اب ہم عید بھی اس چھوٹے سے گھر میں منائیں گے۔ مجھے دادی والا گھر بہت یاد آ رہا ہے۔ تائی امی بھی بہت یاد آ رہی ہیں۔''

''بھائی رومت، ہم پاپا کے ساتھ کل چلے جائیں گے ناں دادی والے گھر میں۔'' اریبہ نے بڑی بہنوں کی طرح تسلی دی۔

''اریبہ..... تم دیکھنا میں تھوڑا بڑا ہو جاؤں تو مما کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔''

''کہاں؟''

''دادی والے گھر میں۔''

''مجھے بھی لے چلنا بھائی۔'' اریبہ نے خوشامد کی۔

ماہین نے ہولے سے دروازہ بھیڑ دیا اور واپس لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی۔ دل میں چبھن سے کوئی چیز ٹوٹ رہی تھی۔ نہ اب عید کے تصور سے کوئی خوشی تھی نہ ہی گھر کو نئے سنوارنے میں کوئی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک کال بیل بجی تو وہ حیران سی دروازے پر آئی۔ عباس اتنی جلد واپس آ گئے لیکن دروازہ کھولتے ہی ایسا لگا جیسے اردگرد پھول ہی پھول کھل اٹھے ہوں۔ سامنے ہی عباس کے ہمراہ امی، بڑی بھابی اور رائمہ لدے پھندے کھڑے تھے۔ نہ جانے کس جذبے کے تحت ماہین بے اختیار ساس کی طرف بڑھی اور ان کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

''ارے ارے ماہین..... کیا ہوا بیٹا!'' امی جو ماہین کی طرف سے خفگی اپنے دل میں رکھتی تھیں اور اس وقت صرف بڑی بہو اور بیٹی کے سمجھانے پر یہاں آئی تھیں، گھبرا سی گئیں۔

''امی مجھے معاف کر دیں، پلیز امی..... میں..... میں بہت پچھتا رہی ہوں۔'' ماہین نے پوری سچائی کے ساتھ اعتراف کیا۔

''ماہین بیٹا، تم نے اپنی ضد پوری کر لی۔ ہم نے بھی عرصہ ناراض رہ کر تمہاری اس غلطی کو تسلیم کر لیا کہ حال الگ گھر تمہاری ضد کے ساتھ ساتھ تمہارا حق بھی تھا۔ اب کاہے کی معافی۔'' امی کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ماہین نے چونک کر ان کی شکل دیکھی۔

''تو کیا واپسی کی کوئی صورت نہیں ہے۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے مخاطب تھی۔

''کیوں نہیں ہے ماہین، ماں باپ کے دل کے اور گھر کے دروازے کبھی اپنی اولاد کے لیے بند نہیں ہوتے۔'' اس بار اُن کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ بچے اچھلتے کودتے باہر نکلے اور دادی اور پھوپی کی گودوں میں چڑھ گئے۔

بڑی بھابی ان بڑے بڑے شاپنگ بیگز سے وہ کپڑے اور جیولری نکال کر دکھانے لگیں جو وہ لوگ بچوں اور ماہین کے لیے لے کر آئے تھے۔

سنی کا شلوار قمیص اور دو ریڈی میڈ سوٹ تھے۔ اریبہ کے لیے دادی نے خود اپنے ہاتھ سے گوٹے والا کرتہ پاجامہ بنایا تھا۔ گولڈن چوڑیاں بھی تھیں اور ہمیشہ کی طرح ماہین کے لیے ایک جگمگاتی ہوئی ساڑی تھی۔ میچنگ جیولری، سینڈل اور چوڑیاں۔ بچوں کی خوشی دیدنی تھی۔

ماہین کے دل میں بچپن سے جو الگ گھر بسانے کی خواہش اور خواب تھا، آج اسے ایسا لگا جیسے وہ خواب اس کی آنکھوں سے نکل کر کانچ کی طرح زمین پر بکھر گیا ہو لیکن اسے اس خواب کے ٹوٹنے پر دکھ نہیں بلکہ مسرت ہوئی کیونکہ اس نے رشتوں کی سچائی کو پہچان لیا تھا۔ زندگی میں آنے والی یہ عید کچھ نئی خوشیاں لے کر آئی تھی اور ان خوشیوں کا رنگ سب سے جداگانہ تھا۔

☆

بذریعہ ڈاک
خواتین و حضرات گھر بیٹھے داخلہ لیں
انگلش لینگویج کورس | ایئر ہوسٹس | ہوم اکنامکس | بیوٹی پارلر کورس
ریفریجریشن ایئر کنڈیشننگ | ایئر کنڈیشننگ | بوتیک فیشن | آٹو سوئنگ
ریڈیو ٹی وی وی سی آر ریپیئرنگ | الیکٹریشن | ڈرافٹس مین | ڈریسنگ کٹنگ
اسکول ٹیچنگ میتھڈ | صحافت | فوٹو گرافی | انٹیریئر ڈیکوریشن
اسپوکن انگلش | شمع ٹیلرنگ | مہر سازی | سلنگ بیوٹی | حکمت اردو
موٹر بائیکل مرمت | لائبریرین | کمپیوٹر | کوکنگ بیکنگ | لیڈیز ٹیلرنگ
ایمبرائڈری پرنٹرز (ہیڈ ڈیزائن) | میڈیکل ایڈ | آئل پینٹنگ | ڈینٹل ایکسٹینشن
پبلشری ڈیری فارمنگ | نیوز رپورٹر | فلاور میکنگ | پبلک ریلیشن آفیسر
یہ تمام کورسز ڈگری میں میٹرک تصاویر اور اصلی ڈگرام کیساتھ پر مشتمل کتب کی صورت میں بذریعہ ڈاک طلبہ کو گھر پر ملتے ہیں کورس کے دوران اور سند لینے کے بعد بھی مکمل راہنمائی ایک قیمت میں ایک کورس میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ جوابی لفافے کے ساتھ خط لکھیں۔
اسلام آباد اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر 1237
جی پی او، راولپنڈی

پہلی قسط

دل میں مسافر میں

آسیہ مرزا

ہمارے بس میں اگر اپنے فیصلے ہوتے
تو ہم کبھی کے گھروں کو پلٹ گئے ہوتے
ہمارے نام پہ کوئی چراغ تو جلتا
کسی زباں پہ ہمارے بھی تذکرے ہوتے

ہماری زندگی کی ڈور وقت کے ہاتھوں میں ہے اور ہم وقت کے تابع ہیں ہماری قسمت کا ہر اچھا یا برا فیصلہ وقت ہی کرتا ہے۔

''کان کھول کر سن لو مرتضیٰ! میں یہ رشتہ کسی قیمت پر نہیں ہونے دوں گی، تم لاکھ دلیلیں پیش کرو، ہزار تاویلیں لے آؤ۔'' ناشتے کی میز پر پھر وہی جنگ چھڑ گئی تھی۔

''مجھے تمہارے سامنے دلیلیں پیش کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' مرتضیٰ آغا کے چہرے پر پھیلے سکون میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ انہوں نے جیم لگے سلائس کا آخری نوالہ حلق سے اتار کر چائے کا مگ لبوں سے لگا لیا۔

''میری اجازت کے بغیر تم کوئی فیصلہ کیسے کر سکتے ہو؟'' ان کا یہ اطمینان صباحت کے سکون اور اطمینان کو غارت کرنے کو کافی تھا۔

''مجھے تمہاری اجازت کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ شادی تمہاری نہیں تیمور کی ہوگی تو ظاہر ہے اجازت بھی اسی کی درکار ہوگی۔''

''میں بھی تیمور کی بات ہی کر رہی ہوں!'' صباحت نے چائے سے بھرا فلاسک پٹخنے کے انداز میں رکھا۔ ان کے چہرے پر سارے جہاں کا غصہ، جھنجلاہٹ اور تنفر تھا۔ اگر وہ خوب صورت نین نقش کی مالک عورت نہ ہوتی تو یقیناً اس وقت ایک بدصورت عورت دکھائی دیتی۔

''اس کا برین واش تو تم کر چکے ہو، یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں مگر اس کے باوجود وہ میری اجازت کے بغیر ایسا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، نہ میں اسے تمہاری کسی سازش کا شکار بننے دوں گی۔ اسے ہر حال میں میری اجازت، میری مرضی درکار ہوگی۔'' آخری جملے پر زور دیتے ہوئے انہوں نے مرتضیٰ آغا کی طرف دیکھا۔

''خوب!'' مرتضیٰ آغا کی ہنسی بے ساختہ ہی نہیں استہزائیہ بھی تھی۔ وہ چائے کا مگ رکھ کر کرسی دھکیل کر کھڑے ہو گئے اور بریف کیس اٹھا کر ٹیبل کی ٹوپ پر رکھتے ہوئے بولے۔

''میں دوسری شادی قطعاً نہیں کر رہا ہوں کہ تمہاری اجازت کی ضرورت پیش آئے۔'' پھر قدرے ان کی طرف جھکتے ہوئے بولے۔ ''ہاں اگر کروں گا تو تم سے ضرور پوچھوں گا۔''

''مرتضیٰ۔'' وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگ کر چٹخی ''تمہیں میری بات کو غیر اہم ثابت کرنے کی کوشش مت کرو، میں تیمور کی ماں ہوں، اس پر تم سے زیادہ حق رکھتی ہوں۔ بھتیجی کی محبت اگر عود ہی آئی ہے تو اس کے لیے کہیں سے رشتہ تلاش کر کے اسے نمٹا دو۔ میرا بیٹا ہی قربانی کیوں دے۔'' مرتضیٰ نے ابرو اچکا کر اپنی حسین و جمیل بیوی کو دیکھا۔

''کہتے ہیں نفرت کا شعلہ جس دل سے اٹھتا ہے، پہلے وہ دل جلتا ہے اور بعد میں دوسروں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔'' بریف کیس بند کرتے ہوئے انہوں نے متاسفانہ سانس کھینچی۔

''ہاں نفرت ہی سمجھ لو مگر میں اپنی بات پر قائم ہوں۔'' وہ زہر خندی سے سر جھٹک کر بولیں۔

تیمور تیزی سے زینہ اترتے ہوئے بس لحظہ بھر کو ٹھٹکا۔ باپ کا چہرہ دیکھا پھر سر پر ہاتھ پھیرتا لابی کے راستے سے گزرنے کے بجائے زینے کے نیچے بنی راہداری سے گزر کر پورچ کی طرف نکل گیا۔ رات کو شروع ہوئی جنگ ابھی تک جاری تھی، وہ مضطربانہ انداز میں اِدھر اُدھر چکر کاٹنے لگا اور دل ہی دل میں باپ کے مضبوط اعصاب کو سراہنے لگا۔

''تم اچھی طرح جانتی ہو میرے فیصلے پتھر کی لکیر ہوا کرتے ہیں اب تم لاکھ سر پٹخو، تھک ہار کر بیٹھ ہی جانا ہے۔'' وہ غصے کے شدید ابال کو دباتے ہوئے بے مہری سے کہتے بیسن پر جا کر ہاتھ دھونے لگے۔

''کیا اولاد کی شادی میں ماں کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ سارا کچھ باپ کا حق بن جاتا ہے، محض اس لیے کہ وہ کما کر کھلاتا رہا ہے۔'' وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھی تھیں۔

''نہیں، صرف اس لیے کہ اس کے پاس عقلِ سلیم ہوتی ہے۔ اس کے فیصلے حسد اور بغض کے تناظر میں نہیں بلکہ حالات کے مطابق ہوتے ہیں۔''

صباحت بل کھا کر پلٹی مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے مرتضیٰ آغا کی آواز کڑکتی بجلی کی طرح ان کے وجود سے لپٹ گئی۔

''مت بھولو صباحت تمہارے ماں باپ بھی تم پر حق رکھتے تھے اور میرے ماں باپ بھی مگر اس وقت تم نے میرے اور میں نے تمہارے فیصلے کو سراہا۔ میں نے تمہاری خاطر اپنے والدین سے بغاوت کی۔ اس وقت میں بھی کسی ماں کا بیٹا تھا، کیا ان کا حق غصب نہیں ہوا تھا، ان کی نافرمانی کا مرتکب نہیں ہوا تھا میں..... مگر اس وقت تم نے مجھے اس بغاوت کا سبق پڑھایا۔ میرے اس اقدام کو سراہا تھا۔'' الفاظ نہیں انگارے تھے جو صباحت حسن کو وہیں کھڑے کھڑے بھسم کر گئے۔ بس خالی خالی نظروں سے وہ مرتضیٰ آغا کی طرف دیکھتی رہ گئیں جن کے لبوں پر مسکراہٹ تھی استہزائیہ اور کچھ جتانے والی۔

اٹھائیس سالہ زندگی میں پہلی بار یہ طعنہ ملا تھا۔ انہیں لگا وہ اپنی بنیادوں سے ہل گئی ہوں، ریت کی دیوار بن کر گرتی چلی گئی ہوں۔ دکھ اور حیرت کے دھچکے نے ان کی قوتِ گویائی سلب کر کے رکھ دی تھی۔ تب مرتضیٰ ان کے نزدیک آئے اور ان کے نازک سراپا کو تھاما۔

''میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، صرف احساس دلانا تھا اور یاد دلانا تھا کہ.....'' وہ جھٹکا دے کر ان کی گرفت سے نکلیں اور ایک گہری سانس بھر کر مجروح نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''یاد دلانے کا بہت شکریہ! میں بھولی نہیں ہوں مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اس بات سے تم مجھے بلیک میل کر کے میرے بیٹے پر اپنا حق جتا لو، اپنا فیصلہ مسلط کر لو۔ اس طعنے سے میں تمہاری اس سازش کو کامیاب ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔''

''صبا..... حت!'' مرتضیٰ کے چہرے پر غصے کی تمتماہٹ دکھائی دینے لگی ''مجھے مجبور مت کرو کہ میں سخت ترین الفاظ استعمال کروں۔'' وہ سخت برہم ہوئے بریف کیس ٹیبل کی ٹوپ سے کھینچا اور لابی کے گلاس ڈور کی طرف بڑھ گئے۔

''مرتضیٰ..... بات سنو!'' وہ ان کے پیچھے لپکیں۔ ملازمہ نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ وگرنہ وہ لہرا کے گلاس ڈور سے ٹکرا جاتیں ''اگر تم نے میری مرضی کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھایا تو اچھا نہیں ہوگا مرتضیٰ۔''

''اطمینان رکھو، میں ابھی تیمور کا نکاح پڑھوانے نہیں جا رہا ہوں بلکہ آفس جا رہا ہوں۔'' وہ رک گئے اور پلٹ کر نفیس سی استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولے ''اس کی شادی میں یوں چھپ چھپاتے ہرگز نہیں کروں گا بلکہ یہ شادی بے حد دھوم دھام سے ہوگی۔ چونکہ یہ سول میرج نہیں ارینج میرج ہوگی۔'' ایک تیر وہ صباحت کے سینے میں ترازو کر کے بڑے بڑے ڈگ بھرتے پورچ کی طرف بڑھ گئے۔

تیمور نے باپ کو گاڑی کی طرف آتے دیکھا تو موبائل جلدی سے آف کر کے بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا ''پاپا، میں اپنی گاڑی نکالوں یا آپ کے ساتھ ہی آ جاؤں؟'' اس نے جھک کر ان کی گاڑی کے فرنٹ شیشے سے جھانک کر پوچھا۔

''نہیں، میرے ساتھ ہی آ جاؤ۔'' انہوں نے اگنیشن میں چابی ڈالی۔ وہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گیا اور باپ کو ٹشو سے پیشانی پونچھتے دیکھ کر ہنس پڑا۔

''کیا نتیجہ رہا، پسینہ تو بہت بہہ رہا ہے۔ یہ جیت کا ہے یا شکست کا؟'' اس کے انداز میں شرارت تھی۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑے، پھر ایک گہری سانس بھر کر ٹشو کھڑکی سے باہر اچھال دیا اور اس کی طرف رخ کیا۔

''تم بتاؤ، تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''مما تو خوب غصے میں تھیں۔'' اس نے اپنے ہونٹوں کی تراش میں پھیلنے والی مسکراہٹ کو قطعاً چھپانے کی کوشش

نہیں کی۔ جواباً مرتضیٰ آغا نے اس پر آنکھیں نکالیں اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولے۔

''بچے تم مجھے زن مرید ثابت کر رہے ہو، عورت غصے میں آ جائے تو تمہارا مطلب ہے مرد دب جاتا ہے؟''

''مرد نہیں شوہر۔'' اس کے اس برجستہ جواب پر مرتضیٰ کا قہقہہ بھی خاصا برجستہ تھا مگر دوسرے ہی پل وہ سنجیدگی کے چولے میں آتے ہوئے بولے۔

''تم میرے فیصلے سے خوش تو ہو نا۔ دیکھو کسی موقع پر مجھے مایوس تو نہیں کرو گے نا؟'' وہ کسی اندیشے کے تحت بولے۔

''نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔'' تیمور نے اسٹیئرنگ پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ''آپ مما کی وجہ سے یا ان کے غصے سے پریشان ہیں تو بے فکر رہیے مجھے وہ ہرگز پریشرائز نہیں کر سکیں گی اور انشاء اللہ میں کسی موقع پر آپ کو مایوس نہیں کروں گا، یہ میرا وعدہ ہے۔ ہاں مگر.....'' اس نے دونوں ہاتھ گردن پر جما کر سیٹ کی بیک سے ٹیک لگا کر ترچھی نظر باپ پر ڈالی۔

مرتضیٰ نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تھا۔ یہ توقف خاصا ڈرامائی تھا پھر وہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔

''آپ کی بھتیجی نے مجھے اچھا خاصا مایوس کیا ہے۔''

''وہاٹ؟ کیا مطلب.....تم ملے نہیں اس سے۔'' انہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔

جواباً وہ پہلے سے کہیں زیادہ ٹھنڈی طویل سانس کھینچ کر رہ گیا اور چہرے پر سارے جہاں کی مسکینیت طاری کر لی۔

''بڑے احمق لڑکے ہو تم! میں نے تمہیں بھیجا کیوں تھا وہاں، اسی وجہ سے کہ تم اس سے مل لو۔''

''آپ کے بھیجنے سے کیا ہوتا ہے دروازہ تو اسی نے ہی کھولنا تھا۔''

''کیا مطلب تیمور؟ صاف صاف بات کرو یہ پہیلیاں مت بجھواؤ۔'' انہوں سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کی نورِ نظر، لختِ جگر نے دروازے کے باہر ہی سے مجھے ٹکا سا جواب دے دیا۔''

''کون تیمور؟ ہم کسی تیمور آغا کو نہیں جانتے، بھلا دروازہ کیونکر کھولیں۔'' تیمور نے جس جلے کٹ انداز میں اس کی نقل اتاری۔ وہ بے ساختہ امڈنے والی ہنسی نہ روک پائے۔

''پاپا..... پاپا..... اٹس ناٹ فیئر۔'' وہ ان کے ہنسنے پر چڑ گیا اور بسورتے ہوئے بولا ''یہ حقیقتاً زیادتی ہے پاپا، اب تو کم از کم اس کا دیدار کرا دیجیے، اس کی تو شریعت بھی اجازت دیتی ہے کہ رشتہ ہونے پر لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔'' اس نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے شریعت کا حوالہ دیا۔ مرتضیٰ آغا نے دلچسپی سے بیٹے کو دیکھا۔ اس کی بے قراری، بے چینی اور یہ جھنجلاہٹ بجا تھی۔

''اطمینان رکھو ینگ مین، ہم ادھر ہی جا رہے ہیں اس وقت۔'' سگنل کھلتے ہی انہوں نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے اسے یہ خوشگوار اطلاع دی۔

''رئیلی!''

''ہاں.....مگر اب! دروازہ تو اسی نے کھولنا ہے آگے تمہاری قسمت۔'' انہوں نے کندھے اچکائے تو وہ مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھنے لگا۔ دوسرے پل بڑے زور سے ہنس دیا۔ اس کی آنکھیں یک لخت یوں دمکنے لگی تھیں جیسے بجھتے ہوئے دیے میں کسی نے ڈھیر سارا تیل ڈال دیا ہو۔

وہ ایک اسکول بوائے کی طرح مشتاق، مضطرب اور خوش دکھائی دینے لگا تھا۔

☆☆☆

ایسے ناداں بھی نہ تھے جاں سے گزرنے والے
ناصحو! پند گرو، راہ گزر تو دیکھو
وہ تو وہ ہے تمہیں ہو جائے گی الفت مجھ سے
اک نظر تم میرا محبوب نظر تو دیکھو

تحریم اسے سخت تیوروں سے دیکھ رہی تھی مگر وہ ان نگاہوں کی تپش کو محسوس ہی کہاں کر رہی تھی۔ وہ تو اس آگ کے نشے میں بدمست تھی جو ''کسی'' کی لگائی ہوئی تھی۔

''آصفہ تم جانتی ہو، تم جس کلاس سے تعلق رکھتی ہو اور تمہارے گھر کا جو ماحول ہے جن حالات کو تم فیس کر رہی ہو وہاں یہ سب ناقابلِ معافی جرم گردانا جائے گا۔ کیوں تم اپنے عزت دار گھرانے کی خود دشمن بنی ہوئی ہو۔'' اس کے انداز میں فہمائش ہی نہیں تاسف بھی گھل گیا مگر آصفہ سنی ان سنی کرتے ہوئے بیگ سے نیل فائلر نکال کر ناخنوں کو فائل کرنے لگی۔

اس کے انداز میں اس قدر بے پروائی اور ہٹ دھرمی تھی۔ تحریم ایک متاسفانہ سانس بھر کر رہ گئی۔

''تمہاری سوتیلی ماں کا رویہ یوں بھی تمہارے ساتھ اچھا نہیں ہے اور اگر یہ بات کبھی ان پر کھل گئی تو سوچا ہے تم نے کہ تمہارا کیا حشر ہوگا۔ عقل کے ناخن لو آصفہ، کیوں اپنی عزت داؤ پر لگا رہی ہو۔'' اس نے چڑ کر اس کے ہاتھ سے نیل فائلر چھین لیا۔

''اُفوہ!'' آصفہ جھلا کر اسے ناگواری سے دیکھنے لگی مگر دوسرے پل اس کی آنکھوں میں جھلاہٹ اور ناگواری کی جگہ بے بسی اور لاچاری جھلکنے لگی۔

''میں بھی اپنے حالات سے تنگ آ چکی ہوں۔ آخر میرے لیے بھی خوشیاں ہیں یا نہیں۔ اگر میں اپنے حصے کی خوشیاں وصول کرنا چاہتی ہوں تو کون سا بڑا جرم ہو گیا ہے یہ؟''

''یہ خوشیاں نہیں ہیں، یہ دھوکا ہے سراسر دھوکا، سراب فقط سراب ہوتا ہے۔ تمہاری نظر کے دھوکے سے یہ ٹھنڈا چشمہ نہیں بن جائے گا۔''

''میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے تحریم سے نظریں چراتے ہوئے کہا ''اگر یہ دھوکا ہے تو مجھے اس دھوکے میں رہنے دو۔ پتا نہیں کیوں تحریم، یقین کرو میں نے خود بھی کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ یہ شخص میرے قریب بہت قریب آتا جا رہا ہے اور اب میں اس سے دور نہیں ہونا چاہتی۔'' اس کی آواز دھیمی تھی جیسے وہ خود سے ہی ہمکلام ہو۔

''تم نے اسے قریب ہی کیوں آنے دیا کہ آج اپنی بے بسی پر آنسو بہاؤ۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''میں تو کوئی آنسو نہیں بہا رہی ہوں بلکہ میرے لیے تو یہ واردات بے حد حسین ہے۔'' وہ یک دم پھر اسی جون میں آتے ہوئے کھل کھلائی ''کہتے ہیں نا کہ محبت تو حادثہ ہے اور حادثے یونہی تو ہو جاتے ہیں۔'' اس نے ایک گہری سانس یوں کھینچی جیسے کسی تصور سے محظوظ ہو رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں خمار اترنے لگا۔

''حادثہ..... حادثے کبھی خوش نما اور حسین نہیں ہوتے بلکہ تباہ کن ہوتے ہیں، ان میں طمانیت انگیزی نہیں ہوتی صرف نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔'' ایک استہزائیہ مسکراہٹ تحریم کے تراشیدہ گلابی ہونٹوں پر بکھر آ گئی۔ دوسرے پل قدرے سنجیدگی اور مدبرانہ لہجے میں بولی۔

''آصفہ، اب بھی وقت ہے تم ان راستوں سے پلٹ آؤ، یہ راستے گناہ کی منزل سے پھوٹتے ہیں اور یاد رکھنا اس میں صرف کٹھنائیوں اور آزمائشوں کے صحرا آتے ہیں سکھ کے دریا نہیں آتے۔''

''گاڈ سیک! بس کرو یہ واعظ یہ نصیحتیں۔ تنگ آ گئی ہوں میں روز تمہاری ایک ہی چخ چخ سے۔'' آصفہ نے گود میں رکھا بیگ اٹھا کر ایک طرف پٹخا اور کھڑی ہو گئی۔

تحریم تاسف اور رنج سے اسے دیکھ کر رہ گئی اور کندھے اچکا کر اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔
''آئی ایم سوری۔'' آصفہ کو شاید اپنے لب و لہجے کی تلخی تندی کا احساس ہو گیا اس نے جلدی سے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
''کیا ہماری دوستی کے درمیان یہ ٹاپک آنا ضروری ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اس ٹاپک پر بات کریں ہی نہ۔۔۔ یوں بھی تم میرے کسی فعل و عمل پر جواب دہ نہیں ہو۔'' اب کے اس کا لہجہ معذرتی تھا۔ تحریم کے سینے سے ایک سانس خارج ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے کانچ پر رنج بکھر گیا۔
''میں تمہاری دوست نہ ہوتی تو شاید کبھی تمہیں نصیحت کرنے کی کوشش نہ کرتی مگر آصفہ دوستی تو ایک چراغ ہے جو اندھیرے میں روشنی کا کام دیتا ہے، میں تمہیں راہ سے بھٹکتا کیسے دیکھوں؟''
''تحریم پلیز، سوچ سمجھ کر بولو۔'' اس کے جملے کی کاٹ آصفہ کے دل میں اتر گئی تھی۔ وہ برا مان کر اسے دیکھنے لگی
''کیا میں راہ سے بھٹک گئی ہوں؟'' وہ بری طرح چیخی تھی۔
''نہیں، تم جنت کے راستوں پر محوِ سفر ہو۔'' وہ جواباً تمسخر سے ہنسی اور کھڑی ہو کر یونیفارم پر لگے سوکھی گھاس کے تنکے جھاڑنے لگی۔
''خفا ہو گئیں؟'' آصفہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اس کی نرم و ملائم کلائی پکڑ کر کھینچی تو وہ اسی پر آ گری ''پتا ہے، تم غصے میں بالکل ٹماٹر لگتی ہو۔ ٹماٹر بھی وہ جو کسی بے سُرے شاعر کو مارا جاتا ہے۔'' آصفہ کی اس بے تکی بات پر وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک پائی۔ تاہم اس کا ہاتھ جھٹک کر بیگ اٹھانے کو جھکی مگر آصفہ نے اس کی یہ کوشش ناکام بناتے ہوئے بیگ کو اس کی دسترس سے دور کر دیا۔
''تحریم پلیز، تم میری ایک ہی تو سہیلی ہو۔ یوں مجھ سے خفا ہو جاؤ گی تو میں بالکل تنہا ہو جاؤں گی۔ اچھا دفع کرو اس ٹاپک کو ہم کچھ اور باتیں کرتے ہیں۔''
''نہیں، مجھے لائبریری جانا ہے، کتاب ایشو کروانی ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس کی گرفت سے اپنا بیگ نکالا اور جانے لگی۔
''چلو پھر ساتھ ہی چلتے ہیں۔'' آصفہ بھی کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں لائبریری جانے والے زینے پر چڑھنے لگیں تب آصفہ نے خیال آنے پر رک کر پوچھا۔
''تمہارے ان چچا کا کیا ہوا؟ تم بتا رہی تھیں تمہارے کوئی چچا اچانک آ گئے ہیں۔''
''کیا مطلب؟ اچانک!'' اسے آصفہ کے انداز اور جملے پر بڑے زور کی ہنسی آ گئی ''وہ تو عرصہ ہوا اس دنیا میں آ چکے ہیں، مجھ سے بھی بہت پہلے۔''
''نہیں، میرا مطلب تھا تمہارے یہاں آنا جانا شروع کر دیا ہے۔''
''ہوں، دادا جان نے اجازت تو دے دی ہے، آئے تو تھے۔'' وہ سرد لہجے میں کہہ کر زینہ طے کرنے لگی۔
''کیا مطلب آئے تھے، اب نہیں آتے کیا؟''
''پتا نہیں، میں کئی دنوں سے دادا جان کے پورشن میں گئی نہیں ہوں، ہو سکتا ہے آتے رہے ہوں۔'' وہ غیر دلچسپی سے بولی۔
''تو ذرا جا کر معلومات تو حاصل کرو۔ ہو سکتا ہے چچا کا کوئی سپوت بھی ہو۔'' آصفہ نے یہ کہہ کر ایک آنکھ دبائی۔
تحریم اس کی طرف پلٹی اور گھورنے لگی۔
''بھئی ہو سکتا ہے کوئی افسانوی سچویشن ہو جائے۔ یعنی حسین و جمیل خوب رو ہیرو ٹائپ کا کزن بھی ہو اور تم تو ہو ہی پیاری۔ میرا دل بھی آ جاتا ہے اس بے چارے کا دل تو دیکھتے ہی دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل کر بہنے لگے

گا۔'' آصفہ اپنی ہی بات پر محفوظ ہوتے ہوئے کھلکھلا بھی رہی تھی۔

''جی ہاں جیسے اس بے چارے نے ابھی تک جنگل میں ہی دن گزارے ہیں، کبھی کوئی لڑکی دیکھی ہی نہیں کہ آتے ہی ہمارے خاندان کی لڑکیوں کو دیکھ کر خبط الحواس ہو جائے گا۔ ڈونٹ بی سلی آصفہ۔'' اسے آصفہ کی اس فضول گوئی پر اچھی خاصی کوفت ہوئی تھی۔

''سوچنے کی بات ہے، تمہارے چچا کو اچانک تمہارے دادا کی یاد کیسے آ گئی؟'' آصفہ دور کی کوڑی لائی تھی۔ وہ شیلف میں رکھی کتابوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کندھے اچکا کر رہ گئی۔ آصفہ کی بات اتنی غلط بھی نہ تھی تاہم سوچ کر بولی۔

''شفاعت پھپھو بتا رہی تھیں کہ چچا جان تو ایک عرصے سے ملاپ کی کوشش میں لگے ہوئے تھے مگر دادا جان کی طرف سے ہی رسپانس نہیں مل رہا تھا اور تم تو جانتی ہو نا دادا جان کتنے سخت گیر ہیں۔ ان کے فیصلے پتھر کی لکیر ہوا کرتے ہیں۔'' ایک ہلکی سی سانس تحریم کے لبوں سے نکل گئی پھر سر جھٹک کر مطلوبہ کتاب اٹھا کر اس پر نظر دوڑانے لگی۔

''سخت گیر ضرور ہیں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ محبت کرنے والے بھی تو ہیں۔ تم لوگوں کو اپنے پروں میں سمیٹ کر رکھا ہے ورنہ نئی زمانہ کہاں ایسے بزرگ ہیں جو اصولوں پر جان دیتے ہیں اور رشتے ناتوں کی زنجیر کی کڑی کڑی سنبھال رکھی ہو۔''

وہ کتاب سے نظریں ہٹا کر آصفہ کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ جانے کیوں دادا جان کی بارے میں یہ سننا کانوں کو دل کو بڑا بھلا سا لگا تھا۔ عجیب سی ٹھنڈک اور طمانیت ملتی تھی۔

''ارے، کالج آف ہو گیا ہے۔'' آصفہ چونکی اور اچک کر لائبریری کی کشادہ سی کھڑکی سے جھانکنے لگی۔ کالج کا میدان لڑکیوں سے اٹا پڑا تھا اور کسی برساتی ریلے کی طرح داخلی گیٹ کی جانب رواں تھا، اس کے چہرے پر اچانک ہی اضطراب جھلکنے لگا۔

''تحریم کتنی دیر لگے گی۔'' اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور تحریم کی طرف دیکھنے لگی جو کتابیں الٹ پلٹ رہی تھی۔

''بس پانچ دس منٹ!''

''مگر کالج تو آف ہو گیا ہے۔''

''ہاں، مجھے پتا ہے، چلو آؤ۔'' وہ لائبریرین کی میز کی طرف بڑھ گئی مگر آصفہ اپنی جگہ کھڑی رہی اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ تحریم نے پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

''وہ بات یہ ہے تحریم کے.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اضطراری انداز میں اپنی آگے جھولنے والی لٹ کو کان کے پیچھے کرنے لگی۔ تحریم جان گئی کہ وہ بھاگنے کی فکر میں ہے، اس کے اندر غصہ اور دکھ اترنے لگا۔

''جاؤ پھر کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو۔ وہ موصوف اپنی نئے ماڈل کی گاڑی لیے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے اور تم اسے دیکھتے ہی ارد گرد سے بے نیاز ہو کر.....'' وہ مارے غصے کے کوئی سخت بات کہتے کہتے رک گئی اور پلٹ کر اپنی کتاب ایشو کرانے چل دی۔

آصفہ کو خفت تو بہت محسوس ہوئی ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا مگر اس وقت وہ ساری خفت اور غصہ ایک طرف ڈال کر لائبریری کے داخلی دروازے کی جانب بھاگی۔ اس نے سوچا تحریم کو تو منا لے گی مگر وہ شخص اگر خفا ہو گیا تو اسے منانا ایک عذاب ہو جائے گا اور دوسرے خود اس کا دل بھی ایک پل چین نہیں پائے گا۔ کیسا نخریلا محبوب ملا تھا اسے بھی۔

تحریم کو یقین نہیں تھا وہ اس طرح بھاگ جائے گی۔ اس کی پروا تک نہیں کرے گی۔ تحیر آمیز بے یقینی سے وہ لائبریرین کی میز کے پاس کھڑی کی کھڑی رہ گئی پھر کتاب ایشو کرا کے بے دلی سے لائبریری سے باہر آ گئی۔

محبت کے نام پر پتا نہیں وہ کچھ پا رہی تھی یا کھو رہی تھی۔ تحریم خوف زدہ تھی کہ اس سفر میں پا لینے کی خوشی سے کہیں زیادہ کھو دینے کی اذیت مار ڈالتی ہے، یہ عذاب کی صورت پا لینے کی بدمست خوشی کا تنکا تنکا اکھیڑ دیتی ہے مگر خدا نہ کرے کہ وہ ایسے کسی عذاب سے دوچار ہو۔ اس کا دل خوف اور اندیشوں سے لرز اٹھا۔ وہ بجھے دل کے ساتھ کالج گیٹ سے باہر نکلی۔ تب اس کی نظر وائٹ شیراڈ پر پڑی جو ریورس ہو کر بے حد رش انداز میں سڑک پر دوڑ گئی تھی۔ اسے فرنٹ سیٹ پر بس آصفہ کی جھلک دکھائی دی۔ اس کا دل سینے میں گھٹ کر رہ گیا۔

پتا نہیں عورت ذات کو بے وقوف بنانے والے مرد کب تک اس زمین پر رہیں گے۔ شاید تب تک جب تک محبت کے نام پر لٹنے والی عزت کو غیر اہم سمجھنے والی بے پروا اور نفس پرست لڑکیاں انہیں ملتی رہیں گی۔ ان کا تر نوالہ بنتی رہیں گی۔

حارث کی بائیک کا ہارن اس کے نزدیک بجا تو وہ دکھ کے گہرے پاتال سے نکل کر اپنی کتابیں سنبھال کر اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

مرتضیٰ آغا نے مانوس گلی میں گاڑی موڑی تو تیمور کے دل کی حالت بڑی خوشگوار ہو گئی۔

محبوب کی گلی کی ہوائیں بھی کم خوشگوار نہیں ہوتیں۔ ملن کے لمحات کا تصور ہی شاید اتنا خوش آئند ہوتا ہے کہ دھوپ میں بھی تازگی اور تشنگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ گو کہ نہ باقاعدہ رشتہ طے پایا تھا نہ زبانی بات چیت ہوئی تھی۔ نہ اس نے اپنے چچا کی اس بیٹی کو دیکھا تھا نہ اس نے اس کا دیدار کیا تھا مگر باپ کے روز بروز مائل ہوتے فیصلے اور اس سے گھر میں مسلسل تکرار نے اس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ایک انسیت سی خود بخود اسے اس گلی اور ان میں رہنے والوں سے ہو گئی تھی۔ گاڑی ایک بڑے سے نیلے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ مرتضیٰ آغا نے گلاسز اتار کر دائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''وہ جو بلیک گیٹ نظر آ رہا ہے تمہیں، یہ پورشن تمہارے سب سے چھوٹے چچا کا ہے۔''

یہ وہی گیٹ تھا جہاں سے اسے ٹکا سا جواب دیا گیا تھا۔ وہ گیٹ کو بغور دیکھ کر چونکا اور باپ کی طرف دیکھا

''اس کا مطلب ہے وہ میرے سب سے چھوٹے چچا کی..... وہ کیا کہتے ہیں دختر دختر..... آئی مین کے بیٹی ہے۔''

مرتضیٰ ہنس پڑے اور سر اثبات میں ہلا دیا پھر قدرے سنجیدگی کے ساتھ بولے۔

''اب انشاء اللہ ٹکا سا جواب نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ ہم وہاں سے نہیں جائیں گے بلکہ اس گیٹ سے جائیں گے۔'' انہوں نے درمیان والے نیلے گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ کیوں؟''

''یہ پورشن تمہارے دادا حیات آغا کا ہے، اور اس کے ساتھ والا پورشن تمہارے سب سے بڑے تایا مجتبیٰ کا ہے۔'' مرتضیٰ آغا یہ بتاتے ہوئے جیسے کہیں کھو سے گئے۔ شاید ماضی کی کچھ خوش رنگ یادوں کے درمیان میں۔ ان کے چہرے پر ایک دھیما دھیما تبسم تھا۔

''ان گلیوں میں میرا بچپن گزرا ہے تیمور۔ سونے چاندی، ہیروں جیسا بچپن۔ آہ ہا..... بچپن بھی کیا چیز ہے۔'' انہوں نے دور تک گلی میں نظریں دوڑائیں پھر ایک سانس بھر کر اپنی ہتھیلی کو دیکھنے لگے۔

''بچپن تو تتلی کی طرح ہاتھ آتا ہے اور رنگ چھوڑ جاتا ہے۔ خوش نما رنگ، مہکتے البیلے رنگ، خوشبو دیتے بھیگے بھیگے رنگ۔'' وہ اپنی ہتھیلی کو یوں گھورنے لگے جیسے حقیقت میں ہتھیلی میں کوئی رنگ ہوں یا پھر یہاں کوئی خوش نما فلم چل رہی ہو۔ انہوں نے تیمور کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر مسکرا دیئے، اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔

''تم نے کبھی ایسے بچپن کا ذائقہ نہیں چکھا، تمہارا بچپن گاڑیوں اور بنگلوں تک محدود رہا ہے، گاڑی میں سیر تفریح کی، آئس کریم بار گئے، بڑے بڑے ریسٹورنٹ سے لنچ ڈنر کیا۔ جبکہ ہمارا..... ہمارا بچپن بڑا سادہ پُرکیف اور بالکل نیچر سے قریب تھا۔ ہم بڑے بڑے آئس کریم بار میں کبھی نہیں گئے مگر اب سوچتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں کہ اس آئس کریم سے زیادہ تو رنگوں سے سجا برف کا گولا گنڈا بہت لذیذ تھا۔ وہ موٹی موٹی ڈنڈیوں میں پتلی پتلی قلفیاں زیادہ مزے دار ہوتی تھیں، جنہیں ہم ''بی اماں'' سے چھپ کر کھایا کرتے تھے اور وہ دہی بھلے زیادہ مزے کے تھے جو فتح محمد مٹکے میں لے کر نکلتا تھا۔ وہ کرائے کی سائیکلیں اور اس کے لیے لڑنا بھڑنا۔ وہ دن..... وہ دن اس بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر بھی بہت بلند بہت پیارے بے حد الوہی محسوس ہوتے ہیں، دل چاہتا ہے پھر وہی زمانے لوٹ آئیں، گاڑی کی جگہ، کرائے کی سائیکلیں مل جائیں، فتح محمد کے دہی بھلے اور صمد بابو کی قلفیاں مل جائیں۔''

تیمور باپ کا چہرہ دیکھتا رہ گیا، اس لمحے ان کے چہرے پر ایسا حسن بکھرا ہوا تھا جو اسے کبھی بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ یہ باتیں اس کے لیے انوکھی اور دلچسپ تھیں۔ جیسے وہ کوئی کہانی سنا رہے ہوں..... بہرکیف، وہ یہ سب صرف سن نہیں رہا تھا بلکہ دلچسپی بھی لے رہا تھا مگر وہ محسوس نہیں کر سکتا تھا جو اس لمحے مرتضیٰ آغا کا دل محسوس کر رہا تھا۔

ان کے تصورات پر بھی حسن ہی حسن پھیلا ہوا تھا جبکہ اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔ تاہم اس نے باپ کو بولنے سے نہیں روکا۔ وہ خود ہی چپ ہو گئے اور خاموش ہو کر گلی کو پُرمسرت احساس کے ساتھ تکتے رہے پھر گلاسز شرٹ کی اوپری جیب میں پھنسا کر اگنیشن سے چابی کھینچ کر نکالی۔

''میرے بچپن کے دن کتنے اچھے تھے دن
آج بیٹھے بٹھائے کیوں یاد آ گئے''

تیمور گنگنایا تو وہ پُرزور انداز میں ہنس دیئے اور سر ہلانے لگے۔

''یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو
بھلے چھین لو مجھ سے میری جوانی
مگر مجھ کو لوٹا دو بچپن کا ساون
وہ کاغذ کی کشتی وہ بارش کا پانی''

''اینی ویز۔'' وہ اچانک اس سحر سے باہر نکلے اور تیمور کا کندھا تھپکا ''تم نے ایسا بچپن تو نہیں گزارا ہے مگر حال اور مستقبل ان خوب صورت پیار کرنے والے لوگوں میں گزارو گے تو تمہارے لیے یہ لمحات بھی امر ہو جائیں گے۔'' وہ ان کی ہمراہی میں نیلے گیٹ کی طرف آ گیا۔

اونچا بڑا سا گیٹ بڑی شان سے سر اٹھائے کھڑا تھا۔ بیل ڈور کے بجائے مرتضیٰ نے دروازے کو دھکیلا تو دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر چلے آئے۔ بڑا سا صحن تروتازہ پودوں سے سرسبز و شاداب دکھائی دے رہا تھا۔ سامنے دو زینے کے اوپر بڑا سا جالی کا دروازہ تھا جسے کھول کر وہ دونوں اندر آ گئے۔

''دادا جان کیا بالکل اکیلے رہتے ہیں؟'' اس نے صحن میں چھائی خاموشی کو محسوس کر کے متعجب ہو کر باپ کا چہرہ دیکھا۔

''ہوں..... انہیں ہر وقت کا شور ہنگامہ پسند نہیں ہے۔'' مرتضیٰ آغا ایک دروازہ ہلکے سے دھکیلتے ہوئے بولے اور جوتے دروازے کے باہر اتار کر اندر جھانکا۔

''السلام علیکم ابا جان۔'' بیڈ پر تکیے کے سہارے نیم دراز شخص نے آنکھیں کھول کر دروازے کی جانب نگاہ کی۔ ایک پل ان کی بوڑھی آنکھوں میں جگنو سے لہرائے۔ دوسرے پل چہرے کے زاویوں میں پھیلنے والے تاثرات سرد ہو گئے۔

''آؤ..... آؤ مرتضیٰ۔'' وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ مرتضیٰ آغا ننگے پیر چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے پیچھے تیمور چلا آیا۔ اس کی نظریں بیڈ پر لیٹے اس شخص پر جمی تھیں، سفید براق شلوار سوٹ میں، دراز قد، چوڑے شانے اور سفید رنگت۔ جس میں ہلکا گلابی پن جھلکتا تھا۔ سفید داڑھی جسے دیکھ کر خود بخود مودب ہو جانے اور احترام کرنے کو دل چاہے۔ عجیب خاموش سی آنکھیں تھیں جو اس کے باپ پر یعنی مرتضیٰ پر ٹکی تھیں۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' مرتضیٰ ان کے نزدیک آ کر رک گئے۔

''بہت بہتر ہوں، چھوٹی موٹی ناسازی تو اس عمر کا حصہ ہوتی ہے۔ کچھ نہ ہو تو احساس کیسے ہو کہ بڑھاپا آ گیا ہے۔'' وہ ہلکے سے مسکرائے، پھر ان کی نظریں تیمور پر آ کر ٹھہر گئیں۔

''یہ تیمور ہے ابا جان۔'' مرتضیٰ نے ایک فخر سے بیٹے کو دیکھ کر تعارف کراتے ہوئے باپ کا چہرہ دیکھا۔ گویا وہ چہرے سے ان کے دل کے تاثرات جان لینا چاہتے ہوں۔

حیات آغا اپنی جگہ سے اٹھے اور تمام تر اپنائیت اور آمادگی کے ساتھ تیمور کو خود سے لگا لیا۔

مرتضیٰ آغا کو لگا ان کے دل پر کسی نے ہاتھ رکھ کر وہ بوجھ کھینچ لیا ہو جسے وہ لے کر یہاں تک آئے تھے۔ اتنے برسوں بعد بیٹے کو دیکھ کر بھی اسے سینے سے نہیں لگایا مگر پوتے کو یہ شرف بخشا، یہ عزت اور محبت دی۔ ان کے لبوں پر ایک اعصاب شکن لمحے کے بعد پُرسکون اور آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ یقیناً درخت سے زیادہ پھل کی اہمیت ہوتی ہے، دودھ سے زیادہ ملائی میٹھی ہوتی ہے۔ وہ دادا پوتے کے اس ملاپ کے منظر کو بے حد مسرت آمیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں کے گوشوں میں نمی پھیل رہی تھی۔

''تم نے اسے میرے بارے میں بتایا ہے۔'' حیات آغا مرتضیٰ کی طرف پلٹے اور تیمور کا کندھا تھپک کر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا جبکہ مرتضیٰ بیڈ کے نزدیک قالین پر ہی بیٹھ گئے تھے۔

''کیا بتاتا..... اور کہاں سے بتانا شروع کرتا، بس یہی سوچتے ہوئے عمر گزر گئی۔'' وہ سر جھکا کر قالین کے ڈیزائن کو کھورنے لگے۔

''میرے ماضی میں تو بہت سا خزانہ دفن ہے ابا جان، خوشیوں کا، مسرتوں کا، غلطیوں کا، رنجشوں اور محرومیوں کا..... سوچتا رہ گیا کہ کس کا تذکرہ کروں اور کس کا نہ کروں۔'' حیات آغا بیٹے کے جھکے سر کو تکتے رہ گئے پھر ہلکی سانس بھر کر تکیے سے پشت لگا کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''آگہی کا در بالکل اچانک کھلتا ہے آدمی پر۔ تب وہ سوچتا رہ جاتا ہے اگر وقت کی ڈور ہاتھ سے نکل گئی ہو اور تلافی کا امکان نہ رہے تو وہ صرف متاسف ہوتا ہے اور کبھی ڈور ہاتھ میں آ کر بھی تلافی اور ازالے کے لیے راستہ تلاش کرتی رہ جاتی ہے، خیر.....'' انہوں نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

''میں نے سب کو آج رات اپنے یہاں کھانے پر بلایا ہے، ان سب کو تم دونوں سے ملوانا چاہ رہا ہوں۔ انہوں نے جب سے تمہارے بارے میں سنا ہے ملنے کو بے چین ہو گئے ہیں مجتبیٰ تو پنڈی گیا ہوا ہے، اپنے کام کے سلسلے میں وہ آئے گا تو یقیناً تم سے مل کر بہت خوش ہو گا۔'' وہ مخاطب مرتضیٰ سے تھے مگر ان کی نظریں تیمور پر ٹکی تھیں، جو باپ بیٹے کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کوئی مداخلت کیے بنا بالکل خاموش بیٹھا تھا۔

اسے اپنے دادا حیات آغا کی شخصیت بے حد بارعب اور سحر انگیز لگ رہی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ اس کا باپ اگر اپنے باپ کا اتنا فرماں بردار ہے تو اتنے ماہ و سال گھر سے دور ہو کر کیوں کاٹے۔ یہ علیحدگی، یہ مخالفت کیوں رہی اور اب یہ دیوار گری ہے تو اب کیوں؟ بہت پہلے گرانے کی کیوں نہیں سوچی گئی۔

بہت سے سوالات اس کے ذہن کو آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے تھے مگر وہ ایک متحمل مزاج اور بردبار لڑکا تھا، جلد بازی اس کی فطرت میں نہ تھی، اسے یقین تھا اس کا باپ ہر سرکتے لمحے کے ساتھ اس گرہ کو کھولتا جائے گا۔ یہاں تو انسان کے پاس سنانے کو ایک کہانی ہے، تلخ..... دلچسپ..... خوشگوار..... رنجیدہ۔ اور اس کے باپ کے پاس بھی

یقیناً اسے سنانے کو ایک کہانی تھی۔ اسے اپنے باپ کے ماضی سے اتنا ہی سروکار تھا جتنا اس کا باپ اسے بتاتا مگر اب حال سے از حد دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ وہ ان تمام رشتے داروں سے ملنا چاہ رہا تھا جن کا ذکر اس کے دادا حیات آغا کر رہے تھے۔

''آپ نے ناحق دعوت کا اہتمام کرلیا ابا جان، طبیعت کہاں ٹھیک رہتی ہے آپ کی اور اب یہ شور ہنگامہ۔'' مرتضیٰ باپ کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''ارے، ناحق کیوں؟ اب میں اتنا تنہائی پسند بھی نہیں ہوں کہ اپنی ہی اولاد مجھے بری لگنے لگے۔ یہ شور، ہنگامہ تو زندگی کا احساس دلاتا ہے مجھے۔'' انہوں نے سامنے دیوار پر نظریں جمادیں جہاں ایک بڑی سی تصویر آویزاں تھی ''یہ سب تو میرے چمن کے پھول پتے ہیں، یہ نہ ہوں تو میرا گھر، میرا دل صحرا ہوجائے، ان کے دم سے تو یہ گلستان آباد ہے بچے۔''

''ہاں، بس ایک پھول ہی تو شاخ سے جدا ہوا تھا، اس سے کیا فرق پڑسکتا ہے گلستاں کو۔'' مرتضیٰ کے لبوں سے بے اختیار ملول سی سانس خارج ہوگئی۔

حیات آغا نے اس کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنے کو لب کھولے مگر پھر بھینچ لیے۔ بہت سے الفاظ تسلی اور تشفی کے یوں تو آدمی کو یاد ہوتے ہیں مگر جانے کیوں..... کبھی کبھی ان کی ادائیگی مشکل امر لگنے لگتی ہے۔ کبھی لفظ گرفت سے نکل جاتے ہیں اور کبھی الفاظ لبوں سے ادا ہونے سے پہلے ہی دم توڑ جاتے ہیں اور کبھی کبھی لفظوں کی بے مائیگی کا احساس ہوتا ہے تو یہ بے معنی سا کام معلوم ہونے لگتا ہے۔''

''ابا جی، میں اب چلوں گا، آج ضروری میٹنگ ہونی ہے میں انشاء اللہ شام تک حاضر ہوجاؤں گا۔'' مرتضیٰ اٹھے اور ہلکی سی سانس بھر کر منہ پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے کسی خیال کسی احساس سے باہر نکلے ہوں اور تیمور کی طرف دیکھا۔

''تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' وہ بہت غور سے اپنے دادا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مخاطب ہونے پر سٹپٹا کر باپ کا چہرہ دیکھنے لگا پھر سر کو ہلکے سے ہلاتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے میں ابھی یہیں رہ جاتا ہوں، دادا جان سے ذرا گپ شپ رہے گی۔''

''جیسے تم مناسب سمجھو۔'' مرتضیٰ نے سر ہلا دیا اور باپ کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔ وہ تیمور کی طرف متوجہ تھے۔ تیمور کے اس فیصلے پر قدرے مسرور دکھائی دے رہے تھے گو کہ الفاظ کا استعمال انہوں نے عادت کے مطابق نہیں کیا مگر ان کا چہرہ اندرونی خوشی کا غماز تھا۔ مرتضیٰ ان سے اجازت لے کر باہر نکل گئے۔

☆☆☆

صباحت پر وحشت سوار تھی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چڑچڑاہٹ میں بدلتی جارہی تھی۔ ان کا دل چاہ رہا تھا ہر چیز کو تہس نہس کردیں، ہر شے کا حلیہ بگاڑ دیں، کم از کم چیزوں کی حد تک تو ان کا اختیار تھا۔ صبح جو معرکہ آرائی مرتضیٰ سے ہوچکی تھی یہ چڑچڑاہٹ اسی معرکے کی بخشی ہوئی تھی۔ انہوں نے ٹی وی لاؤنج میں قدم رکھا تو چھوٹے بیٹے بابر کو قالین پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے مووی لگائے دیکھ کر خواہ مخواہ میں غصہ آگیا۔

''ایک تم ہو جسے میری رتی بھر پروا نہیں ہے، بس باہر سے آکر یہ تماشا لے کر بیٹھ جاتے ہو۔ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں، میں کن کن مسائل سے دوچار ہوں تمہیں فکر نہیں۔ بس یہ مووی پھر رات رات تک آوارہ گردی، ٹیلی فون پر بیکار کی گفتگو اور بس۔'' وہ صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں اور سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

بابر نے لیٹے لیٹے ان کی طرف کروٹ لی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کی آواز آہستہ کرتے ہوئے ماں کا چہرہ بغور دیکھا ''واٹس دی میٹر ماما۔'' یہ آج آپ کو میری اتنی خوبیاں کیسے نظر آگئیں؟''

''بکو مت! دو گھڑی ماں کے پاس بیٹھ کر پوچھ ہی لو کہ آپ اتنی ٹینس کیوں ہو رہی ہیں؟''

''اوہ ڈیئر ماما، کبھی خود سے بھی کہہ لیا کیجئے۔'' وہ اٹھ کر چپس کا پیکٹ اٹھا کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان کے کندھے پر سر ٹکا لیا ''ہاں اب بتایئے۔''

''کیا بتاؤں؟ وہی مسئلہ اٹھایا ہے تمہارے باپ نے اور یہ تیمور..... خدا اسے سمجھے، کیسا گھنا نکلا۔ باپ کا پکا حمایتی بنا پھرتا ہے جیسے میں نے تو اسے ماں کی محبت دی ہی نہیں۔ تم خود ہی بتاؤ وہ یتیم لیسر لڑکی ہی رہ گئی ہے میرے ایسے خوب رو امیر کبیر بیٹے کے لیے، ایک سے ایک حسین لڑکی اسے مل سکتی ہے بس اس کی طرف اشارہ کرنے کی دیر ہے۔''

''واؤ! وہ ایک سے ایک حسین لڑکیاں ساری کی ساری مجھ سے بیاہ دیجئے نا مما۔ میں بھی تو خوب رو اور امیر کبیر بنا ہوں آپ کا۔'' صباحت نے انتہائی چڑ کر اس کی طرف رخ موڑا اور سخت کوفت کے عالم میں اس کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ لے کر قالین پر پٹخ دیا۔

''اس چرچر کو تو بند کرو۔ دماغ پہلے ہی درد سے پھٹا جارہا ہے۔'' بابر نے فوراً منہ چلانا بند کردیا اور جھک کر قالین پر سے ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگا۔

''میں تو کہہ رہا ہوں مما، آپ ناحق خود کو دبلا کر رہی ہیں۔ میاں بیوی راضی تو کیا کرے قاضی۔ اپنے تیمور صاحب ہی اب یتیم لیسر کزن پر فدا ہیں تو کوئی کیا کرے ویسے مما۔'' وہ بیٹھے بیٹھے ہی پورا ان کی طرف گھوم گیا اور سسپنس بھرے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

''میرا ابھی بڑا دل کرتا ہے اپنی اچانک پیدا ہوجانے والی اس کزن کو دیکھنے کا اور ان تمام.....'' اس نے باقی الفاظ ہونٹوں میں ہی دبا لیے۔ صباحت قہر برساتی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے جھٹکے سے صوفے سے اٹھی تھیں۔ اس نے نہایت مسکین سی شکل بنا کر ان کی طرف دیکھا اور چپس پیکٹ سے نکال کر کھانے لگا۔

''میرا دل چاہتا ہے اس پورے خاندان کو گولی سے اڑا دوں، ننگے بھوکے لوگ اور ساتھ میں تیمور کو بھی۔ آلینے دو تمہارے باپ کو۔''

بابر کو لگا کمرے میں یک لخت زلزلہ آگیا ہو۔ انہوں نے ہاتھ میں آیا گلدان اٹھا کر دیوار پر دے مارا تھا۔

''میں ابھی اتنی کمزور نہیں ہوں کہ یہ باپ بیٹا مجھے دبا لیں گے۔''

''میرا خیال ہے مما آپ یہ واز پاپا کے سامنے دیوار پر مارتیں تو ان پر بھی تھوڑی دہشت بیٹھ جاتی، خواہ مخواہ میں ہی آپ نے جلد بازی دکھا دی۔'' اس نے واز کے ٹکڑوں پر متاسفانہ نگاہ ڈالی۔

''وہ آتو لیں میں تو ان کا سر بھی توڑ سکتی ہوں۔''

''ویری گڈ..... پھر تو زبردست دہشت بیٹھے گی۔''

''بوبی..... بوبی تم.....'' انہوں نے بلبلا کر کشن اسے کھینچ مارا جسے اس نے کیچ کرکے گود میں دبا لیا۔ ''ان پر دہشت بیٹھے نہ بیٹھے میں یہ رشتہ کسی صورت ہونے نہیں دوں گی لو دیکھو ذرا، مجھے تو ان باپ بیٹے نے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال باہر کیا۔''

''سوچنے کی بات ہے مما، آخر ایسا کیا ہے اس لڑکی میں کہ تیمور بھی لٹو۔ میرا مطلب ہے..... اوئی!'' اس نے جلدی سے سر جھکا لیا۔

صباحت کا اٹھنے والا ہاتھ اپنے اس چھ فٹ کے جوان بیٹے پر اٹھنے کے بجائے پہلو میں گر گیا۔ اس نے احتیاط سے سر اونچا کیا اور ہنس پڑا۔

''چلیں مما ہم بھی دیکھ آتے ہیں اپنے ان ننگے بھوکے خاندان والوں کو۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے تاکہ کوئی اور چڑیل تمہیں چمٹ جائے۔'' انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا حرج ہے مما، ایک ساتھ دو براتیں لے کر چلے جایئے گا۔''

''بابر..... بابر..... میرا کلیجا مت جلاؤ۔ تم جانتے ہو میں کس قدر پریشان ہوں اور تم مجھے مزید تپا رہے ہو۔ میری بے بسی پر ہمدردی کرنے کے بجائے اس کا مذاق اڑا رہے ہو۔'' وہ رونے لگیں۔

''کم آن مما، لیں یہ چپس کھائیں، بالکل فریش ہیں فریسکو سے لے کر آیا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے چپس ان کی طرف کیے تو انہوں نے سلگ کر اسے ایک طرف پھینکا۔

''بھاڑ میں گیا فریسکو، بات سنو۔'' انہوں نے کسی خیال کے تحت سر اٹھایا پھر جھلا کر اس کے ہاتھ سے ریموٹ لیا ''اسے تو بند کرو۔ یہ ناچ گانے بعد میں دیکھتے رہنا۔ انہیں کون سا ختم ہو جانا ہے چوبیس گھنٹے تو یہ تماشا رہتا ہے۔ تم ایسا کرو آفس فون کر کے معلوم تو کرو کہ یہ باپ بیٹا ہیں کہاں۔ اگر آفس میں ہوں تو ٹھیک ہیں اگر نہ ہوں تو معلوم کرنا کہاں گئے ہیں اور کب سے گئے ہیں۔''

بابر بیزار سا ہو کر صباحت کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اٹھو بھی، ایک کام نہیں کر سکتے؟''

''آپ فضول میں وقت بھی ضائع کر رہی ہیں اور انرجی بھی۔ ہوگا تو وہی جو پاپا چاہیں گے بلکہ تیمور صاحب چاہیں گے، اگر وہ چڑیل حسین ہے اور ذہین بھی تو بس سمجھ لیں تیمور اس کے دام سے نکلنے کا نہیں۔ آہ ہا..... کاش میں ہی تیمور ہوتا۔ یتیم یسیر کزن سے ٹکراؤ ہو جاتا اور اس کی ڈھیر ساری کزنز اور سہیلیاں واؤ..... کیسا رومینٹک فکشن کا کردار بن گیا اپنا تیمور بھی.....''

''ارے لعنت بھیجو، ایسی یتیم یسیر لڑکی پر۔ تمہارے لیے کمی ہے کیا لڑکیوں کی، ایک سے ایک ہیں۔''

''ایک سے ایک یا ایک سوایک؟'' اس نے خباثت سے آنکھ دبائی تو غصے کے باوجود صباحت کو ہنسی آ گئی۔ وہ اس طرح کی گفتگو کو بہت ایزی لیتی تھیں۔

''ایک سوایک کو سنبھالو گے کیسے گدھے لڑکے، سر پکڑ کر رونے کا بھی وقت نہیں ملے گا۔ اچھا تم نمبر تو ملاؤ۔'' انہوں نے موبائل اٹھا کر اسے تھما دیا۔

''میں تو سنبھال لوں گا، آپ ہی شاید اتنی بہوؤں کو نہ پال سکیں۔''

''اچھا فضول مت بکو، جلدی سے نمبر ملاؤ۔'' وہ کچھ بے چین نظر آنے لگیں۔ بابر نمبر پش کر کے دوسری طرف ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگا پھر بولا۔

''مما تیمور کے موبائل پر ہی کونٹیکٹ نہ کروں۔''

''نہیں، یہ بھی باپ کی طرح بہلاوا دے گا کہ یہی تو ہوں آفس میں بیٹھا فائل میں سر کھپا رہا ہوں۔''

وہ ہنس پڑا۔ دوسری طرف فون مرتضیٰ آغا نے ریسیو کیا تھا۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر صباحت کی طرف دیکھا۔

''پاپا ہیں مما.....'' صباحت نے جلدی سے ہاتھ کے اشارے سے فون بند کرنے کو کہا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی اور موبائل آف کر کے ان کی گود میں پھینک دیا۔

''اب خوش! آپ کے مجازی خدا کسی مہم پر نہیں نکلے بلکہ بے چارے آفس میں سر کھپا رہے ہیں۔'' صباحت نے قدرے اطمینان بھری سانس کھینچی اور موبائل لے کر ٹی وی لاؤنج سے نکل گئیں۔

☆☆☆

پھر ساون رُت کی پون چلی تم یاد آئے
پھر پتوں کی پازیب بجی تم یاد آئے

پھر کونجیں بولیں گھاس کے ہرے سمندر میں
رُت آئی پیلے پھولوں کی تم یاد آئے
پھر کاگا بولا گھر کے سونے آنگن میں
پھر امرت رُت کی بوند پڑی تم یاد آئے

بارش تو شروع نہیں ہوئی تھی مگر موسم یک لخت ہی سہانا ہو گیا تھا۔ سورج بادلوں میں کہیں جا چھپا تھا۔ خوشگوار ہوائیں چلنے لگی تھیں اور ایسے میں ریڈیو والوں کا ذوق بھی خوب عمدہ ہو گیا تھا۔

مرتضیٰ آغا نے فائل بند کی اور آفس کی کھڑکی میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ ٹریفک کا ہلکا ہلکا شور تھا، پارکنگ ایریا میں کھڑی کسی گاڑی کے اونگھتے ڈرائیور نے ریڈیو کھول رکھا تھا، اس کی مدھم مدھم آواز مرتضیٰ آغا کی سماعت میں پہنچ رہی تھی، انہیں موسم سے قطعی دلچسپی نہیں تھی مگر وہ غیر ارادی طور پر موسم کو انجوائے کرتے ہوئے غزل سننے لگے۔

پہلے تو میں چیخ کے رویا اور پھر ہنسنے لگا
بادل گرجا، بجلی چمکی تم یاد آئے
دن بھر تو میں دنیا کے دھندوں میں کھویا رہا
جب دیواروں سے دھوپ ڈھلی تم یاد آئے

یادوں کا ایک زہریلا ریلہ تھا جو ذہن و دل میں منہ زور سیلاب کی طرح امڈا چلا آیا۔

ریڈیو کی آواز کہیں گم ہو گئی۔ بس ان کے اندر ایک ہی آواز گونجتی رہ گئی۔ وہ اب باہر کا شور نہیں اپنے اندر کا شور کھڑے سن رہے تھے۔ یہ شور ایک دشوار بوجھ بھی تھا اور سہل بھی۔ اس کا سننا اذیت آمیز بھی تھا اور چبھن آمیز مسرت انگیز بھی۔ اچھا بھی لگ رہا تھا اور بہت اعصاب شکن بھی۔ اس لیے کہ اس شور میں بہت سے ہیولے گردش کر رہے تھے، یک لخت ان سب پر ایک چہرہ حاوی ہو گیا تھا۔

کس نے کھولا ہے ہوا میں گیسوؤں کو ناز سے
نرم رو برسات کی آواز آتی ہے مجھے
اب دو عالم سے صدائے ساز آتی ہے مجھے
دل کی آہٹ سے تیری آواز آتی ہے مجھے

جیسے بے حد قریب سرگوشی ہوئی تھی وہ کانچ پر گرنے والی بوندوں کو تکتے رہ گئے۔ آہستہ آہستہ اعصاب جیسے تھکنے لگے، انہوں نے ونڈو بلائنڈز کھینچ لیں اور لائٹس آف کر کے صوفے پر گر گئے۔ سگریٹ لبوں میں دبا کر اسے لائٹر کا شعلہ دکھاتے ہوئے ان کی نظریں خلا میں مرکوز تھیں۔

ان کے ماضی میں بہت سا خزانہ دفن تھا۔ خوشیوں کا..... مسرتوں کا..... تلخیوں کا۔ یک لخت ان کا دل چاہنے لگا وہ ننھے بچے بن جائیں، اسی عمر میں پہنچ جائیں جہاں رنگینیاں جسم و جاں میں اتری ہوئی تھیں۔ سب کے ہمراہ بیٹھ کر اونچے اونچے قہقہے لگایا کرتے تھے۔

صاف ستھرے صحن میں آم اور شریفے کے درختوں کے نیچے کرسیاں ڈالے ایک دوسرے پر پھبتیاں کسا کرتے، بیت بازی کے مقابلے ہوتے، گلوکاری کے شوق پورے کیے جاتے، لطیفوں سے ماحول کو زعفرانِ زار بنایا جاتا۔ ان کا دل چاہا وہ ایک بار ہی سہی اس ماحول کا حصہ ہو کر سارے نقصانات کی تلافی کر ڈالیں۔ جن جن کی جھولیوں میں رنج دے کر پلٹ گئے تھے ان کی جھولیوں سے وہ رنج اٹھا کر ان میں خوشیاں اور سکھ ڈال دیں۔ آہ.....

''آگہی کا در بالکل اچانک کھلتا ہے آدمی پر مگر وقت کی ڈور اگر ہاتھ سے نکل گئی ہو اور تلافی کا امکان نہ رہا ہو تو انسان صرف متاسف ہوتا ہے اور کبھی ڈور ہاتھ آ بھی جاتی ہے مگر تلافی یوں ممکن نہیں رہتی کہ تلافی اور ازالے کے لیے راستہ

نہیں ملتا۔''

اسے ابا جان کا ایک ایک لفظ سچ لگنے لگا۔

یا سماعت کا بھرم ہے یا کسی نغمے میں گونج
ایک پہچانی ہوئی آواز آتی ہے مجھے

وہ اپنے اعصاب کو پُرسکون رکھنے کے لیے سگریٹ کے گہرے گہرے کش لینے لگے پھر تقریباً ختم ہوتی سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر ٹیبل کی ٹوپ سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ ریسٹ واچ پر سرسری نگاہ ڈالی اور آفس سے باہر نکل آئے۔

اب دو عالم سے صدائے ساز آتی ہے مجھے
دل کی آہٹ سے تیری آواز آتی ہے مجھے
کس نے کھولا ہے ہوا میں گیسوؤں کو ناز سے

انہیں لگ رہا تھا جیسے ہر طرف ہر جگہ ایک ہی گانا بج رہا ہو۔ ایک ہی غزل گونج رہی ہو۔ وہ گاڑی فل اسپیڈ پر دوڑا رہے تھے ونڈ اسکرین پر برسنے والی بوندوں کو صاف کرنے کے لیے انہوں نے وائپر چلا دیا تھا مگر ذہن پر اتنی دھند تھی کہ وہ صاف ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ اسے بھلا وہ کس وائپر سے صاف کرتے۔ سخت اضطرابی انداز میں لب بھینچے وہ بیس منٹ کا راستہ صرف دس منٹ میں طے کر کے اسی مانوس گلی میں پہنچے۔ نیلے رنگ کا گیٹ کھلا ہوا تھا اور ہلکا ہلکا شور باہر تک آ رہا تھا۔

اس کا مطلب تھا آغا ہاؤس میں سب جمع ہو چکے تھے۔ ''اُف کیسے سامنا کریں گے وہ ان سب بچوں کا۔'' اضطراب کے ساتھ ایک دبی دبی مسرت بھی ان کے اندر سے امڈ رہی تھی۔ وہ گاڑی پارک کر کے اندر آئے۔ صحن میں داخلی گرل پر بڑا سا کنڈا لٹک رہا تھا وہ کنڈا ہٹا کر اندر داخل ہوئے۔ بس چند قدموں کے فاصلے پر ڈھیر سارے مانوس نامانوس ہنستے مسکراتے، وجود ان کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ آہٹ پر ایک ساتھ سب کی نظریں اٹھی تھیں اور ہاؤ ہو واؤ..... کی آوازیں اٹھنے لگیں۔

ان کی پہلی نظر تیمور پر گئی جو اپنے دادا کے پہلو میں بیٹھا بے حد مطمئن اور مسرور دکھائی دے رہا تھا۔ غالباً اس کا سب سے تعارف ہو چکا تھا مگر ایک اضطراب ایک بے چینی اب بھی اس کے چہرے پر رقم تھی جو باپ کو دیکھ کر کچھ اور بڑھ گئی۔

ان کے استقبال کو سب لڑکے لڑکیاں کھڑے ہو گئے تھے، شفاعت آگے بڑھیں اور فرطِ محبت سے کسی چھوٹے بچے کی طرح اسے خود سے لگا لیا۔ ان کا دل شدت سے چاہا کہ وہ اپنی اس عزیز از جان بہن کے سینے میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح بلکنے لگیں۔ ان کے ہاتھ تھام کر خوب چومیں۔ شفاعت آپا حقیقتاً شفاعت آپا ثابت ہوئی تھیں۔ وہی تو تھیں جو انہیں ''آغا ہاؤس'' میں لانے کی سیڑھی ثابت ہوئی تھیں۔

مہینوں وہ بہن سے چھپ چھپ کر ملتے رہے تھے کہ وہ باپ کا دل ان کی طرف سے صاف اور نرم کر دیں اور وہ کیا بتاتیں کہ باپ کا دل تو نرم ہی تھا بس اصولوں کا سخت چولا پہن رکھا تھا۔ اس کے اترتے اترتے وہ خول ٹوٹتے ٹوٹتے مہینوں لگ گئے۔ بس ایک شرط رکھ کر انہوں نے اس کے لیے آغا ہاؤس کے دروازے کھول دیئے۔ وہ شرط اتنی کڑی بھی نہ تھی کہ انہیں تامل ہوتا۔ وہ تو اسی وقت شرط مان کر آغا ہاؤس دوڑے چلے آئے۔

عمر کے جس حصے میں بھی آدمی پہنچ جائے۔ خود باپ، دادا نانا بن جائے مگر باپ کے سینے سے لگ کر وہی بچہ بن کر ہمکنے کا دل کرنے لگتا ہے، محبت کے لمس سے دل سیراب کرنا اچھا بہت اچھا بلکہ آسودہ لگتا ہے۔ انہیں لگا وہ چھاؤں میں تو اب آئے ہوں۔ جسے اب تک چھاؤں خیال کرتے رہے تھے وہ تو دھوپ تھی۔ دل کی دھرتی تو سیراب اب ہوئی

ہے دولت تو محض جسم کی آسائش تھی۔ من کی بے کلی کا مداوا نہیں۔ من تو اب سیراب ہوا تھا۔ اتنے سارے شرارتی لڑکے لڑکیوں کی موجودگی میں خود کو بچہ بننے سے روکے رکھا اور آنسو اندر ہی اتار کر نم آنکھوں کے ساتھ شفاعت آپا سے الگ ہو کر مسکرا دیئے۔

''السلام علیکم ماموں جان!'' سب سے پہلے عذیر نے ان سے مصافحہ کیا پھر ہر طرف سے چچا جان، ماموں جان کا شور مچ گیا۔ وہ مسرور انداز میں فرداً فرداً سب سے ملنے لگے۔ چند گھڑیوں میں ہی وہ اس گھر کے فرد بن گئے، اجنبیت کے احساس نے لحظہ بھر بھی دل کو نہیں چھوا تھا۔ ایسا ہی اطمینان تیمور کے چہرے پر بھی تھا۔ وہ حیات آغا کے نزدیک بیٹھ گئے اور تیمور کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کیسا محسوس کر رہے ہو ینگ مین؟''

''ونڈرفل! یہ سب خواب سا لگتا ہے۔''

''مگر یہ خواب نہیں ہے حقیقت ہے اور حقیقت خواب سے کہیں زیادہ دلکش ہوتی ہے اس لیے کہ وہ حقیقت ہوتی ہے۔'' وہ اس کے کندھے پر رکھے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر مسکرائے۔

''واؤ..... معلوم ہوتا ہے چچا جان آپ دادا جان کی طرح کم بولتے ہیں مگر اچھا بولتے ہیں۔'' یہ فرقان تھا مجتبیٰ کا چھوٹا بیٹا۔ وہ اس کھلی تعریف پر جھینپ گئے۔

''نہیں بچے، نہ میں کم بولتا ہوں نہ اچھا۔''

''چلیں..... مگر آپ کا سپوت تو خاصا کم گو معلوم ہوتا ہے۔'' سفیان اٹھ کر تیمور کے پاس آ رکا اور دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''مسٹر تیمور! یہاں یہ معاملہ ہے کہ ''جوڑ گیا وہ مر گیا'' یہ جو تمہیں پوری چنڈال چوکڑی نظر آ رہی ہے نا..... ان سے قطعاً متاثر ہونے یا ڈرنے کی نہیں ہے، ورنہ یہ تمہیں ترنوالہ سمجھیں گے۔''

''یہ فاؤل ہے۔'' سفیان کی بات پر زوردار احتجاج بلند ہوا۔

''یہ تم سراسر اسے ہمارے خلاف کر رہے ہو۔'' مائرہ آپی چلائیں۔ باقی سب بھی ان کی تائید کرنے لگے۔

''تیمور، ہم لوگ بے حد اچھے، نائس اور فرینڈلی قسم کے ہیں ہاں بس سیفی سے ہی تم بچ بچا کر رہنا۔'' عادل نے کہا۔

''خبردار! جو میرے بھائی کے خلاف ایک لفظ بھی بولے تو۔'' یہ نمرہ تھی جس نے چیخ کر اپنے بھائی کی حمایت میں سر اٹھایا جو شکر ہوا قلم نہیں ہوا۔ عادل ہنسنے لگا۔

''اسے کہتے ہیں شاہ سے زیادہ شاہ کی وفادار۔ آئیں بڑی بھائی پر فریفتہ۔ بھائی کی دو چپتیں کھا کر میری طرف روتے دھوتے چلی آتی ہو کہ..... سیفی بھائی بڑے ظالم ہیں سنگ دل ہیں، بہنوں سے انہیں بالکل بھی محبت نہیں۔ ایک کام نہیں کرتے ہمارا۔'' عادل اس کی نقل اتارنے لگا۔ وہ جھینپ کر دہیں دبک گئی۔

تیمور جو بڑے غور و خوص سے اب نمرہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے ذہن کے پردے پر تو بس ایک ہی چہرے کا دھیان تھا۔ وہ اسے ہی کھوج رہا تھا۔ تحریم کون ہے؟ جسے پاپا نے اس سے منسوب کیا ہے۔ پہلے پہل وہ مائرہ کو دیکھ رہا تھا مگر جب نام پتا چلا تو دوسری لڑکیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ شاید ان میں سے کوئی ہو۔ اب یہ نیلے دوپٹے والی ہی آخری پیس رہ گئی تھی جس کا نام اسے ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا مگر پتا چلا وہ نمرہ تھی اس پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔

تو پھر تحریم کون ہے؟ کہاں ہے وہ شہزادی جو اس کے دل کی پُرسکون جھیل پر پتھر پھینک کر اسے منتشر کر کے کہیں چھپ گئی ہے۔ بے عنوان سی شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اس نے نمرہ کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں۔ لاحول ولا..... کب تک وہ ہر لڑکی کو اسی نظر سے دیکھ دیکھ کر شرمندہ ہوتا رہے گا۔ وہ دکھائی کیوں نہیں دے جاتی۔

''لڑکیوں تم لوگوں کو اس ہنسی ٹھٹھول میں وقت گزر جانے کا پتا ہی نہیں چلے گا۔ پہلے کھانا لگا دو پھر بیٹھی باتیں

بگھارتی رہنا۔ چلو مائرہ، نمرہ۔'' تائی صفیہ لڑکیوں سے بولیں۔

''مگر ابھی تحریم اور حارث تو آئے نہیں، کھانا کیسے لگا دیں؟'' مائرہ نے یہ کہتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

''ارے ہاں..... یہ دونوں کہاں رہ گئے؟ جاؤ مریم جا کر معلوم کر آؤ یہ تحریم کیا کر رہی ہے آئی کیوں نہیں ابھی تک۔'' تائی صفیہ نے کہا تو تیمور کی تمام حسیات بیدار ہو گئیں۔ تحریم کا نام سماعت سے ٹکرا کر دل پر مضراب ہی مار گیا اور انوکھی موسیقی چل پڑی۔ اس کی نظریں مریم کے تعاقب میں گئیں۔ وہ بڑے کمرے سے نکل کر کہاں گئی پتا نہ چلا مگر جب تک وہ لوٹی نہ اس کی سماعتیں بھی بصارتیں بنی دروازے پر جمی رہیں۔

''بھابی بھی نہیں آئیں ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔'' مرتضیٰ آغا کو یک دم محروم بھائی کے بیوی بچوں کا خیال آ گیا تو ایک ہوک سی سینے سے اٹھی۔ دل میں ندامت ہلکورے لینے لگی۔ کس قدر بدنصیب تھے کہ بھائی کی میت کو کندھا تو کیا دیتے اس کی موت سے یکسر بے خبر رہے۔

''تحریم اور حارث کہاں ہیں وہ کیوں نہیں آئے مجھ سے ملنے۔'' وہ بے تابانہ لہجے میں بولے اور بے اختیار ان کی نظریں تیمور پر جا ٹھہریں اور یہ دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ کوند گئی۔ اس کی مضطرب نظریں دروازے پر یوں جمی تھیں گویا.....

ہمیں ہوگا جب تک نہ دیدار تیرا
یہیں صبح ہوگی یہیں شام ہوگی

انہوں نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے سر جھکا لیا اور باپ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ لڑکیاں کھانے کی تیاری کے لیے اٹھ گئی تھیں۔

مریم بڑے کمرے میں داخل ہوئی مگر اسے اکیلا دیکھ کر تیمور کا چمکتا چہرہ بجھ گیا ''تحریم کہہ رہی ہے آپ لوگ کھانا شروع کر دیں۔ وہ ٹھہر کر آئے گی دراصل اس کے کالج کی کوئی سہیلی آئی ہوئی ہے۔''

''کون..... آصفہ آئی ہے؟'' مائرہ نے دیوار گیر الماری سے کانچ کی ڈشیں نکالتے ہوئے مریم کو دیکھا۔

''مجھے تو آصفہ ہی لگ رہی تھی۔'' مریم ان کے ہاتھ سے ڈشیں لیتے ہوئے بولی۔

''اور حارث کہاں رہ گیا ہے اس کا بھی کوئی سہیلا آ گیا ہے کیا؟'' وہ ضرورت کے دوسرے برتن احتیاط سے نکالتے ہوئے بولیں۔

''واہ کیا اصطلاح ہے سہیلا۔'' فرقان کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ ''یہ سہیلا کیا ہوتا ہے بھلا؟''

''اوہو، ایسے ہی منہ سے نکل گیا۔ بات نہ پکڑو اور ادھر آ کر ذرا ان برتنوں کو احتیاط سے کچن میں پہنچاؤ اور یہ تم لوگوں نے تیمور کو اکیلا کیوں چھوڑ دیا ہے وہ بور ہو رہا ہے شاید۔'' ان کی نظریں تیمور پر جا پڑیں، جس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر تھیں، اپنے تئیں وہ انہیں بوریت کا شکار محسوس ہوا۔

''سارے جہاں کا درد آپ کے جگر میں ہے۔'' فرقان نے ان کے ہاتھ سے برتن لے کر ایک طرف رکھے اور ٹھنڈی سانس بھری اور تیمور کو اپنی طرف دیکھ کر ایک آنکھ دبا کر مسکرایا ''یہ جو ہماری آپی ہیں نا انہیں اپنے علاوہ سب کی فکر ہے۔ یہ حد سے زیادہ کیئرنگ، لونگ، سنئیر اور وغیرہ وغیرہ ہیں۔''

''اوہو، ویری امیزنگ..... ایک عورت میں اتنی خوبیاں ایک ساتھ۔'' تیمور نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پھیلا کر مائرہ کو تکا۔

''جی ہاں، ہے نا حیرت کی بات..... کہ ایک عورت میں اتنی خوبیاں بھلا کیسے ہو سکتی ہیں تو بات یہ ہے تیمور صاحب کہ ہم سب انہیں محبت کی عینک سے دیکھتے ہیں تو ظاہر ہے..... آؤچ!'' وہ بولتے بولتے کراہ کر رہ گیا۔ کانچ کا

وزنی جگ مائرہ نے اس کے کندھے پر دے مارا تھا۔

''مارا جو تو نے جگ وہ پتھر سے کم نہیں..... دیکھ رہے ہیں آپ عذیر بھائی۔ اب بھی وقت ہے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لیجیے۔'' فرقان کندھا سہلاتا ہوا عذیر سے مخاطب ہوا جو کشن کے سہارے قالین پر نیم دراز تھا، اس کی بات پر لیٹے لیٹے اس کی طرف کروٹ لی۔ ایک نظر دروازے سے نکلتی مائرہ پر ڈالی۔ مسکراہٹ اس کے گداز ہونٹوں کے گوشوں میں ٹھہر گئی۔

''تم میں اور مجھ میں یہی تو فرق ہے کہ یہ جو جگ تمہیں مارنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، ہمارے آنے پر شربت سے بھرا پیش ہوتا ہے۔''

''اللہ رے خوش فہمی!'' فرقان کا قہقہہ برجستہ تھا ''اسے کہتے ہیں ''LOVE IS BLIND'' دیکھا آپ نے تیمور بھائی!''

''شرم کرو شرم، بہن کے خلاف کھلے عام بول رہے ہو۔'' مریم نے اسے شرمندہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ عذیر نے کشن پھینک کر اٹھتے ہوئے مریم کو گھورا۔

''شرم کی کیا بات ہے، ایک ہی تو اس گھر میں حقیقت پسندانہ تجزیہ کرتا ہے سب کا۔ اسے بھی تم خاموش کرانا چاہتی ہو۔ ویسے کبھی کبھی میں بھی واقعی سوچتا ہوں کہ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر ہی لوں۔'' اس نے کمرے میں داخل ہوتی مائرہ کی طرف دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری پھر بولا ''مگر کیا کروں.....

حسن وہ! جو چھپائے نہ چھپے!

میرے نسوانی حسن کا راز

بلوسم

بریسٹ یونانی کریم

قدرتی جڑی بوٹیوں پر سیاہیوں کے تجربے اور تحقیق کے بعد ایک نئی ایجاد بلوسم بریسٹ یونانی کریم جو بریسٹ کے نشوونما کو سخت کر کے ابھارلاتی ہے۔

قیمت =/150

بریسٹ کے چھوٹے پن میں اضافہ کر کے پروقار شخصیت کا مالک بناتی ہے کھوئی ہوئی نسوانی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے

اسٹاکسٹ:

- خواجہ سلور لیبر کی مارکیٹ صدر کراچی
- صدر میڈیکل سٹور لیبر لمیٹڈ مارکیٹ صدر کراچی
- مسلم جنرل سٹور لیاقت مارکیٹ صدر کراچی
- ایم ایچ بن قاسم مارکیٹ صدر کراچی
- ہیپی میڈیکل سٹور آصف سکوئیر بی ایریا
- قریشی جنرل سٹور صدر چوک جیکب لائن
- نیو ہوٹل خانقاہ کوٹ بدو کراچی
- حاجی میڈیکل کیمسٹ بدو لاہور کراچی
- ظہیر شاپنگ سنٹر لیلی بازار کراچی
- علی میڈیکل سٹور گلبرگ
- علی میڈیکل سٹور اقبال روڈ کینٹ راولپنڈی
- ایس اے میڈیکل سٹور ریلوے روڈ لاہور
- راجہ اینڈ برادرز کھیل بازار سیالکوٹ
- پاکستان جنرل سٹور گھوڑی بازار گول چوک سرگودھا
- مقیم پرچون سٹور بیلا روڈ بدو کراچی سٹیلائٹ ٹاؤن
- شاہ جی شیخ خانقاہ بیلا بازار فیصل آباد
- جاوید پنسل سٹور گھوڑی بازار سرگودھا
- شاہ پنسل سٹور گھوڑی بازار سرگودھا
- شاکر خانقاہ مارکیٹ بدو کراچی
- ایم ایچ جنرل سٹور بدو کراچی
- حاجی اختر جنرل سٹور بازار گوجرانوالہ
- برکت ہیپی سٹور بازار گوجرانوالہ
- ہاشمی سٹور سرگودھا
- لطیف کیمسٹ نواحی بازار راولپنڈی
- صدر دواخانہ نیو بازار جہلم
- میوں ہیپی سٹور کمرہ چوک سیالکوٹ
- ظہیر جنرل سٹور بازار گوجرانوالہ
- ایس سیہ سٹور گھنٹہ گھر بازار لاہور
- ثاقب سٹور بازار لاہور
- ثاقب سٹور بازار لاہور
- ہاشمی سٹور بازار لاہور
- ہاشمی سٹور بازار لاہور
- ہاشمی

عشق پیالہ نہیں گدائی کا
عاشقی در بدر نہیں ہوتی''

تیمور محظوظ ہو کر ہنس پڑا۔ اس نے بڑی دلچسپ نظروں سے مائرہ کو سرخ چہرے کے ساتھ الٹے پیروں پلٹتے دیکھا تھا۔

فرش پر دو بڑے بڑے دسترخوان بچھائے گئے۔ ایک خواتین کے لیے دوسرا مرد حضرات کے لیے۔ تیمور کے لیے فرشی نشست پر کھانا ایک بالکل انوکھا تجربہ تھا۔ اول تو یوں اتنے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانا ہی اس کے لیے نیا پن لیے ہوئے تھا۔ گھر میں وہ چار افراد ہونے کے باوجود اکثر بیشتر علیحدہ علیحدہ کھاتے تھے، جو آیا ڈائننگ چیئر کھینچی اور ملازم کو آواز دے کھانا منگوایا۔ کبھی کبھار ہی اکٹھے کھاتے تھے۔ وہ اپنے ٹراؤزر کو اونچا کر کے دسترخوان پر بیٹھا تو خود کو انتہائی چغد خیال کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس زاویے سے بیٹھنا چاہیے، اس نے چور نظروں سے ہر ایک کی طرف دیکھا۔ سب ہی اطمینان سے بیٹھ کر تقریباً کھانا شروع کر چکے تھے۔ اس نے مرتضیٰ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اپنے باپ سے ہلکی پھلکی گفتگو کرتے ہوئے کھانے سے مکمل انصاف کر رہے تھے۔

''کیا بات ہے تیمور بیٹا، تم نے کھانا شروع نہیں کیا؟'' شفاعت پھپھو بریانی کی ٹرے اس کے آگے رکھتے ہوئے اس کی خالی پلیٹ دیکھ کر بولیں۔

''ہاں بھئی تیمور، تکلف برطرف پیٹ بھر کر کھانا۔'' عذیر نے اس کی پلیٹ میں شامی کباب ڈال دیئے۔

''کھانے میں شرمانا کفرانِ نعمت ہے۔'' عادل نے یہ کہتے ہوئے بریانی کی ٹرے اپنی طرف کھسکائی ''میری طرح کھاؤ ڈٹ کر!''

''تاکہ اس کی طرح تندیل ہو جاؤ اور اپنی اسمارٹنیس کا بیڑا غرق کر دو۔'' عذیر نے اس کے موٹاپے پر وار کیا۔

عادل نے تڑپ کر کھانے سے ہاتھ کھینچ کر جواباً عذیر کو گھورا۔

''یہ تندیل تم نے کسے کہا..... مجھے؟''

''بالکل!''

''بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہاری نظر خراب ہو گئی ہے۔ میرا جیسا اسمارٹ بندہ تو شاید ہی کوئی ہوگا۔''

''بالکل شاید ہی کوئی ہوگا۔'' سفیان نے تائیدی انداز میں سر ہلایا اور مربیانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''کھاؤ کھاؤ، ڈٹ کر کھاؤ۔ عذیر دراصل جیلس ہو رہا ہے۔ اب خدا نے اسے تمہارے جیسا تنومند نہیں بنایا تو اس میں تمہارا کیا قصور۔''

سب کا مشترکہ قہقہہ پڑا تھا جبکہ عادل کم سن ناراض بچے کی طرح سفیان کو گھورتا رہ گیا پھر منہ پھیر لیا اور کھانا کھانے لگا۔

کھانا ہلکی پھلکی پُرمزاح باتوں میں ختم ہوا۔ لڑکیوں نے بڑی نفاست اور پھرتی سے دسترخوان سمیٹ لیے۔ لڑکے وہیں قالین پر ہی دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔ چائے کا دور جاری تھا کہ کمرے کے داخلی دروازے پر کھٹکا ہوا۔

''السلام علیکم دادا جان.....!'' پردہ ایک طرف کرتی تحریم اندر داخل ہوئی اور حیات آغا سے مخاطب ہوئی۔ سب کی توجہ لحظہ بھر اس کی طرف ہوئی مگر تھم جانے والی ٹھٹک جانے والی نگاہیں تیمور آغا کی تھیں۔

''آؤ..... آؤ..... تحریم بیٹا.....!'' حیات آغا کی دھیمی اور محبت سے بھری آواز ابھری۔

﴿باقی آئندہ﴾

میں ایک خواب بُن رہا ہوں

نزہت شبانہ حیدر

اس کہانی کو ملے انجام کیا
جس کو رسوا کر دیا آغاز نے
کس یقیں اور کس تسلسل سے دیے
دل کو دھوکے اس محبت باز نے

اپنے مقدر کو پانے کے لیے انسان جذباتی ریلے میں بہہ کر ہر رکاوٹ سے ٹکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ محبت کو اپنے طریقوں سے استعمال کرنے والوں کی کتھا۔

میں اس آفس میں تھا جہاں دن تو کیا زندگی بھی اچھی نہیں گزر سکتی تھی۔ میرا باس بہت ہی چڑچڑا اور بدمزاج تھا۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے وہ انسان نہیں بلکہ بلیک کافی ہو، تلخ سی۔ یہ خطاب میں ہر اس شخص کو دے دیتا تھا جو مجھے بدمزاج لگتا بلکہ لگتا کیا، وہ ہوتا تھا۔ اسی قسم کا خطاب رائمہ نے مجھے بھی دیا ہوا تھا۔

''تمہارا نام نوفل تو ہونا ہی نہیں چاہئے تھا، نوفل تو اتنا پیارا نام ہے کہ اسے سن کر کسی ہنستے مسکراتے، اسمارٹ سے لڑکے کا تصور ذہن میں آتا ہے جب کہ تم.....'' اس نے کان پکڑ لیے۔

''خدا کی پناہ! جب تم آفس سے آتے ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے تم وہ گائے ہو جس نے اپنی سینگوں پر پوری دنیا کو اٹھایا ہوا ہے۔ بدمزاج، چڑچڑے، کوئی بات کرے تو پھاڑ کھانے کو دوڑتے ہو۔''

''تو تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہئے، خنک ڈانس.....؟'' میں نے چڑ کر کہا۔ ''جن حالات سے گزر کر میں آرہا ہوتا ہوں، میں صحیح سلامت گھر پہنچ جاتا ہوں یہی بہت ہے ورنہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ گاڑی کسی درخت سے ماردوں مگر اس سے کیا ہوگا۔ نقصان تو گاڑی ہی کا ہوگا نا'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''ایسا کیوں نہیں کرتے کہ گاڑی عیٹی جیٹی کے پل پر کھڑی کرو اور خود نیچے چھلانگ.....اس سے کم از کم یہ تو ہوگا کہ گاڑی بچ جائے گی جو بعد میں میرے چلانے کہ کام آجائے گی۔''

''یہی وجہ ہے..... بالکل یہی وجہ..... جو میں اس طرح مرنا نہیں چاہتا۔ میں تو زندہ بھی اسی لیے ہوں کہ تمہیں دیکھتا رہوں کہ تم کتنی تکلیف میں ہو۔''

''میں کیوں تکلیف میں رہنے لگی؟ خدا نہ کرے۔''

''کیوں، کیا مجھے زندہ دیکھ کر تمہیں تکلیف نہیں ہوتی؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ایسے سر کیا ہلا رہی ہو، آنکھیں ملا کر جواب دو'' میں نے ڈپٹ کر کہا۔

''آنکھ ملا کر دیکھ ذرا کیا گزری، دل والوں پر''

اسی وقت شانی اندر آگئی اور رائمہ اس کے پیچھے چھپ گئی۔

''کیا ہوا بھائی، خیریت تو ہے۔ بڑے غصے میں لال پیلے ہو رہے ہیں۔''

''لو، یہ تو ان کا مستقل رویہ ہے بلکہ شناختی علامت بن گیا ہے۔'' اس نے چہک کر کہا اور ایک منٹ میں یہ جا وہ جا۔

''توبہ ہے، آپ دونوں تو بچوں کی طرح لڑتے ہیں۔''

''میں لڑتا ہوں، وہ جو اس گھر کی کرتا دھرتا ہے، اسی کو بہت شوق ہے۔ جس کو دیکھو اسی کا دیوانہ۔ امی کو کوئی کام ہے، اس کو بلوالیں گی اور مجال ہے جو اس کا دل اپنے گھر میں ایک منٹ بھی لگ جائے۔ تمہیں اگر ایک دوپٹا بھی چاہئے یا ایک بٹن تو رائمہ کے ساتھ ہی جانا ضروری ہے۔''

''تو کیا کریں، بچپن سے ہی کچھ ایسی عادت پڑ گئی ہے۔ اس کے بغیر کوئی کام ہوتا نہیں ہے اور کچھ دل بھی نہیں لگتا۔ آپ کو تو بس بھائی نہ جانے کیا مسئلہ ہے۔'' وہ اتنا کہہ کر چپ ہوگئی۔

غالباً وہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ بس بھائی، آپ کا بھی دماغ خراب ہے لیکن اس نے یہ نہیں کہا تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی گھر میں میرا کچھ رعب باقی ہے ورنہ رائمہ نے تو سب کچھ چوپٹ کر دیا تھا۔

اصل بات یہی تھی کہ مجھے رعب جمانے کا شوق تھا، فضول میں نہیں لیکن میں چاہتا تھا کہ ایک بڑے بھائی کا یا بڑے بیٹے کا جو رعب ہوتا ہے، کم از کم میرے گھر میں وہی ہو۔ میں نے اپنے کتنے ہی دوستوں کے گھروں میں دیکھا تھا جیسے ہی بڑا بھائی گھر میں داخل ہوا، اس کی بہنوں کو فوراً ہی بریک لگ جاتا۔

یاسر کے گھر تو میرا بچپن سے آنا جانا تھا اور بچپن میں تو وہ بہت اچھا تھا۔ اچھے سے مطلب کہ کافی شریف تھا لیکن اب آئے دن میں اسکا کسی نہ کسی لڑکی سے چکر سنتا تھا۔ سب سے زیادہ تو وہ فون پر لڑکیوں کو بے وقوف بناتا

تھا۔ یاسر سنگر بھی تھا، کوئی ایسا مشہور سنگر نہیں لیکن چھوٹے موٹے فنکشن وہ آسانی سے کر لیتا تھا۔ اس کے لیے زندگی کچھ الگ ہی انداز میں اپنا مفہوم رکھتی تھی۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اس کے ساتھ میں بھی تھا مگر بچ گیا اور اس دن کے بعد میں نے توبہ کر لی کہ اس کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں اس دن شام کو سینٹر جانے کے لیے نکل رہا تھا کہ وہ چلا آیا۔

''نوفل! گلشن معمار جانا ہے۔''

''کیا..... تمہارا دماغ صحیح ہے۔ میری بہت ضروری کلاس ہے۔'' میں نے صاف انکار کر دیا۔

''کیا ایک دن صرف ایک دن..... تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے؟''

''چلنے کی بات نہیں ہے لیکن تم خود یہ بتاؤ کہ اس طرح منہ اٹھا کر کسی کے گھر پہنچ جائیں؟''

''بھئی، لڑکی نے خود بلایا ہے۔''

''خدایا!'' میں کراہ کر رہ گیا ''یہ لڑکیوں کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔'' میں نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

یاسر ان دوستیوں کو بات چیت یا کبھی کبھار باہر گھومنے پھرنے تک ہی محدود رکھتا تھا۔ اس سے آگے کی کوئی حد اس نے کراس نہیں کی تھی لیکن میں پھر بھی پریشان رہتا تھا۔ اس قدر میڈیا فاسٹ ہوگیا ہے، لڑکیوں کو وقت سے پہلے ہر چیز آگئی ہے۔ اس کے باوجود بھی اس آگ میں ہاتھ ڈالتی ہیں جو دامن سے بہت دور نہیں ہوتی، اس کے ساتھ جاتے ہوئے راستے بھر میں یہی سوچتا رہا۔

کافی دیر تک یاسر گھر ڈھونڈتا رہا بالآخر ایک گھر کے سامنے وہ رک گیا۔

''نوفل، میرا خیال..... نہیں بلکہ یقیناً یہی گھر ہے۔'' اس نے بڑے اسٹائلش سے انداز میں بالوں کو انگلیوں سے سیٹ کیا اور بیل بجادی کیونکہ شاید لڑکی نے یہی کہا تھا کہ وہ خود دروازہ کھولے گی، سب لوگ حیدرآباد گئے ہوئے ہیں لیکن وہاں کسی حسینہ کے بجائے ایک لمبے چوڑے رقیب روسیاہ کو دیکھ کر ہم دونوں کے ہی قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔

''کیا بات ہے بھئی.....؟''

''وہ..... وہ جی'' یاسر نے ہی خود کو سنبھالا۔ ''راستہ بھول گئے ہیں اور پیاس بہت لگ رہی ہے۔''

''ہیں..... کیا کہا، راستہ بھول گئے ہو..... اور پیاس بہت لگ رہی ہے۔ جمیلہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا'' ان بزرگوار کا ارادہ شاید گرامر صحیح کرنے کا تھا یا ہمارا حلیہ، کچھ پتا نہیں چلا۔

''جی..... وہ ہمارا مطلب ہے کہ پہلے راستہ بھول گئے۔ اس کے بعد ہم گھر ڈھونڈتے رہے، اس دوران میں ہمیں پیاس لگنے لگی تو ہم نے بیل بجادی'' یاسر نے اتنا لمبا جھوٹ فوراً ہی بول دیا۔

''اچھا اچھا'' انہوں نے اپنی گردن ہلائی، آپ لوگ یہیں ٹھہریں، میں پانی لے کر آتا ہوں۔''

وہ پانی لینے اندر گئے۔ اسی وقت اندر سے ہنسنے کی نقرئی آوازیں آئیں۔ اب اس دن پتا نہیں، کس نے کسے بے وقوف بنایا تھا لیکن یہ ضرور ہوا کہ میں نے آئندہ اس کے ساتھ کہیں آنے جانے سے توبہ کر لی تھی۔

* * *

اس دن میں گھر میں داخل ہوا۔ تو وہ حسب عادت گھر میں موجود تھی۔ ''کیا بات ہے، کیا تمہارا دل نہیں لگتا؟''

''کہاں..... اس دنیا میں؟'' اس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

''جی نہیں، اپنے گھر میں۔'' میں نے دانت پیسے۔

''توبہ، تم کیسے دانت پیس کر باتیں کرتے ہو لڑکیوں کی طرح، قسم سے..... اگر غلطی سے بھی ان دانتوں کے بیچ میں کوئی چیز آجائے تو اس کا تو سرمہ بن جائے۔ تم تو آدم خور بن گئے ہو۔''

''اچھا بکواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے ایک کپ چائے پلا دو۔''

''میں..... تو نہیں پلا رہی۔ وہ جو تمہارے آفس میں تمہارے باس کی بھانجی اپائنٹ ہوئی ہے۔ سنا ہے، آج کل لنچ..... ٹی، اسی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ تو کیا آج اس نے چائے نہیں پلائی۔'' اس کا منہ سوجا ہوا تھا۔

''بس، اس نے آفر کی تھی لیکن وہ بہت میٹھی چائے پیتی ہے۔ مجھے اب میٹھے کی عادت کہاں رہی۔ مجھے تو کڑوی چائے ہی پسند ہے۔''

''میں کڑوی چائے بناتی ہوں نوفل!'' اس نے آنکھیں نکالیں۔

''نہیں، قسم سے..... تم تو میٹھی چائے ہی بناتی ہو لیکن تاثیر..... تمہاری زبان کی تاثیر..... چائے تک میں..... ہے نا..... حیرت کی بات.....؟''

''فضول بکواس نہیں کرو۔ تمہاری زبان بھی میری زبان کی طرح چلنے لگی ہے۔''

''شاید پہلی دفعہ تم نے اپنے بارے میں سچ کہا ہے۔'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''یہ ہمیشہ ہی سچ کہتی ہیں۔ سچ کے سوا کچھ نہیں'' شانی نے کہا تو رائمہ ہنس پڑی۔

''میری تعریف پر دیکھنا تو سہی، نوفل صاحب کیسے کیسے منہ بنا رہے ہیں۔''

ہماری لڑائی بہت دنوں تک نہیں چل سکی اور امی نے اس معاملے میں ایک بھی نہیں سنی۔ بس جھٹ پٹ پہلے منگنی اور پھر شادی کی ڈیٹ رکھ دی۔ اتنی اچانک افتاد آپڑی کہ مجھے تو کچھ سوچنے سمجھنے کا ٹائم ہی نہیں مل سکا یہ اور بات کہ ٹائم ملتا بھی تو مجھے کیا کر لینا تھا؟ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میرا تو گھر پر یوں بھی رعب نہیں تھا۔ شانی چھوٹی تھی مگر یوں مذاق کرتی تھی جیسے میری دوست۔ امی تو میری کسی بات کو خاطر ہی میں نہیں لاتی تھیں اور پھر وہ ایک رائمہ تھی، میری ہر بات کو الٹا سمجھنے والی اور کرنے والی۔ مجھے پھر یاسر یاد آجاتا پھر اس سے وابستہ کہانیاں۔

''کیا بات ہے، بڑا مسکرایا جا رہا ہے۔''

''تمہیں کیا، میں مسکراؤں یا پھر ہنسوں؟''

''ظاہری بات ہے، مجھے کیا لیکن میں نے یونہی سنا ہے کہ..... جو لوگ اکیلے بیٹھے بیٹھے ہنستے ہیں۔ انہیں ہمارا معاشرہ کچھ اچھے نام سے یاد نہیں کرتا۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''بھئی، مطلب وطلب کیا ہوگا، مگر تم جانتے ہو نا، انہیں پاگل کہا جاتا ہے۔''

''اچھا بس، خاموش ہو جاؤ'' مجھے شدید غصہ آنے لگا۔

رائمہ پر بھی اور امی پر اس سے زیادہ۔ امی کو اس پورے زمانے میں اور کوئی لڑکی ہی نہیں ملی تھی جہاں شادی سے پہلے ہی شوہر کو پاگل کہا جا رہا ہو۔ میں جلتا بھنتا رہا اور یہ کیفیت میری شادی کے دن تک رہی، غنیمت تھا کہ اس دن اس کی زبان بند رہی ورنہ مجھے یہی ڈر تھا کہ وہ اسٹیج پر بھی پٹر پٹر نہ بولتی رہے لیکن خیر، ایسا کچھ نہیں ہوا۔ لیکن شادی کے دوسرے دن پھر وہی حال تھا۔

آج شانی کے ساتھ مل کر، خود اپنا اور میرا دونوں کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔

''توبہ شانی! کل اتنی گرمی تھی اور ہم دونوں ہی پاگل لگ رہے تھے، اتنے بھاری بھاری کپڑے، زیور۔ اچھے بھلے انسان کی بھی ہونق جیسی شکل ہو جائے۔''

''دولھا بے چارہ تو اور قابلِ رحم لگ رہا ہوتا ہے۔ اتنا تیار اور کچھ کچھ اچھا بھی لگ رہا ہو تب بھی کوئی اسے نظر بھر کر نہیں دیکھے گا، جس کو دیکھو وہ دلہن دیکھنے کے شوق میں مرا جا رہا ہوگا اور کچھ نہیں تو ذرا دلہن کے شرارے کو ہی ہاتھ لگا لیا جائے، اس کے دوپٹے کو ہی پکڑ کر چلا جائے۔''

وہ اور شانی باتیں کر رہی تھیں۔ اور میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ کیونکہ کل بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔ اسٹیج پر بھی یہی حال تھا۔ جس کو دیکھو، وہ ایک نظر صرف دلہن ہی کو دیکھنا چاہ رہا تھا حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ایک دو دفعہ میں نے بھی نظریں ڈالی تھیں اور فوراً ہی ہٹالی تھیں۔

مجھے تو کم از کم وہ عام دنوں میں ہی زیادہ اچھی لگتی تھی۔ اس کے بعد رخصتی کے ٹائم میں دبو بن کر ایک طرف کھڑا ہوا تھا اور پوری دنیا صرف رائمہ کے گرد۔ کوئی گلے لگ کر رونے کی کوشش میں مصروف، کوئی دوسری خاتون سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دینے کی کوشش میں، کوئی اس فکر میں کہ بس خدانخواستہ میک اپ نہ خراب ہو جائے، اس لیے کوئی رونے سے منع کر رہا ہے۔

ایسا افراتفری کا سماں تھا کہ کسی کے پاؤں تلے آکر میرا ناگرہ بھی کچل گیا۔ لیکن مجال ہے جو ذرا سی نے فکر کی ہو۔ یوں لگ رہا تھا کہ اگر اس شادی میں یا کسی بھی شادی میں دولھا نہ بھی ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا، کم از کم مہمانوں کو تو ہرگز نہیں اور دلہن..... دلہن میں نے سوچتی ہوئی نظر رائمہ پر ڈالی، وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھی لیکن مجھے دیکھتا پا کر اس نے جھٹ نظروں کا رخ پھیر لیا اور رائمہ جیسی دلہن کو کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ میں نے گہری سانس لی۔ اسی وقت یاسر اندر آگیا۔

''نوفل، مبارک ہو بھئی'' یہ کم از کم تیسری مبارک باد تھی جو اس نے مجھے دی تھی۔

''ایک بات تو بتاؤ، یہ مجھے اتنی مبارک بادیں کس سلسلے میں دی جا رہی ہیں؟''

''تو نہیں جانتا؟''

''نہیں'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو واقعی نہیں جانتا؟''

''نہیں نا.....''

''پھر تو تم واقعی گھامڑ ہو۔ ارے جو ہیرا سالوں کوشش کے بعد ہمیں نظر نہیں آیا، وہ تم نے کیسی بے نیازی سے اڑا لیا۔''

''ہیرا..... کون سا ہیرا بھئی؟ اور مجھے تو ہیرا کچھ زیادہ پسند بھی نہیں۔ وہ پتھر ہی تو ہوتا ہے، کوئلے کی ایک شکل۔'' میں نے بھی ایک منٹ میں رائمہ کی کہی گئی ساری باتوں کا بدلہ لے لیا۔

''بہت اچھی بات ہے بھئی'' یاسر نے دھیرے سے سر ہلایا ''اسے کہتے ہیں بندر کیا جانے ادرک کا سواد، شرم تو آتی نہیں۔''

ہم لوگ باتیں تو کر رہے تھے مگر مجھے رائمہ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات صاف نظر آرہے تھے لیکن کیوں، یہ مجھے پتا نہیں تھا۔ اور میرا اپنا یہ خیال تھا کہ شاید اس قسم کے تاثرات اس کے چہرے پر مستقل بنیادوں پر ہی رہنے لگے تھے لیکن میرا یہ خیال پہلے شانی اور پھر اماں نے یہ کہہ کہہ کر غلط ثابت کر دیا۔

''اتنی ہنس مکھ ہے۔ ہر وقت ہنستی رہتی ہے اور بڑے کام کاج والی بچی ہے۔''

''کام تو خیر گھر کی ماسی بھی بہت کرتی ہے پھر اسی سے شادی کیوں نہ کر دی؟'' میں نے سوچا۔

''کیا بات ہے بھیا، آپ بڑے چپ ہو گئے ہیں، آپ کچھ بولتے کیوں نہیں؟''

''لو، اب کیا بولیں گے، شادی کے بعد تو خود ہی ساری اکڑفوں ختم ہو جاتی ہے۔'' محلے کی ایک خاتون نے فرمایا۔

میں تنگ آکر کھڑا ہی ہو گیا۔ پتا نہیں خواتین کس قسم کی گفتگو کرتی ہیں؟

''اچھا کھانا تو کھا لیں'' رائمہ مجھے اٹھتے دیکھ کر تیزی سے آئی۔

''مجھے کوئی کھانا نہیں کھانا۔ تم لوگ کھاؤ۔''

''وہ تو ظاہری بات ہے، ہم لوگ کھا ہی لیں گے، بھوکے رہنے کا ہمیں نہ کوئی شوق ہے اور نہ تجربہ۔'' اور تجربہ تو مجھے بھی نہیں تھا۔

اماں اس دن چھوٹی خالہ کی طرف گئی تھیں اور رات ان کا وہیں ٹھہرنے کا پروگرام تھا۔ شانی کو تو نیند جلدی آتی تھی۔ رات کے ایک بجے تک ایسی حالت ہو گئی۔ مجھے یوں لگنے لگا جیسے میں نے ساری زندگی کبھی کھانے کی شکل نہ دیکھی ہو یا پھر میں نے تین چار دن سے کھانا ہی نہ کھایا ہو۔ اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد کہ وہ شیطان کی خالہ سو رہی ہے، میں خود ہی دبے پاؤں کچن میں آگیا لیکن وہاں تو سارے برتن دھل دھلا کر چمک رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا، ان میں کبھی کھانا بنا ہی نہ ہو۔

''خدایا.....!'' میں کراہ کر رہ گیا اور جیسے ہی مڑا وہ ایک دم سامنے آگئی۔

اس وقت بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، جلانے والی یا ستانے والی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں ہوا لیکن میں نے ایک دم پلیٹ دیوار پر دے ماری۔

''یہ گھر ہے، اس طرح گھر کا نظام چلتا ہے'' اس کا مسکراتا چہرہ ایک دم سے سفید ہو گیا۔

''وہ تو یوں ہی نوفل! ذرا سی شرارت کر رہے تھے ورنہ کھانا تو میں نے بھی نہیں کھایا۔''

''کیوں.....؟ تم نے کیوں نہیں کھایا؟'' میں نے غرا کر کہا۔

''توبہ، کیسے غرا رہے ہیں آپ، بھئی اتنا غصہ نہ کیا کریں۔''

'اچھا! میں غصہ نہ کروں اور تمہاری حرکتیں بہت اچھی ہیں نا۔''

''حرکتیں بے شک اچھی نہ ہوں لیکن میں تو اچھی ہوں نا۔''

''بس، اپنے منہ میاں مٹھو۔''

''اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ سب ہی لوگ تو میری تعریف کرتے ہیں۔ بس ایک تمہاری ہی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔''

''نہیں، خیر ایسی بھی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے۔ کچھ کچھ تو نظر آتا ہے۔''

''بھلا کیا نظر آتا ہے؟'' اس نے شرارت سے کہا۔

مجھے یوں لگتا تھا جیسے یہ بچپنا، اس کے اندر کہیں ٹھہر گیا ہو۔ وہ معصوم تھی، ہنستی مسکراتی، بس دنیا کو اپنی نظر سے دیکھنے والی۔ ذرا سی بات پر غصے میں آ جانے والی۔ ذرا سی بات پر روٹھ جانے والی۔

وہ دن ہماری دوستی کا تھا۔ اس دن میری اور اس کی دوستی ہوگئی اور دنیا اتنی خوبصورت ہوگئی کہ جب میرا باس مجھے ڈانٹ رہا ہوتا تو میں اپنے تخیل کی مدد سے اپنے باس کے چہرے کو رائمہ کے چہرے میں تبدیل کر دیتا۔ ایسا کرنے کے لیے گو مجھے کافی محنت کرنا پڑتی لیکن اس سے یہ فرق ضرور پڑا کہ پہلے جو آفس سے آتے ہوئے میرا منہ کدو کی طرح سوجا ہوا ہوتا تھا، یہ سارے نام رائمہ کے تھے جو اس نے شادی سے پہلے دیے تھے۔ وہ منہ اب سوجا ہوا نہیں ہوتا تھا۔

جب گھر آتا تو سب گھر والے خوش گوار موڈ میں باتیں کر رہے ہوتے۔ سب گھر والوں کے ساتھ یاسر بھی شاملِ حال ہوتا۔

آج کل میرے آفس میں کام بہت بڑھ گیا تھا۔ آتے آتے، مجھے رات کے گیارہ بج جاتے، گھر کے کتنے ہی ہزار کام ہوتے جن میں سے اکثر کام تو بے چارہ یاسر ہی کر دیا کرتا تھا اور میں اس کا ممنون ہو جاتا ورنہ مصیبت تو یہ تھی کہ آفس سے آنے کے بعد روم روم میں ایسی تھکن ہوتی تھی کہ جی چاہتا بس بستر سنبھالوں اور سو جاؤں۔ ایسے میں یاسر کا کام کر دینا مجھے احساسِ تشکر سے دوچار کر دیتا تھا۔

انہی دنوں شانی کا ایک اچھا رشتہ آ گیا۔ اماں کو تو رشتہ بہت پسند آیا اور وہ لوگ بھی شادی کی جلدی کر رہے تھے لیکن اتنی جلدی..... میں فکر مند ہو گیا۔ ابھی تو میں اپنی شادی سے فارغ ہوا تھا، اب ایک دم سے اتنی جلدی میں شانی کی شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن رائمہ اور اماں، دونوں ہی کا اصرار تھا کہ بس اس رشتے کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا۔

''تو اب میں اسے کیسے پکڑ کر رکھ لوں؟ کیا میرے پاس کوئی جادو ہے یار..... یا میں نوٹ چھاپنے کا کوئی کام کرتا ہوں؟'' میں سچ مچ جھلا گیا۔

''یہ تو..... کوئی بات نہ ہوئی کہ آپ ذرا ذرا سی بات پر غصے میں آ جائیں اور کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ آج کل شادی کتنی مشکلوں سے ہوتی ہے۔''

''میں نے تو کوئی شادی مشکلوں سے ہوتی نہیں دیکھی۔ تمہاری میری..... شادی کس قدر آسانی سے ہوگئی۔ ایک لڑکی نے ایک لڑکے کو پھنسایا اور جناب ہوگئی شادی۔'' میں نے تو یونہی مذاق میں کہا مگر رائمہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''ہرگز نہیں، شکل دیکھی ہے اپنی..... میں..... کیوں پٹانے لگی آپ کو۔ مجھے پاگل کتے نے کاٹا تھا؟''

''توبہ ہے، تم تو ہر بات کو دل پر لے لیتی ہو۔ میں تو مذاق کر رہا تھا بھئی!''

''مگر مجھے مذاق میں بھی ایسی باتیں پسند نہیں ہیں'' وہ روٹھے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میں نے کالج میں بھی بڑی صاف ستھری زندگی گزاری اور پھر جب ایک سال کے لیے امی نے گھر بٹھا لیا، تب بھی میں نے فرصت کے کوئی مشاغل تلاش نہیں کیے۔''

''فرصت کے مشاغل کیا مطلب؟''

''ہاں..... جیسے کچھ پتا تو نہیں ہوگا۔''

''واقعی، مجھے کچھ نہیں پتا۔ وہ جو میرا باس ہے نا، قسم سے اس میں یا تو ہٹلر کی روح گھس گئی ہے یا پھر وہ ضرور پچھلے جنم میں ہٹلر رہا ہوگا۔ اتنا کام وہ آفس میں لیتا ہے اور اس سے دگنا کام گھر کے لیے دے دیتا ہے یا ہوم ورک...'' میں نے سرد آہ بھری۔

''تو.....؟'' وہ ہنس پڑی۔ ''بس، بس مجھے یقین آ گیا، نوفل! میں نے اکثر لڑکیوں کو دیکھا ہے، وہ رانگ نمبر پر باتیں کر لیتی ہیں۔ ان کے لیے اس میں کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ ایک ایک وقت میں دو دو تین لڑکوں کو بے وقوف بنا لیں گی۔ کبھی کبھار باہر ملنے بھی چلی جائیں گی۔ نوفل! مجھے سمجھ میں نہیں آتا، یہ تفریح کے کون سے طریقے ہیں؟''

''تم کیا جانو رائمہ! جنہیں تم تفریح کہتی ہو، وہ کسی کے لیے تسکین کا ذریعہ ہوتے ہوں۔ قیمت تو ہر کوئی وصول کر رہا ہے۔'' مجھے یاسر سے وابستہ سارے فسانے یاد آ گئے۔

جب کالج سے میں بھی نیا نیا نکلا تھا تو کتنی ہی جگہوں پر یاسر کے ساتھ جا کر خوار ہوا کرتا تھا۔ وہ بیک وقت دو دو تین تین لڑکیوں کو بے وقوف بنایا کرتا تھا۔ جس وقت وہ قصے لے لے کر قصے سنا رہا ہوتا، میں صرف اس کی شکل دیکھا کرتا تھا۔ حالانکہ اس نے کتنی ہی دفعہ مجھے اس میں پڑ ڈالنے کی کوشش کی اور میرے لیے یہ کچھ مشکل بھی نہیں تھا۔ میں یاسر سے کہیں زیادہ ہینڈسم تھا لیکن اماں کی بات کام آ جاتی تھی۔ انہوں نے عورت کا کچھ ایسا نقشہ میرے ذہن میں بٹھا دیا تھا کہ نگاہ کبھی بھٹک ہی نہیں پاتی اور ہر اچھے کام کا کوئی نہ کوئی صلہ تو ہوتا ہے، رائمہ محبت میں مجھے اپنی کسی نیکی کا صلہ لگا کرتی تھی۔

میرے ذہن میں آیا کہ اسے یاسر کے بارے میں بتاؤں لیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اس کا دن رات کا آنا جانا پھر کچھ بھی سہی وہ میرا دوست تھا اور ایسی بات کیا میں خاموش ہو گیا۔ اسی وقت یاسر آ گیا۔

''بڑی عمر ہے تمہاری، ابھی میں تمہارے بارے ہی سوچ رہا تھا۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے'' وہ مسکرایا ''ہم سے اچھا تو ہمارا ذکر تھا۔ کیا ہوا بھابی، کچھ اسی قسم کا شعر تھا نا؟''

''بھئی، مجھے تو یاد نہیں، شعر و شاعری میرے سر پر سے گزر جاتی ہے۔'' رائمہ نے کہا۔

''ہاں اس معاملے میں تو یہ کوڑھ مغز ہے بلکہ سارے ہی معاملوں میں'' میں نے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔ وہ ایک دم سرخ پڑ گئی۔

اس وقت اس کے چہرے پر اتنے خوب صورت رنگ پھیلے کہ میں خود ایک لمحے کو مبہوت سا ہو گیا۔ پھر ایک دم مجھے یاد آیا کہ میں اکیلا نہیں ہوں کوئی اور بھی اس وقت موجود ہے میں ایک دم سیریس ہو گیا۔

''رائمہ! یار..... چائے تو پلاؤ۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''اُف، کتنی چائے پیتے ہیں۔ ابھی اتنا بڑا مگ ختم کیا ہے، اب ہرگز ایک گھنٹے سے پہلے نہیں ملے گی۔''

''ہاں نوفل یار! تو بھابی کو کتنی تکلیف دیتا ہے۔ بھئی، ہرگز نہیں بنائیے گا۔ اس کا بس چلے تو ہر وقت چائے کے سمندر ہی میں ڈوبا رہے۔''

''اچھا، بکو مت۔ یاسر کے لیے تو بناؤ گی نا'' میں نے بے چارگی سے کہا۔ رائمہ چپ چاپ اٹھ کر چائے بنانے چلی گئی



گھر کے ماحول میں جو ایک تناؤ شانی کے رشتے کی وجہ سے تھا، وہ ختم ہو کر نہیں دے رہا تھا۔ میں نے رائمہ اور اماں دونوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر دونوں ہی کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ رائمہ اور اماں، دونوں کا یہی کہنا تھا۔

''شانی کا رنگ کم ہے۔ ایسے میں ایک اچھے اور نیک آفیسر کا رشتہ آنا، کسی رحمت سے کم نہیں ہے۔''

اس بات سے تو میں خود بھی بخوبی آگاہ تھا کہ دو تین رشتے اسی وجہ سے واپس چلے گئے تھے کہ ان کے خیال میں لڑکی کی شکل و صورت کوئی خاص نہیں ہے اور مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی تھی، اصل میں اماں نے ہم دونوں کی تربیت میں بہت جان ماری کی تھی۔ میں تو پھر لڑکا تھا، جس میں تربیت اتنی نظر نہ آتی ہو لیکن شانی تو واقعی ہیرا

تھی۔ بہت خوب سیرت لڑکی تھی۔ نیک اور معصوم اطوار۔ جس کی سب سے بڑی خواہش ہی یہی تھی کہ اس کی وجہ سے کبھی اس کے گھر والوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اس کی واحد دوست صرف رائمہ تھی اور کہتے ہیں انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔ صرف شکل و صورت کو چھوڑ کر، وہ دونوں ایک دوسرے کا پرتو تھیں۔ ابھی بھی وہ شانی کے لیے ہی پریشان تھی جیسے شادی سے پہلے اپنی دوست کے لیے ہوتی تھی۔

''بس میں کچھ نہیں جانتی، آپ چاہیں تو میرا زیور لے لیں۔''

''فضول نہیں بکو۔'' میں نے اسے جھڑک دیا۔ ''چلو، ایک لاکھ تو میں آفس سے لون لے لوں گا۔ کچھ چیزیں اماں نے بنا کر رکھی ہوئی ہیں شاید مجھے تیس چالیس ہزار قرض لینا پڑے گا۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ میں کوشش کر کے چھ مہینے میں واپس کر دوں گا۔''

''دیکھا آپ نے'' وہ خوش ہو کر بولی ''آپ نیت تو اچھی رکھیں، کام تو اوپر والے نے ہی کرنا ہوتا ہے، بندے کو کیا کرنا ہے۔''

''اچھا، میری نیک بیوی، میں اس وقت وعظ سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو پھر کیا سننے کے موڈ میں ہیں؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔

''راگ درباری'' میں نے جل کر کہا۔

''راگ بھیرویں سنا دوں؟''

''خدا کے واسطے۔'' میں نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

سب سے زیادہ غصہ مجھے اس کے راگ بھیرویں پر آتا تھا، یہ نام بھی میں نے خود سے ہی رکھا تھا۔

ہوتا یہ تھا کہ کمرے میں خوابناک ماحول میں رائمہ نے ٹیپ پر کوئی خوبصورت سی غزل لگائی ہوتی، کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک اور اس کی چوڑیوں کی ہلکی سی کھنکھناہٹ اتنے خواب آگیں ماحول میں اسے اچانک یاد آجاتا اور وہ مجھے جھنجوڑ دیتی۔

''نوفل، آج ہفتہ بازار سے آپ کو پورے ہفتے کی سبزی لے کر آنی تھی، گھر میں نہ آلو ہیں..... اور نہ ہی اماں کے لیے ٹنڈے، لوکی وغیرہ۔''

''خدایا!'' میں جھنجلا کر رہ جاتا۔

''رائمہ! دیکھو، یہ ٹنڈے، لوکی پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ صبح ہی صبح تمہاری ساس کے لیے سب چیزیں لا دوں گا۔''

''لیکن صبح ہی صبح کون سی مارکیٹ کھل جاتی ہے اور اماں کو سبزی ناشتے ہی میں چاہئے ہوتی ہے'' وہ روہانسی ہو جاتی۔

''تو تم کیا چاہتی ہو، میں اس وقت جاؤں ہفتہ بازار اور ٹنڈے، لوکی لے کر آؤں۔'' میں بھنا جاتا۔

''تو اس میں حرج ہی کیا ہے، سنا ہے رات کو سبزیاں سستی مل جاتی ہیں۔'' وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولتی۔

''خاموش ہو جاؤ بالکل ایک لفظ نہیں بولنا..... کاش، ہفتہ بازار والے کچھ انسانی دماغ بھی بیچنے کے لیے رکھتے تو میں رات کو دو تین سستے سستے دماغ خرید کر لے آتا تمہارے لیے اور اس بھوسے والے دماغ میں فٹ کر دیتا۔''

''ایک تو نوفل، تمہیں ہر بات میں غصہ آجاتا ہے۔ میں نے شادی سے پہلے تمہارے جتنے نام رکھے تھے، یقین کرو، وہ سارے نام بالکل صحیح تھے۔ ہونہہ، ذرا کوئی بات کہی نہیں کہ بس، پھاڑ کھانے کو تیار۔ اب میاں بیوی رات کو بھی باتیں نہیں کریں گے تو کب کریں گے بھلا؟''

''باتیں..... یہ باتیں تھیں؟ ٹنڈے، توری، کدو'' میں نے دانستہ سبزیوں کا نام لیا۔

''افوہ!'' وہ جھنجلا جاتی ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آفس میں سارا وقت کیسے گزارتے ہو۔ تمہارے سر پر آخر ہر وقت رومانس کیوں سوار ہوتا ہے۔ انسان کو دنیا میں اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔''

یوں ہماری اکثر راتیں گزرتیں۔ دو آرزو میں کٹ گئیں۔ دو انتظار میں۔

♥

لڑکے والوں کو اوکے کر دیا تھا اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ مجھے آفس سے لون مل گیا تھا۔ صرف مجھے پچاس ہزار روپے کی ضرورت تھی۔ اس دن بھی پریشان بیٹھا ہوا تھا کہ یاسر آگیا۔

''کیا ہوا نوفل! خیریت تو ہے؟'' اس نے مجھے غور سے دیکھا۔

''خیریت، ہاں بس'' میں نے مبہم سا جواب دیا۔

''نہیں بتاؤ، کیا بات ہے؟'' وہ میرے سر ہو گیا۔

''کچھ نہیں یار، بس شانی کی شادی میں کچھ پیسے کم پڑ رہے ہیں۔''

''افوہ! بس اتنی سی بات۔'' اس نے اپنا والٹ کھولا۔ ''کہو تو چیک لکھ کر دے دوں یا پھر..... کریڈٹ کارڈ رکھ لو۔'' اس نے اپنا کریڈٹ کارڈ زبردستی مجھے تھما دیا۔

''میرا تو خیال ہے زیور وغیرہ تم اسی سے خرید لو۔''

''نہیں، نہیں، بس بھئی۔'' میں نے اس کا کریڈٹ کارڈ واپس کیا۔

''رکھ لو، نوفل! دوستوں میں اس قدر تکلف۔ یار، زندگی میں پہلی دفعہ تو تمہارے کام آسکا ہوں۔ ورنہ یہی لگتا آیا ہے کہ ساری زندگی تم ہی میرے کام آئے ہو۔''

''کون سے کام.....؟'' مجھے ہنسی آگئی ''وہ لڑکیوں والے؟''

''میرے اور تمہارے کٹنے کے چانس ایک جیسے ہوتے تھے۔''

''ہاں، اس صورت میں جب اندر سے ہیروئن کے ہوئے۔ اس کے اباجی نکل آئیں۔'' مجھے دو سال پرانی بات یاد کر کے ہنسی آگئی۔

''اور اس کام میں کتنی خواری ہے یاسر! اس سے تو اچھا کہ تم زندگی کو کسی اور طریقے سے اور کسی اچھی چیز کی جدوجہد میں یا کسی اور چیز کی لگن میں گزارتے۔''

''اپنے پاس کون سی ایسی چیز تھی نوفل! تمہارے پاس تو پھر.....''

''خواہ مخواہ میں..... میں شادی سے پہلے اسے ہرگز پسند نہیں کرتا تھا۔ کیوں، تمہیں میں نے یہ بات بتائی تھی کہ کس کہ اس آفت کی پرکالہ نے میرے کس قدر نام لیوا ہوئے ہیں۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی ''جس طرح کی جھوٹی محبت میں لڑکیوں سے کرتا تھا اور جس طرح لڑکیاں اپنی جھوٹی محبت کا خواب دکھا کر مجھے الو یا بے وقوف سمجھ کر لوٹا کرتی تھیں، اس سے کہیں زیادہ اچھی تو تمہاری اور رائمہ کی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔''

''اچھا مگر اس میں تمہیں کا ذکر کہاں سے آگیا۔ وہ اب بھی مجھ سے اسی رفتار سے لڑتی ہے۔ مثلاً اس رشتے کے لیے اس نے ٹھیک ٹھاک مجھ سے لڑائی کی ہے۔ میں بھی شانی کا بھائی ہوں اور خود میری بھی یہی خواہش تھی کہ اس کی شادی اچھی جگہ پر ہو لیکن ابھی تین مہینے پہلے تو اپنی شادی کے سارے اخراجات اٹھائے ہیں۔ اب ایک دم سے..... ہی'' میں نے گہری سانس لی۔

اصل میں..... مجھے اس سے قرض لینا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن اگر یہ نہیں کرتا تو رائمہ کے زیور کے ایک دو سیٹ نکالنے پڑ جاتے اور وہ بھی نئی دلہن تھی۔ مجھے

بے نظیر و بے مثال عطر۔ صد بہار

صدیوں پر محیط اطباء کے تجربات اور جدید سائنسی تحقیق نے ثابت کر دیا ہے خوشبو کی ایک لہر تھکے ہوئے انسانی ذہن کے لئے اکسیر ہے۔

صد بہار

عطر جس کی دلفریب خوشبو انتہائی فرحت بخش اور روح پرور ہے یہ بے مثال خوشبو دل و دماغ میں سکون اور تازگی کے احساس کے ساتھ زندگی میں نئے جوش اور ولولے کا باعث بنتی ہے صد بہار عطر قیمت 340 روپے معہ محصول خرچ ایک خط لکھ کر بذریعہ وی پی پارسل طلب فرمائیں۔

دوکاندار حضرات ہول سیل نرخ پر ہر قسم کی خوشبوعات ٹالکم پاؤڈر کے ڈبے گولڈن کیپ اسپرے کیپ پرفیوم بوتل حاصل کرنے کیلئے لکھیں۔

FAIRY PERFUMERS
پوسٹ بکس نمبر 2209 کراچی 74600

یہ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔

گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ میں اس وقت آفس سے آ کر بیٹھا تھا کہ رائمہ شور مچاتے ہوئے آ گئی۔

''میں نے ساری تیاری کر لی لیکن آپ کو نوفل! ذرا سا بھی میرا خیال نہیں ہے کہ مجھے چوڑیاں چاہئیں، میری ساری چوڑیاں ٹوٹ گئی ہیں۔''

''یار! کیا تمہارے ہاتھ لوہے کے ہیں یا چوڑیاں کھاتی ہو؟ کتنی چوڑیاں میں تمہیں لا کر دیتا ہوں۔''

''تو اب میں کیا آپ کو چوڑیوں کا حساب دوں'' اس نے منہ بسورا۔

''میں نے تمہیں رونے دھونے کے لیے نہیں کہا۔''

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ یاسر بھی آ گیا۔ کافی سے زیادہ کام بے چارہ وہی کر رہا تھا۔

اس کے والد کا اچھا خاصا بزنس تھا جس کو وہ نوکروں پر بھی چھوڑ کر آ جاتا تھا۔ میرے ساتھ تو ایک میرا آفس اور دوسرا میرا باس۔ خوشامد وغیرہ کرنا میری فطرت میں نہیں تھا اور جو بھی رپورٹ ہوتی، میں وہی اسے بتایا کرتا۔ جو چیز، کمپنی کے مفاد میں نہیں ہوتی، اس پر بھی میں اس سے بحث کرتا یا وہ کام ہونے ہی نہیں دیتا۔ بس یہی وجہ تھی کہ ٹائم ہی میرے پاس نہیں بچتا تھا اور یاسر ہی کام آ رہا تھا۔ اس وقت بھی اس نے فوراً رائمہ سے کہہ دیا۔

''چلیں، میں آپ کو طارق روڈ لیے چلتا ہوں وہاں سے چوڑیاں وغیرہ پسند کر لیجئے گا بلکہ جتنی دل چاہے۔''

''بس بھئی، ایسا غضب نہیں کرنا، ویسے ہی میرے کمرے میں جگہ نہیں ہے۔ اور جو جگہ بچ گئی ہے، اس میں پہلے ہی ہر قسم کی چوڑیاں ہیں۔ اب ان محترمہ کو اور پتا نہیں کون سی چوڑیاں چاہئیں۔''

''میچنگ کی چوڑیاں نوفل! اب میں شانی کی برات والے دن اپنی برات کا شرارہ پہنوں گی تو کیا اس کے ساتھ میں کالی چوڑیاں پہن لوں یا فیروزی.....''

''اُف..... پلیز! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں اسی لیے ذرا جلدی آ گیا تھا کہ آرام کر لوں گا۔ پلیز رائمہ! یاسر کے ساتھ ہی چلی جاؤ'' میرے کہنے کی دیر تھی کہ یاسر نے بھی فوراً اسٹینڈ پر رکھی اپنی کار کی چابی اٹھا لی۔

''چلیں جناب!'' وہ رائمہ کی طرف مڑا۔ کمرے میں ایک دم بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔

''نہیں یاسر! تم رہنے دو۔'' اس نے نرم لہجے میں منع کر دیا۔

''کیوں بھئی، آپ کو اعتبار نہیں ہے کیا؟''

''نہیں، ایسی بات نہیں'' رائمہ نے نفی میں سر ہلایا ''لیکن میں نہیں جا سکتی۔ بس اسے میری مجبوری سمجھ لو۔'' اس کا لہجہ ایک دم روڈ سا ہو گیا اور منع کرنے کے ساتھ ہی وہ ایک دم واپس مڑ گئی۔

مجھے برا لگا بلکہ بہت ہی برا لگا۔ ایک تو وہ میرا دوست تھا پھر اس نے ہر چیز میں ہر کام میں اتنی فراخ دلی دکھائی تھی اور رائمہ نے ایک منٹ میں مجھے شرمندہ کر کے رکھ دیا پھر میں نے ہی اس تکلیف دہ خاموشی کو دور کیا۔

''آئی ایم سوری لیکن میں نے تم کو بتایا تھا نا یاسر! وہ بس ایسی ہی ہے۔''

''وہ کیسی بھی سہی نوفل!'' اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیے۔ ''لیکن تمہاری زندگی کے راستے بہت روشن ہیں۔''

''اچھا، شاید یہ تمہارے اوپر ابھی ابھی وحی اتری ہے۔'' میں نے ہنس کر ماحول کا بوجھل پن دور کرنا چاہا۔

''جو چیز ماتھے پر لکھی ہوتی ہے، وہی مقدر ہوتی ہے۔''

رات کو میں رائمہ سے تھوڑا تھوڑا خفا تھا۔

''منہ کس لیے سوجا ہوا ہے؟'' اس نے شوخی سے میرا کندھا ہلایا۔

''مجھے تنگ نہیں کرو رائمہ!'' میں نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

''تو پھر اپنے منہ کا سائز صحیح کر لو۔'' اس نے اطمینان سے کہا۔

''تمہیں میری کیا پروا، تم تو اپنی مرضی کی آدمی ہو۔''

''میرے بالکل قریب آ کر
میری نگاہوں میں
اپنی روشن، چراغ
آنکھوں کی لو جلائے
سحاب لہجے میں
مجھ سے پہلی دفعہ یہ بولے
کہ ''ہو مبارک یہ عید تم کو''
تو دل میں ٹھنڈک رو سے
بج اٹھے تھے
اداس چہرے پہ
دشت جیسی میری نگاہوں میں
کچھ ایسی بادِ صبا چلی تھی
غروب ہو گئے تھے اسی پل
وجودِ جاں پہ اُگے ہوئے غم
دھنک سی چہرے پہ چھا گئی تھی
تو چاند دل میں طلوع ہوا تھا
ذرا سا شرما کے
مسکرا کے.....!
کہا تھا میں نے
کہ آپ کو بھی!

شاعرہ! شمیم فخر

☆☆☆

دیس سے دور رہنے والے تو
عید اپنی یونہی منائیں گے
عید کارڈوں کے سلسلے تو فراز
دوریوں کی گھٹن مٹائیں گے
پیار کا یہ حقیر سا تحفہ
یادِ ماضی اٹھا کے لائے گا
سات رنگوں کا یہ خوب صورت کاغذ
فاصلے سب مٹا کے لائے گا
جب یہ کاغذ کا حسین ٹکڑا
تیرے ہاتھوں کا لمس پائے گا
اجنبی دیس میں اداسی کا
سارا ماحول ٹوٹ جائے گا

رابعہ ناز، راجن پور

میرے آدمی کہنے پر بے ساختہ ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ کر گزر گئی۔

''تمہارا آئینہ اتنا شفاف کیوں ہے نوفل؟''

''یہ میری بات کا جواب ہے؟''

''ہاں!'' وہ میری آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی ''جن کی اپنی سوچ کا آئینہ شفاف ہوتا ہے نا، وہ تم جیسے لوگ ہوتے ہیں اور سوچ دھندلی ہو تو سارے عکس بھی دھندلا جاتے ہیں۔''

''میں جانتی ہوں، اس نے ہمیں پچاس ہزار روپے قرضہ دیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں..... سمجھ گئے نا نوفل!'' اس نے میری ناک کو دبایا۔

وہ اس وقت شام سے بالکل مختلف رائمہ لگ رہی تھی۔

اگلے دن میرے پہنچنے کے بعد یاسر بھی آ گیا۔ آج کل وہ شادی کے کاموں کی وجہ سے تقریباً روز ہی آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ اس لیے میں نے یاسر سے پوچھا ''تمہاری طبیعت صحیح نہیں ہے یا تم کچھ ڈسٹرب ہو، کیا مسئلہ ہے؟''

''یار! پتا نہیں کیا بات ہے، وہ ساری لڑکیاں ایک دم سے میرے دل سے اتر گئی ہیں۔ پتا نہیں، کیوں.....؟ وہ ساری لڑکیاں مجھے ایک جیسی لگنے لگی ہیں۔ بے شک وہ شکل و صورت میں ایک دوسرے سے ضرور مختلف ہوں گی لیکن..... لیکن ان کا اندر، ایک جیسا ہے۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میں نے پچھلے دنوں تمہیں ہوٹل میں دیکھا تھا۔ تم غالباً کسی ماڈل گرل کے ساتھ تھے اور وہ تو خاصی خوب صورت ماڈل گرل ہے اور غالباً میرڈ بھی.....''

''ہاں، اس سے بھی بس یونہی دوستی ہوگئی ہے۔''

میں اس سے کہنا چاہتا تھا کہ ہمارا مذہب اور معاشرہ دونوں ہی مرد اور عورت کی دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر یہ کہ ایک میرڈ عورت سے دوستی، چہ معنی دارد۔ لیکن پھر میں نے کچھ کہا نہیں پہلے میں نے جتنی نصیحتیں کی تھیں وہ کون سا اثر پذیر ہوگئی تھیں۔ اسی وقت شانی اور رائمہ بھی آ گئیں۔

''یاسر بھائی، کتنے دنوں بعد آپ فارغ ہو کر آئے ہیں۔'' شانی نے فوراً شکوہ کیا۔

''ان سے کچھ نہ کہو، یہ بہت مصروف ہوتے ہیں۔ رائمہ! چائے تو پلاؤ، یاسر آیا ہے۔'' پچھلی دفعہ کی بات میرے ذہن سے نکل چکی تھی۔

''نہیں بھئی'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''رائمہ بھابی، آپ بیٹھیں۔'' اس نے کرسی پیش کی۔

''نہیں نہیں، میں چائے بنا کر لے آتی ہوں۔ ورنہ یہ نوفل پھر غصہ ہوں گے۔''

''ارے بھابی، آپ اس کے غصے سے ڈرتی ہیں کیا؟'' یاسر نے سب کو باتوں میں الجھا لیا۔

''بھئی، ڈرنا تو پڑتا ہے۔'' رائمہ نے جز بز ہو کر کہا۔

''بالکل بھی نہیں ڈرا کریں۔''

''تم کیسے دوست ہو'' میں نے اس کی پیٹھ پر دھپ لگائی۔ ''دنیا میں کوئی ایک لڑکی تو نصیب میں ایسی آنی ہے جو تھوڑا بہت میرے رعب میں ہے اور تو اسے بھی ایسی پٹیاں پڑھا رہا ہے۔''

''ایک منٹ'' رائمہ نے ہاتھ اٹھا کر ہم دونوں کو خاموش کرا دیا ''میں ایک بات بتاؤں'' اس نے اپنے چہرے پر آئی سنہری لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے کہا ''یہ جو میاں بیوی کا رشتہ ہوتا ہے نا..... نہ یہ ڈرنے والا ہوتا ہے نہ ڈرانے والا۔ یہ تو بس اعتماد کا رشتہ ہوتا ہے۔ اعتبار کا بھرم ہوتا ہے، یہی باقی نہ رہے تو کون سا رشتہ، کیسا رشتہ۔'' وہ بول رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ صرف چہرے ہی حسین نہیں ہوتے، سوچیں بھی بندے کو حسین بنا دیتی ہیں۔

''چھوڑیئے بھابی! آپ بھی کس زمانے کی بات لے کر بیٹھ گئیں۔ آپ آج کل کے دور میں کسی ایک لڑکی کا بھی بتا دیں جو کرپٹ نہ ہو اور چلیں..... وہ تو لڑکیاں ہیں، میں میرڈ خواتین کی بات کرتا ہوں، وہ اگر ایک مسکراہٹ سے بھی اپنا کام نکلواتی ہیں تو آپ کو پتا ہے، ہمارے مذہب میں تو یہ بھی گناہ ہے۔''

''اصل میں ساری بات یہ ہے کہ ہمارے اندر سے حلال حرام کی تمیز ہی اٹھ گئی ہے۔ ہمارا مذہب تو یقین کریں، پہلے قدم پر ہی سارے راستے بند کر دیتا ہے اور ہم..... وہ پہلا قدم ہی بھول جاتے ہیں۔ پھر آگے کے راستے تو بہت آسان ہوتے ہیں۔ عورت کو تو حکم ہے کہ کسی مرد کے سوال کا جواب یا سلام کا جواب بھی کرخت انداز میں دے تاکہ مرد آواز کی خوب صورتی تک بھی نہ پہنچے۔ ہم میں سے کتنے لوگ یہ کام کرتے ہیں، ایک حصہ بھی نہیں۔''

کمرے کا ماحول ایک دم بوجھل ہو گیا۔ میں نے دونوں کو کمرے سے جانے کا اشارہ کیا اور یاسر کی طرف پلٹا۔

''خیریت تو ہے یاسر! آج تمہیں بہت مذہب یاد آ رہا ہے؟''

''ہم میں سے ہر ایک کو اپنا وقت پڑنے پر ہی مذہب یاد آتا ہے نوفل! تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں رائمہ جیسی لڑکی مل گئی اور..... اس لیے مل گئی کہ تم خود بھی تو اسی طرح تھے اور..... میں کہاں جاؤں؟ ممی میرے رشتے کی بات کر رہی ہیں اور میں خود جس طرح کا ہوں، کرپٹ اور عیاش... ہر لڑکی مجھے اپنی ہی طرح نظر آتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ ساری زندگی میں ایک لمحہ بھی سکون کا نہیں آئے گا۔ گناہ کرتے وقت شاید سب کچھ اچھا لگتا ہو لیکن اس کے اثرات دور..... بہت دور تک جاتے ہیں۔'' اس کے چہرے پر ایک کرب مسلسل تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا۔

''آپ جسے تفریح کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوں وہ..... دوسرے فریق کے لیے تسکین ہی کا ذریعہ نہ ہو اور عورت باعثِ تسکین ضرور ہے مگر صرف اپنے شوہر کے لیے اور گھر کے لیے۔''

☆☆☆

دہری عید

صفیہ سلطانہ

سفینہ آ ہی گیا ساحلِ مراد تلک
بڑھے وہ حوصلے طوفاں میں بادبانوں کے

بر انسان کی زندگی میں کچھ لمحات ایسے ضرور ہوتے ہیں جب دُعا کی قبولیت اُن کی زندگی کا دھارا بدل کر رکھ دیتی ہے اور زندگی خوشیوں سے بھر جاتی ہے۔

سجاد نے اناٹومی کی بھاری بھرکم کتاب بند کی، ٹیبل لیمپ آف کیا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ چار گھنٹے مسلسل مطالعہ کرتے ہوئے بھی عطرت اسے کئی بار یاد آئی تھی۔

عطرت..... کیا میں تمہیں پا سکوں گا؟ اگر نہیں تو یوں لگتا ہے جیسے دل کی دھڑکن رک جائے گی اور اگر ہاں..... تو کئی برسوں کی مسافت باقی ہے ابھی۔ اونہہ نہ جانے کیوں ہیں یہ رسم و رواج؟ میں اس کی موجودگی میں بھی تو پڑھ سکتا ہوں۔ کون سی وہ بھوکوں مر جائے گی؟ کیا کمی ہے یہاں؟ اتنی بڑی کوٹھی۔ پاپا کا اس قدر بینک بیلنس اور مسلسل ترقی کرتا ہوا بزنس پھر حماد بھائی جو پاپا کے کاروبار میں چار چاند لگاتے جا رہے ہیں اور..... اور عطرت کی باجی کی رفاقت کا سکھ بھی اٹھاتے ہیں۔

آہ! کتنی اچھی قسمت ہے بھائی کی اور ایک میں؟ ماما کی ضد کہ پہلے کچھ بنو۔ اونہہ! وہ دیر تک خود سے باتیں کرتا رہا۔ اچانک لائٹ آن ہوگئی ''مائی ڈیئر سن! تم سوئے نہیں؟ کیا اندھیرے میں پڑھتے ہو؟ اور وہ بھی بہ آواز بلند؟'' مسز شیرازی نے کہا۔

''اوہ ماما! آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟ میں پڑھ ہی رہا تھا۔'' سجاد کی آواز میں اداسی گھلی ہوئی تھی۔

''بیٹے تم کچھ پریشان لگ رہے ہو مجھے؟'' وہ فکرمندی سے بولیں۔

''جی..... جی نہیں ماما..... مم..... میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ آئی ایم او کے ماما! آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ گھبرا گیا۔

''اب مجھے نیند نہیں آسکے گی۔ بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟'' وہ سجاد کے پاس آ کھڑی ہوئیں اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

''وہ..... ماما..... کل پارٹی تھی نا..... تو.....'' وہ رک گیا۔

''ہاں تھی پھر کیا ہوا؟ تم کل بھی خاموش تھے آخر مسئلہ کیا ہے؟''

''ماما مجھے عطرت اچھی لگتی ہے، بہت..... بہت، بہت زیادہ..... اور..... اور میں اس کے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔'' وہ ایک دم سبھی کچھ بول گیا۔

''اچھا! تو یہ بات تھی۔'' انہوں نے مسکرا کر لمبی سی سکون کی سانس لی۔

''جی ماما.....!'' وہ سوالیہ نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں تو ایسی کون سی مشکل بات ہے؟ میں اپنے بیٹے کے لیے مشکل سے مشکل کام کر سکتی ہوں۔ یہ تو پھر آسان سی بات ہے، عطرت بھی ثروت کی طرح خوش مزاج اور سلجھی ہوئی بچی ہے۔ تمیزدار اور خوب صورت بھی مگر بیٹے ہتھیلی پہ سرسوں تو نہیں جمائی جا سکتی نا؟ ہاں مگر میں جلد ہی تمہاری انگیجمنٹ کر دوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے دھیرے دھیرے بول رہی تھیں۔ سجاد نے گھبرا کر چور نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جو اس کی خود کلامیاں سب کی سب سن چکی تھیں۔

''او کے ماما!'' وہ آہستہ سے بولا۔

''بیٹے تم یکسوئی سے تعلیم مکمل کر لو گے تو میں عطرت کو فوراً ہی دلہن بنا کر گھر لے آؤں گی۔ میرا وعدہ ہے تم سے۔ جلد بازی اچھی نہیں ہوتی، تمہیں تعلیم میں بہت رکاوٹ پیش آئے گی۔'' وہ سمجھانے لگیں۔

''آپ..... ٹھیک کہتی ہیں۔'' وہ خود پہ جبر کر کے بولا۔

''اب اپنا موڈ خوشگوار کر لو۔ میں کل ہی ثروت سے بات کرتی ہوں۔'' مسز شیرازی نے اپنے بیٹے کو مطمئن کرنے کے لیے تسلی دی اور سجاد خوشی خوشی سونے کی تیاری کرنے لگا۔

اگلے روز وعدے کے مطابق مسز شیرازی نے اپنی بہو سے سجاد کے لیے عطرت کے رشتے کی بات کر ڈالی۔ ثروت کے چہرے پہ گہری اداسی چھا گئی۔ وہ خاموشی سے اپنی ساس کو دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا ہو گیا بیٹی؟ کیا تم ہمارے گھر میں خوش نہیں ہو؟ کیا تمہیں ہم سے کوئی تکلیف پہنچی ہے کبھی؟ میرا خیال ہے کہ ان چار برسوں میں میری پوری کوشش رہی ہے کہ.....''

''ماما پلیز آپ دکھی نہ ہوں اور..... مجھے شرمندہ نہ

کریں۔ آپ نے مجھے میرے گھر والوں سے بڑھ کر پیار دیا ہے عزت دی ہے۔ میں تو اس لیے اداس ہوگئی ہوں کہ رات کو امی کا فون آیا تھا اور..... عطرت کا رشتہ.....'' ثروت چپ ہوگئی۔

''کیا تمہاری ماں نے اتنا بڑا قدم تمہاری رائے کے بغیر اٹھا لیا؟'' مسز شیرازی نے غصے اور حیرت سے کہا۔

''نہیں ماما! ایکچولی کل ہی انگلینڈ سے تایا جان کا فون آیا اور انہوں نے چند منٹ میں..... بابا سے..... زبردستی ہاں کروالی۔ حد تو یہ ہے کہ عطرت سے بھی اس کی رائے معلوم نہیں کی گئی۔ تایا جان کا بیٹا بقول تایا جان کے عطرت کے بغیر مر رہا ہے!'' ثروت بے حد دکھی تھی۔

''اور میرا بیٹا؟'' مسز شیرازی کے لہجے میں تلخی در آئی تو ثروت نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''مم..... مگر ماما..... سجاد نے مجھ سے تو کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی؟'' ثروت نے حیرانی سے کہا۔

''یہی تو اس میں خامی ہے اور میں اس کے مزاج سے واقف ہوں۔ وہ زندگی میں کبھی کبھار ہی کچھ مانگتا ہے پھر نہ ملے تو..... ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔'' مسز شیرازی شکستہ لہجے میں بولیں۔

''ماما، سجاد اس قدر اچھا ہے کہ اس کی دلہن بننے والی کوئی خوش قسمت ترین لڑکی ہوگی۔ کاش وہ عطرت ہی ہو مگر وہاں عفان پہ دیوانگی طاری ہے اور اگر بابا ہماری خوشیوں کی خاطر تایا جان کو منع کر دیں تو..... ان دونوں بہنوں کی..... رشتے داری.....'' ثروت غم زدہ ہو کر بولی۔ وہ بری طرح پھنس گئی تھی۔

''تم بات تو کر کے دیکھو، حماد اور سجاد ہی تو میری کل کائنات ہیں۔ ندا تو مجھ سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئی ہے۔'' وہ اپنی مرحومہ بیٹی کو یاد کر کے رونے لگیں۔

''ماما آپ فکر نہ کریں، میں گھر میں بات کرتی ہوں۔'' ثروت اپنی ساس کے آنسو پونچھنے لگی۔

وہ نہ ہو سکا جو ثروت چاہتی تھی اور دو ماہ بعد ہی عطرت عفان کی دلہن بن کر انگلینڈ چلی گئی۔ سجاد بکھر کر رہ گیا تھا۔

ثروت خواہ مخواہ مجرم بن گئی تھی مگر اس نے مسلسل توجہ دے کر سجاد کی اسٹڈیز مکمل کرنے میں سب سے بنیادی کردار ادا کیا۔

وہ ہر برس کی ابتدا پر سجاد سے گھر بسا لینے کی بات کرتی مگر سجاد اسے بڑی آسانی سے ٹال دیتا ''ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں۔'' جب اس کا ہاؤس جاب مکمل ہوا تو ثروت نے اسے گھیر لیا۔

''سجاد! اب تم پڑھ نہیں رہے ہو۔ ماضی میں کب تک جیو گے؟ تقدیر کا لکھا مٹایا نہیں جا سکتا میری خاطر ماما کی خوشیوں کی خاطر اپنی ضد توڑ دو، پلیز!'' ثروت جو اِک ناکردہ جرم کے احساس تلے ناحق پستی رہی تھی سجاد سے التجائیں کرنے لگی۔

''بھابی، یوں تو نہ کیجیے؟ مجھے شرمندہ نہ کریں پلیز!'' وہ مضطرب ہوگیا۔

''پھر..... ہم خود دیکھ لیں تمہاری دلہن؟'' وہ خوش ہوگئی ''دیکھو سجاد! اب تو تمہارا بھتیجا عمیر بھی تمہاری شادی کے بارے میں پوچھنے لگا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اچھا! مجھے ذرا سا وقت دیں۔ سنبھلنے تو دیں مجھے۔'' وہ بولا۔

''کب تک سنبھلو گے۔ کئی سال سے سنبھل رہے ہو اب بس کر دو۔ مجھے اس احساسِ جرم سے نجات دلا دو کہ میں تمہاری خوشی تمہیں نہ دے سکی۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''او کے، او کے بھابی! بس ایک سال..... ایک سال پورا ہو گیا اور میں نے کوئی دھماکا نہ کیا تو دھماکا آپ کر لیجیے گا، خوش!''

''چلو، یوں سہی۔'' وہ نیم دلی سے بولی۔

''بھابی!'' سجاد نے اداس لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''ہوں؟'' وہ چونک کر بولی۔

''بھابی..... وہ..... عطرت..... خوش تو ہے نا؟'' سجاد نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا کرو گے پوچھ کر؟'' وہ رو دینے کے انداز میں بولی۔

''لگتا ہے..... کہ..... عفان کو آ بگینے سنبھالنے نہیں آتے؟'' وہ زخم خوردہ لہجے میں بولا ''میں نے ماما سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنی ہیں بھابی۔''

''ماما کو تمہیں یہ سب نہیں بتانا چاہیے تھا۔ میں نے تو اسی لیے تم سے کبھی کچھ نہیں کہا کہ تم اور زیادہ رنجیدہ ہوگے۔''

''پھر بھابی۔ عطرت کیوں اس جہنم میں رہ رہی ہے؟'' وہ پھٹ پڑا۔

''بیٹی ہے اس کی..... پانچ سالہ روزی..... پھر وہ کیا کرسکتی ہے؟''

''وہی جو اِک سمجھ دار عورت کو کرنا چاہیے۔'' سجاد نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''آگے پھر..... اس کا کیا مستقبل ہوگا؟ کیا گارنٹی دی جاسکتی ہے کہ کوئی اور مرد عطرت کو خوشیاں دے سکے؟''

''اور..... کیا ضروری ہے کہ تصویر کا تاریک رخ ہی دیکھا جائے؟'' وہ تیکھے لہجے میں بولا۔

''تم بہت سچے اور باوفا شخص ہو سجاد..... مگر ہم قیاس اور گمان یا اندازوں کی نہیں حقائق کی دنیا میں رہتے ہیں۔'' وہ دکھی ہو کر بولی۔

''جیسی آپ کی مرضی!'' وہ اداسی سے بولا اور جانے کے لیے پلٹ گیا۔ ثروت اسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ آہ! عطرت..... کاش عطرت کو اچھی قسمت بھی مل جاتی۔ وہ سوچنے لگی اور سجاد مردہ قدم اٹھاتے ہوئے مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ کاش عطرت اب بھی اسے مل جاتی؟

''چھ ماہ گزر گئے ہیں۔'' اِک دن ڈنر کے دوران ثروت نے مسکرا کر سجاد سے کہا۔

''میں ان اشاروں کی گفتگو کو بخوبی سمجھ رہا ہوں۔'' حماد نے قہقہہ لگایا۔

''بھائی! اس لیے کہ بھابی ہر بات آپ کو بتا دیتی ہیں۔'' سجاد نے مصنوعی خفگی سے بھابی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ارے سجاد نہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب! دیکھیے نا سال بھر کی شرط شادی کے لیے ہے منگنی کے لیے تو ہے نہیں اور بہت دن سے کوئی تقریب نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہی تقریب کر ڈالتے ہیں، کیوں ماما؟ آپ کی کیا رائے ہے؟'' حماد بولا۔

''اسی سے پوچھا کرو۔ یہ لڑکا مجھے بہت دکھ دیتا ہے۔'' وہ ناراض تھیں۔

''اوں ہوں، میرے بیٹے سے ایسا سلوک نہ کرو، وہ کھانا چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔'' شیرازی صاحب نے کہا تو سب ہنسنے لگے۔

''یار! ہمیں دیکھو، یہ نہیں ملی تو ثروت مل گئی، ہم کتنے خوش ہیں۔ تمہیں عطرت نہیں ملی تو کوئی فطرت تلاش کرلو۔'' حماد منہ پھاڑ کر ہنسنے لگا۔

''اونہہ! بھونڈے قہقہے۔'' سجاد بڑبڑا کر ٹیبل سے اٹھنے لگا۔

''دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا یہ داک آؤٹ کر جائے گا؟ یار تو بے شک کنوارا رہ مگر کھانا کھالیا کر۔'' شیرازی صاحب شگفتہ لہجے میں بولے اور بیٹے کو ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھالیا ''اب خبردار جو کسی نے اس سے کسی ''ممنوعہ موضوع'' پر بات کی۔'' وہ بولے تو ایک مرتبہ پھر قہقہہ پڑا۔

''اڑا لیجیے جی بھر کے میرا مذاق اور جب جی چاہے یہ قربانی کا بکرا سجا لیجیے' میری طرف سے اجازت ہے۔''

''چاچو زندہ باد! واہ مزہ آگیا۔'' عمیر نے چھت پھاڑ دینے والا نعرہ لگایا اور ننھی ثمیہ نے چیخ پھینک کر رونا شروع کردیا۔

''یہ تم خوش ہو رہے ہو یا اس ظلم پر احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہو؟ دیکھو ثمیہ رو رہی ہے۔'' سجاد نے پھیکی ہنسی کے ساتھ کہا۔

''آج تو بس مزہ ہی آگیا۔ پاپا میرا دوست سلیم ہے نا، اس کی چھوٹی بہن اِرج بھی ڈاکٹر ہے، بہت اچھی لڑکی ہے اگر ماما اور آپ کی اجازت ہو تو کچھ سلسلہ شروع کیا جائے؟'' حماد بے تابی سے بولا۔

''ارے رے رے..... ٹھہرو پرا پر چینل! ماما سے پوچھو پہلے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی عقابی نگاہ نے کوئی خوب صورت سچا موتی ڈھونڈ رکھا ہو؟'' شیرازی صاحب نے۔

''نہیں جی، مجھے تو سجاد ہمیشہ مایوس کردیتا ہے' اب میں کسی لڑکی کو نہیں دیکھتی غور سے۔'' مسز شیرازی نے بیزاری سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ اِرج کو دیکھنے چلیں گی؟'' حماد بولا۔

''اچھا جی، یعنی جال پہلے ہی سے بچھا لیا گیا تھا۔ یہ سب بھابی کا کیا دھرا ہے ورنہ بھائی کو میں جانتا ہوں اچھی طرح۔'' سجاد نے برا سا منہ بنایا۔

''دیکھنا تم بہت خوش رہوگے۔'' ثروت چہکنے لگی۔

''دادی جان عید پہ شادی ہوگی، ہے نا؟'' عمیر نے بلند آواز سے کہا۔

''نہیں کل کرلو۔'' سجاد چڑ کر بولا۔

''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو یہ بھی ممکن ہے۔'' حماد ہنس پڑا۔

''چھ ماہ سے پہلے یہ نہیں ہوگا اور عید میں صرف تین ماہ رہ گئے ہیں۔''

''اچھا عید پہ منگنی تو ہوسکتی ہے نا بڑا مزہ آئے گا۔ میں خالہ جانی کو بتا کر آتا ہوں۔'' عمیر فون کی طرف دوڑ پڑا۔

''کتنی محبت ہے اسے اپنی خالہ سے، بھئی تم لوگ سے آج ضرور ملوا لانا' میرا سر کھا رہا ہے کل سے۔'' شیرازی صاحب نے کہا۔

''کس سے.....؟ کس سے ملوا لانا؟'' سجاد نے حیرت سے کہا۔

''ارے بھئی وہ عطرت پاکستان آئی ہے نا۔'' شیرازی صاحب بولے۔

''کک..... کیا..... وہ..... وہ اکیلی..... میرا مطلب ہے کہ وہ کتنے دن کے لیے آئی ہے؟'' سجاد نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

''وہ ایک دن کے لیے آئی ہو یا ہمیشہ کے لیے۔ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟'' مسز شیرازی نے اتنے سخت اور توہین آمیز لہجے میں کہا کہ ثروت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ عمیر اور حماد بھی اٹھ گئے۔

''ماما، آپ کو یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' سجاد نے شاکی لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔ وہ ہمیشہ کے لیے آگئی ہے۔ اس کے شوہر نے اسے اس کی بچی سمیت نکال دیا ہے۔ سن لیا تم نے! اور تم اب مجھ سے کوئی بچکانہ اور احمقانہ مطالبہ نہیں کروگے۔''

''پاپا پلیز ہیلپ می! پاپا آپ تو جانتے ہیں نا..... کہ.....'' سجاد نے زخمی لہجے میں باپ کو مخاطب کیا۔

''ہاں جانتا ہوں..... اور یہ محترمہ مجھ سے زیادہ تمہیں جانتی ہیں۔'' شیرازی صاحب نے ناراضگی سے بیوی کی طرف دیکھا۔

''آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے میں ہی غلطی پر ہوں؟ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ پاگل لڑکا اب کیا کہے گا؟''

''معلوم ہے، اسی لیے میں نے یہ تذکرہ چھیڑا تھا۔'' شیرازی صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تو کیا.....؟ کیا میں اپنے خوب رُو اسمارٹ کنوارے بیٹے کے لیے ایک بچے کی ماں کو لے آؤں جس کی شکل وصورت بھی نہیں رہی ہے۔'' مسز شیرازی نے تعجب سے کہا۔

''ماما وہ ایک بچی کی ماں ہے، آپ تو یوں خوف زدہ ہو رہی ہیں جیسے وہ کسی درندے کی بھیانک ماں ہو؟'' سجاد نے حیرانی سے کہا۔

''زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ لفاظی پسند نہیں ہے مجھے اور نہ وہ عورت..... عطرت!''

''ماما، اس سے نفرت تو نہ کیجیے۔'' سجاد تڑپ اٹھا۔

''یو شٹ اپ! مجھ سے اب یہ تذکرہ نہ ہو ورنہ میں یہ گھر چھوڑ جاؤں گی۔'' وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ماما..... آپ تو کہتی تھیں کہ..... کہ میری خوشی کے لیے آپ کچھ بھی کرسکتی ہیں؟'' سجاد نے التجا کی۔

''اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں تمہارے ہر پاگل پن میں تمہارا ساتھ دوں۔'' وہ چیخ کر بولیں اور پیر پٹختی

ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

''سجاد! تھوڑی سی سمجھ داری سے کام لو اور کچھ عرصے خاموشی اختیار کرلو۔ تمہاری ماما دراصل ہندو رسم و رواج کی قیدی ہیں۔ لوگوں کی فکر انہیں کھائے جاتی ہے مگر..... سمجھ جائیں گی۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''میں بھابی کو دیکھ کر آتا ہوں پاپا۔'' سجاد ثروت کی دل جوئی کرنے چلا گیا۔ ثروت کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ بے حد اداس تھی۔

''بھابی میں اندازہ کرسکتا ہوں کہ اس وقت آپ کے دل کی کیا حالت ہوگی مگر میں نے بھی فیصلہ کرلیا ہے کہ عطرت سے ہی شادی کروں گا۔''

''کیا.....! یہ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ثروت کے اوپر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ''مگر سجاد یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیا..... عطرت کو اعتراض ہوگا؟'' سجاد نے کہا۔

''نن..... نہیں..... مگر..... مگر ماما کو.....''

''آپ صرف حماد بھائی کو سنبھالیے میں ماما کو خود سنبھال لوں گا۔''

''کیا واقعی ایسا ممکن ہے؟'' ثروت نے بے یقینی سے کہا ''اور روزی بھی تو ہے۔''

''روزی کے آنے سے ہمارا گھر چھوٹا تو نہیں پڑ جائے گا؟ اور میں رسموں کا قیدی نہیں ہوں، یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں بھابی۔ عید پر میری منگنی ہے میری طرف سے ایک ایسی انگوٹھی خرید لایئے جیسی کبھی کسی نے کسی کو نہ پہنائی ہو۔'' سجاد بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ ثروت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''پھر کتنے کا چیک لکھ دوں؟'' سجاد بھی مسکرا دیا۔

''ابھی لے آؤں؟''

''نہیں بس عید سے دو چار دن پہلے اور ہاں، پاپا نے کہا ہے کہ ابھی اس معاملے کو سرد رہنے دیں، ہم تینوں مل کر اچانک فتح کا جھنڈا لہرا دیں گے۔'' سجاد ہنستے ہوئے بولا۔

''تینوں نہیں چاروں۔ میرا خیال ہے کہ حماد کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا، وہ بہت کھلے ذہن کے انسان ہیں۔'' ثروت بے انتہا خوش تھی۔

حماد نے ثروت کے اندازے کے عین مطابق اس معاملے پہ خوشی کا اظہار کردیا۔

رمضان کی آمد پر عمیر نے اعلان کردیا ''دادا ابو اس مرتبہ میں بھی سب کی طرح روزے رکھوں گا اور پوری تراویح پڑھنے جایا کروں گا۔''

''ارے بیٹے ابھی تو تم چھوٹے ہو۔'' مسز شیرازی نے گھبرا کر کہا۔

''نہیں دادی جان، عاطف، عامر اور عدنان سب میرے برابر ہیں سب روزہ رکھیں گے۔'' وہ پُرجوش لہجے میں بولا۔

''اچھا بیٹے یوں کرتے ہیں کہ..... پہلے تو روزہ کشائی ہوتی ہے نا؟ وہ کریں گے پھر روزے رکھنا۔'' شیرازی صاحب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کب پہلے روزے کو؟''

''نہیں جناب پچیسویں روزے کو۔ ورنہ ہم آپ کو کوئی روزہ بھی نہیں رکھنے دیں گے۔'' شیرازی صاحب نے مزے سے کہا۔

''ڈیڈی! میری مدد کریں.... دیکھیں دادا ابو کیا کہہ رہے ہیں؟'' عمیر چیخا۔

''نہیں بیٹے! پاپا مجھے ماریں گے۔'' حماد نے مزے سے جواب دیا۔

''اب یوں کرو کہ جیسے دادا ابو کہہ رہے ہیں ویسے ہی کرلو۔'' مسز شیرازی بولیں۔

''اور اپنی دادی کو بھی یہ بات سمجھاؤ۔'' شیرازی صاحب کھل کر ہنسنے لگے۔

''میں آپ کی کیا بات نہیں مانتی؟'' وہ خفا ہوگئیں۔

''سوچیے۔ خود ہی یاد آجائے گا آپ کو۔''

''یقیناً وہ کوئی بے سروپا بات ہوگی نہ ماننے جانے کے قابل۔'' وہ اشارہ سمجھ کر بولیں۔

''بھئی ہمارے سب بچے اور بچوں کے بچے بھی گواہ ہیں کہ ہم بے سروپا باتیں نہیں کرتے۔'' وہ اطمینان سے بولے۔

رمضان کے چوبیس مبارک دن گزر گئے اور عمیر کی

روزہ کشائی کے سلسلے میں ایک بہت بڑی تقریب منعقد کی گئی۔ عمیر بے حد خوش تھا۔ اس نے نہایت سنجیدگی سے روزہ رکھا اور ڈھنگ سے ساری نمازیں بھی ادا کیں۔

پُرتکلف تقریب اختتام پذیر تھی۔ سجاد کو کچھ فرصت نصیب ہوئی تو وہ عطرت کی طرف چلا آیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' سجاد نے مسکرا کر کہا۔

''ٹھیک ہوں۔''

''عطرت..... عطر سے نکلا ہوگا؟'' اس نے یونہی بات شروع کی اور اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''میرے حوالے سے تو یہ مطلب ہی غلط ہے۔'' عطرت نے گھبرا کر کہا۔

''یہ آپ کا خیال ہے لگ تو ایسا نہیں رہا۔ ہم تو یہ بھی سن رہے تھے کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے؟'' وہ شوخی سے بولا۔

''مگر میں حقیقت کی دنیا میں رہتی ہوں اور.....'' وہ چپ ہوگئی۔

''پھر حقیقت کیا ہے؟'' سجاد نے اداسی سے کہا۔ اسی لمحے روزی ماں کو آواز دیتی ہوئی قریب آ کھڑی ہوئی۔

''یہ..... یہ حقیقت ہے۔ اسے میں کس پہ چھوڑوں گی؟'' عطرت نے کہا اور بچی کے سنہرے بالوں کو اپنی انگلیوں سے سلجھانے لگی۔

''مجھ پہ!'' سجاد نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''اگر تم بدل گئے؟'' وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

''اب تک تو نہیں بدلا۔ بدلنا ہوتا تو آٹھ برس کم نہیں ہوتے۔'' وہ چڑ گیا۔

''گھر میں..... اور بھی تو..... لوگ ہیں۔'' وہ اٹکتے ہوئے بولی۔

''صرف میری بات کرو۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ''میں جلد ہی تمہارے لیے انگوٹھی لا رہا ہوں۔ عید کے دن۔''

''اچھا! کیا ماما نے اجازت دے دی ہے؟ وہ..... وہ تمہارا گھر چھوڑ کر چلی جائیں گی۔''

''نہیں، وہ تمہیں لانے کے لیے کچھ دیر کو گھر چھوڑیں گی۔'' سجاد مسکرا دیا۔

''شیرازی! تم دیکھ رہے ہو اپنے بیٹے کو؟'' مسز شیرازی نے غصے سے کہا۔

''ہاں نظر تو آرہا ہے عینک سے کیا صاف نہیں نظر آرہا؟ تو پھر میں دوربین لے آتا ہوں؟'' وہ مزاحاً بولے۔

''آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا رہتا ہے۔ کب سے وہ اسی کے ساتھ کھڑا ہے۔'' مسز شیرازی دانت پیسنے لگیں۔

''ایک وقت تھا کہ آپ اس لڑکی پہ جان چھڑکتی تھیں اب کیا ہوگیا؟''

''اب وہ لڑکی نہیں ہے ایک بچی کی ماں ہے۔'' وہ غصے سے بولیں۔

''بچی کی ماں ہونا قابلِ تعزیر جرم ہے کیا؟ کیا ہوجاتا ہے آپ کو؟ جایئے مہمانوں کو دیکھیے۔'' پھر شیرازی صاحب نے ناگوار لہجے میں کہا ''سنیے بیگم! پھولوں سے اگر فطری انداز سے تتلی اور بھونرے رس لیتے ہیں تو نہ ان پھولوں پہ داغ آتے ہیں نہ ان کی خوشبو اور رنگ اڑتے ہیں نہ ہی وہ بکھرتے ہیں۔ آپ کیسی عورت ہیں؟ مجھے آپ پر حیرت ہوتی ہے۔ اگر عورت ہو کر عورت کی عزت نہیں کرسکتیں تو بیٹے کی خواہشات کا ہی پاس کیجیے۔'' وہ ناگواری سے بولے۔

''آپ مجھے لیکچر نہ دیں، مہمان سن لیں گے۔'' وہ پیر پٹختی ہوئی وہاں سے ہٹ گئیں۔

تھکن اور کوفت کی وجہ سے مسز شیرازی کا جسم ٹوٹ

تیرہ دسمبر ہے
بھیگی بھیگی سی
یہ تنہائی ہے
اب کتابوں میں
جی نہیں لگتا
مجھ کو سانول کی یاد
آئی ہے۔

گڑیا ملک، کوئٹہ

رہا تھا، وہ بستر پہ نیم دراز حالت میں لیٹی تھیں۔ عمیر دوڑتا ہوا آیا ''دادی! دادی! چاچا خالہ جانی کے لیے ایسی پیاری انگوٹھی لائے ہیں، کہہ رہے تھے کہ دادی جان عید پر یہ انگوٹھی خالہ جانی کو پہنائیں گی اور پھر خالہ ہماری چاچی بن جائیں گی۔ سچ سچ دادی جان؟''

''بیٹے اگر خالہ جانی یہاں آئیں گی تو دادی یہاں سے چلی جائیں گی۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔

''کدھر!'' عمیر نے حیرت سے کہا۔

''اسلام آباد! اپنے بھائی کے گھر۔'' مسز شیرازی نے مختصراً کہا۔

''اوہ! یہ بہت بُری بات ہوجائے گی۔ میں..... میں دادا کو بتاتا ہوں۔'' عمیر دوڑ پڑا۔

اگلے روز واقعی مسز شیرازی نے اپنا سامان پیک کرنا شروع کردیا۔ اگلے روز کے لیے خاموشی سے انہوں نے اپنی سیٹ کنفرم کرالی تھی اور اگلی صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

''ماما! آپ جارہی ہیں؟'' سجاد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''ہاں!'' وہ ناراضگی سے بولیں۔

''آپ نہیں جائیں گی۔'' سجاد نے جھٹکے سے اٹیچی کیس بند کردیا۔

''تم کون ہوتے ہو مجھے روکنے والے؟ ہٹ جاؤ!''

''ماما! آپ جیت گئیں، میں ہار گیا۔ آپ اِرج کو لے آیئے مگر یہ سجاد کبھی آپ کو نہیں مل سکے گا..... اور..... اور یہ سجاد اپنی ماما کو کہیں نہیں جانے دے گا۔'' وہ بولا۔

''تت..... تم..... تم..... کیا کرو گے؟'' وہ گھبرا گئیں۔

''کچھ بھی نہیں ماما! اِک زندہ لاش آپ کے اصولوں پہ عمل کرے گی۔'' وہ غمزدہ ہوکر بولا تو مسز شیرازی کا دل بھر آیا۔

''مما سامان واپس رکھوا لیجیے۔'' یہ کہہ کر سجاد کمرے سے باہر نکل گیا۔

''تم میرے بیٹے کو..... مار دو گی۔'' شیرازی صاحب نفرت سے بولے۔ ''وہ..... عطرت کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔ اگر خدا نے اس اتفاق کے ذریعے ان دونوں کو ملا دینے کا موقع فراہم کردیا ہے تو تم رکاوٹ بن گئی ہو۔''

''شیرازی..... تم..... تم ٹھیک کہتے ہو مگر..... لوگ کہیں گے کہ..... انہیں کوئی اور لڑکی نہیں ملی؟'' وہ بے بسی سے بولیں۔

''خوب! لوگوں کی خاطر تم اس گھر کی خوشیاں برباد کردو۔ لوگ ہمیں کیا دیتے ہیں؟'' وہ دانت پیستے ہوئے بولے۔

☆☆☆

سجاد نے سحر و افطار میں بھی کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ چاند رات آئی تو مسز شیرازی نے اپنی بہو کو بلایا۔ ثروت بے حد اداس تھی۔

''بیٹی مجھے معاف کردو۔ میری طرف سے عطرت اور اپنے والدین سے بھی کہنا کہ وہ میرے رویے سے..... درگزر کردیں اور ہمیں کل اپنے گھر آنے دیں، منگنی کے لیے۔''

چاند رات..... پوری رات عید کے ساتھ ساتھ منگنی کی شاپنگ میں بھی گزاری گئی۔ گھر کی اداسی و ویرانی خوشیوں میں بدل گئی تھی۔ سجاد فون پر عطرت سے کہہ رہا تھا ''کل آرہا ہوں میں تمہارے لیے بہت سی سرخ سنہری چوڑیاں لے کر اور ایک خوب صورت سی..... انگوٹھی لے کر۔''

''اچھا.....! وہ..... وہی والی؟ جو کبھی کسی نے کسی کو نہیں پہنائی ایسی ہی انگوٹھی نا؟''

دونوں کی پھولوں جیسی ہنسی شہد آگیں جذبوں میں گھل مل گئی تھی۔

''عطرت تم خوش ہو نا؟'' سجاد نے خوشی چھلکاتی آواز میں کہا۔

''ہاں! کل میری دوہری عید ہوگی۔'' عطرت نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

☆☆☆

روشنی

نگہت اعظمی

جو ہم بہار سے اتنے نہ آسرے رکھتے
تمام عمر بھلا زخم کیوں ہرے رکھتے

انسانی فطرت میں صلے کی خواہش موجود ہے۔ یعنی کچھ دو اور کچھ لو۔ چاہے وہ صلہ محبت کی صورت میں ہو یا کچھ اور ... اسے صلے میں کچھ بھی نہ ملے تو وہ بد دل ہوجاتا ہے۔

''آپا کا فون آیا تھا۔ اماں کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ تمہیں اور بچوں کو بہت یاد کر رہی ہیں۔''

ثمرہ سیارہ پڑھ کر ٹی وی لاؤنج میں آئی تو صمد نے ٹی وی کی آواز کم کر کے اسے خبر دی۔

''اونہہ! بچے یاد آ رہے ہیں'' وہ تلملا گئی۔ ''اس وقت بچے یاد نہیں آئے تھے جب.....'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

اس کا روزہ تھا اور وہ اس وقت ساس کے خلاف کچھ بول کر اپنا روزہ خراب کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔

''مما! مجھے بھی دادی بہت یاد آ رہی ہیں'' اس کا بارہ سال کا بیٹا حسن جو حقیقت میں دادی سے بہت اٹیچڈ تھا، باپ کی بات سن کر بول اٹھا۔

''ہاں مما، میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں دادی سے ملنے جاؤں۔'' فاطمہ جو حسن سے دو سال بڑی تھی، اپنا ہوم ورک روک کر آہستہ سے بولی۔

''دل تو میرا بھی چاہتا ہے مگر.....'' اس کا سب سے بڑا بیٹا رضا، جو بہت سنجیدہ اور سمجھ دار تھا، آدھا جملہ بول کر رک گیا۔ اس نے ماں کے چہرے کو دیکھ کر اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ کر لیا تھا۔

''میں نے کسی کو منع نہیں کیا۔ جس کا دل چاہے، ان سے جا کر ملے لیکن یہ بات سارے لوگ سن لیں کہ نہ میں اُن سے ملنے جاؤں گی اور نہ وہ یہاں آئیں گی'' اس نے دوٹوک الفاظ میں اپنی کئی دفعہ کہی ہوئی بات کو دہرایا اور کچن میں آ گئی۔

آج رمضان کا دسواں روزہ تھا۔ کلثوم نے افطاری کا خاصا کام نمٹا لیا تھا۔ وہ بیسن پھینٹ کر آلو کی پھلکیوں کے لیے آلو کاٹ رہی تھی۔

''تم فروٹ چاٹ کے لیے پھل کاٹ لو۔ دہی بڑے اور آلو کی پھلکیاں میں بنا لیتی ہوں اور فاطمہ سے کہنا ہوم ورک ختم کر کے کچن میں آ جائے۔''

''باجی، فروٹ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر کاٹ لوں۔''

''ہاں مگر فروٹ باسکٹ کے نیچے اخبار بچھا لینا۔ پھلوں کا رس قالین پر نہ گرنے پائے اور ہاں، پھل باریک باریک کاٹنا'' کلثوم کو ہدایتیں دیتے دیتے اسے لگا جیسے وہ اپنی ساس کے انداز میں بول رہی ہو۔ فروٹ چاٹ کے پھل ہمیشہ اس کی ساس ہی کاٹتی تھیں۔ اگر کبھی اتفاق سے وہ کاٹتی تو وہ ہمیشہ اسی طرح ہدایتیں دیتی تھیں۔

اس کا دل عجیب عجیب سا ہونے لگا۔

اس نے دہی بڑے بنا کر بلیک ماربل کی سلیب پر رکھے اور چاٹ کے لیے ٹماٹر اور پیاز کاٹنے لگی۔ آج اسے محلے میں افطاری بھیجنی تھی۔ افطار کا وقت آنے والا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

''مما، مجھے بتائیں، میں کیا کام کروں؟''

فاطمہ نے اپنا ہوم ورک کر لیا تھا اور اس کی مدد کرنے کے لیے کچن میں آ گئی تھی۔

''تم شوکیس سے برتن نکالو اور کلثوم کے ساتھ مل کر جلدی جلدی پھل کاٹو۔''

''مما! برتن کہاں رکھوں، کچن میں تو جگہ ہی نہیں ہے' واقعی کچن میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ سارے سلیب کھانے پینے کی چیزوں سے بھرے ہوئے تھے۔

''مما، یہ کچن کتنا چھوٹا ہے؟''

فاطمہ کے اس جملے پر اس کے دل میں جیسے کانٹا سا چبھ گیا۔ 'واقعی، یہ کچن بہت چھوٹا تھا' وہ جس گھر سے آئی تھی، وہاں کچن اتنا بڑا تھا کہ چھ کرسیوں کی ڈائننگ ٹیبل رکھنے کے بعد بھی بے حد کشادہ اور کھلا کھلا نظر آتا تھا۔

''تم یہ سب برتن ڈائننگ روم میں لے جاؤ اور کلثوم سے کہو ذرا جلدی جلدی ہاتھ چلائے۔ وہ تو اس قدر سست کام کرتی ہے کہ کوئی حد نہیں۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا، ابھی تک فروٹ چاٹ کے پھل ہی نہیں کٹے اور حسن اور رضا کو بھی بلاؤ۔ میں ٹرے سیٹ کرتی ہوں۔ افطار سے کم از کم پندرہ منٹ پہلے تو ہر گھر میں افطاری پہنچ جائے'' وہ جلدی جلدی پھلکیاں بھی تلتی جا رہی تھی اور ہدایتیں بھی دیتی جا رہی تھی۔

ٹرے میں افطاری رکھتے ہوئے بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کی چادر سی تن جاتی اور وہ اپنا دھیان کسی اور طرف لگانے کی کوشش کرتی۔

اس گھر میں ان لوگوں کا پہلا رمضان تھا۔ انہیں اس گھر میں شفٹ ہوئے دس ماہ ہوئے تھے۔ یہ گھر بہت چھوٹا تھا لیکن نیا بنا ہوا تھا اور بہت اچھے علاقے میں تھا۔ ان لوگوں کو یہ گھر اور بھی چھوٹا لگتا تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ پنڈی کے بہت پوش علاقے ویسٹرج میں ایک کنال کی کوٹھی میں رہتے تھے۔

وہ جب شادی ہو کر سسرال آئی تو بھرا پُرا کنبہ تھا۔ سسرال میں اس کے جیٹھ جیٹھانی، ان کے بچے، ایک دیوار، دو نندیں اور ساس سسر تھے۔ اس کے سسر بہت نفیس اور باذوق انسان تھے۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر بڑے آرٹسٹک انداز میں گھر بنوایا تھا۔ جس میں 10 مرلے پر لان اور کار پورچ تھا اور باقی دس مرلے پر پورا گھر بنا ہوا تھا۔ جس میں ڈرائنگ، ڈائننگ، کچن، ٹی وی لاؤنج اور ایک بیڈ روم نیچے تھا۔ ٹی وی لاؤنج سے ماربل کی سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں۔ اوپر چار بیڈ رومز تھے۔ ہر بیڈ روم کے ساتھ مکمل ٹائلز کے باتھ رومز بنے تھے۔

ایک بیڈ روم میں اس کے جیٹھ جیٹھانی رہتے تھے۔ ایک اس کے پاس تھا۔ ایک میں دونوں نندیں اور ایک میں دیور تھا۔ ساس سسر نیچے بیڈ روم میں رہتے تھے۔ اس وقت وہ گھر بھی چھوٹا لگتا تھا۔ جیٹھ جٹھانی کو ہر وقت یہ قلق رہتا کہ ان کے بچوں کا الگ کمرا نہیں ہے۔ اب ایک کمرے میں بچوں کے ساتھ ان کا گزارہ مشکل ہوتا ہے۔

اس کی شادی کے بعد دس سال کے اندر دونوں نندوں کی شادیاں ہو گئیں۔ جیٹھ اپنی پوری فیملی کے ساتھ امریکا چلے گئے۔ امریکا جانے کے دو سال بعد انہوں نے چھوٹے بھائی کو بھی بلوا لیا۔ وہ تو چاہتے تھے، اماں، بابا اور صمد بھی وہاں آ جائیں لیکن اماں بابا پاکستان چھوڑنے کو تیار نہیں تھے اور صمد ماں باپ کو اس عمر میں تنہا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ویسے بھی بہت مطمئن اور قناعت پسند تھا۔ وہ ایم ایس سی کر کے فیڈرل گورنمنٹ کالج میں فزکس پڑھا رہا تھا اور اپنی محدود آمدنی میں بہت خوش تھا۔

سب کے اس طرح چلے جانے کے بعد پورے گھر میں اس کی حکمرانی ہو گئی تھی جو اس کی نندوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ گاہے بگاہے ساس کو اس کے خلاف بھڑکایا کرتیں لیکن سسر اس کو بہت چاہتے تھے اور اس کے خلاف ایک لفظ بھی سننا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ جو وہ کہتی، وہ مان جاتے۔ اس نے گھر میں اپنی مرضی کے مطابق خاصی تبدیلیاں کی تھیں۔ کچن نئے سرے سے بنوایا۔ کار پورچ میں بلیک ٹائلز لگوائے۔ ڈرائنگ روم میں لکڑی کا کام کروایا۔ ٹی وی لاؤنج کو نئے سرے سے بنوایا۔ لان کی طرف والی دیوار کو تڑوا کر گلاس ڈورز لگوائے۔ اس طرح ٹی وی لاؤنج سے پورا لان نظر آتا تھا اور لان کو اس نے بابا کے ساتھ مل کر بہت سجا کر رکھا تھا۔ اس کے لان میں ہر رنگ کے گلاب کے پھول تھے۔

گھر تو پہلے ہی بہت خوبصورت تھا۔ اتنی تبدیلیوں کے بعد اور دلکش لگنے لگا تھا۔ اس نے گھر کو اتنا سجا سنوار کر رکھا تھا کہ جو بھی گھر میں داخل ہوتا بے اختیار اس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا اور یہی بات اس کی ساس کو اچھی نہیں لگتی تھی۔ ویسے بھی ساس کا رویہ اس کے ساتھ عام ساسوں ہی جیسا تھا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ ساس کے سسرالی رشتے داروں میں سے تھی۔ دوسرے اس کی جیٹھانی ساس کی سگی بھانجی تھیں۔ شاید اسی لیے وہ ہر وقت بڑی بہو کی تعریفیں کرتی رہتیں۔

سارے گھر کے کام وہ کرتی اور تعریفیں بڑی بہو کے کھاتے میں جمع ہوتیں۔ وہ بریانی پکاتی تو دسترخوان پر بیٹھتے ہی انہیں اپنی بھانجی کے ہاتھ کی پکی ہوئی بریانی یاد آ جاتی۔

''جیسا مزہ فرزانہ کے ہاتھ میں ہے، کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ اس کے ہاتھ کی بریانی کھائے سالوں گزر گئے لیکن ابھی تک زبان سے اس کا ذائقہ نہیں جاتا'' وہ بڑی بہو کی تعریف میں حد سے گزر جاتیں۔

''ہاں یہ تو ہے، بھابی کھانا بہت اچھا پکاتی تھیں'' وہ دل پر جبر کرتے ہوئے بظاہر ساس کی ہاں میں ہاں

ملاتی۔

وہ سلائی کڑھائی میں بہت ماہر تھی۔ اس کے ہاتھ میں صفائی بھی بہت تھی جبکہ اماں کی بیٹیوں اور بڑی بھابی کو کبھی سلائی کڑھائی سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ کبھی بڑی بھابی نے اپنی بیٹی کی کوئی فراک یا شلوار موٹ سیا ہوگا جو اماں کی یادداشت پر پتھر کی لکیر کی طرح مرتسم ہو گیا تھا۔ وہ جب بھی کوئی چیز سیتی یا کوئی چیز کاڑھتی، اماں اپنی بڑی بہو کی سلائی کا حوالہ دینا نہ بھولتیں۔

''فرزانہ بہت کم سلائی کرتی تھی لیکن اس نے جب بھی سیا، اس قدر صفائی سے سیا کہ درزیوں کو بھی مات کر دیا۔''

اماں کے اس طرح کے جملوں پر وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتی۔ اور بڑی بہو تو خیر سگی بھانجی تھیں لیکن اماں تو دیور کی امریکن بیوی کی تعریفیں کرتے نہ تھکتی تھیں۔ وہ دونوں بیٹے بہوئیں سال دو سال میں ایک آدھ مہینے کے لیے آتے تو اماں کا بس نہیں چلتا کہ ان کے لیے اپنی جان نکال کر رکھ دیں۔

وہ اکیلی چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ سارا دن کام میں مصروف رہتی۔ آئے دن نندیں اپنے بچوں کے ساتھ رہنے آتیں اور دن دن بھر وہ کام میں جتی رہتی لیکن اماں سوائے سبزی کاٹنے کے اور کسی کام میں ہاتھ نہیں لگاتی تھیں لیکن ان دونوں بیٹوں اور بہوؤں کے آنے پر سارا دن کچن میں کھڑے ہو کر ان کی پسند کے کھانے پکاتیں۔ اس وقت نہ ان کے سر میں درد ہوتا، نہ ان کا بلڈ پریشر ہائی ہوتا اور نہ ہی انہیں گیس کی تکلیف ہوتی۔

وہ دن رات ان کی خدمت کرتی تو اس کا کسی سے ذکر نہیں ہوتا اور وہ دونوں بہوئیں ان کے اور نندوں کے لیے چند تحفے لے آتیں تو سب کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتیں۔ ان کے جانے کے بعد ہفتوں ہر آئے گئے کے سامنے ان تحفوں کی نمائش کی جاتی اور نمائش کے ساتھ بہوؤں کی تعریفوں کے پل باندھے جاتے۔ وہ سب کچھ انتہائی خاموشی اور صبر سے برداشت کر رہی تھی کیونکہ اس کی ماں نے اسے یہی سکھایا تھا کہ غیروں کو اپنا بنانا ہو تو اپنی زبان بند رکھو اور ہاتھ پیروں سے خدمت

عید

دور ایک وہ بھی تھا
عید ہم مناتے تھے
سن کے عید کی آمد
جھوم جھوم جاتے تھے
دور ایک یہ بھی ہے
عید جبکہ آئی ہے
دل کے ساتھ ساتھ اب
آنکھ بھی بھر آئی ہے
آج میرے ملک میں
ایسے بھی ہیں گھر کئی
پیٹ بھی ہیں جن کے خالی
تن پہ بھی کپڑا نہیں
اس قدر افلاس ہے
چولھا تک جلتا نہیں
ایسے میں بتاؤ پھر
عید کیا منائیں ہم
کیسے جھوم جائیں ہم

شاعرہ۔ فاطمہ نجیب، کراچی

چاند رات کو
تمہارے آنگن میں
ہلالِ عید کی گرد جھلملائے
ستاروں کی کہکشاں اُتر آئے
اور
روزِ عید تم پر
خوشیوں کی پھوار برسے
تمہاری آنکھوں سے
دیدار کی حسرت مٹ جائے
اور مسرتوں کا ہجوم تمہارے گرد
یوں ہالہ کیے رہے
جیسے
چاند کے گرد روشنی۔

ناہید بنت نور، اے سی واہ۔

کیے جاؤ۔ ایک نہ ایک دن وہ تمہارے اپنے ہو جائیں گے۔

چند سال پہلے سسر کو فالج کا اٹیک ہو گیا تھا۔ دو سال وہ بستر پر رہے۔ اس نے اور صمد نے ننھے بچے کی طرح ان کی دیکھ بھال کی۔ ان کے سارے کام وہ دونوں کرتے تھے۔ ان کو نہلانا دھلانا، ان کے کپڑے بدلنا، ان کی گندگی صاف کرنا۔ یہ سب صمد کی ذمے داری تھی۔ اس کے علاوہ ان کو کھانا دینا، ان کو وقت پر دوا دینا۔ یہ ثمرہ نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ ان دونوں نے ایک دن بھی اپنے فرائض سے غفلت نہیں برتی۔ بابا بول نہیں سکتے تھے لیکن ان کا رُواں رُواں انہیں دعائیں دیتا تھا۔

ان کے برعکس دو بھائیوں میں سے کوئی بھی انہیں دیکھنے نہیں آیا لیکن جب ان کے انتقال پر آنے کے بعد وہ دونوں بھائی واپس جا رہے تھے تو اماں ان دونوں سے لپٹ کر اس طرح روئیں جیسے اب ان کا اس دنیا میں کوئی بھی نہیں رہا ہو اور وہ انہیں کسی دشمن کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہوں۔

''میرا تو سب کچھ ختم ہو گیا۔ تم دونوں بھی جا رہے ہو، میں تو بالکل تنہا رہ گئی'' اماں کے اس طرح کہنے پر اسے اور صمد کو بہت دکھ پہنچا لیکن دونوں نے اس دکھ کو اپنے ہی تک محدود رکھا۔

''اماں، آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ میں بہت جلد آپ کو اپنے پاس بلوا لوں گا۔ فرزانہ اور بچے تو ہر وقت آپ کو یاد کرتے ہیں'' سرمد بھائی نے اماں کو گلے لگا کر تسلی دی۔

''اماں نے لیسی (lassy) پر نہ جانے کیا جادو کیا ہے کہ وہ ہر وقت اماں کے قصیدے پڑھتی رہتی ہے۔ وہ تو میرے ساتھ آنے کے لیے بضد تھی لیکن بچوں کے امتحان کی وجہ سے میں خود اسے ساتھ نہیں لایا ورنہ جب سے اس نے بابا کے انتقال کا سنا تھا، وہ رو رو کر بے حال ہو گئی تھی۔'' صمد سے چھوٹے بھائی احمد نے بھی اپنے نمبر بنائے۔

وہ دونوں بھائیوں کی باتیں سن کر سلگ گئی۔ بابا کے انتقال والے دن اس کے بڑے بیٹے کا پیپر تھا اور وہ پیپر دینے نہیں جا سکا تھا۔

''خدا تمہاری بیویوں کو خوش رکھے، میرا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ اماں نے جان بوجھ کر یہ جملہ کہا تھا یا بلا ارادہ ان کے منہ سے نکل گیا لیکن وہ کئی دن تک اس جملے کی چبھن کو محسوس کرتی رہی۔

بابا کے انتقال کو سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ایک دن صبح صبح کال بیل بجی۔ وہ چھٹی کا دن تھا اور وہ لوگ بھی ناشتے کی ٹیبل پر ہی تھے۔

''یہ اس وقت صبح صبح کون آ گیا۔'' صمد نے باہر جاتے ہوئے کہا اور چند لمحوں بعد ہی وہ خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ سرمد بھائی کا ہاتھ تھامے کمرے میں داخل ہوئے۔

''اماں، دیکھیے، کون آیا ہے؟''

''چچا ابا آ گئے'' بچے خوشی سے کھل اٹھے۔

''بھائی جان! بھابی اور بچے کہاں ہیں۔ آپ کا اچانک پروگرام کیسے بن گیا؟''

وہ ابھی تک حیران و پریشان تھی، بھائی جان چھ ماہ پہلے ہی بیوی بچوں کے ساتھ آئے تھے۔

اماں نے کسی خاص حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ ان کے رویّے سے لگ رہا تھا جیسے انہیں سرمد کے آنے کا علم تھا۔

سرمد کے آنے کے دوسرے دن ہی ان کی اچانک آمد کا راز بھی کھل گیا۔ اماں نے انہیں بلوایا تھا۔ وہ گھر بیچنا چاہتی تھیں۔ نہ جانے یہ پٹی انہیں کس نے پڑھائی تھی۔ سرمد بھائی پندرہ دن کے لیے آئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مکان کا سودا کیا۔ مکان پچاس لاکھ میں بکا جس میں سے گیارہ گیارہ لاکھ تینوں بیٹوں کے حصے میں اور ساڑھے پانچ پانچ لاکھ بیٹیوں کے حصے میں آئے۔ باقی پیسے اماں کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیے گئے۔

ان تمام معاملات میں ان دونوں سے نہ کوئی مشورہ لیا گیا نہ انہیں کچھ بتایا گیا۔ بس سرمد بھائی کے آنے کے بعد دوسرے دن اماں نے صرف صمد کو بلا کر اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس مکان کو بیچ کر سب کو

اس کے حصے دے دوں، اسی مقصد کے لیے میں نے سرمد کو بلوایا ہے۔''

اماں کا فیصلہ اتنا اچانک تھا کہ صمد ایک لمحے کے لیے کچھ بول ہی نہ سکے۔

''میں پندرہ دن کے لیے آیا ہوں اور چاہتا ہوں اپنے سامنے سارے کام کروا کے جاؤں۔''

''مگر اتنی جلدی مکان کا سودا کیسے ہو گا؟''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ وہ آپا کے میاں نے طے کر دیا ہے۔ ان کے میاں کے چچازاد بھائی پچاس لاکھ میں لینے کو تیار ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے، آپ لوگوں نے سب کچھ پہلے سے طے کر لیا ہے؟'' صمد نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

''میں نے کچھ طے نہیں کیا ہے۔ مکان اماں کے نام ہے اور سارے معاملات اماں نے طے کیے ہیں۔'' صمد کے تلخ لہجے پر سرمد کو بھی غصہ آ گیا۔

''مجھے معلوم ہے، یہ کس کا فیصلہ ہے اور کس نے اماں کو ورغلایا ہے'' صمد کے لہجے میں مزید تیزی آ گئی۔

''شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ گھر صرف تمہارا نہیں، اس گھر پر میرے سب بچوں کا حق ہے۔''

''میں نے کسی کے حق سے انکار نہیں کیا لیکن مجھے بتایا جائے کہ مجھے اس معاملے سے الگ کیوں رکھا گیا؟ مکان کے سودے کا اختیار بھائی صاحب کو کیوں دیا گیا؟''

''کیوں، تمہارے بھائی صاحب اس گھر کے داماد نہیں ہیں'' آپا نے اپنے شوہر کا نام آتے دیکھا تو چمک کر بولیں۔

''داماد ہیں، بیٹے نہیں۔''

''ہمارے گھروں میں داماد کی حیثیت بیٹے سے بڑھ کر ہوتی ہے۔''

''ٹھیک ہے، جب آپ نے سارے معاملات طے کر لیے اور مجھے اور میرے بیوی بچوں کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا تو مجھے بتائیے، میں کب تک یہ گھر خالی کر دوں؟'' صمد کو زندگی میں پہلی بار اتنا شدید غصہ آیا کہ

پیڈی اور ڈیڈی

ولیم نے بڑی ہمت سے کام لیا اور آہستہ سے بولا۔ ''پیڈی کو آج ایک کار نے کچل دیا ہے۔'' ممی نے رنج و غم کا اظہار کرنے کے بجائے کھانا اُتارا۔ ماں بیٹے نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ممی پڑوس میں چلی گئیں۔ واپس آئیں تو انہیں کتا یاد آیا اور بولیں۔ ''پیڈی کہاں ہے؟''

''میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ پیڈی کو ایک کار نے کچل دیا ہے۔'' ولیم بولا۔

ممی یہ سنتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ہچکیوں میں قدرے کمی آئی تو ولیم نے کہا۔ ''تعجب ہے کہ دوپہر کو جب میں نے پیڈی کی موت کا بتایا تھا تو آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔''

''نہیں۔'' ممی نے ہچکی لے کر کہا۔ ''میں سمجھی تھی، تم نے ڈیڈی کہا ہے۔''

غزالہ یاسین، استقلال آباد کالونی سرگودھا

خوشگوار شادی

خوشگوار شادی شاید حضرت آدم اور بی بی حوا کی تھی۔ حضرت آدم کو یہ نہ سننا پڑا کہ کئی بہتر مرد مجھ سے شادی کرنے کے خواہاں تھے۔

اور بی بی حوا کو یہ نہیں سننا پڑتا کہ حضرت آدم کی ماں کتنا عمدہ کھانا پکاتی ہیں۔

انیس شگفتہ اخلاق شیرازی، حسین آباد تھلیاں

چور

''بیگم جلدی سے تمام سامان، گھڑی، گلدان، چمچے وغیرہ چھپا دو۔ میرے دوست چائے پر آ رہے ہیں۔''

بیوی حیران ہو کر بولی ''لیکن کیوں! کیا آپ کے دوست چور ہیں؟''

شوہر نے کہا۔ ''نہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اپنی چیزیں نہ پہچان لیں۔''

مسز فرح امجد، لاہور

وہ چیخنے لگا۔

''چیخو مت، تم نے اس گھر میں بڑے عیش کیے ہیں'' صمد کی چھوٹی بہن نے اس کے غصے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا۔

''صرف عیش نہیں کیے، اماں اور بابا کی خدمت بھی کی ہے۔'' صمد کے چیخنے کی آواز سن کر وہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی اور چھوٹی نند صغرا اس بات پر تڑخ کر بولی۔

''اماں بابا کی خدمت کی تو کوئی احسان نہیں کیا۔ وہ تمہارے ماں باپ ہیں۔ انہوں نے بھی تمہارے ساتھ بہت کیا ہے۔ تم رانی مہارانی کی طرح اتنے بڑے گھر میں رہتی تھیں۔ ہماری طرح کرائے کے فلیٹوں میں رہتیں تو پتا چلتا۔''

''تم چپ رہو'' صمد نے چھوٹی بہن کو ڈانٹا۔

''ہاں ہاں، جو تمہارا دل چاہے کہو۔ اب میرا باپ نہیں رہا تو اس گھر پر ہمارا کوئی حق نہیں رہا'' صمد کے جھڑکنے پر صغرا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''تم کیوں روتی ہو ابھی میں زندہ ہوں۔ یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔ اس پر تمہارا اتنا ہی حق ہے جتنا سب کا ہے۔ اسی لیے تو میں نے یہ فیصلہ کیا ورنہ میں جانتی تھی کہ میرے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟''

''اماں، پلیز! آپ خاموش ہو جائیں ورنہ.....'' صمد کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اپنا سر دیوار سے دے مارے۔

''کیوں چپ ہو جاؤں۔ کیا میں نے دنیا نہیں دیکھی۔ کیا میں نے یہ بال دھوپ میں سفید کیے ہیں؟ میں سب جانتی ہوں، سسر کی اتنی خدمتیں کیوں کی گئیں؟ میرے آگے پیچھے کیوں پھرا جاتا ہے۔ میری خدمت کیوں ہوتی ہے۔'' اماں کا غصہ بہت تیز تھا اور جب وہ بولنے پر آتیں تو بغیر سوچے سمجھے بولے ہی جاتیں۔

''اماں، ایسا نہ کہیں۔ آپ غلط کہہ رہی ہیں'' سرمد بھائی نے اماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں جو کہہ رہی ہوں۔ بالکل صحیح کہہ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں، آج میری آنکھ بند ہو جائے تو سب اس گھر کو ہضم کر کے بیٹھ جائیں گے اور میری بچیوں کو پھوٹی کوڑی نہیں ملے گی۔''

اماں کے جملے تھے کہ سنسناتے ہوئے تیر، اس طرح اس کے دل پر لگے کہ اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔

''تم ابھی اور اسی وقت بچوں کو لے کر اپنی امی کے یہاں چلی جاؤ۔ میں مکان کا بندوبست کر کے تمہیں لے آؤں گا۔ اب تم اور بچے ایک لمحے بھی اس گھر میں نہیں رہیں گے۔''

صمد نے ثمرہ کو صوفے پر سے اٹھایا۔ ثمرہ فوراً کمرے میں گئی۔ جلدی جلدی ایک سوٹ کیس میں چند جوڑے پیک کیے اور بچوں کو لیے ہوئے اماں کے قریب آ گئی۔

''میں نے جو کچھ کیا، وہ اللہ بہتر جانتا ہے لیکن آج آپ کی باتیں سن کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے جو کچھ کیا صرف لالچ اور خود غرضی کے تحت کیا۔ آپ سب کی باتوں نے مجھے اپنی نظروں میں گرا دیا ہے۔ میں جا رہی ہوں اور آج کے بعد سے میرا آپ لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ آج کے بعد میں آپ لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ وہ بیس سال سے ساس کی بے شمار کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتی رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار بولی تو اس کے بولنے پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔

صمد نے ایک ماہ کے اندر اندر کرائے کے مکان کا بندوبست کر لیا۔ وہ ایک کنال کی کوٹھی سے اٹھ کر 5 مرلے کے چھوٹے سے گھر میں آ گئے۔ اماں کو آپا اپنے ساتھ لے گئیں اور یہ کہہ کر لے گئیں کہ ''ہم اپنی ماں کی خدمت کے لیے موجود ہیں، ہماری ماں ہم پر بوجھ نہیں ہیں۔''

وہ اور صمد اماں سے اتنے ناراض تھے کہ انہوں نے اپنے حصے کے پیسے بھی نہیں لیے اور نئے گھر میں آنے کے بعد اماں سے کوئی رابطہ بھی نہیں رکھا۔ اب انہیں اُڑتی اُڑتی خبریں مل رہی تھیں کہ اماں آپا کے یہاں خوش نہیں

ہیں۔ آپا اس وقت تو اماں کو جوش میں اپنے ساتھ لے گئی تھیں، اب انہیں اماں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

♦♦♦

''میرا خیال ہے، اماں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے'' وہ عشا کی نماز سے فارغ ہو کر سونے کی تیاری کر رہی تھی تو صمد نے کتاب کو سائڈ ٹیبل پر رکھ کر اسے مخاطب کیا۔

''پلیز! مجھ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کیجیے گا۔ میں آج بہت تھک گئی ہوں'' وہ دو بجے سے مسلسل کچن میں کھڑی ہو کر افطاری بنا رہی تھی۔ اس وقت پیروں میں ناقابلِ برداشت درد ہو رہا تھا۔

''ویسے یہ اچھا تو نہیں لگتا ..... کہ..... بیٹے کے ہوتے ہوئے ..... اماں..... بیٹی کے گھر میں رہیں'' صمد نے اٹک اٹک کر بڑی مشکل سے یہ جملے ادا کیے۔

''میں نے آپ کو منع نہیں کیا۔ آپ اماں کو یہاں لے آئیں، میں امی کے یہاں چلی جاؤں گی'' اس نے انتہائی تلخ لہجے میں یہ کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

''میں جانتا ہوں اماں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی لیکن تم تو بہت بڑے دل کی ہو۔ تم نے اتنے سال ان کی خدمت کی۔ آپا بتا رہی تھیں، اماں ہر وقت تمہیں یاد کرتی ہیں۔''

''میں نے کہہ دیا ہے، میں بہت تنگ دل ہوں، میں بہت لالچی اور خود غرض ہوں، میرے دل میں کسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ میں سب جانتی ہوں اب میری تعریفیں کیوں ہو رہی ہیں۔ آپا تو بڑے زعم میں لے کر گئی تھیں۔ اب کریں نا اماں کی خدمت۔ ہم نے بیس سال اماں اور بابا کی خدمت کی اور اس کا ہمیں یہ صلہ ملا کہ ہمیں بالکل اگنور کر دیا گیا۔ ہمارے خلوص اور نیک نیتی کو لالچ اور خود غرضی سے تعبیر کیا گیا۔ مجھے سب خبریں مل رہی ہیں۔ بھائی صاحب اور آپا کے بچوں سے اماں کی روک ٹوک برداشت نہیں ہو رہی، وہ لوگ چاہ رہے ہیں کہ اماں دوبارہ ہمارے پاس آ جائیں لیکن آپ آپا کو بتا دیجیے، اب ایسا ممکن نہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو حالات کے مطابق ایڈجسٹ کیا ہے۔ اب میں کوئی اور ڈسٹربنس برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ پلیز، مجھے سکون سے رہنے دیں'' اس نے کنپٹیوں کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔

''تم جو کچھ کہہ رہی ہو، بالکل درست ہے لیکن مجھے بتاؤ، میں کیا کروں؟'' صمد نے جھنجلا کر کہا تو اس کا پارا ایک دم ہائی ہو گیا۔

''آپ کا جو دل چاہے کریں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس نے یہ کہہ کر کروٹ بدلی اور آنکھیں بند کر لیں۔

جمعہ کا روز تھا۔ وہ سب امی کے ہاں افطار پارٹی پر مدعو تھے۔ اس کی دونوں بہنیں بھی شوہر اور بچوں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔

امی اور بھابی نے ہمیشہ کی طرح بڑا اہتمام کیا تھا۔ افطاری پر سموسے، دہی بڑے، فروٹ چاٹ، آلو کے پکوڑے، چکن سینڈوچز اور کٹلس تھے۔ پھر رات کے کھانے پر بریانی، شامی کباب اور چکن کڑھائی بھی۔ اور یہ ساری چیزیں امی اور بھابی نے مل کر تیار کی تھیں۔

کھانے کے بعد عشا کی نماز پڑھ کر وہ سب امی کے کمرے میں جمع ہو گئے۔

''تمہاری ساس کے کیا حال ہیں؟'' ایما نے کریدنے کے لیے پوچھا۔

''ٹھیک ہیں، آج کل آپا کے فون پر فون آ رہے ہیں۔ سنا ہے میں اور بچے بہت یاد آتے ہیں'' اس نے انتہائی کٹیلے انداز میں کہا۔

''خیر بچوں کو تو ضرور یاد کرتی ہوں گی، بچپن سے ان کے پاس رہے ہیں'' امی نے دردمندی سے کہا تو وہ چڑ گئی۔

''سب اداکاری ہے، بچوں کا ذرا سا بھی خیال ہوتا تو انہیں کبھی اس طرح گھر سے بے گھر نہ کرتیں۔''

''خیر تمہاری ساس دل کی بری نہیں۔ کبھی کبھار انسان دوسروں کی باتوں میں آ کر ایسے غلط فیصلے کر بیٹھتا ہے جس کا اسے بعد میں پچھتاوا ہوتا ہے'' ایما نے اسے سمجھایا۔

''رہنے دیں ایما! اب وہ اتنی بھی منفی نہیں کہ انہیں

یہ نہیں معلوم کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔"

"میں نے سنا ہے، وہ تمہارے پاس آنا چاہ رہی ہیں" بھابی نے چنگاری کو ہوا دی۔

"ظاہر ہے، کیوں نہ آنا چاہیں گی۔ میری طرح کون ان کی دیکھ بھال کرسکتا ہے۔" اس نے چمک کر کہا۔

"نہیں بیٹا! ایسے نہیں کہتے، اپنی نیکی کو جتا کر ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ تم نے جو کچھ بھی کیا وہ سب کچھ تمہارے نامۂ اعمال میں ذخیرہ ہوگیا۔ اس کا تمہیں آخرت میں بدلہ ملے گا۔ اگر وہ تمہارے پاس آنا چاہ رہی ہیں تو تم کفرانِ نعمت نہ کرو۔ ماں باپ بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے گھروں میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔"

"نہیں امی! میں نے بہت خدمت کرلی اور بہت باتیں سن لیں۔ دو سال تک بابا بستر پر رہے، میں نے ایک بچے کی طرح ان کی دیکھ بھال کی۔ آپ سب گواہ ہیں، اس عرصے میں، میں ایک دن کے لیے بھی آپ کے پاس رہنے کے لیے نہیں آئی۔ اماں تو سو جاتی تھیں، میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر دوائیں دیتی تھی" یہ سب کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔

"خیر امی! یہ تو ثمرہ صحیح کہہ رہی ہے۔ جس طرح اس نے اپنے سسر کی خدمت کی، کوئی بیٹی بھی اس طرح نہیں کرسکتی" اپا نے اس کا موڈ بگڑتے دیکھ کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جو کچھ اس کی ساس نے کیا، بالکل غلط کیا۔"

"امی! آپ کو کیا پتا ہم پر کیا گزری تھی۔ سب ایک طرف ہوگئے اور ہمیں اس طرح الگ کردیا جیسے ہماری کوئی حیثیت ہی نہ ہو۔ اماں اور بہن بھائیوں کے رویے پر صمد کو اتنا صدمہ تھا کہ وہ ساری ساری رات جاگتے رہتے تھے۔"

"بس اللہ سے دعا کرو کہ وہ صمد بھائی کو زندگی اور صحت دے۔ تمہارے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوگی کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری ہر بات مانتے ہیں۔"

"یہ تو سچ ہے، صمد میرا جتنا خیال رکھتے ہیں، اتنا کوئی رکھ نہیں سکتا۔"

❁❁❁

ستائیس رمضان کی شب تھی۔ وہ ہر سال اس رات کا بڑا اہتمام کرتی تھی۔ اس سال بھی اس نے افطار کے بعد غسل کیا۔ خوشبو لگائی، اگربتی جلائی اور عبادت کے لیے تیار ہوگئی۔

ہر سال اماں اور وہ ساتھ ساتھ عبادت کرتی تھیں۔ اس کا دل عجیب عجیب سا ہو رہا تھا۔ استغفار کی تسبیح پڑھتے پڑھتے وہ ایک دم چونک سی گئی۔ الفاظ اس کی زبان سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔ اس نے درود پاک کی تسبیح شروع کی لیکن دل میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی جو ہمیشہ پیدا ہوتی تھی۔ وہ بڑی نیک فطرت تھی۔ ہر سال اس رات وہ روتے ہوئے عبادت میں گزار دیتی تھی۔ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے، اس کی نعمتوں کا شکر کرتے کرتے اس پر اس قدر رقت طاری ہوتی کہ اسے لگتا جیسے اس کا سارا وجود آنسوؤں میں ڈھل گیا ہو۔ اس کے نفس پر چھائی ہوئی کثافت ڈھل گئی ہو لیکن اس دفعہ نہ اس کی آنکھ نم ہوئی، نہ وہ اپنے گناہوں پر آنسوؤں سے روئی۔ خشک آنکھیں لیے وہ قرآن پڑھتی رہی۔ تسبیح پڑھتی رہی لیکن سارا وجود بنجر زمین کی طرح خشک اور بے آب وگیاہ رہا۔

صبح ہوتے ہوتے وہ سوگئی۔ صبح اٹھی تو اس نے سب سے پہلے یہ دعا مانگی "بارالٰہی، مجھے سیدھا راستہ دکھادے۔ وہ راستہ دکھادے جو اُن بندوں کا راستہ ہے جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں۔

❁❁❁

عید کا چاند ہوگیا تھا، اگلے دن عید تھی۔ وہ چاند رات کی تیاریاں کررہی تھی کہ صمد گھر میں داخل ہوئے۔

"حسن، رضا، فاطمہ تم سب کہاں ہو۔ جلدی کرو، اماں کو دیکھنے جانا ہے۔"

"اماں کو کیا ہوا ہے؟" ایکدم اس کے منہ سے نکلا۔ لیکن صمد نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور تینوں

بچوں کو لے کر گھر سے نکل گئے۔

وہ ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔

پتا نہیں اماں کو کیا ہوا ہے؟ صمد نے بتایا ہی نہیں۔ کوئی سیریس بات ہوگی جبھی وہ اتنے پریشان تھے۔ پتا نہیں کیا بات ہے، اب تو صمد بھی کتنا بدل گئے ہیں۔ مجھ سے کتنے اکھڑے اکھڑے رہتے ہیں۔ پہلے میرا کتنا خیال رکھتے تھے۔ اب تو ڈھنگ سے بات بھی نہیں کرتے۔ پتا نہیں، اماں کیسی ہیں، وہ بے شمار سوچوں میں گھری ہوئی نہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔ پچھلے بیس برسوں کی بے شمار باتیں اسے یاد آرہی تھیں۔

اماں غصے کی تیز ضرور تھیں لیکن دل کی بری نہیں تھیں۔ بچوں کو ڈانٹتی ڈپٹتی رہتی تھیں لیکن پیار بھی بہت کرتی تھیں۔ بلکہ رضا کو تو پالا ہی انہوں نے تھا۔ اس کی ذرا سی تکلیف پر کس قدر بے چین ہوجاتی تھیں۔

میرے ساتھ تو ان کا رویہ کبھی بھی اچھا نہیں رہا۔ ہمیشہ میرے کام میں نقص ہی نکالتی رہیں۔ پتا نہیں میرے ساتھ ایسا کیوں تھا؟ اس کا دل ابھی بھی اماں کی طرف سے صاف نہیں تھا لیکن ان کی بیماری کا سن کر اس وقت وہ بہت بے چین ہو رہی تھی۔

اللہ کرے وہ خیریت سے ہوں۔ اگر انہیں کچھ ہوگیا تو ..... وہ گھبرا گئی۔ سارے لوگ مجھے ہی الزام دیں گے۔

پر میرا کیا قصور ہے؟ اماں نے بھی تو میرے ساتھ زیادتی کی تھی۔ انہیں تکلیف نہیں ہوتی کہ بچے اتنی بڑی کوٹھی سے اٹھ کر اتنے چھوٹے سے مکان میں آگئے۔ کیا پتا انہیں تکلیف ہوتی ہو۔ وہ اپنے کیے کی تلافی کرنا چاہتی

نمکین غزل

ذرا پہلے سے قسمت کا ستارہ دیکھتے رہنا
جو شادی ہوگئی تو پھر خسارہ دیکھتے رہنا
محبت آج کل کے دَور میں ایسی اذیت ہے
سمندر میں کھڑے ہوکر کنارہ دیکھتے رہنا
ذرا سی دیر میں کیسی مرمت مفت میں ہوگی
کسی لڑکی کو تم کرکے اشارہ دیکھتے رہنا
تمہیں کس نے کہا تھا ایسے تھیلے سے کرو شادی
میاں اب عمر بھر یہ بھی غبارہ دیکھتے رہنا
غزل ہے ساتویں، کوئی مکرر کہہ نہیں سکتا
سرِ محفل ہمیں کس نے پکارا دیکھتے رہنا

شاعر: سید فہیم الدین
رفعت خادم حسین، بلوچستان

دیوانگی

آگ اور پانی کا
میل کتنا مشکل ہے
پھر بھی اس کو چاہوں میں

حاجرہ حسین، چیچہ وطنی

اپنی پسند

اِک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
کچھ چنچل سے کچھ چُپ چُپ سے
کچھ پاگل پاگل لگتے ہو
ہیں چاہنے والے اور بہت
پر تم میں ہے اِک بات بہت
تم اپنے اپنے لگتے ہو
اِک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
یہ بات بات پہ کھو جانا!
کچھ کہتے کہتے رک جانا
یہ کس اُلجھن میں رہتے ہو
کیا بات ہے ہم سے کہہ ڈالو
اِک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو

شاعر۔ ناصر کاظمی

سدرہ ممتاز شیخ رالیان

ہوں۔ جبھی تو..... واقعی، مجھے ہی اتنا سنگ دل نہیں ہونا چاہئے تھا۔

اب کیا کروں، کہاں جاؤں، کس سے کہوں؟ میرے اللہ، تو اماں کو زندگی دے دے۔ میں خود اُن سے ملنے چلی جاؤں گی۔ میرے اللہ، میری دعا کو سن لے'' وہ گڑگڑا رہی تھی، رو رہی تھی کہ ایکدم فون کی گھنٹی بجی۔

''ہیلو، میں صمد بول رہا ہوں۔ اماں اس دنیا میں نہیں رہیں۔'' روتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

''نہیں صمد! نہیں، پلیز! ایسا نہیں کہئے۔ مجھے اماں کے پاس لے چلیے۔ میں ان سے معافی مانگ لوں گی۔ ان کو ابھی نہ جانے دیں۔ ان سے کہیں، میرا انتظار کریں۔ صمد! اماں..... اپنے نہیں جاسکتیں۔ وہ ضرور میرا انتظار کریں گی۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

''ثمرہ..... ثمرہ! کیا بات ہے، اٹھو، کیا تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے'' صمد اس پر جھکے ہوئے تھے اور اس کی پیشانی کو سہلا رہے تھے۔

''صمد! مجھے ابھی اماں کے پاس لے چلو۔ میں اُن سے ملنے جاؤں گی۔ مجھے میرے اللہ نے راستہ دکھا دیا ہے۔ وہ راستہ دکھایا ہے جو نیکی کا راستہ ہے، جو سچائی کا راستہ ہے۔''

''شکر ہے تمہیں عقل آ گئی۔ صبح سب سے پہلے اماں سے ملنے جائیں گے۔''

''صبح نہیں، ابھی اور اسی وقت۔''

''ابھی..... ابھی تو رات کے دو بج رہے ہیں۔''

''تو کیا ہوا، آج تو چاندرات ہے، اماں ضرور میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔''

●⊛●

اماں واقعی اُن کی منتظر تھیں۔ جیسے ہی وہ ان کے پاس پہنچی، وہ آنسوؤں سے رونے لگیں۔

''میں جانتی تھی، تم ضرور آؤ گی۔ تم تو میرے لیے بیٹیوں سے بڑھ کر ہو۔ کوئی میرے مزاج کو نہیں سمجھ سکتا، سوائے تمہارے۔''

''اور ہاں، تم نے چوڑیاں نہیں پہنیں۔ تمہاری چوڑیاں عارفہ کے پاس ہیں اور تمہارا سوٹ بھی سلا رکھا ہے۔ مجھے پتا تھا تم کبھی اپنا جوڑا نہیں بناتی ہو۔ تم بھول گئی تھیں، تمہارا جوڑا تو ہر سال میں ہی بناتی تھی۔''

اماں کا بولتے بولتے سانس پھول گیا۔

''تمہارے گھر سے آنے کے بعد آج پہلی دفعہ اماں اتنی خوش نظر آ رہی ہیں۔'' آپا کی آنکھیں نم تھیں اور چہرے پر شرمندگی کی دھوپ چھائی ہوئی تھی۔

''جو کچھ ہوا اس کے لیے میں تم سب سے معافی مانگتی ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ میں نے تم لوگوں کو در بدر کیا تو خدا نے میرا ٹھکانا بھی چھین لیا'' اماں کی آنکھیں مسلسل اشک برسا رہی تھیں۔ سب کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں لیکن چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔

''دادی، اب آپ ہمارے ساتھ چلیں گی نا؟'' حسن نے دادی کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے بیٹا، دادی کا اصل گھر وہی ہے، جہاں ہم رہتے ہیں۔''

●⊛●

ڈرائنگ روم میں چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ خواتین سپارے پڑھنے میں مصروف تھیں۔ اگربتی کی بھینی بھینی خوشبو نے سارے ماحول کو پاکیزہ اور معطر کر دیا تھا۔ آج اماں کا سوم تھا۔ اس کے گھر آنے کے ایک ہفتے بعد ہی اُن پر دل کا دورہ پڑا اور وہ اسپتال جانے سے پہلے دنیا سے چلی گئیں۔

وہ سپارہ پڑھتے ہوئے مسلسل یہ سوچ رہی تھی ''خدا نے اس پر کتنا رحم کیا، اگر وہ اماں سے ملنے نہ جاتی اور اماں کو اپنے ساتھ لے کر نہ آتی تو ساری زندگی کبھی صمد کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ اور آج وہ کس قدر فخر سے سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

دنیا سے رخصت ہوتے وقت اماں کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا تھا اور اس نے بھی اماں کی ساری زیادتیوں کو معاف کر دیا تھا۔ اب اس پر ہمیشہ کی طرح استغفار پڑھتے ہوئے رقت طاری ہو رہی تھی۔ اور آنسوؤں کے بہنے کے بعد اس کا دل صاف اور شفاف ہو گیا تھا۔

☆☆☆

مبارک ساعتیں

طلعت جبیں

اک چاند سا چہرہ تھا سرِ بامِ تمنا
اک خواب سا آنکھوں میں چمکنے کے لیے تھا
کتنی ہی منازل تھیں ترے خیمۂ گل تک
دل تھا وہ مسافر کے بھٹکنے کے لیے تھا

زندگی میں کب ایک نیا موڑ آجائے کچھ پتا نہیں ہوتا۔ محبت کرنے والوں کی زندگی میں آئے ایسے ہی موڑ کا واقعہ۔

افطاری کے لیے جلدی جلدی پکوڑے تلتے ہوئے اس نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو دیکھا کہ ابا اور عنایت بھائی کے ساتھ منصور بھی چلا آ رہا ہے۔ یہ سب لوگ برآمدے میں دادی کے تخت کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''لگتا ہے موصوف آج اِدھر ہی روزہ کھولیں گے۔'' ثانیہ نے کڑاہی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے سوچا۔ باہر سے سب کی خوش گپیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آج ہونے والے پاکستان اور جنوبی افریقا کے میچ پر تبصرہ ہو رہا تھا۔ دانیال اور کامران بھی گفتگو میں جوش و خروش سے شامل تھے۔ منصور بھائی تو ویسے بھی ان کے فیورٹ تھے۔

''فروٹ چاٹ تو بن گئی ثانیہ، میں شربت بنالوں پھر دستر خوان بچھاتے ہیں۔'' آپی نے پکٹیں اور چمچ نکالتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی! کیا کیا بنایا جا رہا ہے؟'' وضو کے لیے آستین موڑتے ہوئے منصور نے کچن میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''جو بھی ہے سب تیار ہے، بس تم وضو کر کے جلدی سے آجاؤ۔ روزہ کھلنے ہی والا ہے۔'' منصور نے جاتے جاتے ایک نظر بے نیازی ثانیہ پر ڈالی جو بظاہر کھجوریں نکالنے میں مصروف تھی لیکن اس کی موجودگی سے چہرے کی گلابیاں صاف ظاہر تھیں۔

عنایت بھائی اور وجیہہ آپی کے بعد ثانیہ کا نمبر تھا۔ آخر میں دانیال اور کامران دونوں جڑواں تھے۔ منصور ان کے ماموں کا بیٹا تھا۔ جن کا گھر تو یہاں سے کافی دور تھا۔ البتہ منصور کا آفس اسی علاقے میں تھا۔ عنایت بھائی اور منصور ایک ہی کنسٹرکشن کمپنی میں جاب کرتے تھے۔

امی نے رمضان شروع ہونے سے پہلے ہی ایک دن ماموں کے گھر بیٹھے ہوئے کہہ دیا تھا کہ جس دن بھی آفس کے کام کی وجہ سے دیر ہوئی تو منصور ہمارے گھر روزہ کھول کر آئے گا۔ ماموں اور ممانی کو بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔ منصور گھر میں اکلوتا تھا، یہاں پھوپی کے گھر اس کا ویسے بھی بہت دل لگتا تھا۔ اس میں یہ وصف تھا کہ ہر عمر کے لوگوں میں گھل مل جاتا تھا۔ دادی کے پسندیدہ موضوعات پر ایسے گفتگو کرتا کہ امی بھی مسکرانے لگتیں۔ ابا جان سے موجودہ سیاست پر بحث کرنی ہو یا دانی کا ہی سے کرکٹ اور پتنگ بازی کے معرکے۔ اور تو اور آپی بھی اپنے اکثر کام اسی سے کرالیا کرتی تھیں۔

عنایت بھائی کم گو تھے اور بازار وغیرہ جانے سے تو الرجک ہی رہتے تھے۔ رہی ثانیہ تو جب چھوٹی تھی تب تک تو حالات نارمل رہے لیکن جب کالج پہنچی، ان دنوں تایا جان کی بیٹی کی شادی کے موقع پر اس نے امی اور ممانی کی گفتگو سن لی۔

وہ مہندی والے روز سبز لباس میں تتلی بنی پھر رہی تھی کہ کسی جاننے والی خاتون سے صبر نہ ہوا اور انہوں نے وہیں امی سے اس کے رشتے کے بارے میں استفسار کیا جس پر قریب بیٹھی ممانی نے فوراً امی کو یاد دلایا۔

''دیکھو سلطانہ، میں نے ثانیہ کو بچپن سے اپنے منصور کے لیے مانگ رکھا ہے۔ یہ بات بھول نہ جانا۔''

امی نے مسکراتے ہوئے ان خاتون سے معذرت کرتے ہوئے ممانی کو مطمئن کر دیا۔ قریب ہی کھڑی ہاتھ میں گجرا پہنتی ثانیہ کے لیے یہ بات کسی انکشاف سے کم نہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں منصور کا سراپا لہرایا جو آپی سے تو ٹھیک سے بات کرتا تھا لیکن اس پر ہمیشہ رعب ہی جمایا کرتا تھا، ہاں کبھی کبھی اس کے دیکھنے کے انداز پر دل دھڑک اٹھتا تھا تو وہ اپنے آپ کو ڈانٹ دیا کرتی تھی۔ اب اس نئی بات نے اس کی دھڑکنوں میں خوشگوار تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ ابھی تو اس نے اپنی شادی کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ آپی کی چھ ماہ پہلے منگنی ہو چکی تھی۔ لڑکا شارجہ میں جاب کرتا تھا۔ عنایت بھائی کے دوست کے چچا کی فیملی تھی۔

☆☆☆

آج صبح سے گھر میں خصوصی صفائی ہو رہی تھی۔ شام میں وجیہہ کے سسرال والے افطار پر مدعو تھے۔ سلطانہ کے ساتھ مل کر گھر اچھی طرح سیٹ کرنے کے بعد اب وہ دونوں بہنیں افطاری کی تیاری میں لگی ہوئی تھیں۔ کافی چیزیں فریز بھی کر رکھی تھیں جس کی وجہ سے کافی سہولت ہو گئی تھی۔ سلطانہ پہلی بار سمدھن بننے جا رہی تھیں۔ لوگ بھی غیر تھے اس لیے ان پر کچھ گھبراہٹ طاری تھی۔ وہ بار بار ثانیہ کو ڈانٹ رہی تھیں کہ بہن کا ہاتھ بٹالے۔ دراصل ثانیہ کام تو سارے ہی کروالیتی تھی لیکن اپنی بے پروا طبیعت کے باعث اس میں وہ بردباری نہ تھی جو وجیہہ کا حصہ تھی۔ وجیہہ ایک تو اس سے چار سال بڑی تھیں پھر سنجیدگی کے ساتھ ہر کام میں ماہر بھی تھیں۔ اس وجہ سے دادی کی لاڈلی بھی تھیں۔ جبکہ ثانیہ دادی سے اکثر اپنی حرکتوں کی وجہ سے ڈانٹ کھایا کرتی تھی۔ انہیں اس کا دانی اور کامی کے ساتھ چھت پر پتنگ اڑانا اور درختوں پر چڑھنا بالکل پسند نہ تھا اور سلطانہ کا خیال تھا کہ ابھی تو فرسٹ ائیر میں ہے آہستہ آہستہ سمجھ دار ہو جائے گی۔

وجیہہ بی، ایس، سی کے بعد فارغ تھیں۔ ویسے بھی وہ میٹرک کے بعد ہی اپنی دلچسپی کے باعث کھانا پکانا شروع ہو گئی تھیں۔ دادی کے کپڑے سینا، ان کے ناخن تراشنا، بالوں میں کنگھی کرنا، یہ سب کچھ وجیہہ نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ بزرگوں سے بات کرتے ہوئے ان کے مزاج کا کیسے خیال رکھا جاتا ہے، یہ سب وجیہہ نے اپنی امی سے سیکھ رکھا تھا۔ دادی کا دل بھی بڑے بیٹے کے بجائے انہی کے گھر لگا کرتا تھا۔ وہ شروع سے ہی تایا جان کے بجائے زیادہ تر یہاں ہی رہا کرتی تھیں۔ تائی جان کی نسبت امی کے ساتھ دادی کی زیادہ بنتی تھی۔ چھوٹے چچا اپنی فیملی کے ساتھ سعودیہ میں رہتے تھے۔ وہاں دادی صرف حج کرنے کی غرض سے گئیں اور چند ماہ بعد ہی لوٹ آئیں۔ بیٹی کوئی تھی نہیں اس لیے وجیہہ سے بہت پیار تھا۔

☆☆☆

سب تیار ہو گیا تو ثانیہ نے آپی کو ذرا اچھے کپڑے پہن کر تیار ہونے کی تلقین کی ''مانا کہ دولھا بھائی شارجہ میں ہیں لیکن باقی سسرال والے تو آ رہے ہیں ناں۔'' اس نے فروٹ کاٹتے ہوئے انہیں پھر اندر جانے کا اشارہ کیا۔

''تم چینج نہیں کر رہی ہو۔'' انہوں نے اس کے پنک کاٹن کے سوٹ پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، میرے یہی کپڑے ٹھیک ہیں، ابھی ظہر میں ہی تو بدلے ہیں۔''

''یہ لو بھئی یہ سونف بھی ذرا بھون لینا۔ مجھے چھالیہ میں ملانی ہے۔'' دادی جان نے لفافہ ثانیہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''تمہاری اماں نے منصور کو آنے کے لیے کہلوا دیا تھا کہ نہیں۔'' دادی کو جاتے جاتے خیال آیا۔

''جی اماں عنایت سے کہہ دیا تھا کہ آج منصور یہیں آجائے۔'' امی نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے دادی کو بتایا۔

عصر کے تھوڑی دیر بعد عنایت بھائی اور منصور آگئے۔ ابا جان بھی اپنے اسٹور سے آچکے تھے۔ روزہ کھلنے سے آدھا گھنٹا پہلے وجیہہ کے سسرال والے آئے، ساس، سسر اور دو نندوں کی آمد متوقع تھی جبکہ ان کے ساتھ ایک نوجوان کا اضافہ تھا جو کہ ان کا چھوٹا بیٹا تھا۔ شہاب اپنے بھائی کی منگنی کے وقت آفس کی طرف سے ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد گیا ہوا تھا۔ ابھی پچھلے مہینے ہی واپس آیا تھا۔

''شہاب کہنے لگا تصویروں میں تو دیکھا ہے ذرا میں بھی چل کر بھابی سے مل آؤں۔'' وجیہہ کی ساس نے امی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں، کیوں نہیں۔'' امی نے جواب دیا ''اور سنایئے شہزاد کا فون وغیرہ آیا شارجہ سے۔''

سب لوگ باتوں میں مصروف تھے۔ بڑے کمرے میں دستر خوان، کارپٹ پر بچھایا گیا۔ دادی ٹیبل پر روزہ کھولنے کے خلاف تھیں۔ ویسے بھی افراد ٹیبل کی کرسیوں سے زیادہ تھے۔ شہزاد کی بہنیں بھی برتن لگانے میں ثانیہ کی مدد کر رہی تھیں۔ انہیں اپنے بھائی کی سسرال کے لوگ بہت اچھے لگے تھے۔ نماز اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سب لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ چکے تھے۔ کچن میں ثانیہ چائے کے کپ ٹرے میں سیٹ کر رہی تھی تو منصور پانی کا خالی جگ ہاتھ میں لیے اندر چلا آیا۔

''سنو! چائے میں لے جاتا ہوں، تم ان لڑکیوں کو

لے کر اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔" یہ کہہ کر وہ ٹرے اٹھا کر باہر نکل گیا۔

ثانیہ کچھ دیر حیران سی کھڑی رہ گئی۔ اس کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ منصور کو شہاب کا اس کی طرف بار بار دیکھنا پسند نہیں آیا۔ حالانکہ یہ وہاں کم ہی موجود رہی، زیادہ تر تو کچن کے ہی چکر لگتے رہے۔ ایک دو بار ثانیہ کی نظر منصور پر پڑی تو وہ عجیب سے تاثرات کے ساتھ ثانیہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو جناب سے کسی کا دیکھنا بھی برداشت نہیں ہوتا۔" وہ مسکرائی اور اپنے اور آپی کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ بعد میں اس نے کامی سے کہہ کر شہزاد کی بہنوں کو بھی البم دکھانے کے لیے اپنے کمرے میں بلوالیا۔ وہ لوگ زیادہ دیر بیٹھے نہیں کیونکہ تراویح کا وقت بھی ہونے والا تھا۔

☆☆☆

اگلے روز وہ کالج سے لوٹی تو امی کا موڈ کچھ معمول سے ہٹ کر لگا۔ دادی بھی کچھ سوچتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ آج انہوں نے دانی اور کامی کو اسکول سے واپسی کے بعد اپنے اردگرد نہیں بٹھایا تھا ورنہ تو ان کے جوتے موزے اتارنے تک انہیں باتوں میں لگائے رکھتیں تاکہ دس پندرہ منٹ بعد وہ لوگ باتھ روم جائیں۔ ورنہ گرمی میں آتے ہی نہانے کے لیے گھس جانے سے نزلہ زکام کا ڈر رہتا تھا۔ آپی کمرے میں تھیں۔ وہ ظہر کے بعد افطار کی تیاری کے لیے کچن میں جاتی تھیں۔ ثانیہ اپنے کمرے میں آئی۔ کچھ دیر بعد نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو آپی بولیں۔

"تمہیں ایک بات بتانی تھی۔"

"خیریت؟" ثانیہ چونکی۔

"وہ..... بات یہ ہے کہ شہزاد کی امی کا فون آیا تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے شہاب کے لیے تمہارے رشتے کی بات کی ہے۔" آپی نے بتایا۔

"کیا؟" ثانیہ اچھل پڑی "کیا کہہ رہی ہیں آپی!"

"آج رات دس بجے کے بعد وہ لوگ دوبارہ آنے کا کہہ رہے ہیں۔ جب تک امی، ابا سے بھی بات کرلیں گی۔"

"لیکن آپی....." ثانیہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تو آپی بولیں۔

"میں جانتی ہوں تم منصور کی بات کر رہی ہو۔ فکر نہ کرو ہم انہیں بتادیں گے اور وہ لوگ کل منصور سے مل ہی چکے ہیں۔"

"جی۔" ثانیہ اتنا کہہ کر اپنے بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس کے دل کو ایک عجیب سا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس کے اور منصور کے رشتے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اب یکا یک یہ کیا افتاد آپڑی تھی۔ ان دونوں کے کوئی عہد و پیمان نہیں ہوئے تھے لیکن کبھی کبھی خاموش نظریں بھی بہت کچھ کہہ جاتی ہیں۔ ایک فریق دوسرے کو وفا کی ڈور میں باندھتا چلا جاتا ہے۔ امی اور ممانی سے اپنے رشتے کے بارے میں سن کر ثانیہ کو منصور سے بہت جھجک محسوس ہوتی تھی۔ باتونی فطرت ہونے کے باوجود منصور کے سامنے اس کی بولتی بند ہوجاتی تھی۔ کبھی کبھار جو منصور اسے ذرا غور سے دیکھ لیتا تو اس کی ہتھیلیاں بھیگ سی جاتی تھیں۔ حالانکہ اس نے عام سی باتوں کے علاوہ اس کو کبھی خاص طور سے مخاطب بھی نہیں کیا تھا لیکن ثانیہ کو اس کی آمد کا انتظار رہا کرتا تھا۔ اب تو اس نے کالج میں اپنی ایک دو سہیلیوں کو بھی اس کے بارے میں بتا رکھا تھا۔ اسے بے چینی سے شام کا انتظار تھا جب یہ بات ابا جان کے رُوبرو کی جانی تھی۔

☆☆☆

ابا جان افطار کے بعد آرام کی غرض سے دادی کے تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے لیٹے تھے جب امی نے انہیں شہزاد کے گھر والوں کے ارادے سے آگاہ کیا۔ ابا سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"بھئی تم نے انہیں بھائی جان کے ہاں رشتے کے بارے میں بتانا تھا۔"

"جی فون پر میں نے کچھ بتایا تو تھا لیکن انہوں نے پھر بھی رات میں آنے پر اصرار کیا ہے۔" امی نے بتایا۔

"اچھا دیکھتے ہیں۔" ابا جان کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

رات میں وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی تو گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ عنایت بھائی مہمانوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا رہے تھے۔ جب وہ چائے بنا کر دینے کے لیے دروازے تک گئی تو اندر سے شہزاد کی امی کی آواز آرہی تھی۔

"دیکھیں بھائی صاحب ہمارے بیٹے کی خواہش پر آپ ثانیہ کا رشتہ بھی دے دیں اور اگلے سال دونوں بیٹیوں کے فرض سے ایک ساتھ فارغ ہوجائیں۔"

"لیکن بھابی صاحبہ ہم اپنی چھوٹی بچی کا رشتہ اس کے ماموں کے ہاں ٹھہرا چکے ہیں۔" ابو گویا ہوئے۔

"انہیں آپ جواب دے دیں۔ ہمارا شہاب بے حد لاڈلا ہے۔ وہ جس بات کی ضد کرلے ہم اسے ٹالتے نہیں۔ بچوں کی خوشی کی خاطر تو ماں باپ اپنے فیصلوں میں لچک پیدا کر ہی لیتے ہیں۔" شہزاد کی امی کچھ بدلے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"معاف کیجیے گا بچوں کی خوشی سے آپ کی کیا مراد ہے؟ ہماری بیٹی تو جہاں ہم کہیں گے وہاں راضی ہوجائے گی۔" ابا کے اتنا کہنے پر شہزاد کی امی فوراً بولیں۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ آپ اپنے سالے صاحب کو کسی طرح سمجھا دیں اور ہمیں ہاں کردیں۔ ورنہ اگر شہاب کا دل برا ہوگا تو ہم بھلا اپنے بڑے بیٹے کا رشتہ آپ کے گھر کیسے کرسکتے ہیں۔" باہر کھڑی ثانیہ کے ہاتھوں میں ٹرے کپکپانے لگی۔ عنایت بھائی غصے سے اٹھ کر باہر نکلے تو ثانیہ کا سفید چہرہ دیکھ کر ایک گہری سانس لی اور بولے۔

"تم کچن میں چلو، ابھی چائے کو رہنے دو۔" اور وہی ہوا۔ اس سے پہلے کہ ابا مزید کچھ کہتے، شہزاد کی امی اپنا فیصلہ سناتی اٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے شوہر سے بولیں۔

"چلیں جی یہ لوگ ایک دو دن سوچ لیں پھر رابطہ کریں گے۔"

اتنا کہہ کر وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل گئے۔ جہاں امی، ابا اور دادی بیٹھے رہ گئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی مہمانوں کو گیٹ تک چھوڑنے کے لیے بھی نہ جاسکا۔ تھوڑی دیر بعد ابا بولے۔

"مجھے اپنی بیٹیاں اتنی بھاری نہیں کہ میں انہیں شرائط پر بیاہتا رہوں؟ اگر وجیہہ کا رشتہ سیدھے طریقے سے کرنا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ان کا فون آنے پر منع کردینا۔"

"لیکن بیٹا اگر لڑکا ٹھیک ہے تو ثانیہ کا رشتہ بھی وہاں کرنے میں کیا حرج ہے۔ دیکھو یہ میں وجیہہ کی خوشی کے لیے کہہ رہی ہوں۔ چھ ماہ سے منگنی ہوچکی ہے۔ اب کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔" دادی نے ابا کے قریب بیٹھے ہوئے مزید کہا "منصور تو مجھے بھی بہت پسند ہے لیکن ہوسکتا ہے وہ ہماری ثانیہ کی قسمت میں نہ ہو۔"

"نہیں اماں! مجھے ان کا یہ دھمکی نما انداز ہی پسند نہیں آیا۔ اگر ہماری وجیہہ کی تقدیر یہاں لکھی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی زبردستی نہیں ہے۔"

☆☆☆

ثانیہ کمرے میں آئی تو آپی بیڈ پر بیٹھی وظائف کی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھیں "اب کیا ہوگا آپی؟" ثانیہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔" وجیہہ نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا "ابا جان جو بہتر سمجھیں گے، وہی مناسب ہے۔" ثانیہ تاسف سے اپنی بہن کو دیکھنے لگی۔ تایا جان کے بیٹے راحیل نے ایک بار ثانیہ سے کہا تھا۔

"یہ تمہاری آپی ہمیں لفٹ کیوں نہیں کراتیں۔" تو اس نے جواب دیا تھا۔

"راحیل بھائی ہماری آپی تو اتنی پیاری ہیں یہ تو ہر ایک کا اتنا خیال رکھتی ہیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ کچھ ہمارا بھی خیال کرلیا کریں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے شوخ نظروں سے آپی کو دیکھا تھا اور ثانیہ نے حیرت سے آپی کے گلنار چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ اگر آپی اور راحیل بھائی کی جوڑی بن جائے تو کتنا اچھا رہے گا۔ اسے اپنی بہن کے چہرے کے شرمیلے رنگ بہت اچھے لگے تھے لیکن ہوا یوں کہ راحیل بھائی کے بے حد اصرار کے باوجود تائی جان نے اپنی بھتیجی کو ان کے لیے منتخب کرلیا اور راحیل

بھائی چاہنے کے باوجود زیادہ عرصہ تک ماں کے سامنے نہ ڈٹ سکے اور اپنی ماموں زاد کو بیاہ کر لے آئے۔

شہزاد بھائی سے رشتہ ہونے پر وجیہہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ چند بار شہزاد نے فون پر شارجہ سے کال بھی کی اور ثانیہ نے وجیہہ کو بڑی مشکل سے بات کرنے پر راضی کیا تھا۔ ثانیہ نوٹ کر رہی تھی کہ آپی کے دل میں آہستہ آہستہ شہزاد کے لیے کافی جگہ بن گئی ہے۔ شہزاد بھائی خوب صورت لہجے میں دو چار اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے اور ایک آدھ جملہ ایسا کہہ دیتے کہ ہوں، ہاں کرتی آپی مسکراتے ہوئے فون ثانیہ کو پکڑا دیتیں۔ اب ثانیہ سوچ رہی تھی کہ اگر خدانخواستہ یہ رشتہ ٹوٹ گیا تو آپی کے دل پر کیا گزرے گی۔

☆☆☆

چند دن گزرے تھے کہ ایک دن ماموں اور ممانی کچھ سامان لیے چلے آئے۔ ممانی بولیں ''میں نے سوچا باقاعدہ منگنی تو کی نہیں، ثانیہ کے لیے کچھ عیدی لے جاؤں اور ہم یہ بھی کہنے آئے ہیں کہ عید کے بعد منصور اور ثانیہ کی دھوم دھام سے منگنی کر دی جائے۔ آخر ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔''

امی اور دادی جو آج کل وجیہہ کی وجہ سے پریشان تھیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔ ان کی خاموشی پر ممانی نے پوچھا۔

''کیا بات ہے آپ لوگ چپ کیوں ہیں؟'' امی نے انہیں ساری حقیقت بتائی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جب تک وجیہہ کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا ابھی منگنی کو رہنے دیا جائے۔ ماموں ممانی یہ سب سن کر پریشان ہو گئے۔

''ایسے حالات ہیں تو ہم انتظار کیے لیتے ہیں۔''

☆☆☆

دوسرے دن صبح کالج کی چھٹی ہونے کی وجہ سے ثانیہ سحری کے بعد دیر تک سو رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔ امی، ابا اتوار بازار گئے ہوئے تھے۔ آپی شاید مصروف تھیں کیونکہ بیل مسلسل بجے جا رہی تھی۔

''اُفوہ یہ دانی، کامی تو مجال ہے کبھی فون ریسیو کرلیں، پڑے سو رہے ہوں گے۔'' ثانیہ نے جھنجلاتے ہوئے فون اٹھایا۔

''جی؟ ہیلو.....!''

''ثانیہ!'' دوسری جانب منصور تھا۔

''آپ؟'' ثانیہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی ''جی فرمائیے!''

''امی، ابو کل تمہاری طرف گئے تھے۔ مجھے تو اسی دن اس لڑکے کو دیکھ کر سمجھ میں آ رہا تھا کہ یہ ضرور کوئی گل کھلائے گا۔ بہانے بہانے سے اس کا تمہیں تاکنا مجھے اچھی طرح یاد ہے لیکن یاد رکھنا وہ میری ثانیہ کو مجھ سے چھین نہیں سکتا۔'' منصور نے پہلی بار اتنے کھلے الفاظ میں اعتراف کیا تھا۔ ثانیہ تو گنگ بیٹھی رہ گئی ''تم سن رہی ہو ناں۔'' منصور نے اسے پکارا۔

''جی ہاں۔'' ثانیہ گویا ہوئی ''سن تو رہی ہوں لیکن اگر آپی کا گھر میری وجہ سے آباد نہ ہو سکا تو میں خود کو اس کا قصوروار سمجھوں گی۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ثانیہ، اللہ نے چاہا تو سب بہتر ہو جائے گا۔ وجیہہ آپی کو بھی ان کے حصے کی خوشیاں مل جائیں گی اور ہم بھی عید کے چاند کے ساتھ ایک نئے بندھن میں بندھ جائیں گے۔'' منصور کی باتیں سن کر ثانیہ کا دل بھر آیا۔ اس نے دونوں باتوں کے لیے دل میں آمین کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

رمضان کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ گھر میں اک بے نام سی خاموشی رہنے لگی تھی۔ ثانیہ سوچا کرتی اس گھر کی پہلے والی رونقیں کب لوٹیں گی۔ کاش شہزاد بھائی کا فون ہی آ جائے تو انہیں تفصیل بتاؤں تاکہ کوئی حل نکل سکے۔ ان کی باتوں سے تو وہ ایک سلجھے ہوئے انسان لگتے ہیں۔ دن چپ چاپ گزرتے رہے۔ وہ رمضان کی پچیس تاریخ تھی جب شہزاد کا فون آ گیا۔ کامی نے شہزاد بھائی کے فون کی اطلاع دی تو ثانیہ نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

''اوہ شہزاد بھائی شکر ہے آپ نے فون کیا۔ آپ سے ایک بات کرنی تھی.....''

''وہ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔'' شہزاد نے ثانیہ کی بات کاٹی۔ ''میں نے اپنا نیا پروگرام بتانے کے لیے گھر فون

ہیں گے تاکہ آپ ان کے لائف اسٹائل اور شخصیت کے بارے میں اچھی طرح جان سکیں۔

ہمیں اپنے پاکیزہ کے ستاروں پر ناز ہے، جن کی خوب صورت اور بامقصد تحریریں پاکیزہ کا سنگھار ہیں۔

اس ماہ کی مہمان شخصیت ہیں.....شازیہ چوہدری!

⌘ پورا نام، اور بہن بھائیوں میں آپ کا نمبر؟

❖ شازیہ چوہدری۔ چار بہن بھائی ہیں، دو بھائی دو بہنیں۔ میرا نمبر پہلا ہے۔

⌘ کب اور کہاں پیدا ہوئیں اور موجودہ جائے رہائش؟

❖ 12 اکتوبر ساہیوال میں اور اب گزشتہ سولہ برس سے اسلام آباد میں رہتی ہوں۔

⌘ شادی شدہ ہیں یا غیر شادی شدہ؟ بچوں کی تعداد۔ شادی کب ہوئی؟

❖ شادی شدہ ہوں۔ 16 جون 2001ء میں شادی ہوئی۔ دو بچے ہیں تیمور اور عروشہ۔

⌘ آپ کی تعلیم؟

❖ ایم ایس سی۔ ویسے زمانے نے بھی پڑھایا بہت ہے۔

⌘ پروفیشنل لائن میں ہیں یا گھریلو عورت ہیں؟

❖ شادی سے پہلے اخبار اور اسکول جوائن کر رکھے تھے۔ شادی کے بعد بچوں کی وجہ سے چھوٹ گئے۔ اب پھر ہی دوبارہ پروفیشنل لائن پکڑلوں گی۔ ویسے تو لکھنا لکھانا بھی ایک پروفیشن ہی ہے۔

پہلی تحریر کب اور کس ڈائجسٹ میں چھپی؟

❖ اپریل 1995ء میں بیک وقت ''خواتین ڈائجسٹ'' اور ''شعاع'' میں مکمل ناول لگے تھے۔

⌘ ''پاکیزہ'' میں کب لکھنا شروع کیا۔ کیا پہلی کہانی کا نام بتا سکتی ہیں؟

❖ فروری 1997ء میں اور کہانی کا نام تھا ''حوصلہ ہاری میں۔''

⌘ آپ کی اب تک لکھی گئی کہانیوں میں سے مقبول ترین تحریر کون سی تھی؟

❖ بہت سی ہیں۔ تیرے نام کی شہرت، میں نے شام ہاری ہے، شہردل کے دروازے، ہم دوہری اذیت کے گرفتار مسافر اور پاکیزہ میں چھپنے والی بہت سی تحریریں۔

⌘ آپ کی اپنی نظر میں آپ کی بہترین تحریر؟

❖ ''یہ دل بہت اداس ہے'' (ناولٹ) اور سلسلے وار ناول ''نکھر گئے ہیں گلاب سارے۔''

⌘ کہانی کا پلاٹ بناتے ہوئے آپ کی دلچسپی کا میدان کون سا ہوتا ہے؟ شوخ اور رومینٹک، گھریلو، سنجیدہ، سوشل؟

❖ میں ''تھوڑا تھوڑا'' سب سے لیتی ہوں۔ گھریلو کہانی ہو جو سوشل پرابلمز میں گرفتار کرداروں کو کہیں سنجیدگی سے تو کہیں رومانوی چاشنی کے ساتھ لے کر آگے بڑھے۔ ویسے بنیادی طور پر مجھے سوشل اور نفسیاتی موضوعات پر لکھنا پسند ہے۔

⌘ ڈائجسٹوں میں چھپنے والی تحریریں اس کے قاری کے روز مرہ مسائل زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہیں؟

❖ قاری ان سے سبق لیتا ہے۔ نکتے اخذ کرتا ہے اور پھر ان نکات کو اپنی سوچ اور اپنے عمل کے دوران استعمال کرتا ہے۔ ڈائجسٹوں کی دنیا بہت کام کی چیز ہے۔

⌘ آپ کہانی کا مرکزی خیال بناتے ہوئے کتنے فیصد سچ کی آمیزش کرتی ہیں؟

❖ ظاہر ہے کہانی تو تخیل کے سہارے ہی آگے بڑھتی ہے مگر میں اس کا مرکزی خیال اٹھانوے فیصد سچ پر مبنی منتخب کرتی ہوں۔

⌘ ڈائجسٹ کے ادب میں آپ کن پرانی ادیبہ سے متاثر ہیں؟

❖ رفعت سراج سے۔ وہ فنِ ناول نگاری کی ملکہ ہیں۔

⌘ ڈائجسٹ کی مصنفین کا اس معاشرے میں کیا مقام ہے؟

❖ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں علم

نفسیات، صحافت اور ادب سے تعلق رکھنے والوں کو محض انٹرٹینر کے طور پر لیا جاتا ہے۔ ان شعبہ جات کو کھیل تفریح، گپ یا تماشا سمجھا جاتا ہے جس سے جب چاہا دل بہلالیا۔ ان کی صحیح معنوں میں اہمیت، احترام یا جائز مقام دینے کا خیال شاید اگلے کسی دور میں آئے گا۔

⌘ آپ نے زندگی سے کیا سیکھا؟

❖ زندگی سے ڈرو نہیں، اس سے لڑو، خدا تعالیٰ کے بعد اپنی محنت پر بھروسا کرتے ہوئے اپنی جگہ خود بناؤ، دوسروں کے آسرے نہ ڈھونڈو۔ اپنا آسرا خود بنو اور خودداری اور عزتِ نفس والی زندگی جیو۔

⌘ فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟

❖ پڑھنے کا لالچ رہتا ہے سو وہی ''نشہ'' پورا کرتی ہوں۔

⌘ کس قسم کا لائف اسٹائل پسند کرتی ہیں؟

❖ سادہ، پُرسکون مگر زندگی کے رنگوں سے بھرپور طرزِ زندگی جس میں ایک دوسرے کے احساسات اور جذبات کا خیال رکھنا بنیادی اصول ہو۔

⌘ کس مزاج کے لوگ اچھے لگتے ہیں؟

❖ منکسر المزاج، مخلص، میچور ذہن والے اور خلیق۔

⌘ اب تک کتابی شکل میں ''چھپ'' چکی ہیں یا آئندہ ارادے ہیں؟

❖ میرے دو ناول کتابی شکل میں مارکیٹ میں آچکے ہیں ''شہر دل کے دروازے'' اور ''نکھر گئے ہیں گلاب سارے'' تیسرا ناول ''میں بھلا کون ہوں'' زیرِ طبع ہے۔

⌘ محبت کو کہانی میں کتنی اہمیت دیتی ہیں؟

❖ جتنی اہمیت محبت کی ہم سب کی زندگی میں ہے۔

⌘ آپ کی تحریروں کا آپ کی اپنی نظر میں کوئی کمزور پہلو؟

❖ برجستگی..... اس کی کمی نظر آتی ہے مجھے اپنی تحریروں میں۔

⌘ تین لفظوں میں اپنی خوبیاں بیان کریں؟

❖ بہت خوددار، بامروت۔ تخلیقی!

⌘ لکھنے کے ساتھ ساتھ گھریلو ذمے داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہیں؟

❖ مشکل تو بہت ہے کہ دونوں بچے ابھی چھوٹے ہیں لیکن طارق اس سلسلے میں بہت معاون اور ممد و ثابت ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ میری ماں کو سلامت رکھے اور میرے باپ کو لمبی عمر دے۔ شادی سے پہلے تو خیر فل ٹائم فری ہینڈ دیتے ہی تھے۔ شادی کے بعد بھی لکھنے کے مواقع فراہم کرنے کے اکثر میرے بچوں کو اپنے پاس بلالیتے ہیں بلکہ چھوٹی عروشہ تو فی الحال مستقل ان کی ذمے داری ہے۔ میرے والدین اتنے شفیق اتنے محبت کرنے والے ہیں کہ مثال ملنی مشکل ہے۔

⌘ آپ کو طویل ناول لکھنا پسند ہیں یا مکمل ناول، ناولٹ اور افسانے وغیرہ؟

❖ سلسلے وار ناول فری کھپ ہی کھپ ہے۔ ایک قسط کا دوسری سے ربط جوڑنا اور اس ماحول کو خود پہ طاری کرنا بڑا عذاب بن جاتا ہے۔ ناولٹ مکمل ناول وغیرہ۔ البتہ سکون سے لکھنے والی چیزیں ہیں۔ ان کی دردسری نسبتاً کم ہوتی ہے۔

⌘ کوئی بات جو آپ وضاحت کے طور پر اپنی طرف سے پاکیزہ بہنوں تک پہنچانا چاہیں؟

❖ پیاری بہنو! مصنفہ کی سگائی منگنی یا نکاح بیاہ سے اس کی تحریری کارکردگی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ تخلیق تو ایک اندر کی دنیا ہوتی ہے اور یہ قدرتی صلاحیت زمان و مکاں یا ازدواجی حیثیت کی تبدیلیوں سے متشر یا متغیر نہیں ہوتی۔ رفعت سراج کو لے لیجیے۔ شادی سے پہلے ازدواجی مسائل پر اتنی گہرائی اور جامعیت کے ساتھ لکھا کہ شادیات پر ''اتھارٹی'' بن گئیں۔ ان کی تحریریں دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ازدواجی نفسیات سمجھنے کے لیے بھی گویا مشعلِ راہ کا کام کرتی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کسی ''تجربے'' سے گزرنے کے بعد سوچ میں مزید پختگی آتی ہے لیکن مصنف کے اندر چھپا ''نوخیز اور نوجوان لکھاری'' ساٹھ سال کی عمر میں بھی جوان اور رواں رہتا ہے۔ یہ وضاحت جن قاری بہنوں کے لیے ہے یقیناً وہ میری بات سمجھ گئی ہوں گی۔

☆☆☆

ایف ایم 100 کے ڈی جے محفوظ الحسن سے ملاقات

عروج شیخ

''محفوظ الحسن خان'' ایف ایم 100 کے وہ ڈی جے ہیں جو آئے اور آکر چھا گئے۔ محفوظ کا منفرد اور بے ساختہ انداز سننے والوں کو بہت پسند آتا ہے۔ محفوظ نہ صرف ایف ایم 100 کے ڈی جے ہیں بلکہ بہت اچھے کلاکار بھی ہیں۔

س :- پیدائش، تعلیم اور بچپن کے بارے میں بتایئے؟

ج:- ضرور..... میں 17 اپریل کو کراچی میں پیدا ہوا۔ برج حمل ہے۔ لٹل فولکس اسکول سے میٹرک اور پھر جناح کالج سے بی ایس سی کیا۔ بچپن شریف بچوں کی طرح گزارہ ہم چھ بھائی ہیں، بہن کوئی نہیں ہے۔ میرا نمبر پہلا ہے۔

س :- ایف ایم پر کام کرنے کے بارے میں بتائیں؟

ج:- ایف ایم 100 میں نے بطور پروڈکشن انجینئر جوائن کیا پھر 2001ء میں بطور ڈی جے پروگرامز کرنا شروع کیے۔

س:- بطور ڈی جے پہلا پروگرام کس تاریخ کو کیا اور پروگرام کا کیا نام تھا؟

ج:- رمضان کی 17 تاریخ تھی دن شاید بدھ تھا اور پروگرام کا نام بیک ٹو ہوم تھا۔

س:- آپ کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟

ج:- میں ایف ایم 100 پر پریزنٹر اور پروڈکشن انجینئر ہوں۔ یہی ذریعۂ معاش ہے۔

س :- ری مکس گانوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج:- میں نے دو گانے ری مکس کیے ہیں ایک تو

نور جہاں کا ''تم زندگی کو غم کا'' اور دوسرا احمد رشدی کا مشہور گانا ''مجھے تلاش تھی جس کی'' مجھے گانے ری مکس کرنا اچھا لگتا ہے۔

س:- کیا گلوکار محض شہرت حاصل کرنے کے لیے مشہور گلوکاروں کے گانے ری مکس کرتے ہیں؟

ج:- ایسا نہیں ہے بلکہ گانا ری مکس کرنا بہت مشکل کام ہے اور جو گانے کا حق ادا کر سکے اسے ہی گانا ری مکس کرنا چاہیے۔ ورنہ کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ گانے ری مکس کرنے کی وجہ محض شہرت کا حصول نہیں بلکہ انسپریشن ہوتی ہے۔

س:- آپ کی غزل ''کسی کے غم میں وقار کھونا'' کے لیرکس کس نے لکھے ہیں؟

ج:- ''کسی کے غم میں وقار کھونا'' کے لیرکس ایک غیر معروف شاعر نے لکھے ہیں۔ انہوں نے اپنا نام پوشیدہ رکھا ہے۔ جس کے پیچھے ایک بڑی وجہ ہے جو کہ کانفیڈنشل ہے۔

س:- اپنی البم کب لانچ کر رہے ہیں؟

ج:- انشاء اللہ بہت جلد۔

س:- اپنے گانوں کی ویڈیو بنانے کا ارادہ ہے؟

ج:- جی بالکل ہے۔

س:- آپ کو واس اوور کرنا کیسا لگتا ہے؟

ج:- زبردست بلکہ بہت زبردست لگتا ہے۔

س:- کیا کمرشل سٹنگ کا ارادہ ہے؟

ج:- جی ہاں بلکہ میں ایک جنگل بھی کر چکا ہوں۔

س:- کمپیئرنگ اور سٹنگ میں سے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟

ج:- سٹنگ کیونکہ میں سنگر پہلے ہوں۔

س:- آپ کے خیال میں انسان کے دماغ میں غرور کب سماتا ہے؟

ج:- بس اسی وقت جب وہ دھڑام کر کے گرنے والا ہوتا ہے۔

س:- میوزک کے علاوہ آپ کو کس چیز کا شوق ہے؟

ج:- مجھے شاعری پڑھنا اچھا لگتا ہے۔

س:- آپ مزاجاً کیسے ہیں؟

ج:- میں طبیعتاً بہت کول ہوں۔

س:- شادی کا ارادہ کب تک ہے؟

ج:- میری منگنی ہو چکی ہے، شادی بھی جلد ہی ہو جائے گی۔ انشاء اللہ!

س:- دوستی آپ کے نزدیک؟

ج:- ایک اٹوٹ بندھن، ایک خوب صورت احساس اور اللہ کا تحفہ۔

س:- زندگی کا پہلا دکھ؟

ج:- ایک سال پہلے میرے بھائی ظفر کی ایکسیڈینٹلی ڈیتھ ہوئی تھی۔

س:- آپ کا پسندیدہ میوزیکل انسٹرومنٹ؟

ج:- مجھے ستار بجانا پسند ہے اور میں اکثر ستار بجاتا ہوں۔

س:- اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتائیں؟

ج:- مجھے لباس میں جینز، شرٹ پسند ہے جبکہ رنگ گلابی اور دن جمعے کا پسند ہے۔ پسندیدہ پرفیوم پوائزن ہے اور چوبیس گھنٹوں میں سے عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت پسند ہے۔ مشروب میں چائے بہت اچھی لگتی ہے رہی بات ناپسند کی تو مجھے مغرور اور دوسروں کو رُلانے، ستانے والے لوگ بہت برے لگتے ہیں۔

س:- محبت آپ کے خیال میں؟

ج:- محبت ایسا دریا ہے کہ بارش روٹھ بھی جائے تو پانی کم نہیں ہوتا۔

س:- اپنے کولیگز سے تعلقات کیسے ہیں اور کس ساتھی ڈی جے کے ساتھ کام کرنا پسند ہے؟

ج:- سب ہی اچھے ہیں مگر مجھے سب سے زیادہ مزہ کوڈی جے کریسیلہ کے ساتھ پروگرام کرنے میں آتا ہے۔

س:- کس بات پر آپ کو غصہ آتا ہے؟

ج:- عموماً مغرور لوگوں کو دیکھ کر۔

س:- شہرت نے آپ کی پرائیویسی کو کس حد تک متاثر کیا ہے؟

ج:- ریڈیو پر کام کرنے کا یہی فائدہ ہے کہ شکل سے کوئی نہیں پہچانتا۔

س:- غالب کا شعر

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

آپ کی پہچان بن گیا ہے اس شعر کو پڑھنے کی کوئی خاص وجہ؟

ج:- یہ شعر میں ہر پروگرام کے آخر میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے اور کوئی بھی مجھے محبت سے بلائے گا تو میں کھنچا چلا آؤں گا۔ ☆☆

پروڈیوسر علی عارف خان، شہناز پرویز اور عظمیٰ طاہر کو ہدایات دیتے ہوئے

☆ یہ ایک ایسے امیر اور اکلوتے لڑکے کی کہانی ہے جس کی بے پناہ جائداد اور دولت پر خاندان والوں کی نظر ہے۔ مختلف جگہوں پر پھیلا ہوا کاروبار ہے، اسی سلسلے میں اس لڑکے سلیم شیخ نے ایک در پردہ شادی دبئی میں کر رکھی ہے جبکہ ایک شادی گھریلو صنم اقبال سے ہوئی ہے۔ اس خاندان اور دولت کی وجہ سے محلے میں رہنے والی ایک خالہ بتول (ذہین طاہرہ) اپنی بھتیجی سے شادی یہ کہہ کر کرا دیتی ہیں کہ اگر یہ شادی نہ ہوئی تو لڑکا خدانخواستہ مر جائے گا۔ جاہل گنوار لڑکی جو کہ دیہات میں رہی ہے، یہ کردار عظمیٰ طاہر ادا کر رہی ہیں۔ اس طرح سلیم شیخ کی تین شادیاں ہو چکی ہیں اور گھر میں دیہاتی لڑکی عظمیٰ طاہر نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور سلیم شیخ کی بہن شبنی عظیم اور والدہ شہناز پرویز اس سے انتہائی تنگ ہیں۔ جبکہ صنم اقبال یہ سارے منظر دیکھتی رہتی ہے۔ اس موقع پر بہن اس کی ایک اور شادی اپنی پسند سے نعیمہ گرج سے کرا دیتی ہے۔ سلیم شیخ چوتھی شادی کر چکے ہیں کہ دبئی میں رہنے والی بیوی بھی ان تمام باتوں کا علم ہونے پر یہاں آ جاتی ہے۔ یہاں ایک اور ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ بے چارہ سلیم شیخ ایک نئی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دبئی سے آنے والی بیوی اور یہاں موجود تمام بیویاں اس کو مل کر مارتی ہیں، اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اس کا پتا تو سیریل دیکھ کر ہی معلوم ہوگا لیکن پروڈیوسر علی عارف خان نے اس سیریل کو ہر سین میں اتنا خوب صورت عکس بند کیا ہے کہ اس کے مزاحیہ انداز کو ناظرین یقیناً پسند کریں گے۔ یہ ڈراما جلد ہی پی ٹی وی پر ریلیز ہوگا۔ اس ڈرامے کو سہیل عالم نے تحریر کیا ہے۔

دور اور دو پانچ کے ایک منظر میں نعیمہ گرج، صنم اقبال اور عظمیٰ طاہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور..... درود و سلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

☆ سب بہنوں کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سب کی عبادتوں کو اپنی بارگاہ میں قبولیت کا درجہ عطا فرمائے، خصوصاً اعتکاف میں بیٹھنے والوں کو ڈبل مبارک باد!

☆ پیاری بہنو! یہ بات آپ ہمیشہ یاد رکھیں کہ جو اللہ کے بندوں کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے، خدا بھی ان پر مہربان ہوتا ہے۔ ایثار و مروت خلق ہی دراصل عید الفطر کی روح ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم عید کے موقع پر اپنے اردگرد کے لوگوں خصوصاً غریبوں، مسکینوں اور معاشرے کے مفلوک الحال طبقے کو اپنی خوشیوں میں شامل کریں اس سے نہ صرف ہمیں حقیقی مسرت حاصل ہوگی بلکہ ہمارا رب بھی ہمارے اس عمل سے راضی و خوش ہوگا۔ ہماری دنیا سنور جائے گی اور آخرت میں بھی کامیابی کے دروازے کھلیں گے۔

☆ پیاری بہنو، اگر ہمیں خط لکھنا ہو یا پاکیزہ کے سلسلے میں کوئی مراسلہ بھیجنا ہو یا کوئی افسانہ ان سب کے لیے ایڈریس ایک ہی ہے۔ ایڈیٹر ماہنامہ پاکیزہ C-63۔ فیز۔2 ایکسٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی..... 75500۔

☆ اور اب آیئے اپنی خطوط کی بزم میں جہاں عید کی محفل جمی ہوئی ہے مگر خط پڑھنے سے پہلے درود شریف پڑھتے ہیں، جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ (پڑھ لیں)

بہنوں کی محفل

مذیرہ

..... مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی سرگرمیاں.....!

☆ افسانہ نگار شبینہ فراز زراعت کے میدان میں اور فش فارم میں نئے تجربے کرنا چاہ رہی ہیں، اس کے لیے انہوں نے ٹھٹھہ میں ایک فارم لیا ہے۔ مبارک باد!

☆ پاکیزہ کی مستقل نگار صفیہ مبین صفی، سرگودھا کی شادی ہو گئی ہے۔ ان کے میاں اسلام آباد میں محکمۂ پولیس سے وابستہ ہیں۔ مبارک باد!

☆ دلشاد نسیم گزشتہ دنوں کراچی آئیں، ان کی چچی کا انتقال ہو گیا ہے۔ قارئین بہنوں سے استدعا ہے کہ مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت ضرور کریں۔

☆ افسانہ نگار اور ٹی وی آرٹسٹ سیما ناصر اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے بھارت جا رہی ہیں۔

☆ معروف ادیب انوار صدیقی اور مقبول مصنفہ بلقیس کنول کے دوسرا پوتا ہوا ہے۔ جس کا نام محمد ایان رکھا ہے (ایان، عبرانی لفظ ہے جس کے معنی کا تحفہ) بے حد مبارک باد!

☆ مستقل تبصرہ نگار کومل جوئیہ، کبیر والا کی عید کے بعد شادی ہو رہی ہے۔ پیشگی مبارک باد!

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مسز طلعت حسین کے بیٹے کی 17 دسمبر کو ڈاکٹر فرحین مرزا سے شادی ہو رہی ہے۔ بے حد مبارک باد! ڈاکٹر فرحین

کے ایم ڈی سی میں پڑھاتی بھی ہیں۔ ماشاءاللہ!

+ پاکیزہ کی تبصرہ نگار **سائرہ احمد**، جرمنی کے بیٹے کی سالگرہ اس ماہ میں ہے۔ مبارک باد!

+ پاکیزہ کی مستقل قاری **ناہید مصور** کے نواسا ہوا ہے۔ جس کا نام عمر رکھا گیا ہے۔ بے حد مبارک باد!

+ **سلمٰی اعوان** کا بیٹا ان دنوں آسٹریلیا سے لاہور آیا ہوا ہے۔

+ **نوشین ساجد** کی بجیا ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوگئی ہیں۔ ان کی بہن کی جلد شفایابی کے لیے ضرور دعا کریں۔

+ ڈاکٹر **ناہید ندیم**، اسلام آباد کی اس ماہ شادی کی سالگرہ ہے۔ بہت بہت مبارک باد!

+ پاکیزہ کی تبصرہ نگار **فریدہ اصغر مغل**، سیالکوٹ کے دیوران دنوں شدید علیل ہیں۔ ان کی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

+ گزشتہ دنوں **زہرہ چنید** "یونیک کلیکشن" کی نمائش کے لیے دبئی، شارجہ اور ابوظہبی گئیں۔ ماشاءاللہ!

+ افسانہ نگار **نگہت اعظمی** اپنے نئے گھر میں شفٹ ہوگئی ہیں۔ مبارک باد!

+ افسانہ نگار **ایم، کے صوفیہ** ان دنوں علیل ہیں۔ ان کی کلی صحت کے لیے ضرور دعا کریں۔

+ افسانہ نگار **لبنیٰ خیال** ایک پیاری سی بیٹی کی امی جان بن گئی ہیں۔ بے حد مبارک باد!

+ افسانہ نگار **شازیہ افتخار خان** کے دوسرا بیٹا ہوا ہے اور وہ ان دنوں لاہور سے کراچی اپنے میکے میں آئی ہوئی ہیں۔ شازیہ بے حد مبارک باد!

+ پاکیزہ کی قاری **ثروت بیگم**، سعودی عرب کے ایک پیاری سی بیٹی ہوئی ہے۔ بے حد مبارک باد!

+ تمام مسیحی قارئین کو کرسمس کی مبارک باد!

+ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار **رضوانہ بدر رضی**، بہاولپور نے اپنا بیوٹی پارلر کھولا ہے اور پاکیزہ بہنوں کو ڈسکاؤنٹ دے رہی ہیں۔ ماشاءاللہ!

+ ہمارا ناول **"چاندنی"** کا دوسرا ایڈیشن نئی کمپوزنگ اور نئے گیٹ اپ کے ساتھ گل قریش پبلشرز لاہور شائع کر رہا ہے۔

+ پاکیزہ کی تبصرہ نگار **ریحانہ مجاہد** نے خبر دی ہے کہ لندن میں مقیم رضوانہ پرنس کے والد جناب حیدر مہدی انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم رضوانہ پرنس کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور قارئین بہنوں سے استدعا کرتے ہیں کہ مرحوم کے لیے ایک بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعائے مغفرت کر دیں۔ نوازش ہوگی!

○.....○

❀ **سلمٰی اعوان** کی رائے لاہور سے۔ "افسانہ نمبر پڑھا بہت پسند آیا۔ رضوانہ پرنس کی مختصر سی تحریر دل پہ ٹھاہ کر کے لگی، رضوانہ ہم تمہاری خوشی و غم دونوں کے شریک ہیں۔ عطیہ عمر کا ناولٹ خصوصی طور پر پسند آیا۔ مجھے شمیم فضل خالق کی تحریریں بھی بہت پسند آتی ہیں کہ ان میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوتا ہے۔ ناہید سلطانہ بلاشبہ ایک بہت اچھی رائٹر ہیں۔ پاکیزہ ڈائری اور تمام کارنرز اس ماہ بھی اے ون رہے۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

❀ **حمیرا راحت**، کراچی سے۔ "سب بہنوں کو عید کی مبارک باد! نومبر کا شمارہ خصوصی طور پر پسند آیا۔ اس ماہ کے افسانے بے حد اچھے لگے۔ جب سے درس و تدریس سے وابستہ ہوئی ہوں منتہا بے حد پسند آ رہا ہے مگر ناہید جی آپ نے یہ سرکاری اسکولوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ پرائیویٹ اسکولوں میں تو ایسا ہرگز نہیں ہوتا ہے۔" (جی ہاں! یہ نقشہ صرف سرکاری اسکولوں کا ہے۔ پرائیویٹ اسکولز کی ٹیچرز تو اپنے اسٹوڈنٹس کی کاپیاں چیک کرنے کے لیے اپنے گھروں میں لے کر جاتی ہیں اور اسائنمنٹ بنانے کے ہوم ورک علیحدہ ملتے ہیں)

❀ **فاطمہ نجیب**، کراچی سے۔ "ہمیشہ کی طرح پاکیزہ کو پا کر اور پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ آپ نے میری کراچی آمد پہ خوش آمدید کہا۔ آپ کی بہنوں کے لیے ممنون ہوں۔ سیما مناف کی تحریر کہر میں کرن کو نہ سراہنا زیادتی ہوگی۔ صائمہ اکرم ہماری نٹ کھٹ سی شرارتی بہنا بہت اچھا لکھنے لگی ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ جتنا بھی دل اداس ہو جلترنگ پڑھ کر بے اختیار ہونٹ مسکرانے لگتے ہیں جزاک اللہ ہی کہوں گی۔ انجم جی لبنیٰ عروج کو ایک پیغام دے دیجیے گا کہ اب یہ آنکھ مچولی بند کر لیں۔ میں کراچی آئی ہوں وہ اسلام آباد جا چکی ہیں۔ ان سے کہیے کہ مجھ سے رابطہ کریں۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے بہت خوب صورت ہیں۔ خاص طور پہ مسیحا اور روحانی مشورے۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

❀ **فائزہ افتخار** کا تبصرہ، لاہور سے۔ "مجھے پرانے رسائل سنبھال کے رکھنے کی عادت نہیں لیکن اس کے باوجود حیرت انگیز طور پہ کئی یادگار تحریریں حرف حرف دل و دماغ پہ روشن ہیں جیسے نادرہ گیلانی کا سراب، عابدہ رؤف کے تہلکہ مچا دینے والے ناولٹ کچی کلیاں اور کالے چور، منیزہ سید کا کون دلاں

جانے اور شازیہ "باجی" کا میرے ساحر سے کہو، اب نسرین سبزواری کا صحرائے آرزو بھی مدتوں یاد رہے گا۔ البتہ اس کا حوالہ قطعی مختلف ہے کیونکہ اتنے ہوں میں، میں نے پاکیزہ میں اس سے زیادہ یا اس کے پائے کی بے مقصد بے سروپا کہانی نہیں پڑھی۔ بہت سے قارئین بہنوں کی محفل میں اس کے پلاٹ اندازِ کا کہیں کے جبکہ میرے خیال میں اب فلمیں بھی حقائق سے زیادہ میلوں کے فاصلے پرہ کے نہیں بنائی جاتیں۔ یہ تو سیدھا سادا اسٹار پلس کا ڈراما رہا تھا۔ انہی میں ایسے "معجزات" ہوا کرتے ہیں۔ اول تو یہ وضاحت کی ہی نہیں گئی کہ بی بی زویا پلین کریش میں بچی تو کیسے بچی، ہزاروں فٹ کی بلندی سے چٹیل میدان میں گرنے کے بعد ہڈی ہڈی سلامت رہنا ایک الگ معجزہ اور جلے ہوئے کمبل استعمال کرنا ایک الگ معجزہ سب جانتے ہیں کہ کمبل یا رضائی کو آگ پکڑ لے تو بھسم کرنے سے پہلے نہیں چھوڑتی تاوقتیکہ اس پہ پانی ڈال دیا جائے جبکہ پانی کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ دھوئیں اور آگ کا ذکر کیا گیا جلے میں کولڈ ڈرنکس، بسکٹ، انچی کیس، کھجاڑی (جو نہ جانے کون احمق ہوائی سفر میں ساتھ لے جا رہا تھا) وغیرہ وغیرہ صحیح سلامت برآمد ہوگئیں اور کیا وہ جنگلی قبائلی عورتیں تھیں۔ سبحان اللہ جنہوں نے پنڈلیاں تک ڈھک رکھی تھیں جبکہ نیشنل جیوگرافک چینل پر دکھائے جانے والے پروگرام کچھ اور ظاہر کرتے ہیں۔ چلیے جی نسرین صاحبہ، آپ خوش رہیے، ہمارا کیا ہے۔ عطیہ عمر نے اچھا لکھا۔ منتہا اور کہر میں کرن دونوں میں برابر کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ صائمہ نے بہت سلجھے ہوئے انداز میں لکھا، ویل ڈن۔ صائمہ اگلی بار لاہور کا چکر لگے تو ہمیں ضرور یاد کیجیے گا۔ اب بات کروں گی تجربہ کار اور سنئیر رائٹر کی، جن تحریروں کی میں بچپن سے فین ہوں۔ بچی، اتنی (بالکل منی) سی تھی جب سے ان کو پڑھ رہی ہوں اور خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ قلم اور تحریر میں مزید نکھار آ رہا ہے۔ ظاہر ہے جی، تجربہ..... اور وہ بھی وسیع تر، بڑی چیز ہوتا ہے۔ میں بات کر رہی ہوں اپنی قابلِ احترام بزرگ سنئیر شازیہ باجی کی۔ شازیہ باجی آپ اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہیں؟ اور ہاں انجم آپی سے پتا چلا کہ پچھلے ماہ آپ نے اپنی سالگرہ منائی۔ میرا اندازہ ہے اس کی تو ہوگی، جی کیا کہا باجی، اڑتیس سال کی ہیں صرف۔ چلیں اب اندازہ اتنا اوپر نیچے تو ہو جایا کرتا ہے۔" (گڑیا، رائٹر ہیں کاہو، چالیس کا ہو یا ساٹھ کا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس اسے لکھنے پر عبور ہونے کے ساتھ مشاہدہ اور معلومات کا صحیح ادراک رکھنا ہوتا ہے)

❀ **نوشین ساجدہ نوشی**، ملبر کینٹ سے۔ "کہر میں کرن کی کہانی بتدریج آگے بڑھ رہی ہے اور خاصے فیصلہ کن مراحل پہ آن پہنچی ہے۔ صحرائے آرزو کی کہانی کچھ بورنگ سی لگی۔ عطیہ عمر نے بھی روایتی ساس کے کردار کو اپنے ناول کا مرکز بنایا کچھ اوسط درجے کا لگا۔ رضوانہ پرنس کی بچی کہانی تیرا میرا پڑھ کر دل کو کچھ ہونے لگا۔ من آنگن کے بیچ ایک خوب صورت تحریر تھی۔ بلاعنوان میں فائزہ افتخار چندا نے بہت ساری باتیں اوپن ڈیبیٹ کے لیے کھول دی ہیں۔ ہر نظریے کو انہوں نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے جس سے میری طرح ضروری نہیں کہ سب کو اتفاق ہو۔ ہر کردار اپنے طور پر ہیرو بننے کے چکر میں ہے۔ یہ ایک اچھی کہانی ہو سکتی تھی۔ اگر تمام کرداروں کو درست ثابت کرنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ بہرحال ایسا ہوتا بھی ہے۔ لوگ اپنے اپنے طور پر سب جالاک بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس دوڑ میں کوئی کامیاب ہو جاتا ہے اور کوئی خاک چاٹتا رہ جاتا ہے۔" (تبصرے کا شکریہ)

❀ **رقیہ بانو**، لاہور سے۔ آپ کا تفصیلی خط پڑھا۔ آپ اپنے بیٹے کے لیے ڈاکٹر بہو چاہتی ہیں۔ اس وقت میرے پاس بی اے، ایم اے، ایم بی بی ایس لڑکیوں کے رشتے موجود ہیں اور یہ سب لڑکیاں تعلیم یافتہ خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر آپ ڈاکٹر بہو کی ضد چھوڑ دیں۔ تو ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ کہ ہم یہ سب کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں۔ اس کام کی کسی بھی سلسلے کی کوئی فیس نہیں ہے۔ بہنوں کی دعائیں ہمارے لیے ایک بہت بڑا سرمائے سے زیادہ ہیں۔

❀ **قیصرہ حیات**، سیالکوٹ سے۔ "گڑیا تم نے سوالنامے کے اوپر ہی اپنے جوابات لکھ دیے۔ علیحدہ صفحے پر پہلے سوال لکھتیں پھر اس کا جواب لکھتیں اس طرح تمہارے جوابات انتہائی مختصر سے بھی ہو گئے ہیں اور بعض سطریں پڑھی بھی نہیں جا رہیں۔

❀ **کومل جوئیہ**، کبیر والا سے۔ "سرورق اچھا لگا اور ملبوسات بھی مناسب تھے۔ منتہا کی کارگزاریاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ناہید سلطانہ کمال مہارت سے گرفت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ صائمہ اکرم کی تحریر پڑھ کر سکتہ سا طاری ہوگیا۔ کیوں؟ یہ تو مجھے خود نہیں پتا لیکن صائمہ جی دس از پرسن اینڈ نیچ مور بلاعنوان پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ فائزہ جی نے تصویر کے دونوں پہلو بڑے دلچسپ طریقے سے واضح کیے۔ من آنگن کے بیچ بہت زبردست تحریر لگی۔ کہر میں مغیفہ کے باپ کی خود ساختہ نفرت اور بیزاری کی کہر میں سے محبت کی کرن نکل..... رہی ہے۔ رضوانہ پرنس کی تحریر پر دل افسردہ ہوگیا۔ صحرائے آرزو رائی دنیا کا قصہ محسوس ہوا۔ آسیہ مرزا کی تحریریں سردیوں کے دنوں کی طرح سکڑتی چلی جا رہی ہیں۔ عطیہ عمر کا مکمل ناول بھی بہت پسند آیا اور مستقل طور پر ہی پاکیزہ کی جان، سب سے خوب صورت بہنوں کی محفل لگی۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

❀ **مریم احمد** کی رائے لاہور سے۔ "پہلے بلاعنوان پڑھی۔ ویل ڈن فائزہ جی بڑا مزہ آیا پڑھ کر۔ کہانی میں جہاں سبق تھا وہیں جگہ جگہ مسکراہٹوں

کے لیے بھی بڑی جگہ تھی۔ ونیزہ کی پالیسی تو بہت ہی اچھی لگی مگر کم چالاک صمد بھی نہیں تھا۔ کتنی خوب صورتی سے اس نے بے چاری مونا کو خوش فہمی کی چادر اوڑھا رکھی تھی۔ بلاعنوان پڑھ کر دوبارہ ورق گردانی کی تو نظر صائمہ اکرم کے افسانے پر پڑی۔ صائمہ کھلی ڈلی مبارک وصول کرلو۔ بے شک کہانی بہت ہی اچھی ہے۔ ایسے خوب صورت لفظوں کا جال بچھایا تم نے کہ کہانی ختم کرتے ہی بنی۔ بزم پاکیزہ کے پہلے دو سوال تو بس ٹھیک ہی تھے مگر آپ نے جو جواب دیئے ہیں۔ ان سے ان میں جان ہی پڑ گئی ہے۔ اتنے پیارے خاص کر سوال نمبر 97 کے جواب پر تو انعام آپ کو ملنا چاہیے۔ جلترنگ بھی ہمیشہ ہی کی طرح اچھا رہا۔ بلاعنوان میں جس طرح آپ نے اساتذہ کی عکاسی کی ہے۔ ان چیزوں کا مشاہدہ تو ہر آنکھ کرتی ہے مگر جس طرح آپ ان مسائل کو لفظوں میں ڈھالتی ہیں، وہ قابلِ تعریف ہے اور بدشکل میں جو تعریف آپ نے کی ہے۔ میرے خیال میں واقعی اس سے بڑا سچ کوئی نہیں۔ حلیمہ جی کا ناول بہت اچھا رہا۔ آسیہ مرزا نے کمال کا لکھا۔ اگر ہیروئن اندھی ہی تھی تو پھر اس کو روزانہ کھڑکی میں آنے کی کیا مصیبت پڑی تھی اور وہ بے چارہ ہیرو، جو آنکھیں رکھتے ہوئے بھی اندھا تھا۔ وہی اپنی آنکھوں کا صحیح استعمال کرسکتا تھا۔" (تبصرے کا شکریہ)

❁ تابندہ جبیں، کراچی سے۔" آسیہ مرزا کا افسانہ پڑھتے ہوئے شروع میں ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ ہیروئن صاحبہ نابینا ہوں گی بہت سے ایسے افسانے پڑھے ہوئے ہیں۔ صحرائے آرزو نسرین سبزواری کا تحریر کردہ افسانہ مجھے کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ اینڈ بھی کچھ تشنہ سا لگا۔ ایسا لگا معذرت کے ساتھ کوئی بورنگ فلم دیکھ رہے تھے۔ غزالہ فرخ نے بہت اچھا افسانہ لکھا اور سچ تو تھا چاہے ارینج میرج ہو یا لو میرج گزرتا وقت محبتیں کم کرتا جاتا ہے۔ زاہدہ پروین کا افسانہ من آنگن کے بیچ مجھے کچھ خاص پسند نہیں آیا۔ عجیب و غریب قصہ اور اینڈ اس سے بھی عجیب۔ فائزہ افتخار کا افسانہ اچھا تو تھا مگر اتنا اچھا نہیں۔ پچھلی بار جو لکھا تھا اس نے تو ہنسا ہنسا کر پیٹ میں درد کردیا تھا۔ شازیہ چوہدری نے خوب لکھا بہت خوب صورت طریقے سے روشناس کروایا کہ کچھ فقیر ایسے بھی ہوتے ہیں مگر اینڈ نے اداس کردیا۔ سلسلے وار ناول ٹھیک ہیں۔" (شکریہ)

❁ خالدہ ناہید، لاہور سے۔" لمبے عرصے سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں کئی بار خط بھی لکھا ایک بار تصویر بھی بھیجی تھی دو چار مرتبہ خط شائع بھی ہوا اب پھر کافی عرصے کے بعد حاضر ہوئی ہوں۔ نومبر کا ٹائٹل بہت پیارا لگا رمضان المبارک کے متعلق کے تحریریں پڑھ کر دل کو بہت سکون ملا۔ متھا کی کہانی کو اب آگے بڑھنا چاہیے۔ بلاعنوان بہت اچھی لگی اور باقی سب کہانیاں اچھی تھیں۔ جلترنگ تو ہمیشہ کی طرح اداس چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرتا چلا گیا۔" (شکریہ)

❁ صدف جبیں، گاؤں ہٹیاں سے۔" پاکیزہ ایک بہت مفید مزے دار چٹ پٹا لذیذ ماہنامہ ہے۔ مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ جب تک پاکیزہ نہ پڑھ لوں لگتا ہے اس ماہ مجھ سے کچھ گم ہوگیا ہے۔ خدا کے لیے انجم باجی میں بہت دور سے خط لکھتی ہوں لیکن آپ میرا خط بہنوں کی محفل میں شائع نہیں کرتیں۔" (گویا، اب تو خوش ہوناں)

❁ صفیہ مبین ساجد، سرگودھا سے۔" باجی میں اپنے میاں جانی کے متعلق آپ کو کیا بتاؤں؟ کہ وہ بہت بہت اور بہت ہی اچھے ہیں۔ خوب سیرت کے علاوہ خوب صورت بھی ہیں۔ بلکہ اتنے خوب صورت ہیں کہ شادی سے پہلے لوگ مجھے خوب صورت کہتے تھے لیکن شادی کے بعد میں جہاں جہاں بھی گئی ہوں۔ لوگوں نے یہی کہا ہے کہ منیہ تمہارے میاں بہت خوب صورت ہیں اور باجی میں خوش اس لیے ہوں کہ میرے میاں نہ صرف خوب صورت ہیں بلکہ خوب سیرت بھی ہیں اور میں بہت خوش ہوں۔ آپ دعا کریں کہ خدا میری خوشیاں قائم رکھے۔" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے آمین!)

❁ فریدہ جاوید فری، لاہور سے۔" پاکیزہ کا افسانہ نمبر ملا ٹائٹل گرل بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ آپی کیا پاکیزہ میں لکھنے والی رائٹرز کوئی الگ اور منفرد ہوتی ہیں کہ ان کے افسانے پڑھ کر بے حد مزہ آتا ہے۔ یوں تو سارے ہی افسانے اچھے لگے مگر حلیمہ عمر کا جلتا دشت غبار کا میں امامہ نے کتنا کٹھن وقت گزارا اور پھر اچھا دور بھی آیا درمیان میں اس کی ساس نے ظلم کیے مگر اسے اپنی نیکی کا پھل مل گیا اور جو نومبر دن افسانہ لگا۔ نسرین نگہت کا صحرائے آرزو پڑھ کر دل خوش ہوگیا۔ یہ افسانہ میں نے بار بار پڑھا ویل ڈن نسرین نگہت۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

❁ سائرہ احمد، جرمنی سے۔" باجی! پچھلے ماہ میں نے اپنے نئے گھر کے لیے دعا کا فنکشن کروایا۔ جس میں خاندان کے لوگ، دوستوں کے علاوہ جرمن دوست اور سب سے بڑھ کر شہر کے میئر نے بھی اس فنکشن میں بذاتِ خود شرکت کی جو باعثِ اعزاز تھا ہمارے لیے ماشاءاللہ اس قدر اچھا فنکشن رہا۔ ہم نے سارے پاکستانی کھانے، کلچر متعارف کروایا تھا۔ جو سب نے بے حد پسند کیا کل سارے لوگ ماشاءاللہ اس فنکشن میں 100 کے قریب تھے۔ میئر نے یہ خبر مقامی اخبار میں بھی دی اور بہت اچھا ہمارے گھر اور میرے میاں کے بزنس، عادات کے بارے میں آرٹیکل دیا۔ ہے نا خوشی کی بات! دوسری خبر یہ ہے کہ شمسہ بے حد قریب ہے میرے بہت جلد اپنے میاں کے ہمراہ میرے ہاں آرہی ہے جرمنی۔ ہے نا اچھی خبریں۔ (بڑی اچھی خبریں ہیں) مجھے سب سے زیادہ پاکیزہ کا جو سلسلہ پسند آرہا ہے وہ ہے ناول، کھیر میں کرن بہت اچھا ہے۔ میری طرف سے معذرت کو مبارک باد۔ دوسرا اس کا سلسلہ سمجھا ہے اور پھر ہیو کلینک اور سب سے بڑھ کر جلترنگ۔" (نوازش)

❁ فوزیہ ناز، کراچی سے۔" ماڈل گرل کی جو تصویریں سرورق کے اوپر ہوتی ہیں ایسی دیا کریں کہ جسم نمایاں ہو۔ ان لوگوں کو تو ذرا شرم نہیں آتی لیکن ان کو دیکھ کر ہمیں شرم آجاتی ہے۔ لہٰذا آئندہ احتیاط کریں۔ اسی لیے آپ نے اکتوبر کے سرورق پر جو ماڈل کی تصویر دی تھی۔ وہ اگرچہ لڑکی عام سی تھی لیکن دوپٹے کے اسٹائل کی وجہ سے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دلہن نمبر کی دلہن بس ٹھیک لگ رہی تھی۔ اس کے نقش بہت موٹے تھے۔ دوسری بات کہ چنگی والی نتھ ذرا نہیں اچھی لگ رہی تھی۔ آئندہ کسی بھی دلہن کی تصویر دیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ نازک نقش والی اور چھوٹے چہرے والی لڑکی کا انتخاب کریں اور تار والی نتھ استعمال کی جائے چنگی والی نتھ بالکل نہیں۔ پاکیزہ کے افسانے سب اچھے ہوتے ہیں۔ خصوصاً صائمہ اکرم اور فائزہ افتخار چنداء کے افسانے مجھے اچھے لگتے ہیں۔ جولائی کے شمارے میں جب فائزہ اور صائمہ کے افسانے پڑھے تو سچ بہت مزہ آیا کیونکہ میری طبیعت بھی ایسی ہے اور میں مزاحیہ قسم کی چیزیں زیادہ پسند کرتی ہوں اور میری پسند ان تک پہنچائیے گا۔" (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

❁ سمیعہ، راجہ جنگ سے۔" فائزہ افتخار کا بلاعنوان اچھا تھا اور صائمہ اکرم کی تو کیا بات ہے جس طرح مجھے ان کے خطوط پسند آتے ہیں۔ اسی طرح ان کی تحریریں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ باقی چنگی وقت کے ساتھ ساتھ آجائے گی، بیسٹ آف لک صائمہ جی۔ جلترنگ کی تو بات ہی نرالی ہے آنٹی ہمیں اس کی تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ آنٹی جی پاکیزہ ڈائری میں انٹرویو کے لیے کوئی خاص طریقہ ہوتا ہے یا جو چاہے انٹرویو لکھ دیں۔" (آپ پاکیزہ ڈائری میں شائع بہنوں کے انٹرویوز تو پڑھتی ہوں گی۔ آپ بھی اپنے بارے میں معلومات مختصر انداز میں لکھ کر بھیج دیجئے)

❁ عابدہ سیال، گڈو بیراج سے۔" سب بہنوں کو عید مبارک ہو۔ افسانہ نمبر اچھا لگا اور ٹائٹل بھی اے ون تھا۔ مسلسل ناول متھا اور کھیر میں کرن دونوں اپنے عروج پر چل رہے ہیں۔ پاکیزہ ڈائری کا اس دفعہ کا تمام انتخاب بیسٹ تھا۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں دوسرا انعام یا نہ شعر اچھا لگا باقی سب کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ سیما اور روحانی مشورے کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔" (شکریہ)

❁ فیروزہ بیگم کی رائے، کراچی سے۔" نسرین نگہت سبزواری کی تحریر بے حد دلچسپ تھی۔ پڑھتے ہوئے ایک سحر سا طاری رہا۔ رضوانہ پرنس کا تیرا میرا ساتھ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آسیہ مرزا کے لیے مشورہ ہے کہ بھرتی کے افسانے لکھنے سے بہتر ہے کہ انسان نہ لکھے کیونکہ اس سے فلکا کا امیج خراب ہوتا ہے۔ کھڑکی کا چاند ایک کمسی پنی تحریر تھی۔ اس ماہ سب سے جامع تحریریں شازیہ چوہدری، غزالہ فرخ اور فائزہ افتخار کی رہیں۔" (تبصرے کا شکریہ)

❁ نصرت پروین، لانڈھی، کراچی کا تبصرہ۔" رضوانہ پرنس کی آپ بیتی پڑھ کر انتہائی صدمہ ہوا۔ نسرین سبزواری کی تحریر ایک فلم سی لگی۔ کہانی میں بے شک کمزوریاں ہیں، مگر طرزِ تحریر مسحور کُن ہے۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ آپ معاشرتی موضوعات پر قلم اٹھائیے۔ بے حد کامیاب رہیں گی۔ آسیہ مرزا کا افسانہ پڑھ کر ایک دھچکا سا پہنچا۔ ہیرو کے حوالے سے نہیں بلکہ آسیہ کے حوالے سے کہ وہ ایسی ہلکی تحریر بھی لکھ سکتی ہیں۔ صائمہ اکرم کا افسانہ ایک اخباری خبر پر محیط تھا۔ عشرت ناتب کی تصویر اچھی نہیں لگی۔ سمز خان کے سوال کا جواب ہے کہ پیدائشی مختوم بچے بہت خوش قسمت اور بھاگوان ہوتے ہیں اور انہیں محمدی بچے کہتے ہیں۔" (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

❁ مسز الیاس، کراچی سے پوچھتی ہیں کہ دانتوں میں اگر کیڑا لگ جائے تو کیا کسی بہن کے پاس آزمودہ دیسی طریقہ ہے، جس سے کیڑا خود ہی نکل جائے، مزید برآں ان کے مسوڑھوں میں آئے دن انفیکشن ہوتا رہتا ہے، اس کے لیے بھی کوئی بہن آزمودہ طریقہ بتادیں۔ (توجہ دیجئے)

❁ مسز اے، خان، کراچی سے کہتی ہیں کہ ان کی پانچ سالہ بچی کی گردن بے حد کالی ہے۔ جب کہ اس کا رنگ گندمی ہے۔ کیا گردن کی سیاہی کسی دیسی نسخے سے کم کی جاسکتی ہے۔ (توجہ دیجئے)

❁ منزہ یاسمین، لاہور۔ آپ اپنی تصویر کے ساتھ کسی بھی شاعر کا کلام بھیج دیں ہم اسے شائع کردیں گے۔ آپ کا مقصد بھی پورا ہوجائے گا کہ آپ کے خیالات آپ کے مگیزین تک پہنچ جائیں گے۔

❁ مس نائیلہ نجمی، پاکپتن۔ صائمہ اکرم کے نام جو آپ نے تبصرہ اور خط لکھا ہے۔ وہ نہ صرف عجیب و غریب ہے بلکہ بے تکا سا بھی ہے۔ ہم اس طرح کی کوئی تحریر شائع نہیں کرتے، جس سے ہماری رائٹر کی ذات کو نشانہ بنایا جائے۔

❁ شمیم محمود، شارجہ۔ آپ کے پُرمحبت جذبات مجھ تک پہنچ گئے ہیں۔ جب کبھی کراچی آئیں، آپ مجھ سے ملنے آجائیں۔

❁ سطوت بیگم، کراچی۔ پڑھنے سے قبل آپ کے افسانوں کے بارے میں کیونکر رائے دے سکتی ہوں۔ پہلے آپ بھیجئے تو سہی!

❁ فرحت احمد، کراچی سے۔" باجی نومبر کا شمارہ بہت شان دار رہا۔ سرورق سے لے کر آخر تک۔ متھا بہت اچھا جارہا ہے لیکن مجھے تو ملتجا کے

ساتھ کوئی نا انصافی ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ کہر میں کرن بھی اچھا ہے۔ صائمہ اکرم نے بہت اچھا لکھا۔ شاذیہ چوہدری کا انداز کچھ منفرد لگا بہر حال اچھا ہے۔ باجی اس دفعہ مجھے فائزہ افتخار چندا کا بامعنوان بے حد پسند آیا۔ گھریلو سیاست کی ایک حقیقی تحریر، ویل ڈن۔ رضوانہ پرنس کا دکھ دل سے محسوس کیا۔ صحرائے آرزو کچھ انگلش اور کچھ فلمی ہیوینشن لیے ایک مہماتی تحریر لگی۔ عطیہ عمر کا جلتا دشت غبار کا خاص کر عورتوں خصوصاً ساس بننے والی عورتوں کے لیے ایک سوچتی تحریر ہے۔ عشرت ثاقب کا انٹرویو بہت بہت پسند آیا۔ رمضان مبارک کے لیے رحمتیں اور برکتیں بہت کارآمد ہیں۔" (شکریہ)

☆ نائلہ سعید، عارف والا سے۔ "افسانہ نمبر خوب صورت سرورق سے مزین ملا۔ پہلے آپی انجم انصار کی دل موہ لینے والی باتیں بہت پسند آئیں۔ ابھی تو دھوپ تیز تھی صائمہ اکرم کی بہترین کاوش تھی۔ اس میں مصنفہ نے بہت ہی اچھے الفاظ کا چناؤ کیا ہے اس میں جو بات میری سمجھ میں آتی ہے کہ مرد ہمیشہ عورت کو کمزور کیوں بناتا ہے۔ متھنا ناہید سلطانہ اختر جلتا دشت غبار کا عطیہ عمر تیرا میرا ساتھ رضوانہ پرنس کی بھی اچھی لگی۔ آسیہ مرزا کی کاوش بہت ہی انٹرسٹنگ تھی۔ جس گھر کی روشنی کے لیے شارق صاحب نے چاند کا انتخاب کیا تھا اس چاند کو گرہن نے اپنی لپیٹ میں پہلے ہی لے رکھا تھا۔ باقی سب تحریریں بھی قابلِ ستائش نہیں۔ مستقل سلسلے میں اکثر تنگاتی ہوں، بزم پاکیزہ اور پاکیزہ ڈائری سب ہی شان دار تھے۔" (نوازش)

☆ تبسم زیدی، گاؤں ٹمن سے۔ "اس پاکیزہ میں آپ نے جن لوگوں کی تحریروں کو مس کیا ان میں کہیں بھی میرا نام نہیں ہے۔ کیا آپ مجھے بھول گئی ہیں کہ کوئی تبسم زیدی تھی بھی یا نہیں آپ نے میرا نام کیوں نہیں لکھا۔ میں نے اتنے دن تبصرہ نہیں لکھا تو آپ نے بھی نہ پوچھا کہ بھئی تبسم تم کہاں ہو۔ میں آپ سے شدید ناراض ہوں۔ دو ماہ سے پاکیزہ بہت لیٹ مل رہا ہے۔ اس لیے تبصرہ نہیں لکھ سکی لیکن سب بہنوں کے نام پڑھ کر میں بہت جیلس ہوئی کہ میری پیاری بجو کو میرا کچھ خیال ہی نہیں ہے۔" (گڑیا، میں آپ کو ہرگز نہیں بھولی ہوں۔ اپنی ناراضی رفع کرو، ہاں اب طبیعت کیسی ہے؟)

☆ شمائلہ ارشد، فیصل آباد سے۔ "افسانہ نمبر کا ٹائٹل بے حد شان دار لگا۔ اندرونی صفحات پر دیدہ زیب کڑھائی والے ملبوسات دیکھنے کو ملے۔ عطیہ عمر کا مکمل اور دلچسپ ناول جلتا دشت غبار کا اس بار پاکیزہ کی باقی تمام تحریروں سے بازی لے گیا۔ مصنفہ نے بڑی مہارت سے امیر سسرال میں پیش آنے والے مسائل کے بارے میں لکھا۔ واقعی دنیا میں بہت سے لوگ ایسے نظر آتے ہیں جو کسی کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ ناول کہر میں کرن کو مصنفہ سیما مناف نے آخر کار آخری مراحل میں داخل کر ہی دیا۔ خوشی تو تب ہوگی جب ناول کا اینڈ میری توقع کے مطابق ہوگا۔ متھنا ناول کی کہانی ابھی تک اداسیوں میں گھری نظر آ رہی ہے۔ کہانی تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ناولٹ ابھی تو دھوپ تیز تھی پڑھ کر اندازہ ہوا کہ ایک وقت ایسا ہوگا جب صائمہ اکرم کا نام پاکیزہ کی مایہ ناز مصنفات میں شامل ہوگا۔ (انشاء اللہ) رضوانہ پرنس کا تیرا میرا ساتھ پڑھ کر بہت رونا آیا۔ معروف نیوز ریڈر عشرت ثاقب کا انٹرویو بہ سع تصویر اچھا لگا۔ آنٹی آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ میں مخبرین اعجاز کے نام کتنے پیسوں کا منی آرڈر بھیجوں۔" (آپ دو سو (200) روپے کا منی آرڈر بھیجیے۔ اس میں ڈاک خرچ بھی شامل ہے)

☆ روبی مریم حمید، کراچی سے۔ "متھنا میں کہانی کچھ آگے نہیں بڑھی۔ سوائے فضہ صاحبہ کی بیٹی ہونے کے بامعنوان میں فائزہ افتخار چندا کا افسانہ بہت سمجھ کے پڑھنا پڑا۔ میاں بیوی کے رشتے میں بھی سیاست ہوتی ہے پڑھ کر سمجھ آئی دنیزہ کی سمجھداریاں پسند آئیں۔ کہر میں کرن میں مغفرہ کے والد میں تبدیلی اچھی لگی۔ کچھ بھی ہو لیکن مغفرہ اولاد تو انہی کی ہے۔ آنٹی میں نے پاکیزہ ڈائری کے لیے انٹرویو بھیجا تھا اس کا کیا بنا؟ پلیز جواب تو دیں۔ بہنوں کی محفل اس مرتبہ بہت پُر رونق تھی۔" (آپ اپنا انٹرویو دوبارہ بھیج دیجیے کہ وہ ہمیں نہیں ملا ہے)

☆ عاتکہ قریشی، اسلام آباد۔ گڑیا آپ اپنے لطائف، شاعری خوب محنت سے لکھ کر یا انتخاب کر کے ہمیں بھجوایئے۔ ہم آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے۔

☆ نسیم نیازی، کیماڑی، کراچی سے۔ "خوب صورت ٹائٹل کے ساتھ پاکیزہ ملا۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں ماہ رمضان کے بابرکت رحمتوں، مغفرتوں عنفتوں والے مہینے کے بارے میں تمہاری سوچ ٹھاہ کر کے دل کو جا لگی۔ صائمہ اکرم اور فائزہ افتخار پہلے بہنوں کی محفل میں زبردست دھوم مچانے کے بعد اب افسانہ نگاری میں بھی بے حد کامیاب جا رہی ہیں۔ تحریر میں پختگی، روانی اور بے حد گہرائی ہے۔ اللہ دونوں کو اور بھی کامیاب کرے اس بار بھی صائمہ اکرم ابھی تو دھوپ تیز تھی اور فائزہ افتخار بامعنوان میں اپنی خوب صورت تحریروں کے ساتھ متاثر کر گئیں۔ صحرائے آرزو نسرین نگہت سبزواری صاحبہ وہی مشہور زمانہ جہاز کے گم ہو جانے والے قصے سے متاثر ہو کے اچھی تحریر لائیں۔ ماحول کا رنگ بے حد خوب صورت اور حقیقی انداز میں تحریر میں نمایاں رہا۔ ایک ہاتھ پھیلا تھا شاذیہ..... نے ایک نئے موضوع پر قلم اٹھایا گویہ ہمارے معاشرے کا ایک ناسور حقیقت ہے گو اگری مگر زمانہ اس حد تک آ گیا ہے بہر حال شاید یہ دنیا ہے ایسا بھی ہوتا ہے۔ سیما مناف کا کہر میں کرن لگتا ہے من قریب اینڈ ہونے والا ہے۔ عطیہ عمر کا جلتا دشت غبار کا ساس بہو کی دشمنی تو ازلی ہے مگر اس قدر خوفناک

ساس بھی ہوتی ہیں کیا؟ اس بار پاکیزہ کے افسانے تھوڑے موضوع کی تبدیلی کے ساتھ تھے۔ اس لیے اچھے لگے۔ ماہ رمضان کے حوالے سے رمضان مبارک کی برکتیں اور رحمتیں کے عنوان سے پڑھنے کو خوب صورت مواد ملا۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

☆ مسز فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ "ٹائٹل قدرے بہتر لگا۔ آپ کی باتیں بہت جامع رہیں، صائمہ اکرم نے ویسے تو خوب کہا مگر آئیڈیا انہوں نے چند سال قبل عاصمہ جہانگیر ایڈووکیٹ کے چیمبر میں قتل ہونے والی لڑکی کے واقعے سے لیا ہے۔ یہ حقیقی واقعہ ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے صائمہ نے قلمبند کیا۔ کیوں صائمہ کیا یہ درست نہیں؟ ایک ہاتھ پھیلا تھا۔ شاذیہ نے بہت نازک موضوع کو تحریر کیا۔ اریشہ کے لیے دکھوں کے در کھل گئے۔ من آنگن کے سچ زاہدہ پروین نے اچھے انداز میں عکاسی کی کہانی میں دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہی۔ شارق کی مصیبت بہر حال ٹل گئی۔ غزالہ فرخ کا گھر موم کا بنایا ہے، خوب صورت جذبوں کی کہانی محسوس ہوئی۔ کہر میں کرن لگتا ہے اپنے اختتام کی جانب ہے۔ کیونکہ حالات ایسے ہی دکھائی دے رہے ہیں۔ سیما مناف نے ابھی تک اس میں خوب صورتی برقرار رکھی ہوئی ہے۔ رضوانہ پرنس کی تیرا میرا ساتھ کسی قدر دلگداز حرفوں سے بنی حقیقی تحریر تھی۔ میرے آنسو پھسل گئے گالوں پر۔ صحرائے آرزو بلاشبہ بہت مشکل موضوع پر لکھی جانے والی بظاہر عام سی تحریر تھی مگر مصنفہ کے مشاہدے کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے چابک دستی سے اسے انجام تک پہنچایا۔ زویا جیسی لڑکیاں قابلِ احترام ہیں کہ وہ ہر حالت میں اپنے ناموس کی محافظ ہوتی ہیں۔ بشرطیکہ مسافر جیسا ہمسفر بھی ہمراہ ہو۔ آسیہ مرزا کا کھڑکی کا چاند پڑھ کر دکھ بھی ہوا اور رونا بھی آیا۔ جلتا دشت غبار کا عطیہ عمر نے اپنے مدبرانہ انداز میں بہترین تخلیق سامنے رکھی۔ امامہ کی ہمت و عزم ایک سبق دے گیا۔ عطیہ عمر ہمیشہ منفرد انداز میں لکھتی ہیں۔" (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

☆ صاعقہ ریاض، حیدر آباد سے۔ "سب سے پہلے اداریے کی مفید باتوں سے مستفید ہوئے۔ آگے چلے تو فیشن کے ڈیزائن نے دل لبھایا۔ صائمہ اکرم کی سحر انگیز تحریر نے گہرا تاثر دل پر چھوڑا اتنی اچھی تحریر تھی صائمہ اکرم تو ابھی سے اتنی اچھی رائٹر بن گئیں۔ شاذیہ چوہدری نے بھی اے ون لکھا۔ زاہدہ پروین کی رمضان کی مناسبت سے لکھی تحریر اچھی کاوش تھی ہاں مگر نسرین نگہت نے جو لکھا وہ حیران کن تھا۔ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا پورا جہاز تباہ ہو گیا اور کسی نے کوئی خبر نہیں لی کہ جہاز کہاں گرا اور اس میں بیٹھے لوگوں کی لاشیں کئی دن تک وہاں پڑی رہیں یہاں تک کہ اتنے دن ہو گئے اور وہ دونوں اکیلے جنگل میں رہتے رہے مجھے تو یہ فلم کی اسٹوری لگ رہی تھی۔ رضوانہ پرنس کی تلخ حقیقت اداس کر گئی مگر تھوڑی دیر کے بعد ہی جلترنگ نے اداس طبیعت میں مزاح کے رنگ بکھیر دیئے۔" (تبصرے کا شکریہ)

☆ حمیرا عبدالرحمٰن، ماتلی سے۔ "سیما مناف بہت اچھی رائٹر ہیں۔ کہر میں کرن زبردست لکھا ہے۔ ایک ہاتھ پھیلا تھا، شاذیہ چوہدری نے تو اس بار بھیک منگوں کے سچ پھنسا دیا۔ سچ آنٹی ذرا بھی پسند نہیں آیا۔ عطیہ عمر کا مکمل ناول بہت بہت پسند آیا۔ باقی سارے ناولٹ اچھے تھے پڑھ کر بوریت کا احساس نہیں ہوا۔ عشرت ثاقب سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ ویسے مجھے تو بچپن سے ہی یہ نیوز ریڈر بہت پسند تھی۔ جلترنگ میں بامعنوان اچھا لگا۔ بزم پاکیزہ میں اس بار سارے ہی سوالات اچھے لگے۔ بہنوں کی محفل پاکیزہ کی دل ہے تو پاکیزہ ڈائری پاکیزہ کی زینت ہے۔ آخر میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی آنٹی کیا میں اپنی خوشیاں آپ کے ساتھ شیئر کر سکتی ہوں۔" (کیوں نہیں۔ گڑیا!)

☆ صائمہ سانگلہ ہل سے۔ "یہ نسخہ شیخ بہاولپور کے لیے اور "ہیپاٹائٹس سی" کے تمام مریضوں کے لیے ہے۔ یہ نسخہ پچھلے دنوں حکیم عبدالقادر آغا صاحب نے پی، ٹی، وی کے خواتین ٹائم کے پروگرام آن لائن میں بتایا تھا۔ خصوصی طور پر ہیپاٹائٹس سی کے مریضوں کے لیے جو کہ میں نے نوٹ کر لیا۔ نسخہ اس طرح ہے۔ گاجر کا جوس ایک گلاس، کینوس کا جوس ایک گلاس، ملیلٹھی 500 ملی گرام یعنی ایک گرام کا آدھا حصہ صبح نہار منہ یعنی کچھ بھی کھانے سے پہلے دونوں قسم کے فریش جوس کے ساتھ ملیلٹھی استعمال کریں۔ دوسری خوراک اتنی ہی مقدار میں دونوں قسم کے جوس کے ساتھ عصر کے وقت جب پیٹ خالی ہوتا ہے استعمال کریں۔ اب جبکہ ان دونوں چیزوں کا موسم بھی آ رہا ہے۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ ہیپاٹائٹس سی والوں کے لیے یہ بہت مفید نسخہ ہے۔ ان کے مطب سے کئی مریض ٹھیک ہو کر گئے ہیں۔ حکیم صاحب کا مطب کراچی میں ہے۔ مجھے ان کا ایڈریس معلوم نہیں۔ کراچی میں رہنے والی کوئی بہن جانتی ہو تو بذریعہ پاکیزہ بتا دیں۔ جوس دونوں قسم کا ضروری ہے ایک ایک گلاس باقی شفا تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ دوا کے ساتھ دعا بھی اس مبارک مہینے میں سب بہنیں سب کے لیے کریں۔" (یہ نسخہ اتنا سادہ سا ہے، کہ کسی بھی صورت میں نقصان دہ نہیں ہے۔ صائمہ آپ کا بہت شکریہ۔ بہنوں سے استدعا ہے کہ اچھی چیزوں کو آگے بڑھایا کریں)

☆ عاصمہ ملک، دبئی، کراچی سے۔ "زاہدہ پروین جی نے عید کا مزہ دوبالا کر ڈالا۔ متھنا کی اگلی اقساط کا ہمیشہ کی طرح انتظار ہے اور ساتھ ہی عطیہ عمر جی اور صائمہ اکرم بھی نمبر لے گئیں۔ باقی سلسلے بھی شان دار ہے۔ آنٹی جی آپ سب سے کہتی ہیں کہ اپنی کاوشوں کو بھیج دیجیے میں پڑھ کر جواب دوں گی

ور دیتی بھی ہیں پر مجھ غریب پر کیوں برا وقت آیا ہوا ہے۔'' (گڑیا، آپ کا افسانہ ناقابلِ اشاعت ہے)

✽ دریاب ملک، ملتان سے۔ ''ایک بہن نے پیانائٹس کے بارے میں پوچھا ہے تو اس کے لیے ایک وظیفہ جو کہ ایک بزرگ نے بتایا ہے وہ
تحریر کر رہی ہوں۔ عشا کی نماز کے بعد سورۂ تغابن سات بار اس طریقے سے پڑھی جائے کہ پہلی بار پڑھ کر ایک آنکھ میں پھونک دیں اور دوسری بار دوسری
آنکھ میں اسی طریقے سے دونوں کانوں، ناک، منہ میں پڑھ کر پھونک دیں پڑھنے والا نماز کا پابند ہونا چاہیے عمل کی مدت کم از کم دو ماہ ہے۔ (ساتویں بار
کہاں پھونکیں اس کی وضاحت آپ نے نہیں کی) نائٹل بس سو سو بار ہاسب سے پہلے پاکیزہ کا دل یعنی مجھے کچھ کہنا ہے پڑھا اور ملبوسات دیکھے جو کہ زیادہ نہیں
ہائے ویسے اس بار سارے سوٹ کڑھائی والے تھے یہ پیچ اچھا لگا اور پھوجانی آپ ماڈل کے شوز پر توجہ نہیں دیتے۔ تقریباً ایک ہی شوز پر ہر ماہ اکتفا کیا جاتا
ہے اس کے بعد ملتجا پڑھی جو کہ فرحان کی موت کے بعد بہت ہی زیادہ سرلیس ہو گئی ہے اس کے بعد کہر میں کرن تک ایک ہی جست میں پہنچ دیے مجھے رائٹر
سے یہ پوچھنا ہے کہ فیفہ جیسی لڑکی کہاں پائی جاتی ہے جب میں نے اس جیسی بننے کی کوشش کی تو چار دن گھر کے کام جلدی کرتے کرتے ہماری کمر میں
زبردست چک پڑ گئی ہے۔ اس کے بعد دیکھا تو صائمہ اکرم کہہ رہی تھیں کہ ابھی تو دھوپ تیز تھی۔ صائمہ نے زبردست لکھا میری طرف سے صائمہ کو مبارک
دا!'' (شکریہ)

✽ نیتی دیو پال، سندھ سے۔ ''مستے میں نیتی دیو پال آپ کی ڈائجسٹ کی بہت ہی پرانی قاری ہوں۔ مجھے آپ کا ڈائجسٹ بہت پسند ہے آپ
کا ڈائجسٹ کے سارے ہی آرٹر بہت شوق سے پڑھتی ہوں، خط لکھنے کی ہمت پہلی دفعہ کر رہی ہوں (خوش آمدید) میں اسکیچز بھیجنا چاہتی ہوں۔ امید ہے کہ
آپ اسے چھاپ کر میری حوصلہ افزائی کریں گے۔'' (گڑیا، پاکیزہ کے لیے اسکیچز ہمارے مصور صاحب ہی بناتے ہیں۔ آپ اپنے مراسلات بھیجیے، میں
نہیں ضرور شامل کروں گی)

✽ شگفتہ رائیل سکھر سے۔ ''پہلی مرتبہ لکھ رہی ہوں اور اس امید پر کہ آپ میرا پہلا خط ضرور شامل کریں گی۔ آنٹی مجھے پاکیزہ کے تمام سلسلے بے
حد پسند ہیں۔ مجھے کچھ کہنا ہے پاکیزہ کی تمام کہانیاں اور مسیحا اور روحانی مشورے تو بے حد پسند ہیں اور بہنوں کی محفل تو اک ہی سانس میں پڑھ لیتے ہیں۔ تمام
بہنوں کے خطوط بے حد پسند آتے ہیں۔ اس کے علاوہ آنٹی جلترنگ تو اتنا پسند ہے۔ پڑھتے پڑھتے اتنی ہنسی آتی ہے کہ گھر والے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا انجم
انصار نے کیا لکھ دیا ہے تو پھر گھر والوں کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ وہ بھی بہت ہنستے ہیں۔'' (گڑیا، خوش آمدید! امید ہے کہ آئندہ بھی تبصرے کے ساتھ خط لکھتی
رہیں گی۔)

✽ ثمرینہ خان، ڈنمارک سے۔ ''بچپن سے پاکیزہ پڑھتی آ رہی ہوں۔ آٹھویں کلاس سے اس کا ساتھ ہے اب خیر سے وطن سے دور اور چار
بچوں کی ماں ہوں۔ پاکیزہ بہت بہت بڑھا ہر دفعہ سوچا خط لکھ کر اپنی انٹری کرا دوں لیکن بس سوچ کر ہی رہ گئی لیکن اب رہا نہیں گیا تو کاغذ قلم تھام بیٹھ گئے۔
پاکیزہ کے تمام سلسلے بے حد پسند ہیں۔ تین عورتیں تین کہانیاں بے حد پسند تھیں۔ فیشن بھی اچھا جا رہا ہے اور آپ کے جلترنگ کی تو کیا بات ہے۔'' (خوش
آمدید، ہاں اب آتی رہنا)

✽ فریال خورشید، سرگودھا سے۔ ''ناٹل اچھا تھا کچھ خوشگواریت کا احساس ہوا۔ اداریہ بھی ہمیشہ کی طرح بہت اچھا تھا اور مستقل سلسلے سارے
ہی اپنی جگہ زبردست تھے۔ کہر میں کرن میں فیفہ اب اشعر کی دلہن بنے گی یا سبطین کی؟ یہ سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے۔ غزالہ فرخ کا گھر موم کا بنایا ہے اور
شازیہ چوہدری کا ایک ہاتھ پھیلا تھا کا پک بہت اچھا تھا۔ رمضان المبارک کی رحمتیں اور برکتیں ایک بہت ہی زبردست خزانۂ معلومات تھا۔ عشرت ثاقب کا
انٹرویو بھی بہت مزے دار لگا اور ایک خبر یہ ہے کہ گل شیریں ہر گودھا ہم سب کو اگلے ایک، دو ماہ میں انشاء اللہ ایک پیاری سی خوش خبری دیں گی۔ ابھی وہ اپنے
بیٹے عبداللہ میں مصروف ہیں۔'' (آپ کے خط سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ عبداللہ کی شادی ہو رہی ہے یا عبداللہ کا کوئی بھائی، بہن آنے والا ہے)

✽ زہرا حسین، حسین پور سے۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے ہمیشہ کی طرح دل کو چھو لینے والا تھا۔ ابھی تو دھوپ تیز تھی، صائمہ اکرم کی کاوش اچھی لگی۔ ایک
ہاتھ پھیلا تھا شازیہ چوہدری کا منفرد انداز اچھا لگا۔ بلا عنوان فائزہ افتخار چندا کا بہترین اندازِ نظر دل کو بھایا۔ من آنگن کے بیچ زاہدہ پروین کی اچھی لگی۔ گھر
موم کا بنایا ہے غزالہ فرخ نے بہت اچھا لکھا۔ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہو لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ تیرا میرا ساتھ رضوانہ پرنس نے آنکھوں کو برسنے پر مجبور کر دیا۔
صحرائے آرزو نسرین نہمت ہزداری ایک انوکھی کہانی جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔ کھڑکی کا چاند آسیہ مرزا کی پسند آئی۔ جلتا دشت غبار کا حلیہ عمر کا ناولٹ بہت
اچھا تھا۔ سبھی محبت کرنے والے ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ عشرت ثاقب سے ملاقات بہت اچھی رہی۔ رمضان المبارک کی رحمتیں اور برکتیں بہت ہی اچھی
تھیں۔ ایسی برکتیں اور رحمتیں ہم پر ہمیشہ رہیں۔'' (آمین ثم آمین)

✽ ریحانہ رانا، ملتان سے۔ ''زاہدہ پروین کا من آنگن کے بیچ سو سو تھا۔ ان کی تحریر سے مجھے تھوڑا سا اختلاف تھا وہ یہ کہ جہاں پر ان کے افسانے
کی ہیروئن دعا میں یہ الفاظ استعمال کرتی ہے کہ اس پوشیدہ راز کو فاش کر دے میرے مولا اور میرا راز فاش کر دے مولا۔ میرے خیال میں دعا کے لیے یہ
الفاظ ذرا غیر مناسب تھے۔ ان کی جگہ اگر اس طرح کہ الفاظ استعمال کر لیے جاتے کہ اے اللہ میری مشکل آسان فرما یا پھر اے مولا، اس مشکل وقت میں
میری مدد فرما تو زیادہ بہتر تھا۔ کیونکہ راز فاش کرنا اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے ناپسندیدہ قرار دیا ہے تو پھر بھلا خود سے راز کیسے فاش کر سکے گا۔ امید ہے زاہدہ
نے نائٹل نہیں کیا ہوگا اسی طرح آخر میں جب شارق کو اپنی شب قدر والی دعائیں یاد آتی ہیں تو جناب کہانی میں کہیں یہ بات نہیں بتائی گئی کہ شارق کو شب قدر
نصیب بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ کیونکہ رمضان کے آخری عشرے کے متعلق جب کہانی شروع ہوتی تو اس میں صرف ایک جگہ لکھا گیا ہے کہ عبادت کی اس رات
اول تو رمضان المبارک کی تمام راتیں ہی عبادت کی راتیں ہوتی ہیں۔ دوسرے کہ اگر آخری عشرے کے حوالے سے دیکھا جائے تو تمام طاق راتیں عبادت کی
راتیں ہیں۔ اس لیے شارق کو کیسے پتا چلا کہ صرف وہی ایک عبادت کی رات تھی۔ غزالہ فرخ اور رضوانہ پرنس کی ایک حقیقت تیرا میرا ساتھ اچھی تحریریں
تھیں۔ کہر میں کرن تو ہے ہی زبردست اور آخر میں اگلے ماہ اس کی آخری قسط پڑھیے لکھا دیکھ کر تو مزہ ہی آ گیا۔ حلیہ عمر کا مکمل ناول بھی اچھا تھا۔ البتہ نسرین
نہمت ہزداری سے پوچھنا تھا کہ یہ کہانی کس انگلش مووی کا اردو ترجمہ ہے۔ پھوپھو پلیز اس طرح کی کہانیاں پاکیزہ میں مت لگایا کریں۔'' (تبصرے کا
شکریہ)

✽ ثمینہ رانا، ملتان سے۔ ''جلترنگ میں بلا عنوان پڑھ کر ایسا لگا جیسے آپ پر ملتجا کا اثر ہو رہا ہے۔ میں اور میری بہن جو ٹیچر ہے بلا عنوان کو بہت
انجوائے کیا۔ بہنوں کی محفل میں اس دفعہ بہنوں کی سرگرمیاں زیادہ تر مبارک باد والی تھیں اس لیے سب کو مبارک باد۔ ویسے مجھے بلقیس کنول صاحبہ سے پوچھنا
تھا کہ ایاد کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ ویسے نام بہت اچھا ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

✽ سبین، کراچی سے۔ ''میرا نام سبین ہے۔ میں اصل میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس کا مطلب کیا ہے میں نے سنا ہے کہ یہ کسی بہشتی کا نام ہے
اگر آپ برائے مہربانی اس کا مطلب بتا دیں تو میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں گی۔ یہ میرا پہلا خط ہے کوشش کروں گی کہ آئندہ بھی خط لکھا کروں اور پابندی
سے رسالہ خرید کر تبصرہ لکھا کروں۔ میری لکھائی اردو کی بہت خوب ہے۔ انگریزی کی کچھ بہتر ہے اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آئندہ آپ کو خط انگریزی میں لکھ
لیا کروں؟'' (سبین خوش آمدید! آپ ہمیں انگریزی میں خط لکھ سکتی ہیں۔ نام کے بارے میں کوئی خط آیا تو اسی محفل میں لگا دوں گی)

✽ عفت بتول، حافظ آباد سے۔ ''ملتجا کے حوالے سے اہم خبر یہ ہی کہ مسا ہسا ملتجا محبت کی پُرخار راہوں پر گامزن ہو چکی ہیں۔ ہائے میں مر گئی۔
اب ہیروئنیں جیلوں میں بھی بند ہونے لگی ہیں، کہانی تو اچھی لگی مگر صائمہ! کیا ساری رائٹرز کی میٹنگ ہوئی ہے کہ ہر مہینے کسی ہیرو ہیروئن کو مارنا ضرور ہے؟
ایک ہاتھ پھیلا تھا اچھا اصلاحی ناولٹ تھا۔ بلا عنوان میں فائزہ نے گدھا اور گدھی بن کے رہنے کے فوائد پر روشنی ڈالی۔ صحرائے آرزو کے ہیرو ہیروئن کو بہت
وحشت میں ڈالا گیا۔ ویسے نسرین جہاں اتنے بڑے حادثے کے بعد سوئی دھاگا بچا لیا تھا وہاں ایک موبائل بھی بچا لیتیں شاید ان کے کسی کام آ ہی جاتا۔
پرکشوں! ویرانے میں رومان کیسے پروان چڑھتا پھر حلیہ جی زندہ باد ناول بہت اچھا لگا۔ گھر موم کا بنایا ہے پڑھتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مووی
فارورڈ ہو ہو کر آنکھوں کے سامنے سے گزرتی جا رہی ہو۔ سعدیہ ہاشمی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ رضوانہ پرنس کے دکھ نے رُلا دیا۔ عشرت ثاقب سے
ملاقات بہت اچھی رہی۔ جلترنگ میں دو جہات بہت خوب تھا۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

✽ تسلیم ضیائی، مقام کے۔ کے سے۔ ''بلا عنوان فائزہ افتخار کی اچھی کاوش ثابت ہوئی۔ ہارون اور صمد اپنی اپنی منطق میں صحیح سمت کا تعین کیے
بیٹھے تھے من آنگن کے بیچ زاہدہ پروین کا شروع سے اینڈ تک بہت اچھا تاثر لیے ہوئے تھا۔ شارق کی دانش مندی، سلیقہ شعاری اور اس کی محبت کے ہم
قائل ہونے لگے موم کا بنایا ہے۔ غزالہ فرخ نے اپنی اچھی قلم نگاری سے گھر کو چار چاند لگا دیے۔ تیرا میرا ساتھ میں رضوانہ پرنس کا دلگداز دکھ ہم نے اپنے دل
میں شدت سے محسوس کیا۔ صحرائے آرزو میں نہمت ہزداری نے ایک منفرد انداز تحریر اپنا کر ہمیں خوش کر دیا۔ کھڑکی کا چاند خوب رہا۔ باقی آپی مجھے چاند نی
ناول چاہیے کیا میں اب منگوا سکتی ہوں؟'' (گڑیا، ہمارے اس ناول کی تمام کاپیاں ختم ہو چکی ہیں)

✽ عائشہ ثناء اللہ، ملتان سے۔ ''سب سے پہلے اداریہ پڑھا۔ دل کو بہت بھایا۔ ملتجا پڑھ کر اسکول لائف کا کافی تجربہ حاصل ہوا ہے۔ یعنی تعلیمی
اداروں کے بارے میں معلومات۔ صائمہ اکرم کی تحریر عمدہ تھی۔ واہ کیا بات محلے سے سیدھی لاچسپر پہنچ گئی واہ یار دھماکا۔ ایک ہاتھ پھیلا تھا شازیہ چوہدری کی
تحریر ایک ڈرامائی انداز میں تھی۔ فائزہ افتخار چندا کو بنانے پر ایک پاری علیشمر کی تحریر میں اماں کی سچائی ثابت ہو گئی۔'' (ہاں، یہ تو ہے!)

✽ فریدہ اصغر مغل، سیالکوٹ سے۔ ''افسانہ نمبر کے سرورق کی ماڈل بہت پیاری تھی۔ ملبوسات بھی سارے کے سارے خوب صورت تھے۔ اس

کے بعد ملتجا پر حاضر تو اب بور کر رہا ہے۔ کہر میں کرن کوئی خاص نہیں۔ مستقل سلسلے زبردست جا رہے ہیں۔ خاص کر جلترنگ اس کے بعد بہنوں کی محفل میں سب بہنوں کے حال کا پتا چلا۔ باقی سب افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے مگر مجھے جو پسند آئے وہ شاذیہ چوہدری کا ایک ہاتھ پھیلا تھا، رضوانہ پرنس کا تیرا میرا ساتھ، صائمہ اکرم کا ابھی تو دھوپ تیز تھی بہت اچھے تھے۔ باجی پہلے روزے والے دن آپ کو فون کیا باجی خوشی سے میرا برا حال تھا۔ میں نے سوچا کہ اب فون سے میری پیاری باجی انجم کی آواز آئے گی اور میں ان سے خوب باتیں کروں گی مگر قسمت پتا چلا کہ آپ کی باجی انجم سو رہی ہیں تو باجی مجھے بہت زیادہ دکھ ہوا۔" (گڑیا، اس شب میری طبیعت خراب تھی اور میں جلدی سو گئی تھی)

❁ عمارہ آمر راجا، ڈھوڈ پکوال سے۔" ناٹل اچھا تھا اور ملبوسات بہت اچھے تھے۔ ابھی تو دھوپ تیز تھی نے بہت اداس کر دیا۔ جبکہ ایک ہاتھ پھیلا تھا بے حد زبردست اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرنے والی کہانی تھی۔ نومبر کے شمارے میں سب سے بیسٹ کہانی یہی تھی۔ اگرچہ حقیقت سے ذرا ہٹ کر تھی مگر اچھی تھی۔ کہر میں کرن کا اینڈ اچھا سا ہونا چاہیے۔ نومبر کے شمارے میں اپنے خط کا بچہ بہنوں کی محفل میں عالیہ تصور رفیق کے پاؤں کے نیچے دیکھ کر اس بے قدری پر اکھاں چھم چھم وسیاں۔" (بہت خوب!)

❁ فرخندہ نازلی، واڑی سے۔" پاکیزہ سے میرا رشتہ حال ہی میں جڑا ہے اور یہ کرم آپ ہی نے ہم پر کیا ہے۔ باجی بہنوں کی محفل میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میں بہت آس سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں کہ آپ اس رنگ برنگی محفل میں ہمیں بھی تھوڑی سی جگہ دیں گی۔ پاکیزہ کا تازہ شمارہ کل ہی ملا، سرورق بہت ہی خوب صورت ہے خاص کر لڑکی کی آنکھیں بہت خوب صورت ہیں، جن پر غزل لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ باجی اگر آپ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی تو میں آئندہ بھی کچھ نہ کچھ لکھتی رہوں گی۔ اس کے برعکس میرا ناز کا سا دل ٹوٹ جائے گا اور آپ کو تو معلوم ہوگا کہ دل توڑنا گناہ ہے۔" (فرخندہ خوش آمدید! بہنوں کی محفل پسند کرنے کا شکریہ)

❁ فوزیہ کاوش، فیصل آباد سے۔" صائمہ آپ بالکل فائزہ افتخار کی طرح حیران کر رہی ہیں۔ اور جہاں تک بات ہے فائزہ افتخار کے بلا عنوان کی تو جناب کیا ہی بات ہے آپ کی نفسیات پر اس قدر گہری نظر پر۔ خوب صورت انداز عمیق مشاہدہ، بہت اچھی لگی آپ کی تحریر۔ سیما مناف بہت خوب صورت موڑ پر لا کے کہر میں کرن کا اینڈ کر رہی ہیں۔ اب دیکھیں انجام کس حد تک خوشگوار ہوتا ہے۔ عشرت ثاقب سے ملاقات بھی بہت اچھی رہی۔" (شکریہ)

❁ عائشہ ظفر، لاہور سے۔" پہلی دفعہ آپ کے شمارے میں شرکت کر رہی ہوں گو کہ قاری کئی سالوں سے ہوں۔ سوچا چپ رہنے سے کیا حاصل اب بول کر اپنی موجودگی کا احساس دلا ہی دیں۔ ابھی آداب محفل سے ناواقف ہوں لیکن امید کرتی ہوں کہ میرا خط شامل کر کے شکریے کا موقع دیں گی اور اس بات کی اجازت اگر مل گئی تو آنا جانا لگا رہے گا۔ پاکیزہ رسالہ واقعی بہت اچھا ہے۔" (عائشہ، خوش آمدید، اب آئی ہو تو باقاعدگی سے آتی رہنا، ہاں پاکیزہ کی تحریروں کے بارے میں اپنی رائے بھی لکھنا)

❁ عمیرہ اصغر، صادق آباد سے۔" یہ پوچھنا تھا کہ تین عورتیں، تین کہانیاں کے لیے میں ایک کہانی بھیجنا چاہتی ہوں؟ بھجوا دوں (یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے) کیا میں اپنی شاعری باقاعدگی سے اس ڈائجسٹ میں بھجوا سکتی ہوں (جی ضرور) پاکیزہ ڈائری، میں اکثر گنگناتی ہوں بہت اچھے سلسلے ہیں۔" (شکریہ)

❁ امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔" منتہا کی قسط پڑھی۔ مہتاب کے باغیچے کی روداد پڑھ کر ہنسی آئی۔ بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ پلے گراؤنڈ کو کھیتی باڑی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لہسن، ساگ، سبزیاں، چارا سب لگائے جاتے ہیں اور ان میں حصہ صرف پرنسل کا ہوتا ہے۔ باقی عملہ بے چارہ دیکھتا رہتا ہے۔ کاش ایسے موجودہ اسکولوں کی صورت حال کو کنٹرول کیا جائے۔ من آنگن کے بیچ زاہدہ پروین کی خوب صورت تحریر پسند آئی۔ رضوانہ پرنس کا دکھ پڑھ کر آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ ایک ایک لفظ میں دکھ کرب سویا ہوا تھا۔ صحرائے آرزو میں زویا کی خود غرضی پر ہنسی آئی۔ کھڑکی کا چاند پڑھ کر سوائے مسکرانے کے اور کیا کرتے؟ جلتا دشت غبار کا، عطیہ عمر صاحبہ کے خوب صورت قلم سے ناول۔ امامہ کے والد نے اپنوں کے لیے قربانیاں دیں کبھی شکوہ نہیں کیا۔ برے حالات میں صبر و قناعت کا مظاہرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس صبر کے عوض اسے اپنوں سے ملا دیا۔ ہارون کی والدہ نے ہر حربہ استعمال کیا۔ لگن سچی ہو، جذبے سچے ہوں تو منزلیں خود مل جاتی ہیں۔ داد دیتے ہیں امامہ کے حوصلے کی۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

❁ لبنیٰ امجد، اسلام آباد سے۔" ناہید سلطانہ اختر کا شاہکار ملتجا مسز ظہیر کی ٹیلی پر ٹوٹنے والی قیامت نے آنکھیں بھگو دیں۔ واقعی موت اچانک مرنے والوں کے ساتھ زندہ رہنے والوں کو ویسہ کی طرح بے جان کر دیتی ہے لیکن وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ ناول میں حقیقت کا رنگ اس قدر ہے کہ پڑھتے پڑھتے لگتا ہے کہ کوئی فلم آنکھوں کے سامنے چل رہی ہے۔ ملتجا جیسی نیچرز کی تو ہمارے معاشرے کو اشد ضرورت ہے۔ ناول میں نعیم اور ملتجا کی گفتگو کے

دوران حضرت علیؓ کا قول کہ" میں نے اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے اللہ کو پہچانا" میرا پسندیدہ قول ہے۔ جب میں خود کو بے کس، مجبور اور اکیلا محسوس کرتی ہوں تو یہ قول مجھے طاقت دیتا ہے۔ اداسی کو دور کرنے کی گولی جو آپ کے لبوں پر خاموشی سے مسکراہٹ پھیلا دے۔ جلترنگ پاکیزہ کی رونق۔ اگر اس کے صفحوں میں اضافہ ہو جائے تو کیا بات ہے۔ کہر میں کرن سیما مناف جی ستارہ کی موت کا سن کر نانو تو اسپتال پہنچ گئیں۔ انہیں اتنا شاک لگے گا۔ اس کا اندازہ نہ تھا حالانکہ عانی کو دیکھ کر تو انہیں کئی بار لگا کہ یہ ان کی ستارہ کے بچے ہیں۔ بہنوں کی محفل میں عظمیٰ آفاق کا خط پڑھ کر مزہ آیا۔" (شکریہ)

❁ میمونہ فاروق، کورنگی کراچی سے۔" صائمہ اکرم کا افسانہ بس سو سو تھا۔ اس مرتبہ فائزہ افتخار نے بلا عنوان بھی بہت اچھا لکھا پھر ہم نے اپنا پسندیدہ ناول کہر میں کرن پڑھا اور اس کی آخری قسط کا انتظار بڑی بے تابی سے شروع ہو گیا۔ شاذیہ چوہدری نے ہمیشہ کی طرح لاجواب لکھا۔ اس مرتبہ اس رسالے کی جان عطیہ عمر کا ناول جلتا دشت غبار کا تھا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ستاروں کے جھرمٹ میں چاند تھا۔ پاکیزہ ڈائری کو عظمیٰ آفاق نے ہمیشہ کی طرح زبردست سجایا بلکہ بہت خوب سجایا۔ اس مرتبہ بہنوں کی محفل میں ہلچل دیکھ کر بے اختیار منہ سے ماشاءاللہ نکلا۔ میری دعا ہے کہ سب بہنیں یونہی ہمیشہ ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک رہیں۔" (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین!)

❁ شمائلہ انجم، سرگودھا سے۔" پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں غزالہ یاسین ہماری اسٹریٹ میں رہتی ہیں ان کی وجہ سے مجھے بھی لکھنے کا شوق ہوا ہے وہ میری بہت اچھی دوست بھی ہیں۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے مجھے بہت پسند ہیں۔" (گڑیا، خوش آمدید! اب باقاعدگی سے خط لکھیے، آپ کی شرکت سے اس محفل میں تھوڑا رونق بڑھے گی)

❁ سیدہ شفق زہرا، کراچی سے۔" تمام اشعار نمبر ون رہے۔ بزم پاکیزہ کے انعام یافتہ جوابات پسند آئے۔ سعدیہ ہما شیخ کی تصویر اور چھوٹی سی نظم اچھی لگی۔ عطیہ عمر نے بڑی خوب صورتی سے فلیٹ کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ زبردست رہا۔ لمحہ لمحہ بدلتی کہانی نے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ صحرائے آرزو نسرین بھٹہ سبزواری کی کہانی میں سچائی ذرا سی بھی نظر نہیں آئی۔ رائٹر سے معذرت کے ساتھ کہ کہانی کے کردار میں زویا، مسافر، کتا اور کچھ جنگلی تھے۔ آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے کہ مفیفہ کس کو ملتی ہے تینوں میں سے سیما آپ کو اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر بہت سی مبارک۔ ملتجا بھی اچھا جا رہا ہے۔ تھوڑی تیزی تو لائیے پلیز کہانی میں ملتجا کے والد کے بارے میں تو بتائیے۔ شاذیہ چوہدری بھائیا تو بہت بڑی چیز نکلے۔ انجم آپی نئے سال کی ایک دعا کہ خدا ہم سب کے ہرے بھرے چمن کو یہ طفیل محمدؐ و آل محمدؐ نظر بد سے محفوظ رکھے۔" (آمین ثم آمین)

❁ ایک بہن، ملتان سے۔" پیدائشی ختنے والے بچے کو سنتی کہا جاتا ہے اور یہ بچے بہت خوش قسمت ہوتے ہیں۔ نیز ان بچوں کا پیدائشی ختنہ ہی درست ہوتا ہے۔ ان کے لیے دوبارہ ختنے کی یا ختنے سے متعلق کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے مسز خان پریشان نہ ہوں۔ ابھی تو اتنی ہی معلومات ملی ہیں۔ اگر مزید معلومات فراہم ہو سکیں تو اگلے خط میں انشاءاللہ لکھ دوں گی۔" (جی ضرور!)

❁ عروج ذکی، کراچی سے۔" عشرت ثاقب کا انٹرویو باعث آیا۔ عشرت میری پسندیدہ نیوز کاسٹر ہیں۔ پلیز جن خاتون نے ہومیو کلینک، بیوٹی کلینک بند کرنے کا لکھا ہے ان کا مشورہ مت مانیں۔ فائزہ افتخار کی انٹری سب سے زبردست رہی۔ صحرائے آرزو پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ ہم کوئی انگلش فلم دیکھ رہے ہیں۔ ملتجا کا ٹیسٹ کافی سلو ہے۔ انجم باجی عطیہ عمر کا ناول پڑھا اچھا لگا۔ صائمہ کی سنجیدہ سی تحریر پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گئے۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

❁ نادیہ الیاس شیخ، سیالکوٹ سے۔" سب سے پہلے صائمہ اکرم کا افسانہ پڑھا۔ ان کا محبت پر اظہار خیال بہت اچھا لگا۔ آسیہ مرزا کی کھڑکی کا چاند تو افسانہ نمبر کی بہترین تحریروں میں سے تھی۔ صحرائے آرزو بھی اچھا لگا۔ مستقل سلسلوں میں پاکیزہ ڈائری اچھی لگی۔ جلتا دشت غبار کا عطیہ عمر کا مکمل ناول بہت اچھا لگا۔ عطیہ عمر مرے کے لیے گئی ہیں انہیں یہ سعادت بہت مبارک ہو۔ بہنوں کی محفل میں سب کے خطوط اور آپ کا انداز بیاں بہت اچھا لگتا ہے۔ میں اپنی فرینڈ حنا رانا کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جس نے پاکیزہ کے بارے میں بتایا۔" (نادیہ، خوش آمدید! آپ یہ محفل باقاعدگی سے پڑھتی رہیے بہت ساری باتیں آپ کو پتا چلتی رہیں گی۔ پسندیدگی کے لیے شکریہ)

❁ بشریٰ مسرور، اوکاڑہ کینٹ سے۔" پہلی بار آپ کی محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ (خوش آمدید) پاکیزہ روز بروز ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے، جلترنگ نے رسالے کو چار چاند لگائے ہوئے ہیں اس کے لیے آپ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ اپنا تھوڑا تعارف کروا دیتی ہوں۔ عمر صرف چودہ سال سے فوج کی دال روٹی کھا رہے ہیں۔ آئی میں اسوسنڈ آرمی میں کرنل ہیں۔ اسی لیے گھاٹ گھاٹ کا پانی پی رکھا ہے۔ زندگی مشاہدات و تجربات سے مزین ہے، کچھ عرصہ باہر بھی رہ آئے۔ فی الحال زندگی کو ذرا فرصت میسر آئی تو سوچا کاغذ قلم کا ناتہ دوبارہ جوڑا جائے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گی۔" (بشریٰ اب آئی ہو تو آتی رہنا)

❁ یاسمین محمود فرام بریڈفورڈ سے۔ ''پاکیزہ میرا بہت ہی پسندیدہ رسالہ ہے۔ رسالے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ تقریباً چودہ سال ہونے والے ہیں بریڈفورڈ انگلینڈ کے شہر میں مقیم ہوں اور پاکیزہ ان چودہ سالوں میں میرے ساتھ رہا ہے۔ بہنوں کی محفل تو اے ون ہے پڑھو تو ایسا لگتا ہے کہ سب بہنیں ایک جگہ بیٹھ کر باتیں کر رہی ہیں ۔ پردیس میں جب دل بہت اداس ہوتا ہے تو بیٹھ کر جلترنگ پڑھ لیتے ہیں۔ میں پہلے مجھے کچھ کہنا ہے پڑھتی ہوں اور اپنے بچوں کو بھی سناتی ہوں۔ سب فرینڈز بھی پاکیزہ پڑھنے لگی ہیں۔'' (یاسمین محمود، خوش آمدید! گڑیا چودہ سالوں میں پہلی مرتبہ خط لکھا ہے۔ جس محفل کو تم پسند کرتی ہو، آج اسی محفل میں تم بھی موجود ہو)

❁ صائمہ سجاد بنگش، پشاور سے۔ ''شاذیہ چوہدری نے بڑے اچھے موضوع پر لکھا۔ فقیر ہی تو ہمارے ملک میں سرمایہ ہیں۔ یہی تو ہمیں جینا سکھاتے ہیں اگر فقیر نہ ہوتے تو ہمارے لیڈر آئی، ایم، ایف کے سامنے ہاتھ کس طرح پھیلاتے اسی بات سے تو ان کو بھی حوصلہ ملا ہوا ہے۔ کہر میں کرن بڑے اچھے موڑ پر آ گیا ہے۔ خیر اب فائنل ٹچ میں کیا ہوگا بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔ انجم باجی جلترنگ میں آپ نے ٹیچر کے موضوع پر بہت اچھا بہت خوب صورت لکھا اس موضوع پر انسان تبھی صحیح لکھ سکتا ہے جب وہ اس پروفیشن میں رہا ہو یا اس نے قریب سے دیکھا ہو جن دنوں میں ٹیچنگ کر رہی تھی تب میں بلکہ ہمارا پورا ہی گروپ آئے دن شادیوں کی پارٹیوں سے تنگ ہوتا تھا۔ اوپر سے طرم خانی یہ کہ ایڈمنسٹریٹر صاحبان اسکول کا مشترکہ گفٹ بھی ٹیچرز کی معصوم سی کمائیوں کے کھاتے میں نکالا کرتے تھے۔ عشرت ثاقب کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ بہت بے غرض بے لوث سی لگیں۔ فائزہ افتخار چندا آپ کے افسانے پر نام ڈھنچوں ڈھنچوں فٹ آتا ہے۔ کیونکہ اس کو پڑھنے کے بعد کان میں یہی ہوتا رہا۔ رضوانہ پرنس سے کہیے ستارے آسمان پر ہی اچھے لگتے ہیں۔ دور سے لو دیتے ہیں ٹمٹماتے ہیں۔ ہم ساری عمر صرف اچھا ہی دیکھنا چاہتے ہیں صرف اچھے وقتوں کا منظر آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں اور آپ کے پاس تو بہت سے اچھے دلوں کے دیئے ہیں جو لو دیتے ہیں۔ آپ کو خوشی سے سرشار کیے دیتے ہیں۔'' (تبصرے کا شکریہ، جی ہاں میں درس و تدریس سے وابستہ رہی ہوں)

❁ زینت عبدالصمد، میرپور ساکرو سے۔ ''نومبر 2003ء کا شمارہ میرے ہاتھ میں ہے۔ سرورق دیکھتے ہی دل کھلا ہوگیا۔ یہ کیا ہوگیا ہے آپ لوگوں کو چند ماہ سے ایسے برے برے کلوز اپ دے رہے ہیں۔ جیسے ماڈلز کو کالا رنگ ہوگیا ہو۔ (گڑیا ہم ہر ایک کی پسند کا خیال رکھتے ہیں) منتہا میں دلی طور پر قمرل آیا تھا وہ بھی قارئین کے کہنے پر اور اس قمرل نے جسے کو بیوہ کر ڈالا اور اب ناہید جی نے مزید دلچسپی کے لیے منتہا کو پیشہ ورانہ سیاست میں جھونک دیا ہے۔ فی الحال تو اس قسط سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کہر میں کرن رائٹر نے دو تین قسطوں کے پلاٹ کو ربڑ کی طرح کھینچ کھانچ کر آٹھ نو قسطوں پر پھیلا دیا۔ حالانکہ انجام دوسری قسط سے واضح ہے۔ شاذیہ چوہدری نے پہلے ہاتھ کی لعنت سے خوب روشناس کروایا۔ سوچنے کی بات ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں میں بھی یہ ٹرینڈ چل نکلا ہے تو پھر جاہلوں کو کوئی الزام کیونکر دے۔ اس لعنت سے چھٹکارا کیسے ملے گا۔ ویسے شاذیہ چوہدری سے ایک گلہ ہے کہ یہ ہر جگہ رومانس کا تڑکہ لگانا ضروری کیوں سمجھتی ہیں اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا..... جلتا دشت غبار کا حلیہ عمر نے ہمیشہ کی طرح طریقے سلیقے سے بات شروع کر کے قرینے سے انجام تک پہنچایا۔ یہ گھریلو سیاست کبھی کبھار زندگی کو عجب موڑ پر لے آتی ہے۔'' (تبصرے کا شکریہ)

❁ مس زینت، سندھ سے۔ ''آسیہ مرزا نے اپنے مزاج سے ہٹ کر لکھا۔ 1972ء کا کوئی افسانہ لگ رہا تھا۔ حیرت ہے آخر تک پتا نہیں چلا کہ ہیروئن دیکھ نہیں سکتی۔ صرف حسن میں اتنی طاقت ہے کہ وہ انسان کو ہر شے سے بیگانہ کر دے، روشنی ڈالیں۔ مسز خان کے خط کا تذکرہ امی سے کیا تو امی نے کہا کہ ایسے کیس ہوتے ہیں اور ایسے بچے بہت خوش قسمت ہوتے ہیں۔ دوبارہ ضرورت نہیں ہوتی۔'' (معلومات پہنچانے کا شکریہ)

☜..... جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ جنوری کا شمارہ ''سالِ نو نمبر'' ہوتا ہے۔ آپ پاکیزہ کے مستقل سلسلوں کے لیے نئے سال کے حوالے سے اپنے مراسلات بھیجیے مگر خوب صورت ترین تاکہ وہ پاکیزہ میں جگہ بھی پا سکیں۔

❁ اسما اظہر، لاہور سے۔ ''پاکیزہ کے تمام سلسلے اتنے اچھے ہیں کہ ان کی شاید تعریف کے لیے میرے پاس الفاظ نہ ہوں۔ مسیحا، بہنوں کی محفل، ہومیو کلینک، روحانی مشورے اور جلترنگ پسندیدہ سلسلے ہیں۔ خدا اس رسالے کو دن رات ترقی دے اور آپ سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین! اس بار بہنوں کی محفل میں ایک بہن نے پیدائشی ختنہ والے بچے کے بارے میں پوچھا ہے۔ اس سلسلے میں میری معلومات اتنی ہیں کہ میری ساس بتاتی ہیں کہ ہمارے ایک بیٹے صاحب پیدائشی مختون تھے اور اب ماشاءاللہ وہ شادی شدہ اور کئی بیٹوں کے باپ ہیں۔''

اب اجازت دیجیے۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ کامیاب و کامران، صحت مند اور خوش و خرم رکھے.....

انجم انصار

مسیحا

سید انور فراز

مسائل کے حل کے لیے اہم معروضات

رمضان المبارک کی سعادتیں اپنے عروج پر ہیں۔ جب تک موجودہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا، یہ ماہِ مقدس رخصت ہو چکا ہوگا، عید سعید کی خوشیاں عروج پر ہوں گی۔ ہماری طرف سے عید کی پیشگی مبارک باد قبول کیجیے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت پاکیزہ کی تمام قاری بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں کے لیے اس عید کو پُرمسرت کر دے۔ اس موقع پر ضروری ہے کہ ہم اپنے اردگرد موجود ضرورت مندوں کی ضروریات پر نظر رکھیں۔ صرف اپنی موج مستی ہی میں مگن نہ رہیں۔ اپنے حقیقی رشتے داروں، قریبی عزیزوں اور پڑوسیوں کے حالات سے سب سے پہلے باخبر ہونے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ایک چھوڑ دو جوڑے اپنے اور اپنے بچوں کے لیے بنا رہے ہوں اور ان کے بچوں کے لیے ایک نیا جوڑا بھی میسر نہ ہو۔ بے شمار مسائل اور امراض کا شکار افراد کے لیے رحمتِ خداوندی کے حصول کا یہ بہترین موقع ہے۔ اپنے قریب ترین مستحق افراد پر نظر ڈالیے اور ان کے لیے دامے درمے، قدمے، سخنے جو کچھ بھی آسانی سے کر سکتے ہوں، کیجیے۔ یہ بھول جائیے کہ وہ آپ کی گڈ بک میں ہیں یا نہیں۔ یہ نہ سوچیے کہ ان کی مدد کرنے سے آپ کو آئندہ کیا فائدہ ہوگا۔ صرف یہ یاد رکھیے کہ آپ کی تھوڑی سی مدد اس گھر میں خوشیوں کے چند پھول کھلا دے گی اور آپ کا یہ عمل ہم سب کے پروردگار کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔ وہ پروردگار جو نہایت عادل و آجر ہے، وہ سب کا حساب رکھتا ہے۔ اس کے بندوں، اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے ساتھ آپ جو بھی سلوک کریں گے، اس کا بھی وہ حساب رکھتا ہے اور پھر حساب چکانے میں دیر نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو اپنے مسائل کے حل میں تاخیر کی شکایت کرتے ہیں اور ناامیدی کے اس درجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہی ان کا اعتبار اٹھ جاتا ہے وہ درحقیقت مشیت الٰہی کے رموز و نکات سے ناواقف ہوتے ہیں اور کہیں نہ کہیں کسی ایسی غلطی یا حماقت کا شکار ہوئے ہوتے ہیں جو ان کے معاملات کی درستی و اصلاح میں رکاوٹ کا سبب ہوتی ہے۔ اگر اس غلطی کی نشان دہی بھی کر دی جائے تو بھی وہ بہانے کر رہے ہوتے ہیں اور اپنے معاملات میں نمایاں تبدیلیاں لانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

ہم اکثر مسائل کے حل میں صدقہ و خیرات پر بہت زیادہ زور اسی لیے دیتے ہیں کہ یہ وہ عمل ہے جو کبھی رائگاں نہیں جاتا اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس عمل کا نتیجہ سو فیصد آتا ہے۔ یعنی ہمارے وِرد و وظائف اور دیگر زبردست قسم کی پڑھائیاں ضروری نہیں کہ بارگاہِ رب العزت میں سو فیصد قبولیت کا درجہ پائیں لیکن ہم نے اس کی مخلوق کے لیے اگر دو مٹھی باجرہ بھی کہیں ڈال دیا ہے تو وہ سو فیصد قبولیت پا گیا اور اس کا کئی گنا بدل ہمیں کسی نہ کسی صورت میں ضرور ملے گا۔ کیونکہ اللہ ہمارا احسان مند نہیں رہے گا، وہ بے حد سریع الحساب ہے۔

اکثر افراد یہ بھی کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم بہت صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ انہیں اگر کوئی مخصوص صدقہ بتایا جائے تو فوراً یہی جواب دیتے ہیں کہ صدقہ تو ہم دیتے رہتے ہیں۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ و خیرات میں بخل سے کام نہیں لیتے، وہ اکثر بڑے عذابوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ صدقہ و خیرات کرنے والے ایسے لوگ بھی مشاہدے میں آئے ہیں جو صرف اپنے نام اور نمود و نمائش کے لیے تو لاکھوں لٹا دیتے ہیں مگر ان کے گھر میں کام کرنے والی ایک ملازمہ اگر چند سو یا چند ہزار اپنی کسی ضرورت کے لیے مانگ لے تو ان کی پیشانی پر بل پڑنے لگتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی درگاہ پر جا کر لنگر لٹانے، بڑے بڑے محتاج خانوں میں چندہ دینے سے افضل کام یہ ہوگا کہ آپ کے سائے میں بیٹھی وہ مجبور عورت جو اپنا گھر بار بچے چھوڑ کر آپ کے گھر میں جھاڑو لگانے پر مجبور ہوگئی ہے، اس کی مدد کی جائے۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ آپ اسے طے

ٹوکن برائے مسیحا

جنوری 2004

اپنا مسئلہ نئے ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں ورنہ قابل توجہ نہ ہوگا۔

پورا نام: _____

مکمل تاریخ وقت پیدائش: _____

_____

پتا: _____

شدہ معاوضہ وقت پر ادا کر کے اپنی ذمے داری سے فارغ ہو گئے ہیں۔

ہماری بستیوں میں کتنے ایسے افراد ہوں گے جو اپنی عزت و غیرت اور انا کے ہاتھوں مجبور ہیں، وہ کسی کے سامنے اپنی ضرورتوں اور محرومیوں کا بھی اظہار نہیں کرتے لیکن ہم ان کے حال سے خوب باخبر ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہم ان کی مدد کھل کر کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ اسے قبول نہیں کریں گے مگر ایسے طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں کہ ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچائے بغیر ان کی مدد کی جائے۔ آپ یقین جانیے کہ ایسا کر کے آپ نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ اپنا ہی کچھ فائدہ کیا ہے۔

ہمیں بے شمار خطوط ایسے موصول ہوتے ہیں جن سے معاشرے کی بے حسی اور ظالمانہ رویوں کا اندازہ ہوتا ہے، خصوصاً بہنوں بیٹیوں کی حالتِ زار نہایت ہی قابلِ رحم ہوتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسی بیویوں کی کوئی کمی نہیں جن کے شوہر کام دھندا کرنے کے بجائے بیوی پر ظلم کا پہاڑ توڑنے میں مصروف رہتے ہیں اور وہ اپنے معصوم بچوں کو پالنے کے لیے عذابوں سے گزرتی رہتی ہیں۔ بعض تو شوہروں کو بھی پال رہی ہیں۔ ایسی خواتین کو مالی امداد کا مستحق اس لیے نہیں سمجھا جاتا کہ ان کے شوہر موجود ہیں۔ دیگر اہلِ خاندان موجود ہیں۔ یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ وہ اہلِ خاندان یا شوہر کر کیا رہے ہیں۔ اکثر تو ایسی خواتین کے ملازمت کرنے پر بھی اعتراض ہوتا ہے۔ کوئی نیک دل اگر اس کی مدد کرنے کی کوشش کرے تو الزامات شروع ہو جاتے ہیں۔ خطوط پڑھتے ہوئے ہمیں اکثر مشہور شاعر ساحر لدھیانوی کی مشہور نظم یاد آتی ہے۔

مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی
یشودھا کی ہم جنس رادھا کی بیٹی
پیمبر کی امت زلیخا کی بیٹی

اب تک ہم نے جو بھی بکواس کی ہے، اس کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ اگر اپنے مسائل کا حل چاہتے ہو تو دوسروں کے مسائل حل کرو اور یہ کام کسی ستائش کی تمنا کے بغیر اور صلے سے بے پروا ہو کر کرو۔ اس سے سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوگا کہ آپ کو روحانی سکون حاصل ہوگا۔ باقی فوائد کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔

اکثر لوگ یہ بھی کہتے پائے جاتے ہیں کہ ہم جس کے ساتھ اچھا کرتے ہیں وہ ہمارے ساتھ برا کرتا ہے۔ ہمیں ہماری نیکی کا صلہ نہیں ملتا۔ ایسے افراد کو پوری ایمانداری کے ساتھ اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ آیا وہ جو نیکی کر رہے تھے، اس کے پیچھے ان کا کوئی مفاد یا دلچسپی نہیں تھی؟ اگر تھی تو یہ نیکی نہ ہوئی کاروبار ہوا جس میں نفع و نقصان تو ہوتا ہی ہے۔ اگر جواب یہ آئے کہ واقعی کوئی مفاد یا دلچسپی نہیں تھی تو پھر اس شخص سے جس کے ساتھ نیکی کی ہے صلے کی توقع کیوں ہے؟ چھوڑیے، رات گئی بات گئی، صلے کی امید اللہ سے رکھیں۔

واقعہ یوں ہے کہ ہماری نفسیات بڑی پیچیدہ ہے، ہم دوسروں کے لیے جو کچھ کر رہے ہوتے ہیں، درحقیقت اپنے لیے کر رہے ہوتے ہیں۔ مشہور شاعر ضیاء جالندھری نے اس موضوع پر بڑی خوب صورت بات کہی ہے۔

ہاں، مگر کوئی تمنا پسِ دامانِ وفا
مجھ سے پوشیدہ مرے پیشِ نظر ہوتی ہے

مطلب یہ ہوا کہ وفا بھی کوئی کسی آرزو کے بغیر نہیں کرتا۔ کوئی خواہش، کوئی مقصد ضرور اس کے پیچھے ہوتا ہے، خواہ ہم اس سے واقف نہ ہوں، وہ ہماری ظاہری آنکھ سے اوجھل ہو۔

انسانی نفسیات کی یہی بوالعجبی اسے قدم قدم پر گمراہ کرتی اور اپنے اصل راستے اور منزل سے بھٹکاتی ہے۔ اس اہم نکتے کو اگر ہم سمجھ لیں تو کبھی رنج و الم کے سائے ہم پر نہ پڑیں، کبھی ہماری راہ کھوٹی نہ ہو۔

ماہ دسمبر کے اہم اوقاتِ عملیات

شرف قمر۔ یہ سعد وقت 5 دسمبر بروز جمعہ، صبح 7.34 سے 9.35 تک ہوگا۔ یہ وقت خیر و برکت، کشائشِ رزق کے لیے موزوں ہے۔

قمر در عقرب۔ یہ نحس وقت 19 دسمبر بروز جمعہ سہ پہر 3.36 سے 5.16 شام تک ہوگا۔ اس وقت عاداتِ بد سے نجات اور ناجائز کاموں سے روکنے کے لیے اعمال کیے جاتے ہیں۔ گرہن کے اوقات میں جو عمل دیئے تھے وہ بھی اس وقت کیے جاسکتے ہیں۔

قران شمس و قمر۔ یہ بھی نحس وقت تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس وقت میں بھی بری عادتوں سے روکنے کے عمل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ قران 23 دسمبر کو دوپہر 2 بج کر 44 منٹ پر ہوگا۔ ذوالقعدہ کا چاند 24 دسمبر کو نظر آئے گا۔

زہرہ و مشتری کی سعد نظر 11 دسمبر بروز جمعرات قائم ہوگی۔ اس سعد وقت میں محبت و شادی اور مالی امور میں بہتری کے لیے اعمال کرنے چاہئیں۔ بہت موثر وقت ہوتا ہے۔ لوحِ زہرہ یا لوحِ مشتری تیار کی جاسکتی ہے۔ ہمارے ہاں ایسے اوقات میں لوحِ خاص نام سے تیار کی جاتی ہے جس میں خصوصی مقاصد کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے مگر اس کے لیے وقت سے پہلے اطلاع دینا ضروری ہے۔

زہرہ مریخ کی سعد نظر۔ یہ دوستی کی نظر ہے، 25 دسمبر جمعرات کو شام 6.30 پر قائم ہوگی، عرصۂ اثر 24 گھنٹے پر محیط ہوگا۔ زہرہ عورت ہے اور مریخ مرد۔ اس سعد وقت میں عورت یا مرد کی تسخیر کے عمل کیے جاتے ہیں۔ لوحِ تسخیر تیار ہوتی ہے۔

پسند کی شادی کے لیے یا کہیں شادی نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے بھی نقش و عمل کیے جاسکتے ہیں۔

☆☆☆

طاہرہ پروین..... لاہور

ج۔ آپ کے حالات پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ مزید یہ بھی افسوس ہو رہا ہے کہ خط بہت تاخیر سے ہمیں ملا ہے۔ خدانخواستہ تم نے وہ غلطی نہ کرلی ہو جس کا ذکر کیا ہے۔ مزید پریشانیوں میں الجھ جاؤ گی۔ یاد رکھو! مسائل کے حل کے لیے منفی طریقے اختیار کرنے والے کبھی مسائل کے بھنور سے نہیں نکلتے بلکہ بالآخر ڈوب ہی جاتے ہیں۔ قرض داروں سے دوٹوک انداز میں بلا خوف و خطر بات کرو کہ جب ہوگا تب دیں گے۔ باقی یہ کہ وہ کسی کارروائی کی دھمکی دیتے ہیں تو ان سے کہو کہ جائیں جو کرنا ہے کرلیں۔ عدالت بھی صرف اتنا ہی فیصلہ دے سکتی ہے کہ آسان اقساط مقرر کردے۔ باقی تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ قرض داروں کو خود فیس کرو، شوہر کو درمیان سے ہٹا دو تاکہ اس کا شکوہ شکایت ختم ہو جائے۔ وہ اپنے موقف میں جائز ہے۔ زحل کا جو صدقہ دے رہی ہو وہ پابندی سے دیتی رہو۔ دعائے رفع نحوستِ زحل کا ورد بھی جاری رکھو۔ تمہارے لیے ایک اسم اعظم بھی لکھ رہے ہیں۔ منگل سے شروع کردو۔ 488 بار روزانہ۔ یا مبدی الباسط الرحمٰن۔ اب ایک اہم نکتہ سمجھ لو۔ مسائل میں پھنسے ہوئے افراد اکثر جلد بازی میں کوئی شارٹ کٹ اختیار کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور یہ شارٹ کٹ اکثر ان کے مشیروں میں سے کوئی انہیں دکھاتا ہے۔ ایسے شارٹ کٹ عارضی طور پر مسئلے پر پردہ ضرور ڈال دیتے ہیں مگر مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ پھر اس مسئلے کی کچھ اور شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں جو مزید تکالیف کا سبب بنتی ہیں۔ آپ نے پہلی غلطی اس وقت کی جب باپ کا قرضہ چکانے کے لیے کمیٹی ڈالی۔ حالانکہ اسی وقت سخت موقف اختیار کرلیا جاتا اور قرض داروں کو صاف جواب دے دیا جاتا کہ جب ہوں گے تو دیں گے تو قانون اور دنیا دونوں آپ کا ساتھ دیتے کیونکہ وہ قرضہ آپ نے نہیں لیا تھا۔ قرضہ لینے والا اب دنیا سے جا چکا تھا۔ موجودہ قدم جو آپ اٹھانے کے بارے میں سوچ رہی ہیں، وہ تو بہت زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوگا۔ فراڈ کا کیس آپ پر بن سکتا ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ قرض داروں کے سامنے ڈٹ جائیں وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ کوئی ایسا وعدہ نہ کریں جو آپ پورا نہ کرسکیں۔ سیارہ زحل 25 اکتوبر سے مارچ 2004ء تک رجعت میں رہے گا۔ بس یہی وقت آپ پر مالی دباؤ کا ہے۔ اسے صدقات وغیرہ دے کر گزار لیں پھر حالات آپ کی موافقت میں آنے لگیں گے۔ ایک اور غلطی سے بچیں وہ یہ کہ آپ کی اصل اور اہم ذمے داری آپ کے بچے اور شوہر ہیں۔ باقی رشتے داروں کے لیے ان کے فرائض سے غفلت نہ کریں۔ ورنہ اللہ کے نزدیک حقوق العباد کی مجرم قرار پائیں گی۔ سارے خاندان کو پالنے کا ٹھیکا لینے کی ضرورت نہیں۔ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ موجودہ طرزِ رہائش آپ کے لیے ناموافق ہے اور شوہر کی پسند کے خلاف ہے تو اپنا الگ گھر لیں۔ ایک شریف شوہر کی ہر خواہش کا احترام لازمی ہے۔

مسز مقصود..... ملتان

ج۔ آپ جن حالات و مسائل کا شکار ہیں ان کی بنیادی وجہ تو شوہر کی بداعمالیاں ہیں جب گھر کا سربراہ ہی درست راستے پر نہ ہو تو پھر جو کچھ نہ ہو جائے کم ہے۔ اولاد بھی قابو میں نہیں رہتی۔ غیر بھی آنکھیں دکھانے لگتے ہیں۔ جس عمارت کی بنیاد ہی غلط رکھ دی گئی ہو، اس میں پیدا ہونے والی خرابیوں کو دور کرنا آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا آپ اصلاح و درستی کی الجھن میں نہ

روحانی، نفسیاتی اور ہومیوپیتھک سائنس کا مرکز
ہر قسم کے جسمانی، نفسیاتی اور روحانی علاج کے لیے
الفراز
آسٹرو ہومیو سروسز
زیرِ نگرانی: سیّد انور فراز
اوقاتِ ملاقات: شام 7 بجے تا رات 10 بجے
محبت، شادی، روزگار، تعلیم و ترقی اور صحت
زندگی کے اونچے نیچے راستوں کی رہنمائی کے لیے اپنا زائچہ بنوایئے
اصلی جواہرات، لوحِ اسمِ اعظم، لوحِ مشتری، لوحِ تسخیر، لوحِ صحت 9 کی انگوٹھی اور برکاتی انگوٹھی وغیرہ دستیاب ہیں۔
فون برائے معلومات: (021) 5897126
فون برائے شعبۂ روحانیات: (021) 5897127
E-mail add: alfaraz2000pk@yahoo.com
&
alfarazastro@hotmail.com
پتا: C-73 ایونیو کمرشل اسٹریٹ نیز ٹو ایکس مینشن D.H.A کراچی

پڑیں۔ روم میں دہی کریں جو روم کرتے ہیں۔ اگر لڑکا بڑی لڑکی کے معاملے میں مخلص ہے اور ساتھ لے جانے پر آمادہ ہے تو بسم اللہ کریں۔ اگر چھوٹی بھی اس نالائق سے ہی شادی پر بضد ہے اور نافرمان ہو رہی ہے تو اسے بھی روکنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے لیے ہم جو پسند کرتے ہیں وہ ہمیں مل جاتا ہے اور بعد میں اس کے اچھے یا برے نتائج بھی ہمیں ہی بھگتنے پڑتے ہیں۔ ایک ماں ہونے کے ناتے آپ کے دکھ کا ہمیں اندازہ ہے مگر آپ اس بیٹی کے لیے کیوں پریشان ہو رہی ہیں جو نافرمان ہے اور خود جہنم میں جانے کے لیے بے قرار ہے۔ ہم آپ کو بتا دیں کہ وہ

سیارہ زحل کی ساڑھ ستی کی زد میں آ چکی ہے اور ابھی اسے کچھ نہیں پتا کہ وہ کدھر جا رہی ہے۔ تقریباً ڈھائی سال بعد اسے ہوش آئے گا۔ آپ کے لیے بہترین بات یہ ہے کہ صرف اپنے تحفظ اور مفادات کا خیال کریں۔ دنیا کی باتوں کی پروا کیے بغیر فیصلے کریں۔ شر پسندوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے بندش اور روک تھام کے جو اعمال ہم لکھتے رہتے ہیں، ان سے مدد لیں۔ آپ کا زائچہ آنے والے سالوں میں بہتر تبدیلیوں کی نشان دہی کر رہا ہے مگر اس کے لیے حقیقت پسندی کے ساتھ فیصلے کرنا ضروری ہوگا۔ جذباتیت کی رو میں بہنے سے بچیں۔ ہم پھر عرض کریں گے کہ آپ کسی کا مقدر نہیں بدل سکتیں۔ لہٰذا جو ہو رہا ہے، وقت کا دھارا جدھر لے جا رہا ہے، اس معاملے میں اتنی ہی مزاحمت کریں جتنی ضروری ہے۔

امان اللہ.....الریاض

ج۔ تاریخ پیدائش کے مطابق آپ زحل کے سخت اثر کے آخری مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اس مرحلے میں پریشانی اور روزگار میں بندش رہتی ہے۔ آپ وہاں ہفتے کے روز پرندوں کو دانہ وغیرہ پابندی سے ڈالیں۔ ایک وظیفہ ہم لکھ رہے ہیں، اسے چالیس دن تک پڑھیں۔ انشاء اللہ روزگار کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اتوار سے کوئی ایک وقت مقرر کر کے 253 مرتبہ اول آخر گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ پڑھیں۔

اجب یار نجانیل بحق یا اللہ القوی

م۔ ذ.....کراچی

ج۔ پہلی بات تو آپ یہ سمجھ لیں کہ لڑائی جھگڑا کر کے موجودہ صورتِ حالات کو بدل نہیں سکتیں بلکہ اس طرح اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کر رہی ہیں۔ یہ درست ہے کہ آپ کے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ صورتِ حالات اور کوئی نہیں ہو سکتی مگر یہ بھی تو سوچیں کہ اس مسئلے پر اب اختلافات کرنے کا فائدہ کیا ہے۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اب آپ کا اختلافی طرزِ عمل آپ کا گھر برباد کر دے گا۔ اگر کل وہ آپ کو طلاق دے کر فارغ کر دے تو آپ کیا کر لیں گی؟ لہٰذا میری بہن! عقل کے ناخن لیں اور اپنے طرزِ عمل کو تبدیل کریں۔ اب بھی آپ کی پوزیشن زیادہ مضبوط ہے۔ آپ صبر و سکون سے تماشا دیکھیں۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ واپس آئے گا اور جس دلدل میں پھنس گیا ہے بالآخر اس سے نکلے گا کیونکہ ایسی شادیاں زیادہ پائیدار نہیں ہوتی ہیں۔ ایسی عورتیں بھی زیادہ عرصہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتیں۔ اس دوران میں آپ نے اگر صبر و سکون اور اچھے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا تو وہ آپ کے حق میں بہتر ثابت ہوگا۔ آپ نے جس لوح کا تذکرہ کیا ہے اور جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ تو رزق میں کشادگی کے لیے ہے۔ آپ کے لیے بہتر وظیفہ یہ ہے۔ یا اللہ القابض الکریم۔ نئے چاند کی پہلی تاریخ کے بعد جو پہلا اتوار آئے اس سے شروع کریں اور 313 مرتبہ اول و آخر گیارہ مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔ آپ نے فون کا تذکرہ کیا ہے مگر ہمیں یاد نہیں کہ آپ نے فون کیا ہو۔ بہتر ہوگا کہ فون پر رابطہ کریں۔

تنویر فاطمہ.....سرگودھا

ج۔ آپ کی شادی انشاء اللہ آئندہ سال تک متوقع ہے۔ غیروں میں ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ آئندہ سال کے آخری تین ماہ اس سلسلے میں زیادہ اہم نظر آتے ہیں۔ شوہر سرکاری ملازمت میں ہوگا اور اچھی پوزیشن رکھتا ہوگا مگر ازدواجی زندگی میں الجھنوں کی نشان دہی ہو رہی ہے۔ آپ کو گارنٹ پتھر پہننا چاہیے اور ہفتے کے روز اپنا صدقہ کالے ماش کا دینا چاہیے۔

رفیعہ.....ڈی، آئی خان

ج۔ عزیز بہن! اللہ تمہاری مشکلات کو آسان کرے اور انشاء اللہ ایسا ضرور ہوگا۔ 9 عدد والی انگوٹھی ہم آپ کو اپنی طرف سے تحفتاً بھیج دیں گے مگر اس کے لیے ہمیں اپنا ایسا پتا لکھیں جس پر وہ حفاظت سے پہنچ جائے۔ آپ نے جو پتا خط میں لکھا ہے اگر محفوظ ہے تو اسی پر روانہ کر دیں گے۔ ایک فون کر کے تصدیق کر دیں تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ کا زائچہ ابھی فوری طور پر حالات کی سختی میں کمی ظاہر نہیں کر رہا۔ البتہ آئندہ سال کے آخر سے وقت موافق ہونا شروع ہوگا اور پھر ایک نئے اور بہتر دور کا آغاز ہوگا۔ بدزبانی اور مار پیٹ کو روکنے کے لیے جو عمل ہم دیتے ہیں وہ کریں۔ اگر ایک بار کرنے سے اثر ظاہر نہ ہو تو دوبارہ کریں۔ باقی آپ کسی فیس وغیرہ کی پروا کیے بغیر ہم سے ہمیشہ رابطہ کر سکتی ہیں۔ ہم جو مدد بھی ممکن ہوگی، ضرور کریں گے۔ بس آپ کی دعاؤں ہی کی ہمیں ضرورت ہے۔ ہاں انگوٹھی کے لیے اگر انگلی کا سائز بھی فون پر بتا دیں تو بہت بہتر ہوگا۔ سناروں کے پاس مختلف سائز کے رِنگ ہوتے ہیں جن پر نمبر پڑے ہوتے ہیں۔ کسی بھی سنار سے اپنی انگلی کا سائز معلوم کر سکتی ہیں۔

عابدہ طفیل.....ساہیوال

ج۔ شادی کے معاملے میں زیادہ پریشان نہ ہوں۔ جو کچھ

بھی ہوگا آپ کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ زائچے کے مطابق آپ کا شوہر معقول اور اچھا انسان ہوگا۔ کسی خراب آدمی سے شادی نہیں ہوگی۔ البتہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ تم جسے بہتر سمجھ رہی ہو وہ بہتر ثابت نہ ہو۔ تمہارے لیے بہتر بات یہ ہوگی کہ اپنے بڑوں کے فیصلے کا انتظار کرو۔ دسمبر 2003ء پھر جنوری فروری اور مارچ 2004ء اس حوالے سے نہایت اہم مہینے ہیں۔ اس دوران میں جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا اور امید یہ ہے کہ بہتر ہی ہوگا۔ ایک وظیفہ تمہارے لیے لکھ رہے ہیں، اس پر عمل کرو۔ بدھ سے 202 مرتبہ روزانہ اول و آخر گیارہ بار درود شریف کے ساتھ پڑھو۔ چالیس دن تک۔ یَا رَبَّائِیلُ بِحَقِّ یَارَبِّ۔ اس کے علاوہ ہر پیر کو پانچ اناج کا صدقہ دیا کرو۔ پانچ اناج پانچ رنگ کے لینا۔ مثلاً چاول، لال دال، چنے کی دال، سبز مونگ، کالے ماش وغیرہ۔ یہ صدقہ کسی غریب کے علاوہ پرندوں یا مچھلیوں کو بھی ڈال سکتے ہیں۔ تمہارے لیے موافق اور فائدہ مند پتھر گومیدک یا پکھراج ہے۔ اسے بدھ کے روز چاندی کی انگوٹھی میں پہن لو۔

بنت زینت.....راولپنڈی

ج۔ اپنے شوہر کو سمجھائیں کہ وہ اپنے موجودہ کام سے باز آئے۔ ایسے کام اس کے لیے مناسب نہیں جن میں قسمت پر بھروسا کرنا پڑے۔ موجودہ کام میں بھی اگر وہ خود کھیلنے سے گریز کرے تو کامیاب ہوسکتا ہے۔ اپنا کلب چلانے پر دھیان دے تو بھی کامیابی مل سکتی ہے لیکن اگر راتوں رات دولت مند بننے کے خواب دیکھتا اور بڑا ہاتھ مارنے کی کوشش کرتا رہا تو مزید بربادی ہوگی۔ آپ کا اپنا زائچہ بھی اب بہت بہتر پوزیشن میں نہیں ہے۔ 2001ء تا جون 2003ء پوزیشن بہت اچھی تھی مگر آپ نے اس وقت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ اب آئندہ شوہر کی وجہ سے ہی پریشانی رہے گی اور باہمی تعلقات میں بھی خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ویسے ہمیں آپ کے شوہر کے سدھرنے کے امکانات نظر نہیں آتے۔ وہ وہی کچھ کرتے رہیں گے جو کر رہے ہیں۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ آپ خود کچھ کریں۔

این این.....بافانوالہ

ج۔ تمہاری شادی انشاء اللہ آئندہ سال متوقع ہے اور سال کے پہلے چھ ماہ اس سلسلے میں اہم کردار ادا کریں گے۔ شادی کا ستارہ زہرہ زائچہ میں کمزور ہے، یہی شادی میں تاخیر کی وجہ ہے۔ لہٰذا جمعہ کے روز کسی سفید چیز کا صدقہ دیا کرو، مثلاً چاول، دودھ، دہی، چینی ماش کی سفید دال وغیرہ۔ اس کے علاوہ لہسنیا پہننا بھی تمہارے لیے مفید ہوگا۔ چاہو تو ہمارے ہاں سے لوح زہرہ منگا کر پاس رکھو۔ بہرحال زیادہ پریشان نہ ہو، شوہر کے بارے میں زائچہ کچھ اچھی رپورٹ نہیں دے رہا، زیادہ معقول نہیں ہوگا۔ اگر ثور، عقرب، جدی ہو تو مناسب ہوگا۔ اپنوں میں یا دور کے رشتے داروں میں شادی کا امکان ہے۔ ازدواجی زندگی میں الجھنوں اور تلخیوں سے واسطہ پڑے گا۔ اگر لہسنیا اور ساتھ میں مرجان بھی پہنو تو بہت عمدہ بات ہوگی۔

رخشندہ جبیں.....کراچی

ج۔ تمہارا خواب تمہاری بگڑی ہوئی نفسیاتی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے لاشعور میں مستقبل کے حوالے سے بہت سے خوف موجود ہیں اور ماضی کی بھی کچھ ناپسندیدہ اور تکلیف دہ باتیں لاشعور پر بوجھ بنی ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس خواب کی اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ خواب تمہاری صحت کی خرابی کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ تمہیں اپنے علاج معالجے سے بھی غفلت نہیں برتنا چاہیے۔ ممکن ہے صحت و تندرستی سے متعلق جس معاملے کو تم زیادہ اہمیت نہ دے رہی ہو وہ آگے چل کر بہت پریشان کن ثابت ہو۔ تم شدید ذہنی انتشار کا بھی شکار ہو۔ اپنے حقیقی مسائل کی طرف سے غفلت برت رہی ہو۔ جس مسئلے کو تم نے اپنا اہم ترین مسئلہ لکھا ہے وہ تمہارا اہم ترین مسئلہ نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی مسئلہ تمہارے لیے بھی کل کوئی بھیانک صورت اختیار کرے۔ لہٰذا ابھی سے اس طرف توجہ دو اور دوسروں کے مسائل کو اپنا مسئلہ نہ بناؤ۔ تمہارے نام کا عدد 9 اور تاریخ پیدائش کا عدد 4 ہے جبکہ عدد قسمت بھی 4 ہے۔ تمہارے لیے موافق اعداد ایک اور 9 ہیں۔ موافق پتھر پکھراج زرد یا گومیدک ہیں۔ کامیابی کے لیے یہ اسمائے الٰہی 99 مرتبہ روز پڑھا کرو۔ یا حی یا قیوم۔

ف۔گ.....جگہ نامعلوم

ج۔ یہ درست ہے کہ زندگی میں محرومیاں اور ناکامیاں بڑھ جائیں تو انسان خود کو بدقسمت سمجھنے لگتا ہے مگر خود کو منحوس سمجھنا تو حماقت ہے۔ اللہ عادل ہے وہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ آپ کا زائچہ اتنا کمزور نہیں ہے کہ خدانخواستہ نحوست کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ زندگی اور موت بھی اللہ کے ہاتھ ہے۔ کسی کی پیدائش بھی کسی کی موت نہیں بن سکتی۔ اس قسم کے خیالات کو ذہن سے نکال دیں۔ وہ لوگ جو اپنی ابتدائی زندگی میں سختیوں سے گزرتے ہیں، وہ بعد میں زیادہ کامیاب اور بہتر زندگی گزارتے ہیں۔ آپ کا زائچہ بھی کچھ ایسی ہی صورت حال پیش کرتا ہے۔ یعنی طویل جدوجہد کے بعد کامیابی۔ آپ کی شادی کا امکان زیادہ سے زیادہ 2005ء تک ہے یوں سمجھ لیں کہ شادی کا وقت تو اسی سال سے شروع ہو چکا ہے۔ اس حوالے سے جو تاخیر ہے وہ سیارہ زحل کی سازشی کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا آپ ہر ہفتے کو کالے ماش ثابت سوا کلو پابندی سے صدقہ دیا کریں۔ آپ کا اسم اعظم یہ ہے۔ یا مالک الملک الولی الحی۔ جمعے سے شروع کریں۔ روزانہ 338 مرتبہ پڑھیں۔ اول آخر

گیارہ مرتبہ درود شریف۔ پتھر تمہارے لیے سرخی مائل گارنٹ بہتر ہوگا۔

مسز ایس، ٹی.....کراچی

ج۔ سوالوں کے جواب ترتیب وار حاضر ہیں۔ آپ نے جس ڈاکٹر کا لکھا ہے، وہ قابل اور سنیئر ہیں۔ ان سے علاج کرانا درست ہے۔ آپ کے ہاں اولاد ہوسکتی ہے۔ آپ کا زائچہ 2005ء میں اولاد کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہی بات شوہر کے زائچے سے بھی ظاہر ہے۔ آنے والا وقت موافق ہوگا لہٰذا کسی کے رویوں کی تبدیلی آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی۔ ماں اس حوالے سے کچھ ذہنی دباؤ بڑھ جائے گا۔ شادی کامیاب رہے گی، انشاء اللہ! آپ بہت حوصلہ مند، ذہین اور ہر طرح کی پرابلم کو فیس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ آپ کی خامی یہ ہے کہ آپ دوسروں سے بہت زیادہ توقعات باندھ لیتی ہیں، اس حوالے سے محتاط رویہ اپنائیں۔ اب آپ کا آخری اور سب سے اہم سوال۔ خیال رہے کہ اس سوال کے جواب کا تعلق آپ کے سب سے اہم مسئلے بے اولادی سے بھی ہے۔ اس مسئلے کی طرف اپنی ڈاکٹر کی توجہ بھی مبذول کرائیں۔ اگر انہوں نے اس پر دھیان نہ دیا ہو تو یہ ان کی غلطی ہوگی۔ آپ برسوں سے شدید ذہنی پراگندگی کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سوتے میں بھی جاگتی رہتی ہیں یعنی سائیڈ سلیپ آپ کو میسر نہیں ہے اور وہی لوگ زیادہ خواب دیکھتے ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ اپنے خواب یاد رکھ سکتے ہیں جو گہری نیند نہیں سوتے۔ انسان، ہر انسان خواب ضرور دیکھتا ہے، صرف پاگل، ذہنی طور پر ناکارہ افراد خواب نہیں دیکھتے۔ خواب بھی ہماری ایک بنیادی ضرورت ہیں جیسے ہنسنا، رونا، کھانا پینا، حوائج ضروری سے فارغ ہونا، سانس لینا وغیرہ۔ اگر ہم خواب نہ دیکھیں تو ہماری ذہنی صحت مشکوک ہے۔ خواب ہمارے لاشعور کی صفائی کا کام کرتے ہیں۔ ہم روزانہ اپنے شعوری مشاہدے اور محسوسات کے ذریعے جو کچھ بھی اپنے لاشعور اور تحت الشعور کو فیڈ کرتے ہیں، وہ خوابوں کے ذریعے ہی ڈس پلے ہو کر خارج ہوتا ہے۔ یہ الگ بحث ہے کہ شعوری احساسات و مشاہدات کو خواب میں ہمارا لاشعور کس انداز میں پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بتایا کہ ہر باشعور انسان خواہ بچہ ہو یا بڑا خواب دیکھتا ہے اور ایک رات میں اکثر تین مرتبہ خواب دیکھتا ہے یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ۔ اگر وہ گہری نیند سوتا ہے تو اسے اپنی نیند کے ابتدائی اور درمیانی عرصے کے خواب یاد نہیں رہتے۔ البتہ صبح کے قریب جب نیند پوری ہو چکی ہوتی ہے اور شعوری اعصاب بیدار ہونے کے قریب ہوتے ہیں، نیند ہشیار ہو چکی ہوتی ہے تو اس وقت دیکھے گئے خواب یاد رہ جاتے ہیں۔ آپ چونکہ شدید ذہنی انتشار کا شکار ہیں لہٰذا گہری نیند میں جا ہی نہیں پاتی ہیں اور رات بھر دیکھے گئے خواب یاد رہتے ہیں۔ اب اس اہم نکتے کی طرف آئیے جس پر اکثر ڈاکٹر توجہ نہیں دیتے۔ ذہنی انتشار کا شکار خواتین میں کنسنٹریشن کی صلاحیت کم ہوتی ہے یعنی منتشر ذہنی بانجھ پن کی طرف لے جاتی ہے۔ یاد رکھیں، دنیا کا ہر کام بھرپور ذہنی توجہ چاہتا ہے۔ وہ لوگ زیادہ تخلیقی صلاحیت رکھتے ہیں جو زیادہ ارتکاز توجہ کے مالک ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ اب آپ کو اپنے اس سوال کا جواب مل گیا ہوگا جس کے لیے آپ بہت پریشان تھیں۔ اپنا علاج بھی سمجھ لیں۔ آپ کے لیے سانس کی مشق اور مراقبہ نہایت ضروری ہے ورنہ ہومیو علاج بھی ناکام ہوسکتا ہے۔ ہومیو پیتھک دواؤں میں کالی فاس آپ کے لیے لازمی دوا ہے۔ آپ ہمارا جواب اپنی ڈاکٹر کو پڑھوا سکتی ہیں۔

ایس، کے.....جگہ نامعلوم

ج۔ قمر در عقرب کا وقت ہم ہر ماہ دیتے ہیں اور ایسے عمل بھی جو اس وقت میں کیے جاتے ہیں۔ شوہر کی بری عادتوں کو چھڑانے کے لیے ان پر عمل کریں۔ نومبر کے سورج اور چاند گرہن اس کام کے لیے موزوں ہیں اور اس بار ہم نے قرآنِ شمس و قمر کا وقت بھی لکھا ہے اس وقت میں بھی یہ عمل کیے جاسکتے ہیں۔ دراصل ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ مسائل بہت زیادہ ہیں۔ اسی لیے اس پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ آپ کی بہن کے لیے اسم اعظم یہ ہے۔ ھوالله العزیز الحفیظ الرحیم الاحد۔ نوچندے بدھ سے 1564 مرتبہ پڑھیں۔ بھائی کے لیے ہمارے ہاں سے برکاتی انگوٹھی منگا لیں۔ یہ انگوٹھی روزگار میں کشادگی اور مالی تنگی کے لیے بہت مجرب ہے۔ اسے تیار کرنے کا طریقہ ہم اپنی کتاب ''مسیحا'' میں دے رہے ہیں۔

آصفہ ناہید.....لودھراں

ج۔ شادی کا امکان آئندہ سال ہے۔ مارچ کا مہینہ اس سلسلے میں اہم پیش رفت لائے گا۔ شوہر غیروں میں سے ہوگا اور کوئی معقول کام نہیں کرتا ہوگا۔ ازدواجی زندگی میں مشکلات ہوں گی۔ مالی پوزیشن بہتر نہ رہے گی۔ ذہنی لحاظ سے شوہر کنجوس اور بدفطرت ہوگا۔ بیرونِ ملک سفر کا موقع مل سکتا ہے۔ موافق پتھر نیلم اور گومیدک ہیں۔ موافق لوح اسم اعظم کی ہوگی۔ آپ کا اسم اعظم یہ ہے۔ یا اللہ الباسط الولی۔ نوچندے ہفتے سے روزانہ 246 مرتبہ پڑھیں۔ صدقہ اپنا ہفتے کو دیا کریں۔ کالے ماش سوا کلو۔

ن۔م۔ع.....لانڈھی۔

ج۔ آپ کا اسم اعظم یہ ہے۔ **یا نافع الحکیم۔** نوچندے اتوار سے 31 مرتبہ روزانہ۔ آپ کے طویل خط کے مطالعے کے بعد اور بیماری کی پیچیدہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ کو خاصے طویل عرصے کسی ماہر اور مخلص ڈاکٹر یا حکیم سے علاج کرانا چاہیے۔ بغیر

ڈاکٹر کی نگرانی کے علاج ممکن نہیں۔ آپ کا کیس ایسا ہی ہے جس میں ڈاکٹر کی خصوصی توجہ اور گھر والوں کی خصوصی نگہداشت ضروری ہے۔ آپ پہلے سے وقت لے کر اگر کلینک پر آئیں تو بہتر ہوگا۔ آپ کے علاج کے لیے ایک پوری حکمتِ عملی تیار کرنا ضروری ہے ورنہ آپ کا صحت یاب ہونا بڑا دشوار نظر آتا ہے۔

❁ ا۔ع.....الریاض۔

ج ﴾ آپ کا اسم اعظم یہ ہے۔ یا اللہ الباسط الفتاح الحفیظ النجیب۔ اس کا کھلا ورد کیا کریں۔ ویسے پڑھنے کی اصل تعداد تو 1814 ہے مگر شاید یہ آپ کے لیے ممکن نہ ہو سکے۔ بچوں کے الگ الگ اگر زائچے بنوالیں تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح ان کے معاملات پر الگ الگ بات ہو سکے گی۔ اس کالم میں یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام بچوں کے مسائل پر ہم بات کریں، اس کے لیے براہِ راست رابطہ کریں۔

❁ لبنیٰ کنول.....کراچی۔

ج ﴾ گھر کے نامناسب حالات نے تمہیں ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ سانس کی مشق اور مراقبہ کیا کرو اور فری رائٹنگ کی مشق بھی بہت موزوں رہے گی۔ جب تک یہ کام شروع نہ کرو گی، دواؤں سے بھی کوئی مستقل فائدہ نہیں ہوگا۔ تمہارے لیے موافق ترین پتھر لہسنیا ہے اور جمعہ کے روز اپنا صدقہ کسی سفید چیز کا دیا کرو۔

❁ فائزہ شمیم.....حیدر آباد۔

ج ﴾ سب سے پہلے تو اپنا اسم اعظم نوٹ کرلیں۔ یامصور الطبیب الباسط. نوچندے جمعہ سے روزانہ 493 مرتبہ۔ لوح زحل کو آپ تعویذ میں پہن سکتی ہیں۔ اب آئیں اصل مسئلے کی طرف تو عزیز بیٹی! کثرت سے اس آیت کو اپنے ورد میں رکھو۔ قلنا یٰنار کونی بردًا وّ سلامًا علیٰ ابراھیم. اس کے علاوہ ایک ہومیو دوا نیٹرم میور ایک ہزار طاقت میں لے کر صرف ایک خوراک ہر ہفتہ لیں۔ چار ہفتے بعد بند کردیں۔ آپ جس ذہنی وقلبی الجھن میں مبتلا ہیں وہ دور ہوجائے گی۔ آپ بہت ہی زیادہ اناگزیدہ اور حساس ہیں۔ آپ کے نزدیک اپنی عزتِ نفس بہت اہم ہے۔ آنے والا وقت بڑی آزمائش کا ہے۔ اس وقت کو بہ آسانی گزارنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ خود کو سانس کی مشق اور مراقبے کا عادی بنائیں۔ زائچے میں آپ کا ستارہ عطارد رجعت میں ہے لہٰذا کومیدک پہننا زندگی میں کامیابیاں لائے گا اور غلطیوں سے بچنے میں مدد دے گا۔ باقی آخری سوال کا جواب یہی ہے کہ جوڑے آسمانوں پر ہی بنتے ہیں۔ ہماری اپنی کوششوں سے نہیں بنتے۔ تمہاری شادی کا مسئلہ آئندہ سال غیر متوقع طور پر حل ہوگا۔

❁ افضال.....راولپنڈی۔

ج ﴾ آپ کی باجی کے لیے اسم اعظم یہ ہے۔ یا فتاح الباطن الحسیب القیوم. نوچندے بدھ سے 880 مرتبہ روزانہ۔

❁ عالیہ بتول.....بھلوال ضلع سرگودھا۔

ج ﴾ آپ یہ اسمائے الٰہی پڑھیں۔ یا علی المالك الملك القدوس۔ اتوار سے 554 مرتبہ روزانہ۔ بھائی کا اسم اعظم یہ ہے۔ یاحی القیوم الفتاح الرحمٰن۔ نوچندی جمعرات سے روزانہ 1054 مرتبہ۔ انشاء اللہ آپ کے مسائل بہت جلد حل ہونا شروع ہوجائیں گے۔

وظیفہ برائے روزگار

عائشہ.....راولپنڈی

ج:۔ آپ کے لیے اسم اعظم یہ ہے۔ یا سلام القیوم الطبیب. نوچندے اتوار سے 341 مرتبہ روزانہ۔ شوہر سے کہیں کہ ذرا مستقل مزاجی سے جمے رہیں۔ انشاء اللہ آئندہ نومبر تک ملازمت کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ صرف اس سال دسمبر تک روزگار کے معاملات میں اتار چڑھاؤ رہے گا پھر جنوری سے صورتِ حال ان کے حق میں ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ ان کے لیے وظیفہ یہ ہے۔ رات دو یا تین بجے اٹھ کر مسجد میں چلے جائیں اور وہاں وضو کریں پھر مسجد میں نماز پڑھے بغیر تین بار سجدہ کریں اور تیسرے سجدے پر اٹھ کر کھڑے ہوجائیں۔ کھڑے ہو کر اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھالیں اور پھر سو مرتبہ اسمِ الٰہی یا وھابُ پڑھیں۔ اول آخر تین مرتبہ درود شریف کے ساتھ۔ اس کے بعد اللہ سے اپنی مشکل کے لیے دعا کریں اور گھر واپس آجائیں۔ سات دن تک یہ عمل کریں اور بہتر ہوگا کہ چاند کی تین تاریخ سے چودہ تاریخ کے درمیان کسی بھی جمعرات یا جمعہ سے شروع کریں یا پاکیزہ میں جو شرفِ قمر کی تاریخ دی جاتی ہے، اس دن سے شروع کریں۔ اگر مسجد میں جانا ممکن نہ ہو تو گھر کے صحن میں آکر وضو کریں اور باقی عمل وہاں کریں۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو مکان کی چھت پر کریں۔ روزگار کی تلاش یا ملازمت کے حصول کے لیے یہ عمل دیگر قارئین بھی کرسکتے ہیں، عام اجازت ہے۔ کامیابی کے بعد سات غریبوں کو کھانا کھلادیں۔

عائشہ کاشف.....بلدیہ ٹاؤن

ج:۔ لڑکے کی تاریخ پیدائش بھی لکھنا چاہیے تھی تاکہ معلوم

ہوتا کہ اس سے شادی مناسب بھی ہے یا نہیں؟ اور آیا شادی کے امکانات کتنے ہیں؟ بہرحال' تمہارا اسمِ اعظم ہم نے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ جملہ مقاصد کے لیے انشاءاللہ موزوں رہے گا۔ یااللہ العلی الولی الوحیذ۔ نوچندے جمعے سے شروع کریں۔ روزانہ 343 مرتبہ۔ یاعلیٰ کا نقش پاکیزہ میں شائع ہو چکا ہے وہ شرفِ زہرہ یا اوجِ زہرہ وغیرہ کے سعد اوقات میں تیار کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اسے شرفِ قمر کے وقت بھی لکھا جاسکتا ہے اگر تمہارے پاس وہ شمارہ محفوظ ہے تو اس پاکیزہ میں جو شرفِ قمر کا وقت دیا ہے، اس میں چاندی کی تختی پر لکھ لو اور وہ نقش لینا جو تمہارے اصل نام کے مطابق ہو۔ ہمارے پاس سے بھی اگر منگا سکتی ہو تو مل جائے گا۔ اب ایک بات اور سمجھ لو۔ تمہارا برج جدی ہے اور ستارہ زحل، قمری برج جوزا ہے۔ زحل کی ساڑھ ستی تم پر پچھلے پانچ سال سے چل رہی ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کاموں میں رکاوٹ ہوتی ہے، انسان غلطیاں بھی کرتا ہے۔ غلط فیصلے اس سے سرزد ہوتے ہیں، کہیں تم بھی کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کر رہی ہو جس پر بعد میں پچھتانا پڑے۔ تمہاری ہونے والی ساس یعنی اس لڑکے کی ماں ہمیں کوئی اچھی عورت نہیں معلوم ہو رہی۔ کل تک وہ تم پر صدقے واری جاری رہی تھی اور آج جب بیٹا برسرِ روزگار ہو گیا ہے تو آنکھیں بدل لیں اور خود اس لڑکے کا رویہ کیا ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم بھی اب ذرا آنکھیں بدل کر صورتِ حال کا جائزہ لو۔ جلد بازی نہ کرو۔ اپنا اسمِ اعظم پڑھتے ہوئے صرف اپنی شادی اور بہتر مستقبل کے لیے دعا کرو۔ یہ غلط ہوگا کہ فلاں سے شادی ہو جائے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کیا بہتر ہے۔ بہرحال ہمیں تو آگے آثار اچھے نظر نہیں آتے۔

رامین.....منڈی بہاؤالدین

ج:۔ بیٹا! جو امراض انسان ماں کے پیٹ سے لے کر دنیا میں آتا ہے ان کا علاج اتنا آسان نہیں ہوتا لیکن ناامید بھی نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے ہر مرض کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔ تمہارے علاج کے لیے باقاعدہ طور پر تو تمہارا معائنہ ضروری ہے اس کے بعد ہی مکمل علاج تجویز ہو سکے گا مگر فی الحال ایک دوا کا نام ہم لکھ رہے ہیں، اس کا استعمال شروع کرو پھر تین ماہ بعد ہم سے مشورہ کرنا۔ دوا کا نام ہے سفلینم IM۔ یہ دوا دو تین قطرے زبان پر ٹپکا لیں پھر ایک ماہ تک دوا نہ لیں۔ ایک ماہ بعد پھر اسی طرح ایک خوراک لیں تیسرے ماہ ہم سے مشورہ کریں۔ بہتر ہوتا کہ اپنی مکمل ذہنی و جسمانی کیفیات اور پیدائش سے اب تک ہونے والی بیماریوں کی تفصیل لکھ کر روانہ کرتیں تو مزید علاج بھی تجویز کر دیتے۔ آئندہ اگر خط لکھو تو موجودہ خط کا حوالہ تفصیل سے دینا۔ کیونکہ بعد میں ہم بھول بھی سکتے ہیں کہ مسئلہ کیا تھا اور ہم نے کیا مشورہ دیا تھا۔

زلزلے کا شکار

ایک بہن.....نواب شاہ

ج:۔ آپ کے خط نے خاصا کنفیوز کیا ہے۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ مسیحا کی ڈاک میں آیا ہے یا ہمارے اخباری کالم کی ڈاک میں۔ بہرحال' آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ زلزلے کے وقت جو خوف بیٹھا تھا یہ سب اسی خوف کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ فی الحال ہم یہاں دو دوا میں لکھ رہے ہیں، انہیں استعمال کریں اور پھر فوراً ہم سے رابطہ کریں۔ پہلی دوا کا نام ہے ایکونائٹ IM۔ روزانہ ایک خوراک چار روز تک لیں یعنی دو تین ڈراپ زبان پر رات کو سونے سے قبل ڈال لیں پھر پندرہ دن تک کوئی دوا نہ لیں۔ اس کے بعد ارجنٹم نائٹریکم IM کی چار روز تک اسی طرح چار خوراکیں لیں۔ اس کے بعد ہمیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کریں۔

رشید صاحب.....لاہور

ج:۔ روزگار کے سلسلے میں اس بار لاہور آمد پر ملاقات کرلیں۔ باقی ازدواجی مستقبل تو مایوس کن ہے۔ بیوی کا رویہ ان کے نہایت خراب و بدترین حالات کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اس باب کو بند ہی رہنے دیں۔ اس موضوع پر بھی بالمشافہ بات کر لیجیے گا۔

ایس۔ایس.....فرانس

ج:۔ والدہ کو جو مرض لاحق ہے، طبی اصطلاح میں اسے ''سیروسس'' کہتے ہیں۔ اس مرض میں جگر سکڑنے لگتا ہے اور بعد میں گردے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اگر ابتدا ہی میں ہومیو علاج شروع ہو جائے تو کچھ امید کی جاسکتی ہے باقی ایلوپیتھی میں اس کا علاج نہیں ہے۔ اس کا انجام کڈنی فیلئر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ باقی جس نے بھی یہ کہا ہے کہ ان کی صحت پر تعویذ کرائے گئے ہیں وہ کوئی جعلی پیر فقیر ہے اور محض دھندے کی فکر میں ہے۔ یہی صورت بھائی کے مسئلے کی ہے۔ خدا معلوم آپ کو کون سے عاملوں کاملوں کی طرف سے صرف جادو ٹونے کی خبریں ملتی ہیں۔ ہماری نظر میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لڑکا پیدائشی طور پر ضدی سرکش اور اپنی من مانی کرنے والا ہے۔ باقی یہ رشتہ مناسب نہیں ہے۔ دونوں میں بہتر ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوگی۔

✡ **شمائلہ ——— اسلام آباد**

ج۔ ترتیب وار آپ کے سوالوں کے جواب لکھ رہے ہیں۔ آپ کا کسی برج اسد' قمری برج ثور ہے اور گزشتہ ساڑھے سات سال سے آپ سیارہ زحل کی سختی میں ہیں اپنے قمری برج کی وجہ سے۔ اس سال زحل سرطان میں داخل ہوگا تو آئندہ

ڈھائی سال بہتر ہوں گے مگر پھر ڈھائی سال جب برج اسد میں ہوگا تو سختی رہے گی۔ آپ کے لیے بہترین پتھر نیلم ہے یا پھر گارنٹ' پکھراج اور حجر القمر آپ نے کیوں پہن رکھے ہیں؟ پکھراج بہرحال بہتر ہے اور فائدہ دے گا مگر حجر القمر کی ضرورت نہیں۔ اس کے بجائے اپنی جنم راس ثور کے مطابق ڈائمنڈ' زبرجد یا لسنیا پہننا بہتر ہوگا۔ آپ کا اسمِ اعظم یہ ہے۔ **یا اللہ الفتاح الرزاق النجیب۔** 1021 مرتبہ روزانہ پڑھیں۔ شروع چندے بدھ سے کریں جو اسمِ اعظم آپ نے لکھا ہے وہ غلط ہے۔ شادی کے معاملے میں احتیاط کی ضرورت ہے ورنہ شادی ناکام ہو سکتی ہے۔ موافق شریکِ حیات قوس' حمل' ثور اور عقرب ہوں گے۔ عام اصول کے تحت ثور اور عقرب برج اسد والوں کے لیے موافق نہیں ہوتے مگر چونکہ قمری برج آپ کا ثور ہے لہٰذا برج ثور والے بہترین اور شدید محبت کرنے والے ثابت ہوں گے۔ اسی طرح ایک کا قمر اور دوسرے کا شمس متقابل ہوں تو یہ بھی عمدہ لائف پارٹنر شپ بنتی ہے۔ شادی کے مواقع آئندہ سال جنوری اور مئی یا پھر ستمبر میں مل سکتے ہیں لیکن زحل کی ناقص پوزیشن رکاوٹ لا سکتی ہے۔ آپ نے وقتِ پیدائش نہیں لکھا اس لیے کچھ سوالوں کے جواب ممکن نہیں ہیں۔ اناج کے علاوہ پیسوں کا صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے مگر پھر خود سیارے کے عدد کے مطابق رکھیں۔ مثلاً زحل کے لیے 8 یا 17 یا 26 روپے۔ مریخ کے لیے 9 کا عدد ہے اور زہرہ کے لیے 6' عطارد کے لیے 5 اور مشتری کے لیے 3 کا عدد شمس کا عدد ایک ہے وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی موجودہ بے چینی' پڑھائی سے عدم دلچسپی وغیرہ زحل کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ ہفتے کو پابندی سے صدقہ دیں اور اپنا اسمِ اعظم پڑھیں۔ ممکن ہو تو لوحِ زحل منگا کر پاس رکھیں۔ باقی جادو وغیرہ پر یقین نہ کریں۔ ایسا کچھ نہیں تھا اور نہ ہے۔

برائے وسعتِ رزق و ترقی

✡ **فہمیدہ شاہین ——— چکوال۔**

ج۔ رات کو بعد نمازِ عشا اپنے نام کے اعداد کے مطابق پڑھیں۔ آپ کے نام کے اعداد 510 ہیں اور شوہر کے نام کے اعداد 437 ہیں۔ اب زیادہ بہتر تو یہ ہوگا کہ شوہر پڑھیں۔ **یا واسع وسعتی۔** اول آخر گیارہ مرتبہ درود شریف۔ کوشش کریں کہ ناغے کے دنوں کے علاوہ ناغہ نہ ہو۔ اگر کوئی مجبوری پیش آجائے تو قضا پڑھیں۔ اس وقت تک پڑھتے رہیں جب تک حالات میں بہتری نہ آجائے بلکہ بہتر ہوگا کہ بعد میں بھی جاری رکھیں تو رزق و مال و دولت میں خوب اضافہ ہوگا۔ آپ کا اسمِ اعظم یہ ہے۔ **ھو اللہ الرحمن الواجد الوحید۔** 510 مرتبہ روزانہ نوچندے جمعہ سے شروع کریں اور شوہر کا اسمِ اعظم یہ ہے۔ **یا اللہ الوکیل الکفیل الباسط۔** 437 مرتبہ روزانہ۔ اوپر والا وظیفہ اپنے اسمِ اعظم کے ورد کے ساتھ شروع کر سکتے ہیں۔ پیر کے روز پانچ رنگ کے اناج ایک ایک پاؤ لے کر صدقہ دیا کریں۔ شوہر اگر گومیدک چاندی کی انگوٹھی میں بدھ کے دن پہنیں تو بہت بہتر ہوگا۔ آپ کے لیے مبارک پتھر لاجورد ہوگا۔ اس بات کا خیال رکھیں کہ حالات خواہ کچھ بھی ہوں' وظیفہ شروع کر دیں تو پھر چھوڑیں نہیں۔ ترقی کے راستے پر جانے والوں کو بعض تبدیلیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

✡ **ط۔ع ——— ملیر ٹاؤن کراچی**

ج۔ پیاری بیٹی تم جس کرب و عذاب میں مبتلا ہو' یہ اکیلے تمہارا مسئلہ نہیں ہے' اس ملک کی ہزاروں' لاکھوں لڑکیاں جہالت اور تنگ نظری کا یہ عذاب جھیل رہی ہیں۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایسی صورتِ حال میں کوئی سخت قدم اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنوں ہی کے خلاف کارروائی ہوگی۔ تم نے اپنی مکمل تاریخ پیدائش وغیرہ نہیں لکھی۔ اب ہم کیسے تمہارے خاص سوالوں کا جواب دیں۔ باقی ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر تم کو جو کچھ بتایا جاتا رہا ہے' اس پر دھیان نہ دو اور اللہ سے بہتر مستقبل کی امید رکھو۔ مایوسی سے بچو اور اللہ کو یاد کرو وہ یقیناً کوئی بہتر صورت پیدا کر دے گا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کا انتظام ان کے دشمن کے گھر میں کر سکتا ہے۔ ہم تمہارا اسمِ اعظم لکھ رہے ہیں' اسے نوچندے منگل سے شروع کرو یعنی وہ منگل جو چاند کی تین تاریخ کے بعد آئے۔ **یا اللہ القابض المتین** 1531 مرتبہ روزانہ۔ جب تک سوا لاکھ پورا نہ ہو' پڑھتی رہو۔ جب سوا لاکھ پورا ہو جائے تو ختم دلا کر مٹھائی وغیرہ تقسیم کر دینا اور پھر 19 مرتبہ ہمیشہ اپنے ورد میں رکھنا۔ اللہ تمہارے مسائل کا حل خود نکالے گا۔ انشاءاللہ!

✡ **م۔ر ——— ملتان**

ج۔ جو کچھ ہوا غلط فہمی میں ہوا۔ یعنی ہمارے علم میں لائے بغیر۔ یوں سمجھ لو کہ وہ ایک دفتری معمول کی کارروائی تھی۔ عام خطوط کے جواب اسی طرح دیے جاتے ہیں۔ تمہیں ہم خاصا تفصیل سے جواب دے چکے تھے پھر دوبارہ خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری باتیں سمجھ میں نہیں آئی ہیں۔ دل و دماغ اسی ایک مرکز پر ٹکے ہوئے ہیں۔ اس خط میں بھی وہی سوال دہرائے ہیں جن کا جواب ہم دے چکے

ہیں۔ زائچہ بنوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اہم ترین باتیں ہم جواب میں لکھ چکے ہیں۔ ان پر غور کرو تاکہ آنے والا وقت بہتر ہو سکے۔ شادی کے وقت کی بھی نشاندہی کردی تھی۔ شوہر کے بارے میں آخر اتنی سراغ رسانی کی کیا ضرورت ہے؟ اب وقتِ پیدائش کے مطابق تمہارے زائچے کی جو صورت سامنے آئی ہے' اس کے مطابق شوہر کم تعلیم یافتہ ہوگا۔ سرکاری ملازمت میں ہوگا۔ فوج' پولیس کے علاوہ ایگری کلچر' مذہب و قانون کے شعبے سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ منگنی آئندہ سال بھی ہو سکتی ہے۔ جنوری' مئی یا ستمبر میں۔ باقی شادی کے بعد کچھ عرصہ ازدواجی زندگی میں سختی رہے گی پھر معاملات درست ہو جائیں گے لیکن پھر وہی بات کہ پہلے ہمارے مشورے کے مطابق عمل شروع کرو اور جذباتی سوچوں سے پیچھا چھڑاؤ۔ نماز کی پابندی کرو۔ مزید ہم سے کوئی مشورہ درکار ہو یا مدد درکار ہو تو لکھ سکتی ہو مگر اب جوابی لفافہ ساتھ آنا ضروری ہے۔ پاکیزہ میں جواب نہیں ملے گا۔ کسی فیس وغیرہ کے بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں۔

☆ نازیہ خان ——————— راج گڑھ

ج۔ آپ جن حالات میں جکڑی ہوئی ہیں ان میں اپنی سولی اپنے کاندھے خود اٹھانا پڑتی ہے۔ یہ سال بھی آپ کے لیے موافق سال ہے۔ اگست' ستمبر کے مہینے کسی رشتے یا تعلق کی نشاندہی کر رہے ہیں مگر جو کچھ کرنا ہے' آپ کو ہی کرنا ہے۔ ورنہ سونے کا انڈا دینے والی مرغی کو کوئی گھر سے نہیں نکالتا۔ آپ کی شادی میں رکاوٹ کی وجہ نہ ستارے ہیں' نہ کوئی بندش جو وجہ ہے وہ آپ بھی خوب جانتی ہیں۔ جب کوشش ہی نہ کی جائے' نیت ہی نہ ہو تو خود بہ خود تو کچھ نہیں ہوگا۔ باقی شادی کے بعد زندگی بہتر طور پر گزرے گی۔ آپ کے بیرونِ ملک جانے کا امکان بھی موجود ہے۔ روبی یا مرجان پہننا آپ کے لیے مفید ہے۔ باقی غصہ اور سخت مزاجی کو روکنے کے لیے جو طریقے بھی لکھتے ہیں' ان سے فائدہ اٹھائیں۔

☆ رفعت سلطانہ ——————— مقام نامعلوم

ج۔ موجودہ شخص قابلِ اعتبار نہیں ہے' اس کے ساتھ کامیاب اور خوش گوار زندگی نہیں گزر سکتی۔ پہلی بیوی سے طلاق میں قصوروار یہی ہے۔ آپ کی اس سے مزاجی ہم آہنگی نہیں ہو سکے گی۔ آپ کی شادی میں سخت رکاوٹ نظر آرہی ہے۔ کہیں اور بھی آسانی سے معاملہ نہیں ہوگا۔ جلد بازی نقصان دہ ہوگی۔ ہفتے کے روز کالے ماش سوا کلو صدقہ دیا کریں اور نحوستِ زحل کے لیے دعا نو مرتبہ روزانہ پڑھیں۔ آپ کا اسمِ اعظم یہ ہے۔ یالطیف المالک الفتاح الباسط۔ نوچندے جمعے سے 905 مرتبہ روزانہ پڑھیں اور اللہ سے دعا کریں۔ پتھر گارنٹ یا سنگِ حدید آپ کے لیے مفید ہوگا۔

☆ ف۔ ق ——————— لاہور

ج۔ صورتِ حال واقعی نازک ہے۔ اس شخص کا کوئی بھروسا نہیں کہ کب کب کیا کر بیٹھے۔ آپ کو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ پہلا کام تو یہ کریں کہ سورۂ فلق اور سورۂ ناس کو روزانہ سات سات مرتبہ پڑھ کر خود پر دم کرلیا کریں۔ ہفتے کو 8 روپے خیرات کریں۔ گارنٹ یا سنگِ حدید کا نگینہ ضرور پہن لیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد 105 مرتبہ آیات عقود میں سے پہلی اور دوسری آیت (لایرجعون اور لایعقلون) پڑھ کر تصور میں شوہر کی پیشانی پر پھونک مار دیا کریں۔ ممکن ہو تو پانی پر دم کرکے بھی پلادیں یا دم کیا ہوا پانی ان کے پانی میں ملادیں۔ آپ کے لیے اسمِ اعظم یا فتاح ہے۔ 489 مرتبہ روزانہ پڑھیں۔ اس الجھن میں نہ پڑیں کہ آپ کے نام کے اعداد 489 کیسے ہوگئے۔ غور کریں گی تو سمجھ میں آجائے گا۔ اس کے علاوہ اگر ایک تسبیح ھواللہ الرحمن الرحیم الملک القدس کی بھی روزانہ پڑھ لیا کریں تو بہت اچھا ہے۔

☆ ج۔ گ ——————— کراچی

ج۔ آپ کی شادی یا منگنی اس سال یا آئندہ سال غیر متوقع طور پر ہو سکتی ہے۔ اکتوبر اور نومبر اس حوالے سے اہم مہینے ہیں۔ شوہر صاحب زیادہ تعلیم یافتہ اور کچھ زیادہ معقول انسان نہیں ہوں گے لیکن شادی کامیاب رہے گی۔ شوہر فوج' پولیس' میڈیکل یا انجنیئرنگ کے شعبے سے ہو سکتے ہیں یا لوہے و مشینری سے متعلق کوئی کام کرتے ہوں گے۔ بحیثیت مجموعی آپ کا زائچہ کمزور ہے۔ لہٰذا زندگی کے اکثر معاملات میں تاخیر نظر آرہی ہے۔ شادی اگر ان دو سالوں میں ٹل گئی تو بہت تاخیر سے ہوگی۔ زندگی میں کامیابیاں بہت جدوجہد اور صبر و انتظار کے بعد ہی حاصل ہو سکیں گی۔ آپ کے آخری سوالوں کے جواب ہم بہت پہلے دے چکے ہیں۔ علمِ نجوم غیب کا علم نہیں ہے۔ یہ ایک فلکیاتی سائنس ہے جو علمِ ریاضی کی بنیاد پر قائم ہے۔ کسی شخص کا مکمل زائچہ اس کے حال مستقبل اور ماضی کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہے مگر یہ بڑا سخت کام ہے۔ لوگ اپنے بارے میں حقیقت بیانی برداشت نہیں کرسکتے۔ لہٰذا اچھے منجم زیادہ تر خوش گوار پہلوؤں پر ہی بات کرتے ہیں۔ جبکہ زندگی میں سب کچھ خوشگوار کبھی نہیں ہوتا۔ اپنے نجوم کے حوالے سے سوال کے جواب کے لیے مسیحا کے ابتدائی کالموں کا مطالعہ کریں۔

جلترنگ

انجم انصار

قابلہ

شاذیہ نے کپڑے سینا حال ہی میں سیکھا تھا۔

وہ کس طرح کے کپڑے سیا کرتی تھی، اس کا تذکرہ کرنا اس وقت ضروری نہیں ہے۔ بس قمیص اور شلوار پہچان لی جاتی تھی، مگر ان کا اندازِ تکبر اس قدر بلند اور قوی ہوتا چلا جا رہا تھا کہ الامان الحفیظ!

وہ شان دار بوتیک کے کپڑے دیکھ کر کہا کرتیں ''بالکل میرے ہاتھ جیسی صفائی ہے۔''

''بھابی آپ ایک مرتبہ خود بھی خرید کر پہنیں اور اندازہ لگائیں کہ آپ کس طرح سیتی ہیں؟''

''نہ بھئی، مجھے کسی باؤلے کتے نے کاٹا ہے جو میں اپنے پیسوں میں یوں آگ لگاؤں گی۔''

''اچھا کسی ٹیلر سے سلوا کر دیکھ لیں۔ تو آپ کو اندازہ ہو جائے کہ قمیص کس طرح سلتی ہے۔''

''اس روئے زمین پر سب سے بڑے ڈاکو تو یہ درزی ہی ہوتے ہیں، پانچ گز کپڑا دو ... تو تین گز یہ کھا جاتے ہیں، دو گز میں قمیص شلوار بنا کر دے دیتے ہیں اور پھر جب مجھے اتنا شان دار سینا آتا ہے تو میں کیوں اپنے کپڑے کو ضائع کروں۔'' اس سے قبل وہ جس درزن سے کپڑے سلواتی تھیں، وہ بے چاری اندھی سی تھی، جیسا بھی سی دیتی تھی۔ یہ خوش ہو کر پہن لیتی تھیں۔

کبھی وہ تاسف سے کہتی ''شاذیہ، آج مونڈھا بڑا ہوگیا، چاک چھوٹے ہوگئے، شلوار کے پائنچے بڑے ہوگئے۔''

تب وہ ہنس کر ٹال دیتیں ''کوئی بات نہیں، گھر میں سب چلتا ہے۔''

ان کی اس وسعتِ قلبی سے وہ مسرور ہو جاتیں اور لہجہ بدل کر بیان بھی بدل دیتیں۔

''ارے شاذیہ یہ کپڑا اسکڑنے والا ہے، ایسا میں نے جان بوجھ کر رکھا ہے۔ دو چار دھلائی بعد دیکھنا قمیص کی فٹنگ کس قدر خوب صورت ہو جائے گی۔''

ایک مرتبہ دس مرتبہ دھلنے کے بعد بھی قمیص کی فٹنگ جھولا ہی رہی تو ان کی نند نے ہنس کر کہا۔

''شاذیہ بھابی یہ قمیص سردیوں میں ٹھیک آئے گی، جب آپ نیچے دو سوئٹر پہن کر یہ قمیص پہنیں گی۔''

مگر شاذیہ اس لطیفے پر خوب ہنسیں۔

اب عید کی تیاریاں ہر گھر میں ہو رہی تھیں اور شاذیہ نے ایک سے ایک شان دار سوٹ اپنے لیے سی لیے تھے۔ جسے وہ ہر آئے گئے کو تو فگی کے ساتھ دکھا بھی رہی تھیں۔

آنے والے دیکھتے، ہنستے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مذاق اڑاتے ہوئے گزر جاتے۔

شاذیہ کی بڑی نند رضیہ خاصی سمجھدار سی تھیں، انہیں بڑی خفت سی ہوتی تھی جب شاذیہ بے تکے اور بے مہار سے کپڑے پہن کر کسی تقریب میں شرکت کرتیں۔

''شاذیہ طارق روڈ کے ایک بڑے سے بوتیک پر عید کی سیل لگی ہوئی ہے۔ آؤ وہاں سے تمہارے لیے ایک جوڑا خریدتے ہیں، یہ میری طرف سے تمہارے لیے عید کے لیے ہوگا۔''

''رضیہ باجی، جتنے پیسوں میں جوڑا آئے گا، اتنے میں گھر میں چار بن جائیں گے۔'' انہوں نے اپنا سلیقہ جتایا۔

''کبھی کبھی چار کی جگہ ایک بھی چل جاتا ہے اور یہ تو میں تمہیں عید کا گفٹ دے رہی ہوں۔'' انہوں نے سمجھایا۔

شاذیہ خوش ہوگئیں اور اپنی نند کے ساتھ بوتیک جانے کو تیار ہوگئیں۔

یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی بوتیک میں گئی تھیں۔ ان کے میکے کی خواتین انہی کے ڈھب کی تھیں، گھر کے سلے یا معمولی درزنوں کے ہاتھوں کے سلے کپڑے پہننے کی عادی تھیں اور آج یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی بوتیک میں گئی تھیں۔

پہلے تو شاہانہ انداز میں راؤنڈ لگاتی رہیں۔ ایک راؤنڈ، دوسرا راؤنڈ، تیسرا راؤنڈ۔

کسی جوڑے کو دیکھا، نخوت سے ہاتھ میں لے کر چھوڑ دیا، کسی کو اونہہ کہہ کر مسترد کردیا، اور کسی پر لاابالی سی نظر ڈال لی۔

''شاذیہ، افطار کا وقت قریب ہے، جلدی گھر چلنا ہے، کوئی سا بھی سوٹ منتخب کرلو۔'' ان کی نند نے ان کے انداز دیکھ کر رائے دی۔

''میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا۔'' وہ ہنسیں۔

''یہ گلابی اور گرے کامبی نیشن کیسا لگ رہا ہے؟'' انہوں نے ایک ہینگر نکال کر انہیں تھمایا۔

''مجھے سرخ اور بلیک زیادہ اچھا لگ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے وہی لے لو۔'' ان کی نند نے کہا۔

اب شاذیہ پورا کھول کر شیشے کے سامنے کلیجے سے لگا کر دیکھنے لگیں۔

''آپ چاہیں تو سائیڈ روم میں جا کر پہن کر دیکھ لیں۔'' وہاں موجود ہیلپر گرل نے کہا۔

شاذیہ قمیص لے کر اندر گھس گئیں اور جب پہن کر آئیں تو بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ کافی دیر تک سراہتی رہیں۔

''اب اسے چینج کرلو۔ میں کاؤنٹر پر پے منٹ کرتی ہوں۔'' نند نے انہیں رسان سے سمجھایا۔

شاذیہ لال جوڑا کلیجے سے لگائے، رضیہ باجی کے ساتھ کاؤنٹر پر پہنچ گئیں۔ بل بن گیا۔ ابھی رضیہ باجی پرس سے نکال کر پیسے دینے ہی والی تھیں کہ شاذیہ نے کچھ سوچ کر کہا ''رضیہ باجی ذرا رکیے۔''

''کیوں، کیا ہوا؟'' وہ حیران سی ہوئیں۔ شاذیہ نے ہینگر میں سے شلوار کھینچی اور اوپر نیفے پر بالشت رکھ کر ناپنا شروع کیا۔

''ایک ہتھا (بالشت) دو ہتھا، تین ہتھا، چار ہتھا۔ نہیں بھئی یہ شلوار میرے نہیں چڑھ سکتی۔ مجھے ساڑھے چار ہتھا والی آتی ہے۔''

''یہ ہتھا کیا ہوتا ہے؟'' سیلز مین پوچھ رہا تھا۔

''ہم بالشت کو ہتھا کہتے ہیں۔ ریڈی میڈ شلواریں، کم گھیر کی ہوتی ہیں۔ ہر ایک کو پوری نہیں آتیں۔'' سیلز مین، اپنی بنائی ہوئی رسید کو تاسف سے دیکھ رہا تھا۔

مگر شاذیہ کی تقریر کسی طرح ختم نہیں ہو رہی تھی۔

رضیہ باجی تو کب کی دکان سے نکل کر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی تھیں اور اپنے پرس میں کھجور تلاش کر رہی تھیں کہ باہر آ کر انہیں پتا چلا تھا کہ اذان بھی بس ہونے ہی والی ہے۔

وہ روزہ افطار کر چکیں تو شاذیہ دکان سے برآمد ہوئیں اور فخر سے بولیں ''آج اللہ نے بال بال بچایا پیسے بھی ضائع ہوتے اور شلوار بھی میرے لیے بیکار ہوتی۔''

''ڈرائیور گھر چلو۔'' رضیہ باجی ان کے کسی جواب پر ایک لفظ نہیں بول رہی تھیں۔

''اب کسی دوسرے بوتیک چلیے ناں، گھر کیوں جا رہی ہیں؟'' شاذیہ نے کہا۔

''مجھے معلوم ہی نہیں تھا، تم خود اتنے اچھے کپڑے سی لیتی ہو۔ میرے پاس ایک سوٹ پیس رکھا ہے اسے تم اپنے حساب سے خود سی لینا'' وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔ کاؤنٹر پر بے عزتی کے لمحات ابھی تک انہیں نادم سا کیے ہوئے تھے۔

''ہاں یہ تو ہے، شادی سے پہلے میری باجی کے کپڑے پورے خاندان میں مشہور تھے۔ اب تو پورے میکے والے میری خوشامدیں کرتے ہیں۔ ظاہر ہے میں خوب شان دار جو سیتی ہوں۔''

ایسا بھی ہوتا ہے

طبیعت تو بیلا کی اتنی خراب نہیں تھی جتنی کہ ان کی زبان بازی تھی۔

ایک ہی رٹ تھی ان کی کہ ''میں میٹرک کب پاس کروں گی، میں میٹرک کب پاس کروں گی۔''

''ارے بیٹا تم تو بی، اے پاس ہو، یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' ساس نے پریشان ہو کر کہا۔

''پہلے آپ یہ بتائیے کہ جب میں میٹرک پاس کرلوں گی تو اسکول کی پڑھائی تو ختم ہو جائے گی ناں!''

''ہاں بیٹا، میٹرک پاس کرنے کے بعد اسکول سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا، تم کالج میں چلی جاؤ گی۔'' ساس سمجھا رہی تھیں۔

''لگتا ہے کہ کوئی دماغی صدمہ ہے۔'' سسر تاسف سے اپنی بہو کو دیکھ رہے تھے۔

''شاید بچپن میں سر پر لگی کوئی چوٹ ہری ہوگئی ہے۔'' نند نے نیا نکتہ ڈھونڈا۔

اور سب کے جانے کے بعد بیلا اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی ''میری شادی کو آٹھ سال ہوگئے ہیں میں آٹھویں میں ہوں۔ دو سال کے بعد میں میٹرک کرلوں گی تو اس بھری سسرال سے نکل جاؤں گی پھر اس اسکول سے میرا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ جہاں ہر شخص اپنے آپ کو معلم سمجھتا ہے اور میں علیحدہ اپنے گھر میں رہوں گی۔ اپنی زندگی اپنے حساب سے بسر کروں گی اور خوب عیش کروں گی۔''

''سنو، ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ تم آٹھویں جماعت میں فیل ہو جاؤ۔ یوں بھی آٹھویں جماعت سب سے مشکل ہوتی ہے۔'' میاں کو غصہ ہی آ گیا تھا۔

تب بیلا ہنس کر بولی ''میں تو نویں اور دسویں کا ایک ساتھ امتحان دینے کا سوچ رہی ہوں کہ جلد از جلد اس جنجال سے نجات حاصل کرسکوں۔''

عید گفٹ

''پیاری آپا جان.....

عید مبارک!

آپ کی جانب سے پہلی مرتبہ عید گفٹ موصول ہوا۔

رنگ ترنگ

پوچھا کسی طبیب نے یہ اِک مریض سے
میری دوا سے فائدہ کتنا ہے آپ کو
ہنس کر مریض بولا کہ بہتر تو ہوں مگر
اتنا نہیں ہے فائدہ جتنا ہے آپ کو

غزل خاں، ثمر خاں۔ نیویارک

وجہ

کہا اِک فلسفی سے یہ ترو تازہ سی عورت نے
ہماری طرح لمبی عمر مردوں کی نہیں ہوتی
یہ بولا مسکرا کے فلسفی فوراً اس عورت سے
سبب یہ ہے کہ عورت کی کوئی بیوی نہیں ہوتی

عادی

''مسٹر آپ اپنے ادارے میں صرف شادی شدہ لوگوں کو ہی کیوں ملازم رکھتے ہیں؟''

''اس لیے کہ وہ گالیوں اور جھڑکیوں وغیرہ کے پہلے ہی عادی ہوتے ہیں۔''

نبیلہ شہزادی، جھمرہ سٹی

خبر

ایک صاحب دل کے مریض تھے۔ اتفاقاً اُن کا ۵۰ لاکھ روپے کا انعام نکل آیا۔ گھر والوں نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا کہ ہارٹ فیل ہونے کا خدشہ تھا۔ اُنہوں نے مریض کے ڈاکٹر کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ آہستہ آہستہ مریض کو یہ خبر دے دیں۔ ڈاکٹر نے مریض سے ملاقات کی تو باتوں کے دوران میں پوچھا کہ اگر تمہارا دس لاکھ کا انعام نکل جائے تو؟ مریض نے جواب دیا کہ گاڑی خریدوں گا۔ ڈاکٹر نے دوسرا سوال کیا اگر ۲۵ لاکھ کا انعام نکل آئے تو؟ مریض نے جواب دیا کہ گھر کی تعمیر کرواؤں گا۔ ڈاکٹر نے پھر پوچھا۔ اچھا اگر ۳۵ لاکھ کا انعام نکل آئے تو؟ مریض نے جواب دیا کہ دنیا کی سیر کروں گا۔ ڈاکٹر نے اپنے آپ کو تیار کیا اور اگلا سوال داغ دیا اگر ۵۰ لاکھ کا انعام نکل آئے تو؟ مریض نے کچھ دیر سوچ کر جواب دیا کہ ۲۵ لاکھ آپ کو دے دوں گا۔ یہ خبر سنتے ہی ڈاکٹر کا ہارٹ فیل ہوگیا۔

ناہید اختر، بلدیہ ٹاؤن کراچی

شکریہ ادا کرنے کی تو سکت ہی نہیں ہے کہ اس قدر نادر اور نایاب تحفہ بھیجا ہے کہ ماشاءاللہ، سبحان اللہ آج تک کسی نند نے اپنی بھاوج کو نہیں دیا ہوگا۔

کل شام کو جب آپ کی امی نے ایک چھوٹا سا بلاؤز مجھے دیتے ہوئے کہا کہ یہ غزالہ نے گھونگی سے تمہیں بھیجا ہے تو اسے دیکھ کر میں یہی سمجھی کہ آپ نے اپنی چھوٹی بچی کی فراک کا اوپر کا حصہ بھیجا ہے، نیچے گھیرا لگوانا ہوگا۔

میں نے کہا اماں جان، آپ اسے رکھ دیں، جب میرا بازار جانا ہوگا تو لا دوں گی۔ تو وہ ہنس کر بولیں ارے جمیلہ یہ تو تمہارا تحفہ آیا ہے گھونگی سے، غزالہ نے اپنے خط میں لکھا ہے۔ پندرہ دن پہلے جب بھابی جان ہمارے گھر آئیں تو ایسے برے برے بلاؤز پہنے کہ مجھے شرم آ گئی، ان کے لیے ایک اچھا سا بلاؤز بھیج رہی ہوں ان کی چار چھ ساڑیوں پر چل جائے گا۔

یہ بالشت بھر کا بلاؤز جس میں چار انگل کپڑا کمر پہ اور چار انگل کپڑا آگے ہے، میں یہ بلاؤز پہنوں گی کیا؟

پیاری آپا جان میری یہ بات آپ کو بری ہی لگے مگر میں کہوں گی ضرور کہ اگر میں کسی کو کچھ دے کر خوش ہوتی ہوں تو اسی طرح لے کر بھی خوش ہوتی ہوں۔ ابھی پندرہ دن پہلے جب آپ کے گھر گئی تھی تو دو جوڑے آپ کے، دو آپ کے میاں کے، آپ کے آدھے درجن بچوں کے جوڑے۔ آپ کی ساس کا جوڑا، آپ کے سسر کا جوڑا۔ آپ کی دونوں نندوں کے لیے دوپٹے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ چار سال سے آپ کے ہاں بلی بھی پلی ہوئی ہے۔ ورنہ اس کے ناپ کے بھی دو جوڑے سلوا کر ہمارے میاں لے جاتے کہ پیسے پھینکنے میں تو وہ ماہر ہیں۔

آپ دل میں یہی سوچ لیں کہ میرا بھائی مجھے کس قدر دیتا ہے، ہر آئے گئے کے ہاتھ کچھ نہ کچھ آپ کے لیے بھجواتے رہتے ہیں۔

میرا تو اب یہ خیال ہے کہ اگر کوئی چڑیا ان کے پاس آ کر یہ کہے کہ میں گھونگی جا رہی ہوں تو وہ اس کے پروں کے ساتھ آپ کے لیے کوئی سوغات باندھ دیں گے۔

اور آپ نے مجھے وہ اچکا سا بلاؤز بھیجا ہے کہ جسے نہ میں چڑھا سکوں اور جڑھ جائے تو اتر نہ سکے۔

آپ کے اس تحفے پر سلام، واپس بھیج رہی ہوں۔ اس شان دار بلاؤز کو کسی دکان پر رکھوا کر کرائے پر چلا دیں۔ اچھی خاصی رقم ہر ماہ کما کر دیا کرے گا اور اپنا یہ کماؤ بلاؤز آئندہ کسی کو تحفے میں دے کر اپنا زیاں نہ کریں۔ ہاں.....

دعا گو.....

آپ کی بھابی جمیلہ!''

رشک

برسات گرمی کی ہو یا سردی کی مجھے ہمیشہ اچھی لگتی ہے اور چھم چھم کرتے موسم میں، میں کھڑکی میں بیٹھی املی کی چٹنی کے ساتھ پکوڑے کھاتے ہوئے باہر کا نظارہ کرتی رہتی ہوں کہ بارش میں کوئی کہاں گرا، اِدھر یا اُدھر..... یا دھڑام سے۔

اسی سہانے موسم میں مجھے گھومنے کا مزاق بھی زیادہ رہتا ہے۔ برستی پھوار میں لوگ جب مہمانوں کے خوف سے بے نیاز ہوتے ہیں، تو میں ان کو جا کر سراسیمہ کر دیتی ہوں۔

شاہدہ میری فرسٹ کزن، اپنا چھوٹا سا گھر ہمیشہ صاف ستھرا رکھتی ہے مگر برسات میں گیلے کپڑے اس کے ٹی وی لاؤنج میں پھیلے نظر آتے ہیں۔ بچے کے کلوٹ جھنڈیوں کی شکل میں بیرونی دروازوں پر جھالروں کی طرح لٹکے ہوتے ہیں۔ باورچی خانے کی گرل سے تمام پھوار پورے باورچی خانے کو گیلا کیے رکھتی ہے اور وہ بد حواس سی پورے گھر میں گھومتی نظر آتی ہے اور مجھے دیکھ کر وہ یوں زرد پڑ جاتی ہے کہ خیر مقدمی کے کلمات زبان سے ادا بھی نہیں ہو پاتے۔ چند لمحے کے لیے اسے واقعی سکتہ سا ہو جاتا ہے۔

نصرت باجی، میری کزن کا گھر بہت بڑا ہے، جسے کئی نوکر صاف ستھرا رکھتے ہیں مگر وہ برسات میں اس قدر سونے کی عادی ہیں کہ ان کے چھوٹے بچے گھر میں تباہیاں مچا دیتے ہیں اور جب میں ان کے بڑے سے گھر میں کیچڑ اور نمی کی غلاظت دیکھتی ہوں تو میرے چہرے کے تاثرات تمسخرانہ زیورات سے مزین ہو جاتے ہیں۔

مسز ریحان، میرے میاں کے دوست کی بیگم ہیں جو ہمیشہ اپنے مہمانوں کی مدارت اتنی زیادہ کرتی ہیں کہ تمام مہمان احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مارکیٹ کے قریب رہنے کے یہی فوائد ہیں کہ ان کے ہاں کسی وقت بھی چلے جاؤ۔ ''ٹرالی'' کھانے پینے کی چیزوں سے لبالب ملتی ہے۔

مگر میں ان کے ہاں ''بھری برسات'' میں ضرور جاتی ہوں۔ عموماً ایسے اوقات، جب بارش کی وجہ سے دکانیں تک نہیں کھل پاتیں اور وہ مجھے دیکھ کر چوٹی سی ہو جاتی ہیں۔

ارے، اس وقت کیا کروں آج تو دودھ والا بھی نہیں آیا۔ ان کے چہرے کی ہر جنبش، نئی نئی کہانیاں مجھے سناتی ہے اور میں پانی کا خالی گلاس پی کر شاداں و فرحاں سی اٹھ جاتی ہوں کہ اگر تم کبھی میرے گھر سے خالی ٹہل کر آ گئیں تو آج میں نے بھی حساب بے باک کر دیا۔

سلطانہ میرے میاں کی سابقہ منگیتر ہے۔ جس وقت بھی اس کے گھر چلے جاؤ ہمیشہ میک اپ میں لت پت ملتی ہے۔ اس کو دیکھ کر آج بھی میرے میاں جانی کے لبوں سے آہ آزاد ہو جاتی ہے۔ خیر سے وہ بھی شادی شدہ ہے مگر اس کے الرٹ رہنے کا انداز میاں صاحب کو بے حد بھاتا ہے۔

بیوی ہو تو سلطانہ جیسی، جسے رہنے کا ڈھنگ آتا ہے۔ مجھ کو جلانے کے لیے میرے میاں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں، جن میں ان کی قلبی سچائی بھی رچی ہوتی ہے۔

سلطانہ کے ہاں، تیز بارش میں جاتے ہوئے میں اپنے میاں کو بھی ساتھ لے کر جاتی ہوں۔ اس کے اوپر کے فلیٹ میں ساری بوچھاڑ عموماً اندر آتی ہے اور اس کے چہرے کا سارا میک اپ برسات کے دنوں میں بہہ چکا ہوتا ہے۔

اس کا بدرونق چہرہ مجھے دیکھ کر ہونق زدہ سا ہو جاتا ہے اور وہ گھر کے پھیلاوے سے آنکھیں چرا کر میک اپ کرنے لپکتی ہے۔

مگر میں بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہوں۔ گو ذاتی طور پر مجھے ایسے مہمان بہت برے لگتے ہیں جو نچلا بیٹھنا نہیں جانتے اور میزبانوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔

مگر میں سلطانہ کو کوئی موقع نہیں دیتی کہ وہ اپنے بد رونق چہرے کو میک اپ کی تہوں میں چھپائے۔

ایسے میں میاں جانی کی نظریں میری بلائیں لینے لگتی ہیں۔

''یہ سلطانہ کو کیا ہو گیا ہے؟ کتنی عجیب سی لگتی ہے؟'' وہ گھر آ کر تبصرہ کرتے۔ ''بہت بری ہو گئی ہے اب تو.....'' انہیں رنج سا ہوتا۔

''سنیے اب وہ بری نہیں ہوئی۔ وہ تو ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔''

میں نغمہ بار لہجے میں ان سے کہتی ہوں۔

تب وہ میرے میک اپ زدہ چہرے کو رشک بھری نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ ☆☆☆

♠♠♠

مہندی کے رنگ ..... عید کے سنگ

بہترین شعر بھیجئے اور حافظ حلوہ کی جانب سے انعامات حاصل کیجئے

حافظ سوہن حلوہ ملتان کی جانب سے ہر ماہ پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والے بہترین شعروں پر انعامات دیئے جا رہے ہیں۔ بہنیں اشعار بھیجتے وقت اپنا مکمل ایڈریس مع ٹیلی فون نمبر ضرور تحریر کریں تاکہ انہیں جلد سے جلد حافظ حلوہ کی سوغات اور خوب صورت گفٹ پیکس روانہ کئے جا سکیں۔

ایڈریس: "میں اکثر گنگناتی ہوں" "بزم پاکیزہ انعامی مقابلہ" پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی

میں اکثر گنگناتی ہوں

سلطانہ خان

پہلا انعام یافتہ شعر

☆ ذکیہ نفیس.....کراچی

غم کے ماروں کے لیے درد کا سامان بنا
شام کی گود میں وہ شعلہ نما عید کا چاند

دوسرا انعام یافتہ شعر

☆ نادیہ الیاس شیخ.....سیالکوٹ

دن بھر خفا تھی مجھ سے مگر چاند رات کو
مہندی سے میرا نام لکھا اس نے ہاتھ پر

تیسرا انعام یافتہ شعر

☆ نغمہ اختر.....خانیوال

تم نہیں ہو تو عید کیا اپنی
تم جو ہوتے تو عید ہو جاتی

****

☆ شطیا حیدر.....کراچی

پروا مجھے نہیں ہے کسی چاند کی وصی
ظلمت کے دشت میں ہیں اجالے تمہارے خط

☆ تہذیب.....کراچی

دل میں اترا تھا جو کبھی محسن
وہ ستارہ تھا آسماں سے الگ

☆ ثنا.....بلال گنج لاہور

اے میرے بھولنے والے تیری خوشیوں کی قسم
مجھ کو اب کچھ بھی تیرے غم کے سوا یاد نہیں
چاند کو دیکھا ہے تو یاد آئی ہے تیری صورت
ہاتھ اٹھے ہیں مگر حرفِ دعا یاد نہیں

☆ فرزانہ کلیم.....صادق آباد

دل جلا کر عید پر ڈھونڈی تیری تصویر ہے
مجھ کو روتا دیکھ کر روئی تیری تصویر ہے

☆ حنا رانا.....کراچی

اللہ کرے کہ تم کو مبارک ہو روزِ عید
ہر راحت و نشاط کا ساماں لیے ہوئے

☆ میڈم رخسانہ امجد.....ملک وال

مجھ کو اک خوابِ پریشاں سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ جچا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا بچھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
دردِ دل دے کے ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

☆ زاہدہ احتشام.....ملک وال

میری آرزوؤں کی تمہید تم ہو
میرا چاند تم ہو میری عید تم ہو

☆ ثمینہ افضل.....خانیوال

نظر جو چاند پہ کی دل میں مسکرائے تم
دعا کو ہاتھ اٹھائے تو یاد آئے تم

☆تابندہ جبیں.....اورنگی ٹاؤن
خود تو آتے نہیں یاد چلی آتی ہے
عید کے روز مجھے یوں نہ ستائے کوئی
☆فرزانہ سہیل.....میاں چنوں
کتنے ترسے ہوئے ہیں خوشیوں کو
وہ جو عیدوں کی بات کرتے ہیں
☆فوزیہ بختیار.....فیصل آباد
کتنی مشکل سے فلک پر یہ نظر آتا ہے
عید کے چاند نے بھی انداز تمہارے سیکھے
☆مریم محمود.....لاہور
وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلالِ عید
☆حمنہ قندیل.....کمالیہ
ہلالِ عید بھی نکلا تھا وہ بھی آئے تھے
مگر انہی کی طرف تھی نظر زمانے کی
☆ساجدہ ظفر.....کمالیہ
نہ جانے میرا تصور تھا یا فریبِ نظر
ہلالِ عید میں بھی تم مجھے نظر آئے
☆سلمیٰ.....خانیوال
مجھ کو تیری نہ تجھے میری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پاؤں گزر جائے گی
☆ایمن رانی.....کمالیہ
مزہ بہار کہن کا چکھا ہی جاتی ہے
ہم اہل ہوں کہ نہ ہوں عید آ ہی جاتی ہے
☆غزالہ.....سرگودھا
آوارہ ہے تاریک خلاؤں میں ازل سے
یہ چاند بھی ہم عشق کے ماروں کی طرح ہے
☆شاذیہ.....ملیر
دل کو تمہاری یاد نے یوں محو کر دیا
مجھ کو پتا چلا نہیں کب عید ہوگئی؟
☆رفیعہ ابدالی.....کراچی
میرے قریب آئی نہ اب تک بہارِ عید
مدت سے ہے جہاں میں مجھے انتظارِ عید

☆غزالہ یاسین.....سرگودھا
پلکوں پہ حسرتوں کے ستارے سجالیے
اس دھج سے خواہشوں نے کیا اہتمامِ عید
☆دعا نفیس.....کراچی
ایک لمحے کو کبھی میں نے تجھے دیکھا تھا
عمر بھر میری نظر میں نہ جچا عید کا چاند
☆راحیلہ مشتاق.....رحیم یار خان
آنکھوں پہ آنسوؤں کا دھواں بن کے چھائی ہے
شمعِ وفا جو عید پہ ہم نے جلائی ہے
☆ارم.....کراچی
جب تو نہیں تو عید میں رنگِ وفا نہیں
سب قسمتوں کے کھیل ہیں تجھ سے گلہ نہیں
☆غزالہ.....کراچی
جن کے ملنے کا آسرہ ہی نہیں
عید اُن کا خیال لاتی ہے
☆ظفرانہ عباس.....لانڈھی کراچی
اے خداوندِ جہاں بزمِ ارم کے معبود
تیرے دربار میں سامانِ خوشی کم تو نہیں
پھر غریبوں کے مکاں پر یہ اداسی کیسی
عید کا دن ہے کوئی شامِ محرم تو نہیں
ماہ مبین غوری ——— نئی کراچی
اپنے رِستے ہوئے زخموں پر چھڑک لیتا ہوں
راکھ جو جھڑتی ہے احساس کے انگاروں سے
شمائلہ گل ——— فیصل آباد
میں تجھ کو پاکے بھی کو صدائیں دیتا ہوں
تو میرے دل میں اُتر کر بھی کیوں سفر میں رہا
نازیہ مختار ——— راولپنڈی
جب دل پکارتا تھا تو اُٹھتے نہ تھے قدم
گونجی تری صدا تو قدم رقص کر گئے
عالیہ ملک ——— کوٹ خادم علی شاہ
ایسا گم ہوں تری یادوں کے بیابانوں میں
دل نہ دھڑکے تو سنائی نہیں دیتا کچھ بھی

*

سوال پوچھیے اور روز بیوٹی پارلر کی طرف سے خوب صورت گفٹ پیک انعام میں جیتیے

روز بیوٹی پارلر کی طرف سے پہلے، دوسرے اور تیسرے نمبر پر آنے والے بہترین سوال پر انعامات دیئے جا رہے ہیں۔ اگر آپ بھی انعام جیتنا چاہتی ہیں تو ہمیں لکھ بھیجئے کوئی خوب صورت، تیکھا اور مزاحیہ سوال۔ آپ اپنے سوالات ہمیں اس پتے پر روانہ کریں۔ "بزم پاکیزہ انعامی مقابلہ" پوسٹ بکس 662 کراچی۔

بزم پاکیزہ
پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆صبا سحر.....واہ کینٹ
س.....اس عید پر بن تحفوں کے گر آئے ساجن تو ہمارا ری ایکشن کیا ہونا چاہیے؟
ج.....اپنے ہاتھ سے الٹا سیدھا میک اپ کر کے جوکر جیسا ڈریس پہن لیں۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆اقرا مظاہر.....حیدر آباد
س.....ہم جشنِ عید کیسے منائیں جہاں کے ساتھ، سنتے ہیں آج کوچۂ جاناں میں سوگ ہے؟
ج.....سادگی کے ساتھ منائیے۔ عیدی لے لیجئے مگر دیں کسی کو نہیں۔ سویاں پکا کر کھا لیجئے، مگر کھلائیں کسی کو نہیں!

تیسرا انعام یافتہ سوال

☆مس منزہ.....لانڈھی کراچی
س.....عید کا چاند چمک رہا ہے، دل دیوانہ دھڑک رہا ہے؟
ج.....آپ کی برات جو آنے والی ہے، عید کے تیسرے دن!

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

☆فرحت احمد.....بن قاسم کراچی
س.....داماد+سسرال+عید=.....؟
ج.....بجٹ کی تباہی!
☆عالیہ تصور رفیقی.....سرگودھا
س.....میں عید پر کیسا جوڑا بناؤں؟
ج.....پیلے رنگ کا جو جلد ہی مایوں میں بھی کام آجائے۔
☆بشریٰ نوید باجوہ.....اوکاڑہ
س.....باجی! عید آنے والی ہے مگر.....؟
ج.....ان کی اماں شادی کی تاریخ لینے نہیں آرہیں۔
☆حسنہ شاہ.....سانگھڑ
س.....چن ماہی ہمیشہ نہر والے پل پہ ہی کیوں بلاتے ہیں؟
ج.....تاکہ دھکا دینے میں آسانی رہے۔
☆عفت بتول.....حافظ آباد
س.....وہ مجھے پیار سے آئس کریم کہتے ہیں، میں انہیں کیا کہہ کر بلاؤں؟
ج.....گولا گنڈا!!
☆ملاحت یونس.....حیدر آباد
س.....اگر وہ عید پر نہ آئیں تو؟
ج.....تمہاری عید زیادہ پُرسکون گزرے گی۔

☆ سعدیہ.....لاہور

س.....عورت تو دو آنسو بہا کر اپنی بات منوا لیتی ہے مگر مرد اپنی بات کیسے منواتا ہے؟

ج.....عورت کے دس آنسو نکلوا کر۔

☆ رعنا عالم.....لانڈھی، کراچی

س.....جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے اور عید پر کار خریدنے کو جی للچا رہا ہے..... بتایئے میں کیا کروں؟

ج.....ریموٹ کار خرید لو۔ تھیلے سے سستی سی مل جائے گی۔

☆ صائمہ سجاد بخش.....پشاور

س.....اب کی بار عیدی میں کیا ملے گا؟

ج.....خوب صورت سا سونے کا سیٹ!

☆ صائمہ اکرم چوہدری.....صادق آباد

س.....کانٹا لگا..... بھلا کہاں؟

ج.....دماغ میں۔

☆ غزالہ یاسین.....سرگودھا

س.....حالانکہ میں نے پورے روزے رکھے ہیں مگر میرا وزن پھر بھی کم نہیں ہوا؟

ج.....افطاری کی میز سے اٹھتی کہاں تھیں آپ!

☆ حمیرا عبدالرحمٰن.....ماتلی

س.....تجھے دیکھا تو یہ جانا صنم، بھلا کیا؟

ج.....تم تو ہکلے بھی ہو ناٹے بھی اور کالے بھی!

☆ سدرہ.....سرگودھا

س.....وہ عید کی نماز پڑھتے ہی سیدھے ہمارے گھر کیوں آتے ہیں؟

ج.....آپ کی اماں کو سلام کرنے اور آپ کے ہاتھ کی سویاں کھانے.....

☆ شبانہ مقبول.....تحصیل گوجرہ

س.....آئینہ کب جھوٹ بولتا ہے؟

ج.....اکثر!

☆ نبیلہ اکرم.....بھلوال

س.....ان کی راہوں میں پھول پتیوں کے علاوہ کیا بچھاؤں؟

ج.....دل کے سوا سب کچھ۔

☆ عذرا جبیں.....سرگودھا

س.....کون سے دیور بھابیوں کی تابعداری کرتے ہیں؟

ج.....جن بھابیوں کی چھوٹی بہنیں حسین ہوں..... تو ہر دیور کو اپنی بھابی اچھی لگتی ہے۔

☆ انشین ارشد.....راولپنڈی

س.....عید قریب ہو، جیب اپنی غریب ہو۔ ان کی ماں بھی رقیب ہو تو کیا اپنے نصیب ہوں؟

ج.....اللہ ہی اللہ کیا کرو، دکھ نہ کسی کو دیا کرو۔

☆ دعا احمد.....اسلام آباد

س.....یہ نندیں بدمزاج اور سڑیل سی کیوں ہوتی ہیں؟

ج.....ان میں جلاپے کے جراثیم زیادہ ہوتے ہیں۔

☆ نغمہ اختر.....خانیوال

س.....سالم ہاتھی پکانے کے لیے کتنا نمک مرچ اور گھی درکار ہوگا؟

ج.....مسالہ حسب ذائقہ رکھیں۔

☆ قمر شمس الحق.....جھنگ

س.....کیا اس رمضان میں میرے دل کی آس پوری ہوگی؟

ج.....علیحدہ گھر میں تو نہیں لے کر جائے گا۔

☆ صاعقہ ریاض.....حیدرآباد

س.....وہ پردیس جا رہے ہیں انہیں کیسے روکوں؟

ج.....آنکھوں کی برکھا سے۔

☆ پروین افضل شاہین.....بہاولنگر

س.....ماہ رمضان میں محمد رمضان نے رمضان شاہد سے کیا کہا تھا؟

ج.....میں پورے روزے رکھتا ہوں۔

☆ سیدہ غزالہ عالم.....لانڈھی کراچی

س.....میرے شوہر ٹریفک کانسٹیبل بننا چاہتے ہیں بتائیں کیا کروں؟

ج.....آپ کیا کر سکتی ہیں۔ بننے دیجئے، عورتوں کا چالان کرنے کا شوق پورا کر لیں گے وہ!

+ +

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

تیری معافی، تیری درگزر کی بھیک ملے
یہ سیاہ رات ہے یارب! سحر کی بھیک ملے
تیرے حبیب کی امت ہے راہ سے بھٹکی
خدایا! اسوۂ خیر البشر کی بھیک ملے
قلوب اپنے منور ہوں نورِ ایمان سے
سکونِ قلب، عروجِ نظر کی بھیک ملے
بلا لے ہم کو خدا! ملتزم کی چوکھٹ پر
گدا ہیں تیرے، ہمیں تیرے در کی بھیک ملے
ہمارا قلب بھرے دولتِ یقیں سے خدا
گماں سے پاک دلِ معتبر کی بھیک ملے
تیری رضا کا سوالی ہے تیرا بندہ پھولؔ
کہاں یہ کہتا ہے کہ لعل و گوہر کی بھیک ملے

شاعر! تنویر پھولؔ
صائمہ کنول سرگودھا

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

جسے مل گئی انؐ کے در کی غلامی
فرشتے بھی دیتے ہیں اس کو سلامی
محمدؐ کی سیرت نے یہ بھی بتایا
نہ کیجئے کسی سے، کبھی بدکلامی
زمیں پر محمدؐ، فلک پر ہے احمدؐ
لکھے میرے رب نے یہ اسمِ گرامی
قیامت تلک سب کا دستور ٹھہرا
جو خطبہ تھا سرکارؐ کا اختتامی
کیے جاؤ مدحت رسولؐ خدا کی
ملے گی یقیناً تمہیں نیک نامی
مجھے بخش دی نعت گوئی کی نعمت
میں رومی، نہ سعدی، نہ قدوسی، نہ جامی
مرے کملی والے کی کیا بات ہے، وہ
خدا کے ہیں اختر خصوصی پیامی

کنیز زہرا، کراچی

"حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے"

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ فرمایا کرتے تھے کہ "ہر چیز کی صفائی کے لیے صیقل ہوتا ہے اور دل کی صفائی کا صیقل ذکر اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جس قدر موثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں۔"

نادیہ الیاس شیخ، سیالکوٹ

سر کا استعمال

☆جلال الدین سلجوقی نے عمر خیام کو پیغام بھیجا۔
''میرے پاؤں میں موچ آ گئی ہے اور سلطنت کے کام رکے ہوئے ہیں۔ اس لیے کوئی اچھا سا طبیب بھیجو۔''
اس نے جواب دیا ''ظل الٰہی! امورِ سلطنت کے لیے سر استعمال فرمائیے۔''

شمائلہ ارشد، چک چوھلہ۔ فیصل آباد

حکیم سقراط کی باتیں

☆سقراط سے سوال کیا گیا۔
موت سے بھی سخت تر کوئی چیز ہے؟
اس نے جواب دیا کہ زندگی۔ کیونکہ ہر قسم کے رنج اور مصیبتیں زندگی ہی میں سہنی پڑتی ہیں اور موت ان سے رہائی دلاتی ہے۔
جس چیز سے تم اچھی طرح واقف نہیں اسے مت کہو، جس چیز کی ضرورت نہیں اس کی جستجو مت کرو اور جو راستہ معلوم نہیں اس پر سفر مت کرو۔

امینہ عندلیب، سلانوالی

سب کی عید

میں سوچتی ہوں رسمِ عبادت کہوں اسے
یا صرف ایک جشنِ مسرت کہوں اسے
آئینہ دار دولت و ثروت کہوں اسے
یا اجتماعِ مہر و محبت کہوں اسے
سچ پوچھیے تو عید سے ہم آشنا نہیں
ان زر خرید جلوؤں میں روحِ وفا نہیں
سج دھج میں اپنی حسن کے جلوے دکھائیں ہم
کھا پی کے خوب شاد رہیں مسکرائیں ہم
ہاں شوق سے یہ جشنِ مسرت منائیں ہم
لیکن نہ اس خوشی میں انہیں بھول جائیں ہم
جو ہیں غریب ان کی بھی دید و شنید ہو
یہ عید بس ہماری نہیں سب کی عید ہو

پروفیسر سیما سراج، کراچی

کرنیں

☆قیس ابن صنف نے کہا ''کوئی شخص مجھے تکلیف پہنچاتا ہے تو میں اس کے بارے میں غور کرتا ہوں۔ اگر اس کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے تو اس کی بڑائی میرے لیے جواب دینے میں مانع ہوتی ہے۔ اگر وہ میرا ہم مرتبہ ہے تو میں اس پر مہربانی کرتا ہوں۔ اسے جواب نہیں دیتا۔ اگر وہ مجھ سے کم مرتبہ ہے تو اس سے مقابلہ کرنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔''

نیر خان، حیدر آباد

ہائیکو

جوڑا بنانا ہے
دس ہزار دے دو اماں
کسی کو دکھانا ہے

ساون آتا ہے
نیر بہاتی ہوں
سکھی بن جاتا ہے

آگ جلاتی ہے
خط رکھ دیتی ہوں
نیند آجاتی ہے

تم میرے اپنے ہو
کل تمہیں دیکھا تھا
غیر کے سپنے ہو

شاعرہ! عظمیٰ آفاق سعید، کراچی

پُرکشش شخصیت

☆شخصیت پُرکشش بنانے کے لیے صرف اچھی خوراک اور قیمتی لباس کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اندازِ گفتگو اور اٹھنے بیٹھنے کا طریقۂ کار بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

1..... لباس ہمیشہ محفل کی مناسبت سے منتخب کریں۔

2..... بہت زیادہ گفتگو کرنا یا بالکل خاموش رہنا۔ بہت زیادہ ہنسنا یا سنجیدہ رہنا شخصیت پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے ہمیشہ اعتدال میں رہیں۔

3..... جس شخص سے گفتگو کریں تو کوشش کریں کہ گفتگو کا اختتام خوشگوار ہو اگر آپ کے خیالات نہ بھی ملتے ہوں تو کچھ وقت اپنے خیالات تبدیل کر لیں۔

4..... کسی محفل میں اپنی خامیاں خود اپنے منہ سے مت بیان کریں ورنہ دوسروں کو بھرپور موقع مل جائے گا۔

توقیر ظفر ہاشمی، منڈی بہاؤ الدین

تو.....!

صبحِ عید یوں اتری میرے آنگن میں!
بکھر رہی ہو تیری یادوں کی خوشبو جیسے
جس نے بھی کہا عید مبارک مجھ کو
ہر چہرہ مجھے ہر بار لگا کہ ہو تو جیسے!

شاعرہ! عالیہ تصور رفیقی، سرگودھا

لوری

☆ایک آدمی رات کو دیر سے گھر آیا۔ بیوی کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنے کے لیے فوراً اس نے جوتے بغل میں دبائے اور بغیر آہٹ کیے منے کے جھولے کے پاس بیٹھ گیا اور زور زور سے لوری سنانے لگا اور ساتھ جھولا بھی ہلاتا جاتا تھا۔ اتنے میں بیگم بیدار ہو گئی تو شوہر نے کہا ''تم بے ہوشی کی نیند سوتی ہو، گھنٹے بھر سے منا رو رہا ہے اب میں نے چپ کرایا ہے۔''
بیوی بولی ''ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو منا کہاں ہے؟ منا میرے پاس سو رہا ہے۔''

صائمہ خان، خان گڑھ

کیسی آئی بی یہ عید

KAYBEE HOME
پوسٹ بکس نمبر 2535 - کراچی 74600-

اس دفعہ بھی آنسوؤں کے ساتھ آئی ہے یہ عید
کیا بتائیں کیسے، کس دل سے منائی ہے یہ عید

وہ روایت خواب ہوئی مل کے دیکھیں چھت پہ چاند
رسم کی طرح سے لوگوں نے نبھائی ہے یہ عید

خوشیوں کے لمحات میں شامل رہا احساسِ غم
جلتی بجھتی روشنیوں سے سجائی ہے یہ عید

دھند میں لپٹے رہے رنگوں کے سارے سلسلے
مضمحل لمحات نے پھیکی بنائی ہے یہ عید

پھر کتابوں سے نکالے یاد کے سوکھے گلاب
باسی خوشبوؤں تلے جاناں بتائی ہے یہ عید

زخمی سوچوں نے تو پیچھا آج بھی چھوڑا نہیں
کیسی کیسی خوں فشاں سی خبریں لائی ہے یہ عید

کیا شہر کیا ملک اور دنیا کے کونے کونے میں
جیسے بھی حالات تھے ویسی منائی ہے یہ عید

سیماؔ بظاہر تو لگا ساری فضا ہے دلربا
دل مگر کہتا رہا جیسے پرائی ہے یہ عید

شاعرہ! سیما عابدی، امریکا

زندگی

اے زندگی ویسے تو مجھے تجھ سے بہت شکوے ہیں
لیکن ایک شکایت بہت بڑی ہے
وہ یہ کہ تو بے حد ڈھیٹ اور بے غیرت ہے
کہ میری شدید نفرت کے باوجود بھی
میرا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں

رضوانہ پرنس، سائپرس

راز داں اپنا

☆ ایک صاحب نے شام کو چائے پیتے ہوئے تنہائی میں اپنے لڑکے کو بلا کر کہا۔
''آج تمہاری ٹیچر کی طرف سے مجھے ایک مفصل خط ملا ہے.....'' یہ سن کر لڑکے نے تیزی سے بات کاٹتے ہوئے کہا
''ٹھیک ہے پاپا! اسے رکھ لیجئے میں ممی کو نہیں بتاؤں گا۔''

غزالہ یاسین، سرگودھا

غزل

وہ میری ذات میں رہ کر بھی میرا ہو نہ سکا
اندھیری شب کے نگر میں اجالا ہو نہ سکا
خیال اس کا اسی کی لگن اسی کی سوچ
وہ میرا ساتھ نبھاتا مگر ایسا ہو نہ سکا
میں تتلیوں کے تعاقب میں دور جا نکلی
بیان مجھ سے کسی کا سراپا ہو نہ سکا
طلب خوشی کی رہی جن کو غم ملے ان کو
سحر کی آس تھی لیکن سویرا ہو نہ سکا
میں اس کے دیس سے بیٹھی ہوئی ہوں دور بہت
شکار وہ میرے تیرِ نظر کا ہو نہ سکا
میری امید نے دم توڑ ہی دیا آخر
مجھے خود اپنے ہی دل پر بھروسا ہو نہ سکا
میں آئینے سے نکلتے ہی ہوگئی پتھر
کہ مجھ سے معاملہ اس بے وفا کا ہو نہ سکا
تھا سعدؔیہ میرے ساتھ اس کی یادوں کا لشکر
یہ دل کسی طرح بھی اکیلا ہو نہ سکا

شاعرہ! سعدیہ سیٹھی، ناٹنگھم

افسانچہ

☆ روز شام کو آ کر بیٹھ جاتی تھی۔ اس کے لیے ہمارے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے تھے ہم اسے روز ہی کھلا پلا دیتے تھے۔ وہ تھی ہی اتنی عاجز سی اماں ابا تو مروت میں آ کر کچھ نہ کچھ دے دلا دیتے لیکن مجھ سے اس کی خدمتیں نہ ہوتیں۔ ہمارے گھر میں اس کی چوتھی نسل چل رہی تھی۔ اس کا اپنا کوئی گھر نہ تھا۔ بچے رُلتے رہتے تھے اور خود بھی بہت بیمار رہتی کچھ بچے تو ایسے ہی غربت میں چل بسے کہ پیدا ہو کر مر جاتے پھر جانے انہیں کہاں چھوڑ آتی لیکن اب میرا اور اس کا گزارہ بہت مشکل تھا۔ آخر انسان کب تک برداشت کرے، اپنی ہی پوری نہیں پڑتی دوسرے کو کہاں سے کھلائے۔ اب کی بار وہ پھر امید سے ہوگئی۔ میں نے چچا سے کہہ دیا اب اسے جا کر کہیں چھوڑ آئیں، ہم سے اس مریل بلی کے ناز نخرے برداشت نہیں ہوتے ہیں۔

صائمہ سجاد بنگش، پشاور

عید مبارک

ہجر لمحوں کی ساری
اذیت اس پل ہوگئی
تمام جب دھیرے سے
چاہت بھرے وصل لمحوں
کی مہک کے ساتھ اس
نے کہا عید مبارک!

شاعرہ! تسلیم ضیائی، مقام کے۔ کے

ہاتھ بٹانا

☆ ایک خاتون اپنی پڑوسن سے کہہ رہی تھیں ''میں تو ہر کام میں اپنے شوہر کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔ مثلاً آج ہی چائے کا انتظام ایسے ہوا کہ چائے بنانے کی تجویز میں نے پیش کی، بنائی انہوں نے، پی میں نے اور برتن دھوئے انہوں نے۔''

سدرہ حامد، نارتھ کراچی

التلا میرے دل کے اندر

کمزور لمحات میں
شیطان نے مجھے گناہ کی
ترغیب دی
سوچا بچوں تو کیسے بچوں
کیونکہ شیطان میرے خون کے
اندر دوڑتا ہے
اچانک میرے دل سے صدا آئی
اے ابن آدم!
اللہ تو تیری شہ رگ سے بھی
زیادہ قریب ہے۔

شاعرہ! شہلا نواز، لاہور

عید کا چاند دیکھ کر

کیا عجب اس نے مجھے یاد کیا بھی ہو
کیا عجب وہ بھی ترسا ہو میری قربت کو
کیا عجب مجھ کو وہ لوٹا دے میرے رنگ بھی
کیا عجب وہ بھی مجھے بھول نہ پایا ہو

فرزانہ صبا، لیہ

♠♠♠

بیوٹی کلینک

فرحت احسان

صائمہ چوہدری، قصور۔ ماریہ، کراچی

اگر آپ کی اسکن پر دانے بھی ہیں تو اس کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ کچی ملتانی مٹی پانی میں بھگو دیں۔ اس مٹی میں تھوڑا سا عرقِ گلاب .... ڈال دیں تا کہ آپ کی اسکن بہت زیادہ نرم و ملائم ہو جائے پھر اسے اپنے چہرے پر لگائیں۔ آپ اگر دبلی ہونا چاہتی ہیں تو ایک گلاس نیم گرم پانی لے کر اس میں لیموں کا رس نکال کر پئیں۔

انیلا اعظم.....سیالکوٹ

آپ کی اسکن آئلی ہے۔ اس کے لیے بالائی اور کسٹر آئل مکس کر کے لگائیں اور پانی زیادہ سے زیادہ پیا کریں۔

س، ک، لاہور۔ ن، کراچی

رات کو روزانہ ہاتھوں اور پیروں کا مساج کیا کریں۔ آپ کے پیروں کا رنگ کالا ہے تو اس کے لیے آپ لیموں اور ناریل کا تیل ہم وزن لے کر مکس کریں اور اسے رات کو لگائیں۔ بریسٹ کے لیے کہ آپ پنیر اور کھٹی چیزیں کھائیں اور کسی بھی کریم سے مساج کریں اور کھانے پینے میں صحیح غذا استعمال کریں۔ بالوں کے لیے خالص سرسوں کے تیل کے ساتھ ایک کسٹر آئل کی بوتل ڈال کر مکس کر کے بالوں میں لگائیں اس سے بال لمبے، گھنے، سیاہ اور موٹے ہوتے ہیں۔

سعدیہ.....مقام نامعلوم

آنکھوں کے گرد حلقوں کے لیے ناشتے سے پہلے ٹھنڈے پانی اور دودھ کو مکس کر کے روزانہ پئیں آنکھوں کے اوپر آلو یا کھیرے کے گول ٹکڑے پندرہ سے بیس منٹ کے لیے رکھیں۔ نیند پوری کریں ٹی وی زیادہ نہ دیکھیں۔ اگر آپ کی جلد خشک ہے تو بغیر موئسچرائزر کے ماسک استعمال نہ کریں۔ مسام بند کرنے کے لیے ٹماٹر کا عرق لگاتی رہیں اور ٹونر یا پھر اسٹرینجنٹ کا استعمال رکھیں۔

افشاں.....کراچی

آپ کی اسکن آئلی ہے تو اس کے لیے آپ فیس واش استعمال کریں۔ سر میں خشکی ہے تو اس کے لیے آپ سرسوں کا تیل اور دہی مکس کر کے لگائیں اس سے خشکی ختم ہو جائے گی۔ آئی برو کے بال کے لیے آپ یہ کریں کہ خالص سرمہ لے کر اس میں زیتون کا تیل مکس کریں اس کو آئی بروز پر لگائیں۔

حمیرا.....ڈیرا اسماعیل خان

آپ کا پیٹ کا نظام صحیح رہے گا تو چہرے کی جلد بھی فریش نظر آئے گی۔ پانی زیادہ سے زیادہ 16 سے 18 گلاس روزانہ پئیں۔ ہاتھ، بازو اور پاؤں پر ابٹن کا مساج کریں۔ خوراک میں پھل، سبزی اور پانی کا زیادہ سے زیادہ استعمال رکھیں۔ دودھ روزانہ پیا کریں اس سے آپ کی جلد نکھر جائے گی۔

ارم.....مقام نامعلوم

اسکن ری سرفیسنگ ٹریٹمنٹ سے آپ کی اسکن بالکل صحیح ہو جائے گی اور اگر یہ آپ کے لیے ناممکن ہے تو پھر یہ کر سکتی ہیں۔ تھوڑا سا کچا بکری کا دودھ لے کر چہرے پر لگالیں۔ لگانے کے بعد 15 منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ 15 منٹ بعد اسے آہستہ آہستہ اسکن پر سے صاف کریں، ہاتھوں سے اس کے بعد سادے پانی سے منہ دھولیں۔

☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ

◉ حضرت جابر مغربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ رات کے خواب کی تاویل دن کے خواب سے قوی ہوتی ہے اور پہلی رات کا خواب درست نہیں ہوتا اور نیم شب کا خواب بھی پریشان کن ہوتا ہے۔ سب سے درست خواب صبح کے وقت کا ہوتا ہے کیونکہ صبح کے وقت مقرب فرشتہ لوگوں کو لوحِ محفوظ سے سکھاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی تاویل درست اور راست ظاہر ہوتی ہے۔ گویا جس قدر خواب صبح کے نزدیک تر ہوگا اسی قدر اس کی تاویل نیک اور درست اور جلدی ظاہر ہوگی۔

◉ حضرت جعفر صادقؓ نے فرمایا اگر کوئی شخص اس نیت سے سوئے کہ کوئی خواب آئے اور اس خواب سے نیک اور بد احوال جاننا چاہے تو اگر خواب میں بکری یا بکری کا بچہ یا گائے یا گھوڑا یا ان کے مانند ایسا جانور دیکھے کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو صاحبِ خواب کے کام کی تباہی کی دلیل ہے اور اگر صاحبِ خواب بند دروازہ دیکھے اور پھر اس کے لیے کھولا جائے یا بیٹھا کھانا پائے اور کھائے یہ سب باتیں صاحبِ خواب کے لیے بہتری اور نیکی کی دلیل ہیں۔

◉ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خواب دیکھ کر بھول جائے اور تعبیر بیان کرنے والا خواب کو جاننا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحبِ خواب کا نام پوچھے اور اس کے نام کے حروف شمار کرے اور ابجد کے حساب سے ان میں سے نو کو منفی کرے اور دیکھے کہ باقی کتنے رہے ہیں؟ اگر نو باقی رہیں تو یہ خواب کے فساد کی دلیل ہے کہ اس نے برا خواب دیکھا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ۔ شہر میں نو گروہ تھے، جو فساد کرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے)

اگر آٹھ باقی رہیں تو صاحبِ خواب سفر کرے گا یا اس کا نکاح ہوگا۔

اگر سات باقی رہیں تو صاحبِ خواب درندوں یا کتوں کو دیکھے گا۔

اگر چھ باقی رہیں اور صاحبِ خواب نیک شخص ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے خواب میں فرشتوں اور اہلِ اصلاح کو دیکھا ہے۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ اس کے سب اشغال نیک ہوں گے اور اگر صاحبِ خواب نیک نہیں ہے تو اس نے خواب میں شیاطین اور اہلِ فساد کو دیکھا ہے، اس کی تاویل اس شخص کی تباہی ہے۔

اگر پانچ باقی رہیں تو اس نے خواب میں گھوڑے اور ہتھیار دیکھے ہیں۔

اگر چار باقی رہیں تو اس نے خواب میں آسمان اور ستارے دیکھے ہیں۔

اگر تین باقی رہیں تو صاحبِ خواب نے کسی کو کوئی کام کہا ہوگا۔

اور اگر دو یا ایک باقی رہے تو اس امر کی دلیل ہے کہ دین اور دنیا میں نفع ہوگا۔ دہشت سے امن میں رہے گا اور ہر طرح سے محفوظ ہوگا۔

◉ حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی خواب دیکھ کر بھول جائے تو یہ چار حال سے خالی نہیں۔ ایک بہت گناہوں کے باعث، دوسرے مختلف کاموں کے باعث، تیسرے ضعف نیت کے باعث، چوتھے طبیعت کے اختلاف، جب حالت سے پھرے تو ضرور خوابوں کو بھول جائے گا۔

◉ حضرت کرمانی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دانا لوگ کہتے ہیں کہ جاہل کے پاس خواب بیان نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی جاہل سے تعبیر پوچھنی چاہئے کیونکہ عالم اور جاہل میں بہت فرق ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(ترجمہ۔ ان سے کہہ دو کہ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے (ترجمہ۔ علم والا اور بے علم برابر نہیں ہیں)

اور چونکہ خواب کو ظاہر کرنے والا فرشتہ ہے جو لوحِ محفوظ سے بتاتا ہے، خیر پہنچے گی یا شر پہنچے گا۔ اگر عالم یا جاہل اس کو پھیرنا چاہیں تو بھی ہونے والی چیز ہو کر رہے گی۔ سوائے قضائے معلق کے جو صدقات اور دعا سے ٹل جاتی ہے۔

''جب ملک ریان (شاہ مصر) نے وہ خواب دیکھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے (ترجمہ۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ پریشان خواب ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تاویل نہیں جانتے ہیں) تب بادشاہ نے اپنی قوم کو بلایا اور اپنے خواب کا حال پوچھا ''سردارو! میرے خواب کی بابت فتوے دو۔ اگر تم میرے خواب کی تعبیر بیان کرسکتے ہو پھر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعبیر بیان کی اور سات سالہ قحط کا بیان دیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جاہلوں کی تعبیر سے خواب کا حق باطل نہیں ہوسکتا۔

◉ حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خواب وقت کے ساتھ بدلتا ہے۔ جو شخص فصلِ بہار میں خواب دیکھے، نیک ہے لیکن اس کی تاویل دیر کے بعد ظاہر ہوگی اور گرمی کے موسم کے خواب کی تاویل بہت جلدی ظاہر ہوتی ہے اور جو شخص خزاں کی فصل میں خواب دیکھے اس کی تاویل درست نہ ہوگی۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ مجھے خواب میں ایک درخت کے ستر پتے شمار کر کے دیے گئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تجھ پر ستر لکڑیاں پڑیں گی اور اسی ہفتے میں اس پر ستر چھڑیاں ماری گئیں پھر اس شخص نے دوسرے سال میں وہی خواب ستر پتوں والا دیکھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے تعبیر دریافت کی، آپؓ نے فرمایا تجھے ستر ہزار درہم ملیں گے۔ اس شخص نے عرض کی کہ گزشتہ سال میں نے یہی خواب دیکھا تو ستر چھڑیاں کھائیں اور میں نے اس سال بھی یہی خواب دیکھا ہے اور اس کی تاویل ستر ہزار درہم ہیں۔ آپ مجھے اس تاویل کے فرق کی وجہ بتائیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ گزشتہ سال تو نے خواب فصلِ خزاں میں دیکھا تھا۔ اس وقت سب درخت خشک تھے اور پتے گرتے تھے اور اس کی تاویل دہی تھی اور اس سال موسم بہار ہے اور درختوں کا رخ ترقی کی طرف ہے، اس کی تاویل یہی ہے اور پھر اس خواب دیکھنے والے نے ستر ہزار درہم پائے۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے فرمایا کہ خواب کی تعبیر صبح سے دوپہر تک پوچھنی چاہئے۔ خواب کی تعبیر روز ابر، برف و باراں اور آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت دریافت نہیں کرنی چاہئے۔

جو شخص کوئی ایسا خواب دیکھے جس سے وہ ڈر جائے تو اسے چاہئے کہ تین بار آیت الکرسی پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے اور یہ دعا مانگے (ترجمہ۔ میں ربِ موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پناہ مانگتا/مانگتی ہوں۔ اس خواب کی برائی سے جو میں نے اپنی نیند میں دیکھی ہے کہ میرے دین اور دنیا اور معاش میں نقصان پہنچائے۔ تیرا رتبہ سب سے بڑھ کر اور تیری ثنا بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے) اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اور صدقہ دے تو اس خواب کی برائی ختم ہوجائے گی۔

◉ حضرت مغربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابلیس ملعون تمام خوابوں میں دست درازی کرتا ہے اور سب چیزوں کے مانند ہوجاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں اور پیغمبروں آسمان، آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کے مانند اپنے آپ کو مشابہت میں نہیں کرسکتا۔

◉ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب ابلیس ملعون اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بنانا چاہتا ہے تو آسمان سے آگ اترتی ہے اور اس کو جلاتی ہے۔

◉ اتوار کے دن کا خواب نیک ہوتا ہے، آفتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ پیر کے دن کا خواب بھی نیک ہے، ماہتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ منگل کے دن کا خواب، مریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو نہیں پوچھنا چاہئے۔ بدھ کے دن کا خواب عطارد سے تعلق رکھتا ہے۔ جس دن قوم ہود

علیہ السلام اور اصحاب امرس ہلاک ہوئے تھے، یہ بھی نہیں پوچھنا چاہئے۔ جمعرات کا دن مشتری کا ہے، اول روز کا خواب سعادت اور خوشی کی دلیل ہے اور جمعہ کا روز اول زہرہ کا ہے۔ خوشی، نشاط اور عیش اور جمعیتِ خاطر کی دلیل ہے۔

◉ حضرت مغربی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خواب کے بارے میں تعبیر کرنے والے کے لیے بہت سا تجربہ ہونا چاہئے جیسے طبیب کو بیمار اور اس کے علاج کا تجربہ ہونا چاہئے۔

◉ امیر المومنین مہدی نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے۔ بیدار ہوا تو ڈرا اور تعبیر بیان کرنے والوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا اور سب کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ سب لوگ اس خواب کو سن کر تاویل بیان کرنے میں پریشان سے ہو گئے پھر ابراہیم کرمانی رحمتہ اللہ علیہ کو جو تعبیر بیان کرنے والوں کے استاد تھے، بلا کر لائے۔ آپ نے خلیفہ کا خواب سن کر فرمایا کہ آپ کے ہاں لڑکی پیدا ہو گی۔ لوگوں نے سوال کیا کہ اس تعبیر پر کیا دلیل ہے۔ تب آپ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ۔ اور جس کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس حال میں وہ غضبناک ہوتا ہے) امیر المومنین نے حضرت کرمانی" کو ایک ہزار درہم انعام دیا اور اسی دن لڑکی پیدا ہوئی، پھر دس ہزار درہم بطور انعام دیا۔

بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کی تعبیر برعکس ہوتی ہے۔ حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خواب میں اپنے آپ کو قبر میں دیکھنا قید خانے میں جانے کی دلیل ہے۔ خواب میں خانہ خراب دیکھنا لڑکیاں مرنے کی دلیل ہے اور خواب میں لڑکیاں پیدا ہوتے دیکھنا کاشت کاری کی دلیل ہے۔ نئی چیزوں کا خواب میں آنا نیک ہوتا ہے اور پرانی چیزوں کا خواب میں آنا بُرا ہوتا ہے۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

✱ شبینہ ——— اٹک۔

حل۔ جس وظیفے کے بارے میں آپ نے پوچھا ہے، وہ عشا کی نماز کے بعد پڑھیئے۔ اول و آخر تین تین بار درود شریف پڑھیں۔ وظیفہ وہی جو آپ نے خط میں لکھا ہے۔ اس کو آپ تین ماہ تک پڑھیئے، نماز کی پابندی کیجئے اور رات کو سوتے وقت ایک تسبیح یا عزیزُ یا اللہ کی پڑھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام مسائل حل فرمائے گا، انشاء اللہ!

✱ روبینہ کوثر ——— منڈی بہاؤالدین۔

حل۔ گڑیا، جو شخص آپ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتا، اس کی خوشامدیں کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ غلطی آپ کی بہن کی بھی ہے۔ اس نے اپنے پیسے سے سب کو رام کر لیا ہے۔ بہرحال اب آپ اس کا خیال اپنے دل سے نکال دیجئے۔ انشاء اللہ آپ کو اس سے بہتر اور وفادار رفیق ضرور ملے گا۔ آپ بعد نماز عشا تین سو تیرہ مرتبہ یالطیفُ پڑھ کر اپنے لیے دعا مانگا کریں۔

✿ سجیلہ نیاز ——— اوکاڑہ۔

حل ⇦ پہلے تو آپ یہ یقین کر لیں کہ نہ آپ پر جادو ہے اور نہ کوئی اثر ہے۔ سب سے پہلے آپ اپنی صحت پر توجہ دیں۔ اچھی غذا استعمال کریں۔ دودھ، گوشت، انڈا، آم سب کھائیں اور خوش ہو کر کھائیں۔ جو بھی دوا استعمال کریں، اس پر تین مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونک لیا کریں۔

✿ مسز عرفان ——— انگلینڈ۔

حل ⇦ اپنا نمک کم کر دیں۔ مٹھاس زیادہ لیں۔ خوش رہیں۔ صرف ایک تسبیح ہر نماز کے بعد یا رحیمُ یا کریمُ پڑھا کریں۔ ہر نماز کے بعد ۶۶ مرتبہ اللہُ پڑھیں اور تین ماہ بعد مجھے خط لکھ کر بتائیں کہ کتنا افاقہ ہوا ہے۔

✿ ع، الف ——— کراچی۔

حل ⇦ پیاری بیٹی، تم نے پریشانی پیدا کرنے والے کام خود کیے ہیں کہ محلے کے لڑکے کو خط لکھے۔ پھر دوسرے لڑکے نے تمہیں خراب کرنے کی کوشش کی پھر اس بات کا چرچا ہوا، اب محلے کے لڑکے تمہارے ہاں فون کرتے ہیں۔ ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ محلے کے تمام لڑکے تمہیں ایک لوفر لڑکی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح خاندان کے لڑکے بھی تمہیں ایک بری لڑکی، ایک گھٹیا لڑکی سمجھتے ہیں

جو ذرا سی توجہ سے اپنا سب کچھ وارنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ یاد رکھنا بیٹی کہ بدمعاش مرد بھی جب شادی کرتا ہے تو وہ بھی شریف لڑکی سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اب حل یہی ہے کہ کسی لڑکے سے کوئی دوستی نہ رکھو۔ کسی سے نہ ملو۔ نماز کی باقاعدگی کرو۔ استغفار کثرت سے پڑھا کرو۔ وظیفے پڑھنے کے بجائے اپنے اوپر کنٹرول کرو کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا۔

✿ مسز مختار ——— راولپنڈی۔

حل ⇦ نماز کی باقاعدگی کریں۔ صبح و شام گیارہ گیارہ بار درود تنجینا پڑھ کر اپنے مسائل کے حل کے لیے دعا مانگیں۔ عمل کی مدت چھ ماہ ہے۔

✱ شازیہ اختر ——— لاہور۔

حل۔ جب تک مسئلہ حل نہ ہو، آپ نماز حاجت پڑھتی رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہر نماز کے بعد پانچ تسبیح یاعزیزُ کی بھی پڑھا کریں۔

نوٹ: قارئین پاکیزہ سے استدعا ہے کہ رمضان المبارک کی بابرکت ساعتوں میں آپ دعائیں زیادہ سے زیادہ مانگیں۔ دُعا کے اول و آخر درود ابراہیمی ضرور پڑھیں کہ اس کے پڑھنے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں — اپنی دعاؤں میں اپنی اس آپا اور اس کے اہلِ خانہ کو بھی یاد رکھیں۔ ممنون ہوں گی۔

یاسمین شہزاد ——— ملکوال

حل۔ چاروں قل اور آیت الکرسی کے ساتھ روزانہ ایک مرتبہ سورۂ فتح پڑھ کر اپنے اوپر پھونک لیا کریں۔ چلتے پھرتے، کام کرتے ہوئے، غرض ہر وقت آپ یاحیُ یا قیومُ برحمتک استغیث پڑھیں۔ آپ کی دونوں مرادیں پوری ہوں گی، انشاء اللہ!

صدف ——— حیدر آباد

حل۔ پیاری بیٹی خوف زدہ مت ہو، کوئی بھی ایسی بات نہیں ہوئی ہے۔ انشاء اللہ سب ٹھیک رہے گا اور سب ٹھیک بھی ہے۔ تم روزانہ پہلے کلمے کی پانچ تسبیح اور تیسرے کلمے کی ایک تسبیح پڑھنا اپنی عادت بنا لو ہر قسم کی ٹینشن سے بچی رہو گی۔

✱ ام کلثوم ——— کہروڑپکا۔

حل۔ آپ ہر نماز کے بعد پانچ تسبیح یا رحیم یا کریم کی پڑھ کر دعا مانگا کریں نماز باقاعدگی سے پڑھیں۔ چلتے پھرتے ہر وقت یاعظیم پڑھا کریں۔

✱ ش۔م ——— منڈی بچیانہ۔

حل۔ آنکھ کا معمولی سا آپریشن ہو گا جس سے دونوں آنکھیں یکساں ہو جائیں گی۔ آپ یہ آپریشن کروا لیں۔ دوسرے مسئلے کے لیے آپ کو اسپیچ تھراپی کرنی ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ روزانہ سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پانی کی بوتل پر دم کر کے وہی پئیں۔ اپنے اندر ہمت خود پیدا کیجئے۔ اللہ آپ کی مدد ضرور کرے گا۔

عذرا بانو ——— کراچی

حل۔ آپ فوری طور پر اپنی والدہ اور خاندان کے دیگر بزرگوں کو بلا کر ساری صورتِ حال بتائیں اور رخصت ہو کر اپنے شوہر کے پاس جائیں۔ آپ کے بھائی زیادہ سے زیادہ آپ کی والدہ کو اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔ اس سلسلے میں اپنے شوہر سے پہلے ہی بات کر لیں کہ اگر بھائیوں نے انہیں گھر میں نہیں رکھا تو آپ کو رکھنا ہو گا۔ اس ضمن میں مزید خاموشی حالات کو خراب کر دے گی۔ درود شریف کثرت سے پڑھتی رہیں۔ بعض دفعہ بے جا ضد، معاملات کو خراب کرتی ہے۔ آپ کے حق میں دعا بھی کی جا رہی ہے۔

مسز طاہرہ غنی ——— لاہور

حل۔ آپ پریشان مت ہوں۔ معجزے اس دور میں بھی ہوتے ہیں۔ آپ اپنی بچی کو جو چیز بھی کھلائیں پلائیں، اس پر پوری سورہ الفاتحہ دم کر کے کھلائیں۔ زیتون کے تیل پر یاسین شریف اور آیتہ الکرسی پڑھ کر پھونکتی رہا کریں۔ اس تیل سے بچی کے سر اور تمام جسم پر مالش کیا کریں۔ صبح سویرے نہار منہ ذرا سا شہد بچی کو چٹایا کریں۔ بے شک ایک روپیہ ہی سہی مگر اس کا صدقہ روزانہ دیا کریں۔ گھر میں پرندوں کے لیے باجرہ اور پانی رکھیں۔ کسی یتیم کی باقاعدگی سے مدد کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ اپنا فضل ضرور کرے گا۔

ا۔ر ——— اٹک شہر۔

حل۔ ہر نماز کے بعد یا کریم یا رحمٰن کی پانچ تسبیح پڑھ کر دعا مانگئے۔ روزانہ دو نفل نمازِ حاجت بھی پڑھیں، جب تک آپ کے دونوں مسائل حل نہ ہو جائیں۔ ○☆○

عید کے خصوصی پکوان

خوش ذائقہ

پاکیزہ بہنیں

شیرخرما

اشیا ۔ سوئیاں، ایک پاؤ۔ خرما یعنی چھوہارے، ایک چھٹانک۔ دودھ، دو لیٹر۔ بادام، سبز الائچی اور چینی، حسب ذائقہ۔

ترکیب ۔ دودھ کو پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب ڈیڑھ لیٹر رہ جائے تو اس میں سوئیاں ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھ دیں اور آہستہ آہستہ چمچ ہلاتی رہیں، جب گاڑھا ہونے لگے تو چھوہاروں کے چار چار ٹکڑے کر کے اس میں ڈال دیں۔ پھر بادام کی گری اور الائچی کے دانے نکال کر ڈال دیں اور پھر چینی ڈال دیں۔ اس کے بعد چند منٹ پکائیں جب وہ کھیر کی شکل اختیار کرے تو اتار لیں۔ شیرخرما تیار ہے۔ گرم گرم کھانے کو پیش کریں یا نیم گرم یہ آپ کی پسند پر ہے۔

مسز ارشد محمود آسی، اتوالہ کھاریاں

سوئیوں کی کھیر

اشیا ۔ دودھ، ایک کلو۔ چینی، ڈیڑھ یا دو کپ یا پھر حسب ذائقہ۔ سا گودانہ، دو بڑے چمچ۔ سوئیاں، تین بڑے چمچ۔ پسی ہوئی الائچی، چوتھائی چمچ۔ کیوڑہ، چند قطرے۔ زردے کا رنگ، چٹکی بھر۔ بادام پستے، چوتھائی کپ۔ کھویا، 50 گرام۔

ترکیب ۔ دودھ کو ابال لیں، اس میں سا گودانہ ڈال کر اتنا پکائیں کہ یہ گل جائے اب اس میں زردے کا رنگ اور الائچی پاؤڈر ڈال دیں۔ چینی بھی شامل کر دیں۔ سوئیاں بھون کر ڈال دیں۔ اب بادام پستے کاٹ کر ڈال دیں کھویا اور کیوڑہ بھی ملا دیں، گاڑھا ہونے پر ڈش میں نکال لیں اور پستہ بادام چھڑک دیں۔

تابندہ جبین، اورنگی ٹاؤن کراچی

سوئیوں کے لڈو

اشیا ۔ کھویا، 300 گرام۔ شکر، 250 گرام۔ سوئیاں، 100 گرام۔ کاجو 100 گرام (توڑ لیں) الائچی، دو عدد (پسی ہوئی) گھی، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب ۔ ہلکی آنچ پر کڑاہی میں گھی گرم کریں۔ سوئیوں کو توڑ لیں اور گھی میں لال کریں۔ بعد میں اسے کسی چیز میں نکال کر الگ رکھ دیں۔ اسی گھی میں کھویا ڈال کر اچھی طرح بھون لیں، اس میں کاجو بھی شامل کر لیں۔ آخر میں چینی ملا کر اچھی طرح ہلائیں، اب اس مکسچر میں الگ رکھی ہوئی سوئیوں اور الائچی پاؤڈر کو بھی شامل کر لیں۔ اور چولھے پر سے اتار لیں۔ جب اس حد تک ٹھنڈا ہو جائے کہ ہاتھ لگانا ممکن ہو جائے تو اس مکسچر کا لڈو بنائیں اور ایک ٹرے میں رکھتی جائیں۔ آپ چاہیں تو چاندی کے ورق لگا کر مہمانوں کو پیش کر سکتی ہیں۔

کھیر دل ربا

اشیا ۔ چاول، 150 گرام۔ دودھ، دو کلو۔ بادام، آٹھ عدد۔ پستہ، ایک چمچ۔ کشمش، ایک چمچ۔ الائچی سبز، چار عدد۔ زعفران، دو گرام۔ چینی، حسبِ ضرورت۔ چاندی کے ورق، حسبِ ضرورت۔

ترکیب ۔ چاولوں کو ابال لیں، جب اچھی طرح سے گل جائیں تو دودھ میں ڈال دیں اور پکنے دیں۔ آنچ دھیمی رکھیں پھر چینی بھی ڈالیں۔ جب اچھی طرح گاڑھا ہو جائے تو زعفران، بادام، الائچی، پستہ وغیرہ ڈال کر پکائیں۔ جب حسب منشا گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور ڈش میں جما کر اوپر سے کٹا ہوا میوہ ڈالیں۔

راحیلہ مشتاق، خانپور

چیز کیک

اشیا ۔ کن ڈینس ملک، ایک ٹن۔ کارن فلور، ڈیڑھ کھانے کا چمچ۔ انڈے، چار عدد (سفیدی، زردی الگ کر لیں) لیموں کا رس، آدھا چائے کا کپ۔ میری بسکٹ، ایک پیکٹ۔ مارجرین، ایک کھانے کا چمچ۔ کاٹیج چیز، سو گرام کش کر لیں۔ ونیلا ایسنس، چند قطرے۔ براؤن شوگر، تین کھانے کے چمچ۔ تازہ اسٹرابیری، ایک چائے کا کپ (لمبی کاٹ لیں) کریم، آدھا چائے کا کپ (پھینٹ لیں) گول بیکنگ پین نو انچ والا، ایک عدد۔

ترکیب ۔ سب سے پہلے سارے بسکٹس کا چورا کریں ..... اس میں مارجرین اور براؤن شوگر اچھی طرح ملا لیں۔ بیکنگ پین میں ذرا سی چکنائی لگا لیں۔ زردی میں، ونیلا ایسنس، کارن فلاور، کن ڈینس ملک، کاٹیج چیز ملا کر خوب پھینٹ لیں۔ جب یہ تمام چیزیں یکجان ہو جائیں تو لیموں کا رس ملا دیں۔ پھر سفیدی کو الگ پھینٹ لیں۔ اب اس کو زردی کے مکسچر میں ملا دیں۔ تیار کیے ہوئے پین میں بسکٹس کے چورے کے اوپر ڈال دیں۔

پہلے سے گرم اوون 150 پر تیس سے چالیس منٹ تک بیک کر لیں، جب اوپر سے گولڈن ہو جائے تو نکال لیں۔ تھوڑی دیر فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کریں۔ مکھن کی چھری سے کنارے الگ کر لیں۔ اوپر سے پھینٹی ہوئی کریم سے اچھی طرح کور کریں اور اسٹرابری سے گارنش کر دیں۔ فریج میں رکھ کر ٹھنڈا یخ کر کے پیش کریں۔ عید کے موقع پر بنا کر داد وصول کریں۔

تانیہ مقبول صدیقی، گزری کراچی

رس ملائی

اشیا ۔ دودھ، چار کپ۔ چینی، ایک کپ۔ الائچی (پسی ہوئی) چار۔ خشک دودھ، ایک کپ۔ میدہ، ڈیڑھ چمچ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چمچ۔ گھی، ایک چمچ۔ انڈا، ایک عدد۔ پستہ (کٹا ہوا) تھوڑا سا۔

ترکیب ۔ سب سے پہلے چار کپ دودھ میں ایک کپ چینی اور چار پسی ہوئی الائچی ڈال کر پکنے دیں۔ ایک کپ خشک دودھ کو چھان لیں اس میں میدہ اور بیکنگ پاؤڈر ملائیں۔ ان سب کو مکس کر کے ان میں ایک چمچ گھی ڈالیں اور ہاتھوں سے اچھی طرح ملیں۔ پھر ان میں انڈا شامل کریں اور اسے دوبارہ اچھی طرح ملائیں۔ پھر اس کی چھوٹی چھوٹی رس ملائیاں بنائیے۔ سائز چھوٹا رکھنا ہے۔ اب انہیں پکتے ہوئے دودھ میں ڈال دیں اور ڈھکن ڈھک کر تین سے چار منٹ تک پکائیں۔ جب دودھ ابلنے لگے تو ایک دفعہ ہلا دیں۔ ہلکی آنچ پر پکائیں۔ تیار ہونے پر اتار لیں۔ ٹھنڈا ہونے پر پستہ چھڑک کر پیش کریں۔ مزے دار رس ملائی تیار ہے۔

مریم احمد، باغبانپورہ، لاہور

لیمن سوڈا

اشیا ۔ لیمن کے ذائقے والا کوئی سا سفوف، ایک چائے کا چمچ۔ چینی، دو کھانے کے چمچ۔ ٹھنڈا دودھ، ایک کپ۔ ٹھنڈا پانی، آدھا کپ۔ ونیلا آئس کریم (نرم)، دو کپ۔ لیمن کی پتلی قاشیں، چند عدد۔ پودینے کی چھوٹی ٹہنی (پتوں والی)، ایک عدد۔

ترکیب ۔ ایک لمبے گلاس میں سفوف ڈال کر چینی ملا دیں اور آہستہ آہستہ اس میں دودھ شامل کر دیں اور اس وقت تک مکس کریں جب تک چینی اور سفوف حل نہ ہو جائے۔ پانی شامل کر لیں۔ آئس کریم بھی ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ سجاوٹ کے لیے اس پر لیمن کی پتلی قاش اور پودینے کی ٹہنی ڈال دیں۔ چاہیں تو لیموں آدھا کاٹ کر گلاس کے سائڈ میں لگا دیں۔ اسٹرا ڈال کر سرو کریں۔

تبسم گل، گلیانہ

عربی پلاؤ

اشیا ۔ چاول، آدھا کلو۔ بادام اور کشمش، آدھا کپ (کٹے ہوئے دونوں) مسور کی دال، آدھا پاؤ۔ خشک خوبانی، آدھا پاؤ۔ پیاز، نمک، تیل حسبِ ضرورت۔

ترکیب ۔ چاول دو کنی پکا لیں نمک ڈال کر اور دال الگ دیگچی میں گاڑھی سی پکا لیں۔ پیاز کو قتلوں کی

صورت میں کاٹ کر تل لیں اور اخبار میں نکالیں۔ باقی بچے تیل میں خوبانی، کھجوریں، بادام اور صاف شدہ کشمش دو منٹ فرائی کرلیں پھر کھلے منہ والی دیگچی میں ایک تہ چاولوں کی ایک دال کی ایک خشک میوہ جات کی اور آخر میں بچے چاول اور سب سے آخر میں تلی پیاز مسل کر ڈال دیں اور دم پر رکھئے۔ گرم گرم عربی پلاؤ تیار ہے۔

✍ سیدہ شفق زہرا نقوی، سرجانی ٹاؤن

قورمہ شاہ دیگ

اشیا ◦ بکری یا گائے کا گوشت، آدھا کلو۔ دہی، دوسو گرام۔ ابلے ہوئے انڈے، چھ عدد۔ کوکنگ آئل، ایک سو پچاس گرام۔ انار کا جوس، دوسو پچاس گرام۔ سیاہ مرچ، چھ عدد۔ ادرک، دو انچ کا ٹکڑا۔ ہلدی، ایک چمچ۔ لہسن، دس جوئے۔ سرخ مرچ (ثابت)، تین عدد۔ سبز مرچ، تین عدد۔ اجوائن، آدھا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ زیرہ، آدھا چمچ۔ چھوٹی الائچی چھ عدد

ترکیب ◦ دہی پھینٹ کر اس میں نمک، سرخ مرچ اور پسا ہوا لہسن ملا دیں پھر اس میں گوشت ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے بھگو دیں۔ ایک دیگچی میں کوکنگ آئل گرم کریں۔ اس میں پیاز فرائی کریں، دہی، زیرہ اور ادرک بھی ڈال دیں۔ اس کے دو منٹ بعد اجوائن، سیاہ مرچ، ہری مرچ اور سرخ مرچ ڈال کر مزید بھونیں۔ پھر گوشت اور باقی دہی نیز انار کا جوس ڈال کر دھیمی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ پانی خشک ہونے پر بھون لیں۔ اس کے بعد ابلے ہوئے انڈے درمیان میں سے کاٹ کر اور الائچیاں پیس کر شامل کریں۔ دس منٹ تک دم دیں۔ بہت ہی خوش ذائقہ قورمہ شاہ دیگ تیار ہے۔

✍ منزہ ثاقب، جتوئی

بھاپ والا مرغ

اشیا ◦ مرغ، ایک عدد چار پیس بنالیں۔ ہلدی پاؤڈر، دو چائے کے چمچ۔ کالی مرچ، ڈیڑھ چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ دہی، ایک کلو۔ کیچپ، ایک بوتل۔ املی، ایک پاؤ۔ گھی، ایک کلو۔ سرخ مرچ، دو چائے کے چمچ۔

ترکیب ◦ ایک کڑاہی لیں، اس میں چاروں پیس فرائی کرلیں پھر ایک بڑا برتن لیں، اس میں دہی، ہلدی، کالی مرچ، سرخ مرچ، نمک، املی کا گاڑھا پانی لے کر اس میں چاروں پیس ڈال دیں یہاں تک کہ چاروں پیسوں کو مسالہ لگ جائے۔ اب ایک بڑا برتن لیں اسے پانی سے آدھا بھر لیں پھر ایک جالی لیں جو دبرتن کے اندر فٹ آجائے اور پانی اس جالی تک نہ پہنچے۔ اب یہ مسالے والے چاروں پیس اس جالی پر رکھ دیں اور اب آنچ فل کردیں... تقریباً بیس سے تیس منٹ تک۔ پانی بھاپ بن کر پیسوں کو لگے گا، اس سے پیس پک جائیں گے اور فالتو چکنائی بھی پانی میں گر جائے گی۔ اس کے بعد آپ ڈش میں نکال کر نوش کریں اور ساتھ سلاد اور کیچپ بھی لگالیں۔

✍ شاہینہ تھہیم، بہاولپور

آلو چانپ

اشیا ◦ چانپ، ایک کلو۔ آلو، آدھ کلو۔ انڈے، تین عدد۔ گھی، حسبِ ضرورت۔ ادرک، پچیس گرام۔ خشک ڈبل روٹی کا چورا، حسبِ ضرورت۔ سرخ مرچ، حسبِ ذائقہ۔ لہسن، دس گرام۔ نمک، سیاہ مرچ، حسبِ ضرورت۔

ترکیب ◦ لہسن اور ادرک چھیل کر رکھ لیں اس کے بعد آلو ابال لیں اور ان کا چھلکا اتار کر سل پر باریک پیس لیں۔ ساتھ ہی اس میں پسی ہوئی سیاہ مرچ اور نمک ڈال کر مکس کریں اور یہ آمیزہ الگ رکھ لیں پھر چانپ کو دھو کر ان پر لہسن، سرخ مرچ، نمک اور ادرک مکس کرکے اچھی طرح ملیں، ایک گھنٹے تک رکھنے کے بعد گھی میں ڈال کر معمولی سی بھون کر باہر نکال لیں پھر ان پر آلو کا آمیزہ لگائیں پھر انڈے پھینٹ کر چانپ اس میں ڈبو کر ڈبل روٹی کا چورا اس پر چھڑکیں اور دوبارہ فرائی کریں اور پلیٹ میں سجا کر کھانے کے لیے پیش کریں۔

✍ راحیلہ، فیصل آباد

✦✦✦

نوٹ: ہومیوپیتھی علاج میں علامات کی بڑی اہمیت ہے، آپ بیماری کے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ہمیں لکھ کر بھیجیں تاکہ بہتر سے بہتر دوا کا انتخاب کیا جاسکے۔ بہنوں کو باری کے ساتھ جواب دیئے جاتے ہیں۔ بذریعہ ڈاک مشورے کی کوئی فیس نہیں لی جاتی اور دوائیں بھجوانا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ مشترکہ پرہیز زیادہ ٹھنڈی غذائیں، بادی اشیاء، ٹھنڈے مشروبات اور بڑا گوشت ہے۔ دن میں 15-10 گلاس پانی ضرور پئیں۔ تمام خطوط اس پتے پر بھیجیں۔ ہومیو کلینک ماہنامہ پاکیزہ۔ پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200

ہومیو کلینک

ڈاکٹر آصفہ شاکر

عمر اور بڑھاپا

بڑھاپا انسان کی ذہنی و جسمانی کمزوری کا دوسرا نام ہے۔ دونوں طرح کی کمزوریاں بڑھاپے کو مدعو کرتی ہیں۔ اکثر لوگ سوچتے ہیں، زیادہ عمر ہونے پر ہی بڑھاپا آتا ہے لیکن بات ایسی نہیں ہے، جب بھی ہمارا جسم اور دماغ کمزور ہوجاتا ہے، بڑھاپا آنے لگتا ہے۔ 25 برس کے نوجوان میں بھی بڑھاپا پایا جاسکتا ہے۔ جوانی کا تعلق عمر سے نہیں، جسم اور دماغ کی طاقت سے ہے۔ کوئی شخص 40 برس کی عمر میں ہی زرد، کمزور و نحیف ہوجاتا ہے اور کوئی 80 برس کی عمر میں بھی پھرتیلا نوجوان دکھائی دیتا ہے۔ اگر احتیاط کے ساتھ قدرتی اصولوں کی پابندی کی جائے تو زیادہ عرصہ تک بڑھاپا دور رہ سکتا ہے۔ پھیپھڑوں اور دل کی طاقت انسان کو لمبی زندگی بخشتی ہے۔ جبکہ ان کی کمزوری جوانی کے لیے ڈائنامائٹ کی طرح ہے۔

عمر سے بڑھاپے کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی عمر کی کوئی حد مقرر ہے جو بڑھاپے کے لیے ہو اور نہ ہی یہ بات صحیح ہے کہ ایک ایسی عمر آتی ہے جب آدمی ایسے کام نہیں کرسکتا جو بچپن و جوانی میں کیا کرتا تھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس کی زندگی میں وہ خوشی اور امنگ نہیں رہ جاتی جو نئی عمر کے لوگوں میں رہتی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ آدمی بوڑھا ہونے کے لیے مجبور ہے۔ کسی کی عمر اور اس کی جسمانی حالت کا اندازہ اس کے سوچنے کی طاقت اور سوجھ بوجھ کی شدت سے لگایا جانا چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں اگر آدمی دل اور دماغ سے جوان ہے تو اس کے لیے برسوں کی گنتی کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر انسان زندگی اور صحت سے متعلق قدرتی اصولوں کی پیروی کرے تو یہ امر یقینی ہے کہ اس کی جوانی کے بعد کی زندگی بھی اتنی ہی پُراہمیت اور کارآمد ہوگی۔ آپ کسی نہ کسی ایسے مرد یا عورت کو ضرور جانتے ہوں گے جو ستر پچھتر یا اس سے بھی زیادہ عمر میں اپنا جسمانی اور دماغی کام ٹھیک ٹھیک کرپاتے ہوں گے جنہیں لوگ جوانوں سے بھی زیادہ چست کہتے ہوں گے۔ ایسے لوگ کبھی جوانی کا رونا نہیں روتے، وہ نئے نئے کام ہاتھ میں لیتے رہتے ہیں۔

ٹوکن برائے ہومیوپیتھک

جنوری 2004

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں، اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____

پتا: _____

_____

نئی نئی چیزیں سیکھتے رہتے ہیں۔ جتنا وہ کرنا اور سیکھنا چاہتے ہیں اس کے لیے انہیں اپنی ایک زندگی کا وقت کم معلوم ہوتا ہے۔ ایک صحت مند انسان آخری لمحے تک نوجوانوں سے کئی گنا زیادہ کام کرسکتا ہے۔ ان کے سوچنے کی طاقت کم ہونے کے بجائے اور زیادہ تیز اور زیادہ پختہ ہوتی جاتی ہے۔ اس سے بخوبی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کچھ سیکھنے سے کچھ نیا کام کرنے سے عمر کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جوں جوں آدمی کی عمر بڑھتی جاتی ہے، اس کے جسم کی غذائی ضرورت کم ہوتی جاتی ہے۔ ادھیڑ عمر میں موٹاپا آنے کا سبب یہ ہے کہ اب جسم کو اتنی غذا کی ضرورت نہیں ہے جتنی اسے دی جا رہی ہے۔ اس وقت غذا میں اناج کم کرکے اس کی جگہ پھل ترکاریاں اور سبزیوں کی مقدار بڑھانا ضروری ہے۔ ایسا نہ کرنے والوں کو ہمیشہ بھوک کی شکایت رہتی ہے۔ عمر بڑھنے پر ورزش کی ضرورت بھی ختم نہیں ہوجاتی۔ کھلی ہوا میں کافی دور تک ٹہلنا بے حد ضروری ہے۔ دماغ سے کام نہ لے کر اسے کمزور بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ اسے جگائے رکھنا چاہئے اور کوئی نہ کوئی نئی چیز سیکھتے رہنا چاہئے۔ ماضی کے ماحول میں نہ رہ کر حال کے دور میں رہنا سیکھئے۔ بڑھاپے سے متعلق غلط تصورات میں نہ الجھئے اور نہ بڑھاپے کی خیالی تکلیفوں سے ہی ڈریئے۔ ان تصورات کو صحیح ماننا اور ان سے ڈرنا ہی آدمی کو فی الواقع بوڑھا بنا دیتا ہے۔

☐ بڑھاپا کیوں اور کیسے؟

کیا آپ اپنے آپ کو بوڑھا سمجھتے ہیں؟ کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی جوانی جاچکی ہے۔ اس لیے آپ اپنے لیے، اپنے کنبے کے لیے اور دنیا کے لیے کوئی خاص مفید نہیں رہ گئے۔ عمر کے سلسلے میں سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ہم لوگ بعض ایسی باتیں آنکھیں موند کر تسلیم کرلیتے ہیں جو بے بنیاد ہوتی ہیں۔ ہم جتنی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ اعتقاد ہمیں بڑھاپے پر ہے۔ ہم اس بات کو حقیقت کے طور پر مان لیتے ہیں کہ عمر زیادہ ہونے کا مطلب ہے طاقت، قابلیت، ہمت، سمجھ بوجھ اور قوت میں کمی ہونا۔

یہ کتنی الٹی بات ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہم جتنا زیادہ مطالعہ کرتے ہیں اتنی ہی ہماری واقفیت بڑھتی ہے۔ ہم کسی ساز وغیرہ کی جتنی زیادہ مشق کرتے ہیں، اتنی ہی ہماری مہارت بڑھتی ہے۔ ہم جتنی زیادہ ورزش کرتے ہیں، اتنے ہی ہمارے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں، پھر بھی ہم آنکھیں بند کرکے یہ مان لیتے ہیں کہ جوں جوں ہماری عمر بڑھتی جاتی ہے، توں توں ہمارے جینے کی اہلیت گھٹتی جاتی ہے لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اصل میں یہ ہمارا وہم ہے اور جیسا ہمارا وہم ہوتا ہے، ویسا ہی ہم تصور کر بیٹھتے ہیں۔ جوں جوں ہماری عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے، توں توں ہماری قابلیت گھٹتی جاتی ہے۔ بیماریاں ناکامیاں ہمیں گھیر لیتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم زندگی میں ایسا ہی یقین رکھتے ہیں، نسلوں اور صدیوں سے انسان زندگی سے متعلق اس بات کو تسلیم کرتا آیا ہے۔ اسی کے مطابق عمل کرتا رہا ہے۔ ایسے ہی نتائج کی امید کرتا رہا ہے اور پاتا بھی رہا ہے لیکن بعض لوگ اس کے الٹ بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایسے سیکڑوں لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری ضرورت کے دن چلے گئے ہیں لیکن قابلِ تحسین کارنامے کر دکھائے، ان میں نئی زندگی آ گئی' اصل سے کم عمر کے نظر آنے لگے اور کام بھی جوانوں کے سے کیے۔ ان میں نئی امید کی کرن پیدا ہوگئی اور یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ ان کے خیالات بدل گئے، وہ خود کو ناکارہ اور بوڑھا نہ سمجھ کر کارآمد اور تعمیری کام کرنے لگے۔

☐ تعمیری پروگرام بنائیے

قدرت کو آرام سے نفرت ہے۔ جو آدمی کسی تعمیری کام میں نہیں لگا رہتا، وہ اپنا دماغ جلن پیدا کرنے والی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھرتا جاتا ہے۔ وہ یہ محسوس کرنے لگتا ہے، آج کتنی ٹھنڈ ہے، اس کے پٹھے کس قدر ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔ پڑوسی کے بچے کتنا شور وغل مچاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ درد پیدا کرنے کا امکان بھی اس کے ذہن میں رہتا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں کی خواتین ایک عدد جھولانے پر پلنگ پر بیٹھ جاتی ہیں اور کام کاج

کرنا گناہ کبیرہ سمجھتی ہیں۔ درحقیقت ایسی خواتین اپنے ساتھ ظلم کررہی ہوتی ہیں۔ اس طرح ان میں خرابیاں آنے لگتی ہیں، اس لیے کسی تعمیری کام میں لگے رہنا بے حد ضروری ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بچھڑے کی طرح اچھلتا رہے اور بہت زیادہ محنت کرکے اپنے جسم کی طاقت کافی استعمال کرے۔ اگر ذہنی طور پر یہ قبول نہیں کرتے کہ بڑھاپا آ گیا ہے تو محنت اور آرام کے اصولوں پر مناسب توجہ دیتے ہوئے وہ کام کرتے رہنا چاہئے جو تندرستی اور زندگی کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ہمیں بچوں کی طرح پُرامید رہنا چاہئے جو تندرستی اور زندگی کو قائم رکھنے والے ہوتے ہیں اور آنے والے کل کو خوشگوار اور پُرلطف بنانے کے لیے پُرامید رہتے ہیں۔ بڑھاپا عمر سے نہیں ذہنی سوچ سے آتا ہے۔

☐ سبب تلاش کریں

اگر آپ اس حالت میں پہنچ گئے ہیں جب ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کمزوری، بیماری یا حالات کی لپیٹ میں آجائیں گے تو آپ اپنے اندر اس سبب کو تلاش کیجئے۔ زندگی سے متعلق آپ کے جو عقیدے رہے ہیں، ان کی جانچ پڑتال کیجئے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، اللہ ہر وقت آپ میں موجود رہتا ہے۔ آپ کو جسم کے ذریعے قوت عطا کرتا ہے۔ آپ کے دل و دماغ میں رہ کر آپ کو خیال اور عقل کی طاقت بخشتا ہے اور حالات کے ذریعے آپ کی رکاوٹیں دور کرکے نئے راستے اور نئے مواقع مہیا کرتا ہے۔ کام کرنے کے لیے مناسب گھڑیوں کی تلاش کیجئے۔ ایسی کوئی چیز ڈھونڈ نکالیے جس میں آپ کی گہری دلچسپی ہو اور جس پر اس قدر توجہ مرکوز کرسکیں کہ بوڑھا ہونے کا خیال آنے کا وقت ہی نہ ملے، آپ کو ضرور کوئی موقع مل جائے گا۔ اس کا تعلق بھلے ہی کنبے سے ہو، سماج سے ہو یا کسی معاملے سے۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو ہومیو پیتھک آپ کی مدد کو تیار ہے۔ ہومیو پیتھک میں ایسی ادویات موجود ہیں جو آپ کو کبھی بوڑھا نہیں ہونے دیں گی۔ عمر سے پہلے بڑھاپے کو طاری نہیں ہونے دیں گی اور آپ کی سوچوں کو ہمیشہ چاق چوبند، جواں اور پھرتیلا رکھیں گی۔ ہومیو پیتھک ادویات آپ کو زندگی کے تمام پہلوؤں سے لطف اندوز ہونے میں مدد دیں گی۔ اس کے لیے آپ کلینک اوقات میں کلینک تشریف لائیں یا پھر میرے موبائل نمبر 0300-8243069 پر معلومات کرسکتی ہیں۔

☐ مشترکہ جوابات

☼ عشرت نازملک، ٹاؤن شپ لاہور۔ ساجدہ مردان۔ مسز سجاد، مدینہ ٹاؤن۔ فوزیہ اشفاق، آزاد کشمیر۔ نرگس مسرور، اسماعیل خان۔ جویریہ چوہدری، لالہ موسیٰ۔ نسیم اختر شفیق، ریگل۔ کنول نعمان، مقام نامعلوم۔ صبیحہ الیاس، کوٹ ادو۔ سمعیہ، تلہ گنگ۔ فوزیہ، خوشاب، امینہ سہیل، اوکاڑہ۔ صائمہ، کراچی۔ ناہید، لاڑکانہ۔ صابرہ علیم، شاہ پور۔ رضیہ، رحیم یار خان۔

عزیز بہنو! آپ مایوس نہیں ہوں۔ آپ نے ماہنامہ پاکیزہ کے توسط سے خط میں اپنی تمام کیفیات لکھ کر بھیجی ہیں اور مجھ ناچیز پر اعتماد کیا، آپ کی شکر گزار ہوں۔ آپ بہنیں مجھے اپنی ڈاکٹر، سہیلی یا بہن سمجھ کر اپنا ہر مسئلہ ڈسکس کرسکتی ہیں۔ کیونکہ خط صرف میں ہی پڑھتی ہوں اور میرے پاس راز کے طور پر رہتا ہے۔ میرا پہلا اصول رازداری اور یہی میرا آپ سب بہنوں سے وعدہ بھی ہے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ اللہ بڑا کارساز ہے۔ اولاد جیسی نعمت کا حصول اللہ کی رضا سے ہے۔ انسان اپنے طور پر صرف کوشش کرسکتا ہے۔ آپ یوٹرس (بچہ دانی) ہرگز نہیں نکلوائیں۔ اگر آپ نے یوٹرس نکلوادی تو پھر ساری عمر آپ کو پچھتاوا رہے گا جبکہ تقریباً تمام ایلو پیتھک حضرات آپ کو یوٹرس نکلوا دینے کا ہی مشورہ دیں گے لیکن ہومیو پیتھک میں علامتوں کے مطابق رحم کے لیے بہترین ادویات موجود ہیں اور ان کے متواتر استعمال سے اللہ کے حکم سے افاقہ بھی ہوتا ہے۔ صرف مریض کا صابر اور ڈاکٹر کا قابل و سمجھدار ہونا بے حد ضروری ہے لہٰذا آپ Sepia-30 کے دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات

زبان پر ٹپکالیا کریں۔ ایک مہینہ تک دوا لیں بعد ازاں سپیا روک کر تفصیلاً آگاہ کریں۔ ہر قسم کی کھٹائی، انڈے اور بڑے گوشت سے پرہیز ہے۔

☼ ■ شازیہ نسیم، کمالیہ۔ نوشین، اٹک۔ ڈاکٹر ثروت سلطانہ، نواب شاہ۔ زبیدہ ارشد، پنوں عاقل کینٹ۔ ثوبیہ فلک، امامیہ گیٹ ملتان۔ فریحہ ماجد، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ سعدیہ جعفری، رائے ونڈ۔ شاہین جلال، مقام نامعلوم۔ چودھری عنبرین گل، سرگودھا۔ صدف آفرین، بورے والہ۔ روزینہ طارق، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ فضاء خان، لیہ۔ رابعہ صفدر، شاہدرہ۔ س، م، جامی روڈ کراچی۔

آپ کے مسئلے کے مطابق Magnesia Phos-12x کی چار چار گولیاں روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر رکھ کر چوس لیا کریں اور اوپر سے گرم پانی پی لیا کریں۔ افاقہ ہونے کی صورت میں دوا روک دیں۔ شاہین جلال صاحبہ، خط کے آخری صفحے پر جو نوٹ آپ نے لکھ بھیجا ہے، اس کے لیے ماہنامہ پاکیزہ کے مدیر اعلیٰ سے رابطہ کریں۔

☼ ■ شاہدہ ماجدہ انور، پرانی سبزی منڈی۔ فاطمہ، چمن۔ سکینہ انوار، لاہور۔ فرزانہ، طارق روڈ۔ آمنہ، بلیوایریا اسلام آباد۔

علامات کے مطابق Rhus tox-200 کے پانچ پانچ قطرے ہر تیسرے دن ایک چوتھائی کپ پانی میں ملا کر صبح نہار منہ پی لیا کریں۔ افاقہ ہونے کی صورت میں دوا روک دیں بعد ازاں آگاہ کریں۔ ہر قسم کی ٹھنڈک سے مکمل پرہیز بے حد ضروری ہے۔ چہرے کی جھریوں کے لیے دوا اپنے پاس سے ہی دوں گی۔ جو کہ چہرے پر لگانے کے لیے ہوگی۔ دوا سے چہرے پر قبل از وقت جھریاں اور داغ دھبے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ آپ کسی کو بھیج کر بھی منگوا سکتی ہیں۔ یہ دوا چالیس سال تک کی خواتین استعمال کر سکتی ہیں۔

☼ ■ رباب جعفری، گجرات۔ ایک بہن، خانیوال۔ مسز وقاص، عارف والا۔ شہلا، سرائے عالمگیر۔

ماہنامہ پاکیزہ کے توسط سے ہومیو کلینک پسند کرنے کے لیے بے حد ممنون ہوں، آپ کی علامات ایسی نہیں کہ جن کا کوئی علاج ہی نہ ہو۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ اس نے پہلے شفا پھر بیماری اتاری ہے کیونکہ وہ اپنے سر کوئی الزام نہیں لینا چاہتا۔ یہ انسانوں ہی کی کم عقلی ہے کہ تہ تک نہیں پہنچتے۔ آپ کی علامات کے مطابق Graphites-6 کے دو دو قطرے روزانہ دن میں چار مرتبہ صبح، دوپہر، شام اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ دوا کھانے سے آدھا گھنٹا پہلے لیں۔ ہر قسم کی بادی اغذیہ، بڑا گوشت، سفید چنے، ہر قسم کے اچار، خشک میوہ جات سے مکمل پرہیز کریں۔ صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں اور نماز پنجگانہ قائم کریں۔ اپنے فرائض میں کوتاہی نہیں کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ افاقہ ضرور ہوگا۔ بعد ازاں افاقہ دوا روک کر آگاہ کریں۔

☼ مریم، راولپنڈی۔ عائشہ، سیالکوٹ۔ حاجیانی بلقیس، کھارادر۔ راحیلہ، گوجر خان۔ راشدہ سہیل، ہری پور ہزارہ۔ فاطمہ، ساہیوال۔ رانی، سوہاوہ۔ شکیلہ صدیقی، بہاولپور۔ ماہم، اسلام آباد۔ فوزیہ، بھکر۔ نائلہ فضل، ٹنڈوالہ یار۔

آپ بہنوں کے خطوط موصول ہوئے جو کہ بگڑے ہوئے مزاج پر مبنی تھے۔ کوشش کروں گی کہ مسئلہ شائع کیے بغیر صرف جواب تفصیل سے دے سکوں۔ پیاری بہن، بے شک ہومیو پیتھک طریقہ علاج میں ذہنی امراض کا بہت اچھا علاج موجود ہے جو کہ ذہنی مریضوں کی ذہنی علامات میں حیرت انگیز تبدیلی پیدا کرتا ہے۔ ہومیو پیتھک ادویات مریض کو وقتی آرام اور مصنوعی نیند پیدا کیے بغیر اس کی سوچوں کا دھارا بدل دیتی ہیں۔ ایک نارمل سوچ اور صحت مند ذہن مہیا کرتی ہیں۔ اعصاب کو قدرتی سکون اور کھنچاؤ اور تناؤ کو دور کر کے لچک پیدا کرتی ہیں۔ عضلات کی سختی کو دور کرتی ہیں۔ ہومیو ادویات روح کا علاج کرتی ہیں۔ انسانی سوچ کے منفی انداز کو بدل کر مثبت بنا دیتی ہیں۔ جذبات کو نارمل کرتی ہیں لیکن بچے کی تربیت پر گھر کا ماحول بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ بچے کی وہ عمر جو نشو و نما پانے والی اور سیکھنے والی ہوتی ہے، اس وقت والدین کا ایک اہم رول ہوتا ہے۔ بچے

کی ذہنی تبدیلیوں میں بہت حد تک باپ کا ایک اہم کردار ہوتا ہے کیونکہ جب ایک ماں تخلیق کے عمل سے گزر رہی ہوتی ہے، اس وقت باپ کا فرض ہے کہ حاملہ کو تفکرات سے آزاد رکھے۔ خوش رکھنے کی کوشش کرے۔ والدین جو کچھ بچے کو دیں گے، جیسا ماحول بنائیں گے، بچے میں وہی منتقل ہوتا ہے۔ بچہ اس ماحول سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ بچے کی ابتدائی بڑھتی ہوئی عمر اس حد تک حساس ہوتی ہے کہ اس میں ذہنی طور پر ہر قسم کا ماحول قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ بچپن آنے والی آئندہ زندگی کی بنیاد ہوتا ہے۔ آپ کی بیٹی کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے جس کی وجہ سے بچی اکھڑ اور غصیلی ہوگئی ہے۔ اب ذرا سی پابندی سے بھڑک اٹھتی ہے۔ آپ نے بچی کے بارے میں جو علامات لکھ بھیجی ہیں، وہ تمام ذہنی علامات ہیں۔ ان کی روشنی میں دوا تجویز کر رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ دوا کے استعمال سے آپ کی بچی اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو جائے گی۔ Belladonna-1m کے پانچ قطرے ہفتہ وار رات سونے سے قبل ایک چوتھائی کپ پانی میں ملا کر پلا دیا کریں۔ چار خوراکیں لینے کے بعد دوا روک کر آگاہ کریں۔ باقی بہنیں جن کے نام و مقام لکھے ہیں، وہ بھی استعمال کر سکتی ہیں۔ دوا کے ساتھ ساتھ پرہیز و احتیاط ضروری ہے۔ تلی ہوئی مرغن اغذیہ، گرم مصالحہ جات کا بے جا استعمال، خشک میوہ جات اور اچار وغیرہ سے مکمل پرہیز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ روتے میں لچک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بچی کی ہر بات کو فوراً رد نہ کریں بلکہ اس کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے معاملے کے مثبت و منفی پہلوؤں سے آگاہ کریں۔ آپ کی بچی کی عمر 9 سال ہے اور اس عمر میں عموماً بچے اچھے برے کی تمیز رکھتے ہیں۔ اچھے اور برے کی تمیز سے آگاہ کر کے انتظار کریں کہ آپ کی بچی کیا فیصلہ کرتی ہے، اس کی رائے لینے کے بعد اس کے فیصلے کی اصلاح کریں۔ ایسا کرنے سے بچی کے دل و دماغ میں غور کرنے اور سوچنے کی عادت پیدا ہوگی۔ بچی سے غصے کی حالت میں زیادہ بات نہیں کریں۔ خاص طور پر ایسی گفتگو جس سے اس کے غصے میں اضافہ ہو۔ جس وقت اس کا موڈ خوشگوار ہو، اس وقت اس کو دھیمے لہجے میں سمجھائیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ضرور اچھی بات کو تسلیم کرے گی اور اپنے رویے پر شرمندہ ہوگی۔ اور بات بے بات پر آپے سے باہر ہونے کے بجائے غور و فکر پیدا ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ افاقہ ضرور ہوگا۔

☼ عذرا، لیاقت آباد۔ صابرہ خلیل، پنجاب کالونی۔ شہناز جمیل، سانگھڑ۔ صوفیہ، کوٹ مومن۔

آپ کی لکھ بھیجی گئی علامات کے مطابق Bryonia-30 تجویز کی گئی ہے۔ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات دوا کے دو دو قطرے زبان پر ٹپکالیا کریں۔ تین ہفتے دوا جاری رکھیں پھر روک کر آگاہ کریں۔ اپنی خوراک کی طرف خاص توجہ دیں۔ بہت زیادہ گرم اغذیہ (تاثیراً) سے مکمل پرہیز کریں۔ اور اپنے آپ کو ٹھنڈک سے بھی بچائیں۔ فکر و تردد سے دور رہیں۔ بے شک مسائل انسانوں کے لیے ہیں لیکن پریشان ہونے سے سلجھنے کے بجائے زیادہ الجھ جاتے ہیں۔ ہر وقت خوش رہنے کی کوشش کیا کریں۔

☼ نجم السحر، ملیر سٹی کراچی۔ روبینہ کوثر، جہلم۔ فارینہ جاوید۔ کھاریاں، تبسم ارشاد، کوٹری۔ افشاں طاہر خان، فیصل آباد۔ زاہدہ اکرام، ڈی جی خان۔ رخسانہ تحسین، شیخوپورہ۔ جویریہ قیوم، لاہور۔ شہلا رضوی، یو ایس اے۔ ارونہ عارف بٹ، سادات کالونی گجرات۔ رابعہ ملک، مانسہرہ۔

ماہنامہ پاکیزہ کے توسط سے ہومیو کلینک اور مجھے خصوصی دعاؤں سے نوازنے کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ نے صحیح کہا کہ ماہنامہ پاکیزہ ایک بہت اچھا دوست ہے۔ جو کہ آپ کو بور نہیں ہونے دیتا۔ عزیز بہن، مشترکہ جوابات دینے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ڈاک زیادہ ہوتی ہے اور صفحات کم۔ خط لکھنے کے بعد ہر بہن ایک امید باندھ لیتی ہے اور جواب کی جلدی ہر ایک کو ہوتی ہے۔ لہٰذا مشترکہ جوابات کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ بہنوں کا مقصد حل ہو جاتا ہے اور دوا خرید کر استعمال کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ بہر حال علامات کے مطابق

Chellidonium-30 کے دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح دوپہر رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ افاقہ ہونے کی صورت میں دوا روک دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ افاقہ ضرور ہوگا۔ تلی ہوئی اغذیہ، اچار، مچھلی، انڈے، بڑا گوشت اور مرغن اغذیہ سے مکمل پرہیز کریں۔ پانی زیادہ پیا کریں۔

☆ شمائلہ، آزاد کشمیر۔ عائشہ، فیصل آباد۔ حافظ نرگس نورین، حافظ آباد۔ روبی بابر، لاہور۔ مسز فرزانہ نصیر، گوجرانوالہ۔ سمیرا، ملتان۔ مسز زاہدہ عمر، گلبرگ لاہور۔ راشدہ رفیق، شیخوپورہ۔ شمع ناز، راولپنڈی۔ عدیلہ، کوئٹہ۔ عالیہ مظہر، گجرات۔

پیاری بہن، اللہ کے فضل وکرم سے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ عزیزم، میں بالکل مغرور نہیں ہوں۔ عاجزی وانکساری میری طبیعت میں اس طرح شامل ہے، جیسے سانس لینے کے لیے آکسیجن۔ اللہ تعالیٰ کو غرور پسند نہیں۔ آپ کی لکھ بھیجی گئی علامات کے مطابق آپ کے جسم میں بادی بہت زیادہ ہے اس لحاظ سے آپ کو خوراک پر خاص توجہ دینی چاہئے۔ بادی اشیاء سے مکمل پرہیز کرنا ہوگا۔ صرف گوشت کھانے سے یہ مطلب نہیں کہ آپ نے بہترین اور مکمل غذا لے لی بلکہ متوازن غذا لینا بے حد ضروری ہے۔ آپ کی علامات کے مطابق Lycopodium-30 کے دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ بعد ازاں افاقہ دوا روک کر آگاہ کریں۔ روٹی ایک وقت آدھی کھائیں۔ باقی سبزیاں وغیرہ زیادہ کھائیں۔ کھانے سے پہلے کم از کم دو گلاس پانی ضرور پی لیا کریں اور کھانے کے بعد چہل قدمی ضرور کریں۔ بعض بہنیں ایسا کرتی ہیں کہ کھانا کھایا اور وہیں لیٹ جاتی ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ شفا ضرور ہوگی۔

☆ فاطمہ نواز، دیپالپور۔ سمرین سحر شاہ، کوئٹہ۔ کوکب شفیق، سمندری۔ گلشن راوی، لاہور۔ آمنہ، نشتر پارک کراچی۔ نورین جگل، رحیم یار خان۔ صائمہ عثمان، فیصل آباد۔ عظمیٰ اسلم، اوکاڑہ۔ نورین جے ایم، گوہر پور سیالکوٹ۔ مریم بی بی، اسلام آباد۔

آپ نے خط نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ کو قلم کے استعمال کا سلیقہ آتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ بات بے شک چھوٹی سی ہو لیکن پُراثر ہو۔ بہن، ہو سکے تو میری تحریر پر بھی تنقید کیجئے۔ اس سے میری اصلاح ہوگی۔ آپ سمیت کئی بہنوں کا یہ مسئلہ ہے، مثلاً اس مرض میں عموماً نیچے کے ہونٹ پر چند چھوٹے چھوٹے دانے نکل آتے ہیں، ان کی سطح سرخ اور قدرے سوجے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان میں پہلے شفاف رطوبت ہوتی ہے پھر بعد میں یہ رطوبت پیپ بن جاتی ہے یا زرد مواد میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اکثر دانوں میں سے رطوبت نکل نکل کر جم جاتی ہے اور کھرنڈ بن جاتے ہیں۔ یہ دانے عموماً ہونٹوں پر اور کبھی کبھی چہرے پر بھی ہو جاتے ہیں۔ اندرونی اعضا کی خرابی یعنی نظام ہاضمہ کے بگاڑ، جگر یا دل کی بیماریاں اس قسم کے دانوں کا موجب ہوتی ہیں۔ اس قسم کی علامات کے مطابق Hepar Sulph-200 کے پانچ پانچ قطرے ایک دن کے وقفے سے ایک چوتھائی کپ پانی میں ملا کر پی لیا کریں اور افاقہ ہونے کی صورت میں دوا روک کر مکمل تفصیل سے آگاہ کریں۔ اس دوران میں نہایت سادہ اور زود ہضم خوراک لیں۔

☆ آصفہ کرن..... کھاریاں، گجرات۔

آپ کا خط بغور پڑھا، کمی جگہ کے باعث پورا شائع نہیں کر سکتی لیکن چیدہ چیدہ علامات ضرور تحریر کروں گی تاکہ قاری بہنوں کو یہ شعور پیدا ہو سکے کہ مزاج کی ابتری دراصل ان کے اندر کی ذہنی کشمکش کا نتیجہ ہو سکتی ہے اور بگڑے ہوئے مزاجوں کے لیے ہومیو پیتھک میں بہترین ادویات موجود ہیں۔ پہلی فرصت میں اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ کریں۔ بہن لکھتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحبہ، میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اندرونی طور پر بالکل مطمئن نہیں۔ اندر سے جلی بھنی رہتی ہوں۔ بات بات پر غصہ آتا ہے۔ کبھی ہنستی رہتی ہوں اور کبھی ذرا سی بات برداشت نہیں ہوتی اور بعد میں کئی کئی گھنٹے روتی رہتی

ہوں۔ گھر میں کوئی پیار سے بات کرے تو ٹھیک ہے اور ذرا سی بھی سختی کریں تو لگتا ہے کہ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ انہیں یا اپنے آپ کو ختم کر دوں۔ بات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ عمر میری 22 سال ہے۔ تعلیم بی اے ہے اور اس کے باوجود بالکل جاہل لوگوں کی طرح کبھی کبھی بی ہیو..... کرتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحبہ میں یہ سب جان بوجھ کر نہیں کرتی۔ کیونکہ بعد میں دو دو گھنٹے اکیلی بیٹھ کر روتی رہتی ہوں۔ اپنے بالوں کو نوچتی رہتی ہوں کہ اس طرح کیوں کیا؟ کیوں کیا؟ بس میری عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے۔ میرے اس چڑچڑے پن کی وجہ سے میں اپنی اصل عمر سے بھی بڑی نظر آنے لگی ہوں۔ بیزار سا چہرہ، آنکھوں کے گرد حلقے اور کبھی کبھی لیٹے ہوئے سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ دراصل میرے حالات ہی میری اس حالت کا باعث ہیں کیونکہ ہمارا متوسط طبقہ ہے، شروع ہی سے پڑھائی میں تیز تھی۔ اے ون گریڈ میں میٹرک کیا بعد میں ایف ایس سی ہائی فرسٹ ڈویژن میں کیا لیکن گھریلو حالات کی بنا پر صرف بی اے کر سکی۔ گھر میں ایک بے چاری بہن جو کہ معذور ہے اور ماں بھی ہر وقت بیمار رہتی ہیں۔ بھائی بالکل نافرمان اور نکما ہے۔ والد صاحب کی کمائی کا زیادہ حصہ ماں اور بہن کے علاج پر خرچ ہوتا ہے اور میں یہ سوچتی ہوں کہ اتنی محنت کے باوجود میں کچھ حاصل نہ کر سکی تو جلتی کڑھتی رہتی ہوں۔ میری تمام کلاس فیلوز کسی نہ کسی شعبے سے منسلک ہیں۔ جب اپنی کلاس فیلوز کے بارے میں سوچتی ہوں تو خود ہی اندر سے پریشان ہو جاتی ہوں۔ گھر میں کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہتا، غصہ بہت آتا ہے حتیٰ کہ اپنی بہن اور بیمار ماں کو کوسنا شروع کر دیتی ہوں..... جناب، آپ فکر نہیں کریں۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی کس قدر بے بس اور دوسروں کا محتاج ہے، آپ کے کیس میں آپ قصوروار ہیں بھی اور نہیں بھی کیونکہ آپ کا اعصابی نظام اتنا کمزور ہے کہ آپ حالات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ آپ سوچیں کہ اگر آپ اپنی ابنارمل بہن کی جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں۔ بس آپ کی طبیعت میں صبر وشکر اور ٹھہراؤ کا فقدان ہو گیا ہے۔ اس طرح آپ کے اعصاب اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ آپ کو ذرا سی بات برداشت نہیں ہو رہی۔ دوا لکھ رہی ہوں، اس سے آپ کی بے قرار روح اور بے چین طبیعت میں سکون، اطمینان اور صبر پیدا ہوگا اور غصے پر قابو رہے گا۔ Belladonna-1m کے پانچ پانچ قطرے ہر چار دن کے بعد ایک چوتھائی کپ پانی میں ملا کر پی لیا کریں۔ صرف چار خوراکیں لیں پھر دوا روک کر آگاہ کریں۔ پانی زیادہ پیا کریں۔ سبزیاں زیادہ کھائیں۔ تلی ہوئی مرغن اغذیہ سے مکمل پرہیز کریں اور نماز کی پابندی کریں۔ لاتعداد درود شریف کا وِرد کیا کریں۔ رضائے ربی افاقہ ضرور ہوگا۔

☆ نازیہ تبسم، گوجرانوالہ۔ ثوبیہ فاروق، اٹک۔ صائمہ بٹ، کیانی اسٹریٹ۔ مصباح احسان، جندیالہ۔ آمنہ قمر، فاروق آباد۔ درشہوار، اسلام آباد۔ ثمینہ بھٹی، سکھر۔ صاعقہ پروین، ایف سی ایریا کراچی۔ نازیہ زاہد، لاہور۔ شاہدہ پروین، مظفر گڑھ۔ مسز دولت آصف۔ ملتان۔ ناہید، لاہور۔ مصباح ارشد، وزیر پورہ سیالکوٹ۔ محمد عاشق، شیخوپورہ۔ نور انجم، بسم اللہ چوک۔ مسز فاطمہ مالک، کلفٹن۔

مشترکہ جواب حاضرِ خدمت ہے۔ بہن، یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ ہومیو پیتھک طریقۂ علاج سے بے حد لگاؤ رکھتی ہیں اور اسی وجہ سے آپ ہومیو کالم سے بھی لگاؤ رکھتی ہیں۔ آپ کا اپنا کوئی مسئلہ ہو یا نہ ہو، ہومیو کالم ضرور پڑھتی ہیں۔ ویسے بھی بہنوں کو اس سے لگاؤ ہونا بھی چاہئے کیونکہ یہ کالم ان کی صحت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے دکھ درد اور جانے انجانے مسائل کا مداوا کرتا ہے۔ بلکہ یہ کالم دکھی انسانیت کے لیے وقف ہے اور فی سبیل اللہ ہے۔ اس کالم کے ذریعے جو بہن و بھائی علاج کرواتے ہیں، ان سے کچھ نہیں لیا جاتا اور رازداری ہمارا وعدہ ہے۔ جناب من، آپ نے بہت اچھا کیا جو اپنا مسئلہ لکھ بھیجا، آپ کی علامات تمام تر نفسیاتی نوعیت کی ہیں لیکن آپ کے ساتھ ساتھ آپ کا دورانِ

خون بھی درست نہیں ہے۔ خون میں آکسیجن کی کمی ہے۔ آپ کے دماغ کے خلیوں میں آکسیجن کی کمی واقع ہوجاتی ہے، اس وجہ سے دماغ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھودیتا ہے اور سن ہونے لگتا ہے۔ پھر ایک ڈپریشن کی سی کیفیت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ میں خود اعتمادی کی بہت زیادہ کمی ہے۔ اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔ مثلاً بے جا پابندیاں، وقت بے وقت روک ٹوک، بے جا نظر رکھنا اور بے توجہی۔ اس سے آپ کا ماحول اثر انداز ہوسکتا ہے۔ لہٰذا آپ پریشان نہیں ہوں، ہمت و حوصلہ سے کام لیں۔ علامتوں کے مطابق آپ کے لیے دوا تجویز کی گئی ہے۔ اس دوا کو افاقہ ہونے تک جاری رکھیں۔ بعد ازاں مکمل کیفیت سے آگاہ کریں۔ Palladium-30 کے دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ پانی زیادہ پیا کریں۔ تازہ سبزیاں، ترکاریاں اور رس دار پھل زیادہ کھائیں۔ سالن بھی شوربے والا کھائیں۔ مرغن اغذیہ، گرم مصالحہ جات، بڑا گوشت اور خشک میوہ جات سے مکمل پرہیز کریں۔ دوسری تمام ادویات مع نیند کی گولیوں کے روک دیں۔ روزانہ تازے پانی سے غسل کریں اور صبح و شام کھلی ہوا میں گہرے و لمبے سانس لیا کریں۔ یاد رہے کہ آپ کا رخ صبح کے وقت مشرق کی طرف اور شام کے وقت مغرب کی طرف ہونا ضروری ہے۔ اس دوران میں آنکھیں بند اور ذہن و جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ پندرہ منٹ تک یہ عمل کریں پھر جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیں۔ اس کے علاوہ نماز پنجگانہ کی عادت ڈالیں۔ نماز کے دوران میں اپنے ذہن کو اِدھر اُدھر بھٹکانے کے بجائے پورا دھیان نماز میں رکھیں۔

☼ شازیہ عبدالحئی، حمید کالونی، ملتان۔ اسماء سرفراز، واہ کینٹ۔ فرزانہ تبسم، خانیوال۔ شفق ناہید، ملتان۔ نادیہ کنول، جڑانوالہ۔ شازیہ خالد، لاہور۔ عفت علیم، لاہور مزنگ۔ سفینہ، گوجرہ۔ خالدہ ضیا، نیویارک امریکا۔ نسرین مغل، ٹی پی ایس گدو۔ سومی خان، کراچی۔ آمنہ سعید، لاہور۔ محرم، دندی سرہالی۔ شمیم بھٹی، مقام نامعلوم۔ عظمیٰ کنول، لیہ۔ زاہدہ عارف، گجرات۔

اللہ پاک آپ کی دلی نیک دعائیں قبول فرمائے۔ آپ نے خط میں اپنی علامات کچھ اس طرح لکھی ہیں کہ درد کولھے سے لے کر ٹخنے تک ہوتا ہے۔ درد آہستہ آہستہ شروع ہوکر شدید ہوجاتا ہے اور اچانک شروع ہوجاتا ہے۔ درد وقفے وقفے سے ہوتا ہے اور پوری ٹانگ سن ہوجاتی ہے۔ درد والا حصہ ایک طرح سے بالکل مفلوج ہوجاتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لوہے کی تاروں سے جکڑا ہوا ہے یا کسی شکنجے میں کسا ہوا ہے۔ عضلات نہایت سخت تنے ہوئے اور اکڑے ہوئے ہیں۔ درد پوری دائیں ٹانگ میں زیادہ ہے۔ کولھے کے اردگرد کھنچاوٹ کا احساس ہوتا ہے اور جلن بھی محسوس ہوتی ہے۔ اٹھتے وقت خاص طور پر قدم بڑھاتے ہوئے پوری ٹانگ بھاری ہوجاتی ہے۔ آپ کی علامات کے مطابق Colocynthis-200 کے پانچ پانچ قطرے ہر دوسرے دن ایک چوتھائی کپ پانی میں ملا کر پی لیا کریں۔ متاثرہ حصے کو ہر قسم کی ٹھنڈک سے بچائیں اور زیتون کے تیل سے اچھی طرح مالش کرکے گرم کپڑا لپیٹ دیں اور ہوا سے بچائیں۔ ہر قسم کی کھٹائی، ٹھنڈی اغذیہ سے مکمل پرہیز کرنا لازمی ہے۔ سیڑھیاں اترنے چڑھنے میں نہایت احتیاط کریں۔ زیادہ مشقت طلب کاموں سے بھی بچیں۔ بعد ازاں آگاہ لازمی کریں۔

☼ مسز عثمان علی، لاہور۔ فرح ناز، خان گڑھ۔ نازیہ بیگ، فیصل آباد۔ غزالہ ملک، تلہ گنگ۔ افروزیہ وسیم، گوجرانوالہ کینٹ۔ رفعت زیب، لیہ۔ سمانہ جابر، منٹگمری روڈ لاہور۔ قمر خانم، چیچہ وطنی۔ ایمن خان، ڈی آئی خان۔ عنبرین اشرف، رحیم یار خان۔ عدیلہ مقبول، کراچی۔

آپ کا خط موصول ہوا، علامات کے مطابق Pulsatilla-30 کے چار چار قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں اور افاقہ ہونے کی صورت میں دوا روک دیں اور بعد ازاں آگاہ لازمی کریں۔ غذا، صحت بخش، متوازن اور وقت پر کھائیں۔ تازہ ہوا میں چہل قدمی کریں۔ روزانہ

نیم گرم پانی سے غسل کریں۔ جسمانی صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔ دوسرا آپ نے شاکر ہیئر آئل کے بارے میں پوچھا ہے تو جناب، شاکر ہیئر آئل میں بہت محدود مقدار میں تیار کرتی ہوں جو کہ صرف میرے کلینک سے ہی مل سکتا ہے۔ شاکر ہیئر آئل بالوں کو لمبا، گھنا اور لچک دار بناتا ہے۔ قدرتی چمک پیدا کرتا ہے اور ہومیوپیتھک ادویات کی بدولت بالوں کو بے مثال خوبصورتی بخشتا ہے۔ مزید معلومات کے لیے میرے موبائل نمبر (0300-8243069) پر رابطہ کرسکتی ہیں۔

☼ ثوبیہ بیگ..... مانچسٹر، انگلینڈ۔

آپ کی پُرخلوص دعائیں میرے لیے بہت اہم ہیں۔ آپ کی علامات کے مطابق Ferrum Phos-3x کی چار چار گولیاں روزانہ دن میں چار مرتبہ، صبح، دوپہر، شام اور رات بغیر پانی کے چوس لیا کریں۔ اور دوسرا مسئلہ آپ کی بہن صاحبہ کا ہے۔ ان کی علامات کے مطابق Natrum Sulph-30 کے دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ ٹھنڈی اشیا اور ٹھنڈے پانی کے غسل، حتی الامکان ٹھنڈک سے اور ہر قسم کی کھٹائی سے مکمل پرہیز کریں۔ بعد ازافاقہ دوا روک دیں۔

☼ محمودہ بیگم..... وکٹوریہ اسٹریٹ، انگلینڈ۔

آپ نے مجھے پہلے بھی خط لکھا تھا جس کا جواب میں دے چکی ہوں لیکن آپ کے اس خط سے اندازہ ہوا کہ آپ کو خط کا جواب نہیں ملا۔ اس وجہ سے ماہنامہ پاکیزہ میں جواب دے رہی ہوں تاکہ بحفاظت آپ کو جواب مل جائے۔ آپ نے اپنے شوہر صاحب اور اپنی علامات لکھ بھیجی ہیں۔ علامات کے مطابق آپ دونوں کو ایک ہی دوا کی ضرورت ہے۔ Iodium-30 دوا کے دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں اور افاقہ ہونے کی صورت میں دوا روک دیں۔ جس دوا کے بارے میں آپ نے لکھا ہے، اسے استعمال نہیں کریں۔ خوراک کے بارے میں آپ نے جو لکھا ہے وہ ٹھیک ہے۔ آیوڈین ملا نمک بند کردیں۔ پچھلی ہفتے میں ایک دو مرتبہ ضرور کھائیں۔ بعد ازاں مجھے لازمی آگاہ کریں۔

☼ صائمہ کنول، سرگودھا۔ ریحہ سعید، سیالکوٹ۔ فریحہ ناز، بہاولپور۔

آپ کا خط مع رپورٹس موصول ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو لیکوریا جیسے موذی مرض سے نجات ملی، آپ اب دوسرا مسئلہ لکھ رہی ہیں۔ مسئلے کے مطابق Natrum Mur-12x کی چار چار گولیاں روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر رکھ کر چوس لیا کریں۔

☼ شبانہ ضمیر، گوجر خان۔ سونیا عباس، کلب روڈ۔ فہمیدہ، علامہ اقبال ٹاؤن۔ شہباز، پسرور۔ مونا خلیق الزماں، اسلام آباد۔ شاہینہ جعفری، ڈیفنس کراچی۔ مسز امان اللہ، صدر۔ رضوانہ، بلوچستان۔ عائشہ، شکارپور۔ امارہ جنید، شاہ فیصل کالونی۔

آپ بہنیں علامات کی تفصیل لکھ بھیجیں۔ مونا صاحبہ،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آصفہ شاکر ہیئر کلینک

ڈاکٹر آصفہ شاکر

ڈاکٹر عباس علی اختر

اوقات کار

ہفتہ اتوار ——— صبح 10.00 تا 1.00 دوپہر

روزانہ ——— شام 6.00 تا 9.00

تعطیل بروز ——— جمعۃ المبارک

شاکر ہیئر آئل بھی دستیاب ہے

مزید معلومات کے لئے فون 0300-8243069

6/1 سفاری ویو بلاک 7 نزد مین گیٹ

سفاری پارک گلشن اقبال، کراچی

آپ کو اولاد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ دونوں میاں بیوی اپنا علاج کروائیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک کئی بے اولاد جوڑے ڈاکٹر صاحب کے علاج سے صاحبِ اولاد ہو چکے ہیں۔ اس کے لیے آپ ہفتہ واتوار شام 6 تا 9 کے اوقات میں ڈاکٹر صاحب کو دکھائیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں اللہ نے بڑی شفا دے رکھی ہے۔ آپ کی دیرینہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ شاکر ہیئر آئل صرف کلینک سے ملے گا۔ نصرت صاحبہ، آپ بلاوجہ دہاڑی میں تلاش کرتی رہیں، کسی عزیز کے ہاتھ شاکر ہیئر آئل منگوالیں۔

○ ریحانہ نصیر، بہاولپور۔ مسز خورشید بیگم، نسیم الیاس، سرگودھا۔

ہومیو کلینک کی پسندیدگی کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ آپ کے چہرے کی علامات کے مطابق دوا Carboveg-30 ہے۔ دو دو قطرے روزانہ دن میں تین مرتبہ صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ تلی ہوئی مصالحہ دار اغذیہ سے مکمل پرہیز کریں اور پانی زیادہ پیا کریں، افاقہ ہونے پر دوا روک دیں۔ اللہ نے چاہا تو افاقہ ہوگا۔ ہر ممکن خوش رہنے کی کوشش کیا کریں۔ باقی بہنیں بھی یہی دوا استعمال کریں۔

☆☆☆

نوٹ: ایشین ہومیوپیتھک میڈیکل لیگ انٹرنیشنل (AHML) کی 14 ویں کانفرنس

ایشین ہومیوپیتھک میڈیکل لیگ انٹرنیشنل (AHML) کے زیر اہتمام سہ روزہ 14 ویں سالانہ کانفرنس بھارت کے دارالخلافہ نئی دہلی میں 17 تا 19 اکتوبر 2003ء منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں میں نے صوبہ سندھ کی پروینشیل سیکریٹری اور ہومیوپیتھک فیکلٹی آف ملائشیا کی ممبر کی حیثیت سے خصوصی شرکت کی۔ پڑوسی ملک انڈیا میں ہمارا پھولوں سے نہایت والہانہ استقبال کیا گیا۔ جہاں بہت بڑی تعداد میں انڈین ہومیوپیتھک ڈاکٹرز موجود تھے۔ اکیس رکنی وفد میں واحد کالم نویس برائے ہومیوپیتھی کالم ماہنامہ پاکیزہ کراچی کی حیثیت سے میں واحد پاکستانی لیڈی ڈاکٹر تھی جس نے ہومیوپیتھک انٹرنیشنل کانفرنس میں پورے ملک کی لیڈی ہومیو ڈاکٹرز کی نمائندگی کی۔ کانفرنس نہایت کامیاب رہی۔ پاکستان کے علاوہ 16 ممالک نے شرکت کی، جس میں پاکستان کا نام نمایاں طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس کانفرنس کا مقصد ایشیا میں ہومیوپیتھک کی ترقی و ترویج کے لیے کام کرنا تھا۔ اس موقع پر ایک سوونیئر بھی جاری کیا گیا اور تمام وفود کو سرٹیفکیٹس بھی دیے گئے۔ کانفرنس میں ہومیوپیتھک کی کتابوں اور ادویات کے اسٹالز بھی لگائے گئے۔

❑ نزہت جاوید، لالہ رخ واہ کینٹ۔ شازیہ احمد، رحیم یار خان۔ ندا خان، پشاور۔ رمشا، لاہور۔ شکیلہ، وہاڑی۔ مسز صنوبر، سعودی عربیہ۔

⇦ آپ نے اپنی بہن کا مسئلہ لکھ بھیجا ہے۔ CALCIUM PHOS-200 کے چار چار قطرے دن میں ایک مرتبہ تین دن کے وقفے سے ایک چوتھائی کپ پانی میں ملا کر رات سونے سے قبل پلادیا کریں۔ انڈے، بڑا گوشت، سرکہ، کافی سے مکمل پرہیز کروائیں۔ بعد از افاقہ دوا روک کر آگاہ کریں۔

❑ صدف خان، ملتان۔ تسنیم ذوہیب علی، نارتھ ناظم آباد کراچی۔ آسیہ اشرف، رحیم یار خان۔ یاسمین اسلم، میرپور خاص۔ رقیہ، خانیوال۔ فریدہ، کوئٹہ۔

⇦ آپ کا مسئلہ سفید بالوں کا ہے۔ وہ بال جو سفید ہو چکے ہیں، وہ دوبارہ کالے نہیں ہوں گے لیکن دوا کے استعمال سے مزید بال سفید نہیں ہوں گے۔ ACIDUM-30 FLOURIC کے دو دو قطرے صبح، دوپہر اور رات زبان پر ٹپکالیا کریں۔ افاقہ ہونے تک جاری رکھیں۔ کافی لمبے عرصے تک دوا لینی ہوگی۔ ابھی آپ ایک مہینہ لینے کے بعد مکمل کیفیت سے آگاہ کریں۔ باقی بہنیں بغیر مشورہ کے ہرگز استعمال نہ کریں۔